ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalpk.com aanchalnovel.com

جولائی 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک
جنون سے عشق تک
سمیرا شریف طور کا مکمل ناول
چراغ خانہ
رفعت سراج کا سلسلے وار ناول
شب ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی کا سلسلے وار ناول
ذرا مسکرا میرے گمشدہ
فاخرہ کے قلم سے خوب صورت مکمل ناول
حریم عشق
سیدہ غزل زیدی کا خوب صورت ناولٹ
نظر کے سامنے
صدف آصف کا خوب صورت مکمل ناول
فرح طاہر، عمارہ خان، یاسمین نشاط
طلعت نظامی، زندگی تنویر خلیل، ام ایمن نعیم کی خوب صورت تحریریں
women.magazine
womenmagazine
aanchalpk.com
مستقل سلسلوں میں پڑھیے
آپ کی صحت، ڈش مقابلہ، بیوٹی گائیڈ، غزلیں
نظمیں، بیاض دل، دوست کے پیغام آئے ودیگر
آنچل
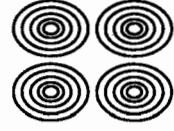
اس شمارے میں

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400

سرورق: نیناں بتول ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جولائی ۲۰۱۷ء کا حجاب بطور عید نمبر حاضر مطالعہ ہے۔

سب سے پہلے تمام بہنوں کو عید مبارک ہو، امید ہے کہ آپ نے عید خوب جوش وخروش سے منائی ہوگی اللہ سبحان وتعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور ڈھیر ساری خوشیوں سے نوازتا رہے اس بار عید پر بہت سی بہنوں نے اپنے اپنے انداز میں عید کی مبارک باد دی ہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے، بہت سی بہنوں کا شکوہ ہے کہ حجاب عید نمبر کیوں نہیں دیا دو چار دن اگر پہلے دے دیا جاتا تو کوئی حرج نہ ہوتا ہمیں عید کی چھٹیوں میں حجاب سے لطف اندوز ہونے کا بھرپور موقع مل جاتا حسب وعدہ جولائی کا شمارہ بطور عید نمبر حاضر ہے دیکھئے پرکھیے اوراپنی آرا سے نوازیے۔

آج کل وطن عزیز میں خوب بارشیں ہورہی ہیں موسم کی شدت وحدت کا زور ٹوٹ چکا ہے موسم خوشگوار ہے موج مستی کا موسم ہے موسم کی رنگینیوں سے بھرپور طور پر لطف اندوز ہوں مگر ہر قسم کی احتیاط کے ساتھ بچوں کا خاص خیال رکھیں ذرا سی بے احتیاطی کسی افسوس ناک واقعہ کو جنم دے سکتی ہے آگے موسم اور شدت اختیار کرنے والا ہے سیلابی ریلے سے ہونے والی تباہی سے قبل ہی اگر ہم اور ہماری انتظامیہ مناسب بندوبست کرلے تو سب کچھ محفوظ رکھا جاسکتا ہے لیکن ہماری انتظامیہ اور ہم کو بھی ہمیشہ مار پیچھے پکار کے عادی ہیں جب پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے تو ہی ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم خطرے میں گھر چکے ہیں اللہ ہماری ہمارے تمام اہل وطن کی حفاظت فرمائے، آمین۔

آیئے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

ماوراطلحہ، نزہت جبین ضیاء، فصیحہ آصف خان، سباس گل، عابدہ سبین، نداحسنین، قرۃ العین سکندر، شازیہ مصطفیٰ، افشاں شاہد، صائمہ قریشی، ریحانہ آفتاب، صباء عیشل، عائشہ پرویز، حنااشرف، ثمینہ فیاض۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو

قیصر آرا

اسی کا حکم جاری ہے زمینوں آسمانوں میں
اوران کے درمیاں جو ہیں مکینوں اور مکانوں میں
ہوا چلتی ہے باغوں میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے چاند سورج ہیں اس کے نشانوں میں
اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منزل خواب ہستی کی
وہ نام اک حرفِ نورانی ہے ظلمت کے جہانوں میں
اس کے پاس اسرارِ جہاں کا علم ہے سارا
وہی برپا کرے گا حشر آخر کے زمانوں میں
وہ کرسکتا ہے جو چاہے وہ ہر اک شے پہ قادر ہے
وہ سُن سکتا ہے رازوں کو جو ہیں دل کے خزانوں میں
بچالیتا ہے اپنے دوستوں کو خوفِ باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو مہکتے گلستانوں میں
منیر اس حمد سے رُتبہ عجب حاصل ہوا تجھ کو
نظیر اس کی ملے شاید پرانی داستانوں میں

جناب منیر احمد نیازی

میں تو خود ان کے در کا گدا ہوں اپنے آقا کو میں نذر کیا دوں
اب تو آنکھوں میں کچھ بھی نہیں ہے ورنہ قدموں میں آنکھیں بچھادوں
میرے آنسو بہت قیمتی ہیں ان سے وابستہ ہے یاد ان کی
ان کی منزل ہے خاکِ مدینہ یہ گہر یوں ہی کیسے لٹادوں
آنے والی ہے ان کی سواری پھول نعتوں کے گھر گھر سجادوں
میرے گھر میں اندھیرا بہت ہے اپنی پلکوں پر شمعیں میں جلادوں
روضۂ پاک پیشِ نظر ہے سامنے میرے آقا کا گھر ہے
مجھ کو کیا کیا نظر آرہا ہے تم کو لفظوں میں کیسے بتادوں
میں فقط آپ کو جانتا ہوں اور اس در کو پہچانتا ہوں
اس اندھیرے میں کس کو پکاروں آپ بتلائیں کس کو صدا دوں
قافلے جارہے ہیں مدینے اور حسرت سے میں تک رہا ہوں
یا لپٹ جاؤں قدموں سے ان کے یا قضا کو میں اپنی صدا دوں
میری بخشش کا ساماں یہی ہے اور دل کا بھی ارماں یہی ہے
ایک دن ان کی خدمت میں جاکر ان کی نعتیں انہیں کو سنادوں
مجھ کو اقبالؔ نسبت ہے ان سے جن کو ہر لفظ جانِ سخن ہے
میں جہاں نعت اپنی سنادوں ساری محفل کی محفل جگادوں

جناب پروفیسر اقبال عظیم

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

نائلہ خان

السلام علیکم! پیارے آنچل کی پیاری کلیوں اور دل کے قریب لوگوں کو محبت اور خلوص بھرا سلام۔ جی تو ہم ہیں نائلہ خان 1993ء جنوری کی خوب صورت صبح کو اس دنیا میں تشریف لائے۔ کراچی ہمارا شہر ہے جو آج کل برے حالات کا شکار ہے' (برے حالات سے مطلب سڑکیں بن رہی ہیں ناں اس لیے) ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میری پیاری سی امی جی ہے اور ابو جان ملک سے باہر ہوتے ہیں' ہر چھ ماہ بعد آتے ہیں ہماری ہر خواہش' ہر آرزو پوری کرتے ہیں۔ رانی باجی کی شادی ہو چکی ہے' سہیل جی جو بیسٹ ہیں اور میری پیاری بھانجی منیبہ (مون) جو ہے تو چھ ماہ کی مگر بہت شرارتی اور محبت والی ہے۔ آنچل سے میرا رشتہ 6 ماہ پہلے جڑا جو مجھے نادیہ نے بتایا کہ پڑھا کرو۔ بیسٹ ہے' تب سے ہماری فرینڈ شپ ہوئی اور وہ میری بیسٹ فرینڈ بن گئی۔ آنچل کی تو وہ اتنی دیوانی ہے' جب میرا اور اس کا لیٹر آیا بہت خوش تھی وہ' میں اسے ہارٹ بیٹ کہتی ہوں' ہمیشہ خوش رہنا جانم۔ مجھے بھولنا مت' تمہیں اتنی خوشیاں ملے کہ سمیٹ نہ سکو' آمین۔ میری ایک فرینڈ نیلم پری جس کی شادی اسلام آباد میں ہوئی وہ بھی سب سے الگ ہے۔ میری جانی سونیا خان ہم کے' جی سے ساتھ تھے' سب کے لیے دعائیں۔ مجھے نازی جی اور سمیرا آپی' اُم مریم' نادیہ احمد' نادیہ فاطمہ' اقرا صغیر' اقبال بانو بہت بہت پسند ہیں۔ آپ کے انٹرویو کا انتظار ہے' میرا تعارف ضرور لگانا پلیز اور بے وفا لوگ مجھے زہر لگتے ہیں۔ پاکستانی ڈرامے بہت پسند ہیں' نیٹ پر بھی آنچل پڑھتی ہوں' بہت بیسٹ ہے اس کا جواب نہیں۔ مجھے بلیک کلر بہت پسند ہے' پائل کی دیوانی ہوں۔ فضول خرچ ہوں' حساس بہت ہوں' جدائی برداشت نہیں کرسکتی' اپنوں اور دوستوں کے لیے بہت دل چاہتا ہے کہ ان کو ڈھیروں خوشیاں دوں' آنسو بہت جلد آجاتے ہیں۔ میری خامی یہ ہے کہ میں کبھی ناراض نہیں ہوئی' کبھی کسی کا دل مت توڑنا' پلیز یارو۔

ایک ایسا شخص ہے میری زیست میں
جو میری زندگی ہے اور میں اس کا لمحہ بھی نہیں

فی امان اللہ۔

میشاۃ الحیا

السلام علیکم! آج ہم ایک نہایت مشہور (گم نام) اور باصلاحیت (جو کہ صلاحیت نامی چیز سے ناآشنا ہیں) اور نہایت ہی بااخلاق (اتنی خوش اخلاق ہیں کہ زیادہ لوگ بات کرنے سے بھی ڈرتے ہیں) شخصیت کے تعارف کے ساتھ حاضر ہیں۔

1۔ پورا اصلی نام؟

☆ میشاۃ الحیا۔ جی اگر پورا اصلی نام بمع ذات پات بتادیا تو زمین ہل جائے گی۔ جی ہاں ہمارا اصلی نام نہایت ثقیل اردو میں رکھا گیا جو کئی من وزنی ہے۔

2۔ نک نیم۔

☆ جی میرے پیار سے بلائے جانے والے نک نیم یہی کوئی دس بیس ہوں گے لیکن اماں جب اپنے مشہور زمانہ غصہ میں ہوتی ہیں تو ان نک نیمز کی تعداد سو دوسو تک چلی جاتی ہے۔

3۔ جنم دن/شہر؟

☆ ہفتہ کا دن تھا جب ہم اس دنیا کی رونق بڑھانے کے لیے جلوہ افروز ہوئے تھے۔ شہر بھئی ہمارا کافی قدیم ہے' جی ہاں جس میں پاک گیٹ' لوہاری گیٹ' دولت گیٹ اور نجانے کون کون سے گیٹ پائے جاتے ہیں۔ کیا...... پہچان گئے' اوہ یہی تو اچھی بات ہے اپنے ہرجائی کی (یعنی شہر کی) کہ ہر کوئی فوراً پہچان جاتا ہے اپنے پیارے مدینۃ الاولیاء' دلوں کی ٹھنڈک اور میٹھے ملتان کو۔

4۔ ستارہ/قد؟

☆ جی ستارہ صرف اور صرف دُم دار ہی پسند ہے اور یہی میرا پیارا ستارہ ہے (کیا سادگی ہے؟) رہی بات قد کی

تو وہ میں کیوں بتاؤں جی؟ میں نے کون سا اونٹوں کی آنکھوں میں سرمہ ڈالنا ہے جو میں ناپ کر کے بتاتی پھروں۔

5۔ تعلیمی ڈگریاں؟

☆ میرے خیال میں تو ڈگریوں کی کوئی وقعت نہیں ہے جی' کیوں کہ یہ تو بندہ پیسے دے کر بھی حاصل کرسکتا ہے ناں۔

6۔ میری فیملی؟

☆ ٹھیک طریقے سے تو پتا نہیں کیوں کہ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو ابے نے نئی شادی خانہ بربادی کی ہے۔ ویسے ابھی تک ہم صرف چالیس بچونگڑے ہی ہیں' وہ بھی صرف ابے کی نو بیویوں سے جی۔

7۔ شادی؟

☆ جی جب ابے کو اپنی شادیوں سے فرصت مل جائے گی تو وہ ہمارے ارمانوں کے بارے میں بھی شاید سوچنا پسند فرمالیں۔

8۔ میرا پروفیشن؟

☆ گالیاں دینا...... او معاف کیجیے گا منہ سے پھسل پڑا ہے بس اور تو ایسی کوئی بات نہیں ہے جی۔ میرے تو کافی اونچے عزائم ہیں جو عنقریب ماؤنٹ ایوریسٹ سے بھی اونچے ہوجائیں گے جی۔

9۔ اگر میں پاور میں ہوتی تو؟

☆ تو یقیناً میں بھی وہی کچھ کروں گی جو مجھ سے پہلے والے لوگ کرتے ہیں جی' اب میں اپنی مرضی تو نہیں کرسکتی نا۔

10۔ میں سزا دینا چاہتی ہوں؟

☆ ان لوگوں کو جو اپنی بیٹیوں کو بیٹوں سے کمتر جانتے ہیں اور ان کو جو حد سے زیادہ آزادیاں دیتے ہیں۔

11۔ میرا پسندیدہ چینل؟

☆ ہر وہ چینل جس پر نئے نئے کپڑے اور میک اپ سے مزید چہروں والی حسینائیں ہوتی ہیں (اور ساتھ میں ہینڈسم سے کچھ بوائز بھی)۔

12۔ دنیا گھومنا چاہتی ہوں؟

☆ اپنی نوا ماؤں اور انتالیس بہن بھائیوں کے ساتھ۔

13۔ مجھے ہنسی آتی ہے؟

☆ جب کوئی مجھ پر چٹکتیں مار رہا ہو اور وہ ساری اس کو خود پر لگ رہی ہوں تو......

14۔ میری ایک اچھی عادت؟

☆ جو بات میرے دل میں ہوتی ہے وہ اٹھا کے نا اگلے کے منہ پر مارتی ہوں جی یعنی منافقت نہیں ہوتی مجھ سے۔

15۔ مجھے شکایت ہے؟

☆ ان لوگوں سے جو ہر وقت گٹ پٹ کر کے انگریزیاں مارتے ہیں' چاہے ان کے منہ کے زاویے شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً ہو رہے ہوتے ہیں جی' ہونہہ۔

16۔ میرا بے ساختہ لفظ جو منہ سے نکلتا ہے؟

☆ ہیں...... جی......

17۔ پسندیدہ خوشبو؟

☆ یہ بڑا مزے دار سوال پوچھا ہے آپ نے جی' ویسے تو کافی خوشبوئیں پسند ہیں مجھ کو لیکن میری پسندیدہ خوشبو تو سگریٹ کے دھوئیں کی ہے اور ساتھ میں یہی کوئی پٹاخوں کی خوشبو بھی شامل کرلیں جی۔

18۔ پسندیدہ کھانا؟

☆ آئے ہائے یہ کیا کہہ کردیا جی آپ نے' میرے تو سوچ کے ہی منہ میں پانی آرہا ہے جی۔ مجھے تو وہ سارے کھانے پسند ہیں جو پکے پکائے مل جائیں' بس محنت والے کام مجھے زیادہ چنگے لگتے ہی نہیں ہیں' ایویں ہی فضول میں صحت برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔

19۔ محبت کے بارے میں میری رائے؟

☆ محبت تو ایک عالمگیر جذبہ ہے جی' چاہے ایک سو ایک بار بھی کرو تو بھی کم ہے۔

20۔ لڑکیوں کو کوئی نصیحت؟

☆ لڑکیوں آپ ذرا فیشن وغیرہ کم ہی کیا کرو کیونکہ سسرالیوں کے دل تک رسائی تو معدے کے رستے سے

ہو کر ہوتی ہے اور مجھے بھی ہمیشہ لڑکی ہی سمجھنا کیونکہ میں تو ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی۔

اور اب آپ سے اجازت چاہیں گے' ہاں تو کب ساری زندگی یہاں چپکی رہوں گی جا رہی ہوں میں' اللہ حافظ۔

ام البنین بخاری

السلام علیکم آنچل کے تمام ریڈر اینڈ رائٹرز کو میرا اسلام ہو میرا نام ام البنین ہے اور میرا نام میرے والد سید منظور حسین شاہ نے رکھا۔ میں نے سندھ کے مشہور شہر ٹنڈو جام میں آنکھ کھولی' ابتدائی عرصہ وہاں گزرا میری تین بہنیں میرے علاوہ ہیں جن میں حسن آراء باجی ان کے بعد میں پھر سعیدہ پروین اور پھر میری ایک بہن زہرہ ہے۔ میرے چار بھائی ہیں جن میں سے دو ہم سب بہنوں سے بڑے جعفر بھائی اور ناصر بھائی ہیں جبکہ چھوٹے بھائی حیدر علی شاہ اور غضنفر حسین شاہ ہیں جس دن میری پیدائش ہوئی تھی میرے والد ساری رات دعائیں مانگتے رہے' اللہ مجھے بیٹی دے جو حسن آرا عرف کلثوم کا کھلونا ہوتا کہ اس کی اداسی دور ہو کیونکہ بڑے دو بھائی تھے' والد صاحب جب انہیں آپس میں کھیلتے دیکھتے تو حسن آرا باجی کا اکیلا ہونا بڑا محسوس کرتے اللہ نے ان کی دعا قبول کرلی۔ کچھ دیر سندھ رہنے کے بعد ہم سیالکوٹ کے ایک گاؤں حمزہ کھرولیاں میں رہائش پذیر ہوگئے۔ سب بہن بھائی شادی شدہ ہیں بلکہ کئی کئی بچے بھی ہیں' آپ کے ساتھ اپنے بچپن کا حسین ترین واقعہ شیئر کرتی ہوں' ہم سب چھٹیوں میں ایک بار ننھیال فیصل آباد گئے ہوئے تھے کہ باجی حسن آرا مجھے چھت پر لے گئیں اور کہا تم تو میرا کھلونا ہو میرے لیے ہی والد نے تمہیں لیا ہے' میرا دل کرتا ہے تمہیں ماروں تو میں نے بڑی معصومیت سے کہا ''آپ نے جتنا مجھ مارنا ہے مارلیں میں کسی کو بتاؤں گی بھی نہیں'' پھر باجی نے اتنا مارا کہ رخسار انار کی طرح دہکنے لگے میں رو پڑی نیچے جا کے جب نانی اور امی نے میرا متورم وسرخ چہرہ دیکھا تو پوچھنے لگیں ''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' میں نے پھر بھی کھلونا ہونے کا وعدہ نبھایا مگر باجی نے سب بتادیا اور کہا کہ سب ہی تو کہتے ہیں یہ حسن آرا کا کھلونا ہے تو پھر میں جو مرضی کروں اس سے' بعد میں دونوں کو ہی ڈانٹ پڑی ایک نے مارا کیوں اور ایک نے چپ کر کے کھائی کیوں۔ میں شادی سے پہلے بہت شرارتی تھی' بچپن میں ایک بار ٹانگ مار کر بھائی حیدر جو اب سعودیہ میں رہتا ہے اسے بے ہوش کردیا' بہن بھائیوں کو ایک بار بغیر بھونے کی سویوں کی لئی بنا کے کھلائی' بچپن میں والد کو جلی کچی روٹیاں کھلا دیتی تھی۔ وہ میرے بچپن کی روٹیاں سمجھ کر خاموشی سے کھا لیتے تھے' آئی لو یو فادر۔ اب آتی ہوں اصلی تعارف کی جانب تو جناب مجھے شلوار قمیص' لہنگا کرتی اور ساڑھی بہت پسند ہیں۔ ٹی وی بہت ہی کم دیکھتی ہوں' میرا موسٹ فیورٹ ڈرامہ تلافی ہے' زندگی ہاتھ بڑھا' تم میرے کیا ہو' بھی مجھے پسند ہیں۔ فیوٹ مصنفہ عمیرہ احمد ہیں۔ ''پیرکامل'' میرا پسندیدہ ناول ہے اس کے علاوہ اپنی سب سے بڑی بیٹی انیلا طالب کی ہر تحریر بڑی محبت اور شوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ تعارف بھی اس کے کہنے پر لکھ رہی ہوں تو جناب کھانے مجھے رشین سیلڈ بروسٹ چکن' پھلوں میں آم' آڑو' فالسہ' لوکاٹ۔ موسموں میں بہار کا موسم اور گرمیاں پسند ہیں' جیولری کا شوق نہیں' میک اپ نہیں کرتی۔ مجھے مدینہ شریف بہت پسند ہے' شکر خدا کا جس نے مجھے عمرہ کی توفیق دی' کانچ کی چوڑیاں فیورٹ جیولری پسندیدہ سواری بگھی ہے' ٹپ ٹپ کی آواز بڑی اچھی لگتی ہے' طوطا مور چڑیا اور ہرن بھی میرے پسندیدہ ہیں۔ اپنے بچوں میں انیلا طالب' علی رضا' زینب بخاری' عائشہ بخاری' محمد رضا اور علی احمد صابر سے بہت پیار کرتی ہوں' تھوڑی کم گو ہوں۔ تھوڑی سی جذباتی پر سخاوت کرنے میں کوئی ثانی نہیں بقول انیلا طالب کے امی آپ تو حاتم طائی کی اولاد لگتی ہیں۔ نرم دل ہوں' تعارف بہت لمبا ہوگیا اس بات پہ اختتام کرتی ہوں کہ ''زندگی کو بھرپور انداز واطوار سے جئیں یہ بار بار نہیں ملتی اس کی قدر کریں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ آپ زندگی کو گزاریں' زندگی آپ کو نہ گزارے' تعارف کیسا لگا ضرور آگاہ کیجیے گا' او کے جی اللہ

حافظ۔

حمنی اقبال

آنچل کی پوری ٹیم اور اس کے چاہنے والوں کو پیار بھرا سلام۔ میں ہوں حمنی اقبال! 1995ء کو اس دنیا میں آئی۔ ہم اپنے والدین کے ساتھ منڈی بہاؤ الدین میں رہتے ہیں' یہ ضلع ننکانہ صاحب کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن بہت ہی پیارا منڈی فیض آباد کے لوگ بہت پیار کرنے والے اور مخلص ہیں اس چھوٹے سے قصبے میں ہمارا بڑا سا اور پیارا سا گھر ہے' جس میں ہم بہت پیار سے رہتے ہیں' اس نسبت سے مجھے منڈی فیض آباد بہت پیارا لگتا ہے' اللہ کرے کہ میرا پیارا ملک اور منڈی فیض آباد ہمیشہ قائم رہے۔ میں ایک اسکول ٹیچر ہوں' اپنے گھر والوں سے بہت پیار کرتی ہوں ان کی کوئی بھی تکلیف نہیں دیکھ سکتی' ہم تین بہن بھائی ہیں' میرا نمبر تیسرا ہے۔ میں گھر میں چھوٹی ہوں اور بے حد لاڈلی۔ بڑی آپی انعم کی شادی ہوچکی ہے اور ماشاء اللہ دو پیارے پیارے بچے بھی ہیں ان کے' اللہ ان کو سلامتی والی زندگی دے۔ آپی لوگ بہت یاد آتے ہیں کیونکہ وہ بہت کم آتے ہیں' مس یو آپی۔ فیصل اور دعا سے بہت پیار کرتی ہوں' اللہ میری آپی کو اپنے گھر میں بہت سی خوشیاں عطا کرے اور اس کے بعد میرے بھائی ہیں حسنین ہماری آنکھوں کا تارا' ایک ہی تو بھائی ہے' ہم لوگ بہت پیار کرتے ہیں۔ اچھا میں کبھی کبھی یہ سوچتی ہوں کہ زیادہ بھائیوں والی بہنیں کتنی خوش قسمت ہوتی ہوں گی' میرا بھی دل کرتا ہے کہ میرے زیادہ بھائی ہوتے اور میں ان کی لاڈلی بہن ہوتی لیکن..... خیر کوئی بات نہیں کبھی کبھی سوچتی ہوں ایسی بات کیونکہ خیر...... سے ہم بھائی والی تو ہیں نا اتنا ہی بہت ہے۔ وہ لوگ بھی تو ہوتے ہیں جن کے پاس ایک بھی نہیں ہوتا' اللہ کرے کہ میرا بھائی اور سب کے بھائی ہمیشہ سلامت رہیں ان کو کبھی کچھ نہ ہو۔ مجھے دنیا کا سب سے خوب صورت لفظ پھوپو اور ماں کا لگتا ہے' میرا دل کرتا ہے کہ جلدی سے کوئی مجھے پھوپو کہنے والا آجائے' ہاہاہا۔ ابھی تو بھائی کی شادی بھی نہیں ہوئی' دعا کریں نا آپ کے میرے بھائی کی جلدی سے شادی ہوجائے اور مجھے اپنی امی سے بہت پیار ہے۔ اب میں آپ کو اپنی خوبیاں اور خامیاں بتاتی ہوں' خامیاں تو ہر کسی میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں مثلاً غصہ بہت آتا ہے اس کے علاوہ لوگ مجھ سے بہت ناراض ہوتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ہر بات فوراً بول دیتی ہوں جو نہیں بھی کہنے والی ہوتی لیکن آپ ہی مجھے بتائیں کہ میں کسی دل میں بات رکھ لوں کوئی غلط سہی' اسی لیے میں ہر بات کہہ دیتی ہوں' چاہے کوئی ناراض ہی ہوجائے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں اظہار کے معاملے میں بہت بُری ہوں جس سے بھی پیار کرتی ہوں اس کے سامنے کچھ بول ہی نہیں سکتی' قدرے کنفیوز ہوجاتی ہوں۔ خوبیاں تو کوئی اور ہی بتا سکتا ہے لیکن' ہم کب کسی سے کم ہیں' پوچھ پوچھ کر لکھ لیتی ہوں' آپی انعم کہتی ہیں کہ میری بہن جیسا کوئی اس دنیا میں نہیں' میں سچ بولتی ہوں' نماز ادا کرتی ہوں' رشتوں کے بارے میں بہت مخلص ہوں۔ اپنے سب رشتوں سے پیار کرتی ہوں' اپنے سے زیادہ دوسروں کی پروا کرتی ہوں' اپنے پاپا سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میری فرینڈز کہتی ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں حمنی جیسی دوست اللہ نے عطا کی' مجھے بھی اپنی فرینڈز سے بہت پیار ہے کیونکہ دوست ہے تو زندگی میں تو بہار ہے۔ دوستوں سے زندگی ہے' میرا فیورٹ کلر پنک ہے' ویل ڈریس ہوں۔ کھانے میں ہر چیز بہت پسند ہے' کسی چیز سے انکار نہیں کرتی سب کچھ کھالیتی ہوں۔ چٹخارے دار چنا چاٹ بہت مزے سے کھاتی ہوں' تنہائی کو پسند کرتی ہوں۔ رات کو سونے سے پہلے سوچنا اچھا لگتا ہے میں کسی کی کوئی بات برداشت نہیں کرسکتی' بہت لاڈلی ہوں۔ اب آپ بتائیں کہ میں کیسی لگی آپ کو' اچھا جی اب سب کو اللہ حافظ۔ اللہ آپ کو اور ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے' امین۔

تم ملے تو عید ہوئی

ماورا طلحہ

''ہائے ہائے جدوں ہولی جئی لینداں میرا ناں
میں تھاں مرجانی آں...... ہائے
میں تھاں مرجانی آں''

''اللہ کا نام لو اپنا راگ بند کرو سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' پریشے نے اس کی پھٹے ڈھول جیسی آواز سے اکتا کر کہا۔

''تمیز سے بات کیا کرو میں مستقبل کی سپر اسٹار ہوں۔ میرا ایک آٹوگراف لینے کو ترسنا ہے تم نے مستقبل قریب میں۔'' اس نے چہرے پر آئے بال ایک ادا سے پیچھے کرتے ہوئے ناک سکیڑی اور پریشے جب بھی غصے میں ہوتی اس کی یہ حرکت اسے ہنسنے پر مجبور کردیتی تھی۔

''اس میں مسکرانے والی کون سی بات ہے خیر تم دندیاں ہی نکالتی رہنا اور میں کامیابی کے زینے طے کرتی جاؤں گی۔'' پریشے کی ہنسی نے اسے تپا دیا تھا۔

''آئیں بڑی تم نور جہاں...... پرندے بھی تمہاری آواز سن کے گوشہ نشین ہوجاتے ہیں اور کوئل کو تو سراسر یہ اپنی توہین لگتی ہے۔'' ساتھ والے گھر کی دیوار سے صارم نے بھی سر باہر نکالا اور ساتھ ہی امینے پر بم باری بھی شروع کردی۔

''تم تو ہو ہی جل ککڑ' کام کا نہ کاج کا دشمن کھانے پینے کا۔'' وہ بھی امینے تھی اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

''ویسے میں تمہارے رزلٹ کا پہلے سے تمہیں بتا دیتا ہوں تم شاندار نمبروں سے فیل ہونے والی ہو جس لڑکی کو محاورے نہیں آتے اس نے خاک گریجویشن کرنا ہے۔'' صارم نے اسے تپانے کی کوشش کی۔

''تم میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہارے گھر آ کر تمہارے قدموں کے نیچے سے وہ ٹوٹا پھوٹا ٹیبل نکال لوں جس پر کھڑے ہو کر تم مجھے یہ سڑا ہوا منہ دکھاتے ہو۔'' امینے نے بھرپور جوابی کارروائی کی۔

''امینے تم سے بڑا ہے وہ ایسے بات کرتے ہیں' تم دن بہ دن بہت بدتمیز ہوتی جارہی ہو۔'' پریشے کے لیے اس کا ایسا رویہ ناقابل قبول تھا۔

''چھ ماہ کے بڑوں کو کوئی بڑا نہیں کہتا اور ویسے بھی میری زندگی کا اصول ہے عزت دو اور عزت لو۔ اس لنگور کو تو عزت کے ہجے بھی نہیں آتے۔''

''پریشے آپ کسے سمجھا رہی ہیں' یہ چکنا گھڑا ہے اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ آج تک محاورے سمجھ نہیں آئے آپ کی بات خاک سمجھ آئے گی۔'' اس کی برداشت کی حد یہیں تک تھی اس نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی بھاری چیز ملے اور وہ صارم کا سر پھاڑ دے' نظر کو کوئی چیز پسند نہ آئی تو اس نے ہاتھ میں پکڑا وائپر ہی مارنے کو اٹھایا اور دیوار کی جانب لپکی مگر وہ زبان دکھاتا ہوا سیکنڈوں میں پیچھے ہٹ گیا تھا کیونکہ امینے سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس کے سر پر ٹانکے لگوا کے چھوڑتی۔

''امینے تمہیں پتا ہے نا تائی امی کو ایسی حرکتیں بالکل پسند نہیں' ابھی انہیں پتا چل جاتا تو تمہیں اچھی خاصی ڈانٹ پڑ جانی تھی۔ پتا نہیں کس دن تمہیں عقل آئے گی۔'' پریشے اس کے لیے حد درجہ فکرمند رہتی تھی۔

''پریشے تم ہر وقت مجھے سمجھاتی رہتی ہو اس الو کو تو کچھ نہیں کہتی۔ حد ہے لوگوں کو اپنے بہن بھائی پیارے ہوتے ہیں ان محترمہ کو اپنا کزن پیارا ہے۔''

''تم سے بحث کرنا ہی فضول ہے' تم کرو جو کچھ کررہی ہو مگر اللہ کا نام لو پھر سے راگ ملہار شروع نہ کردینا سر کا حصہ درد سے خالی ہے وہاں بھی درد شروع ہوجائے گا۔'' پریشے نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''پہلے ہی دن اتنے برے گزر رہے ہیں اوپر سے یہ لنگور بھی تنگ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ جینا مشکل کردیا اس نے کوئی نہ کوئی تو علاج کرنا پڑے گا۔'' وائپر چلاتے ہوئے اس کی زبان بھی چل رہی تھی اور دماغ کے گھوڑے بھی فیل اسپیڈ سے دوڑ رہے تھے۔ آخرکار دماغ میں جنگ کے نئے طریقے کی آمد ہوئی اور امینے جلال کے بھینچے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی۔

❁.......❁.......❁

لبینے کو تپانے کے بعد وہ ٹیبل سے نیچے اترا اور اس کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔ نفیسہ بیگم خشمگیں نظروں سے اسے گھور رہی تھیں' لبینے کو سنانے کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا تھا اور اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟'' کڑک دار لہجے میں سوال پوچھا۔

''پریشے کا حال احوال پوچھ رہا تھا۔'' گھگھیائے لہجے میں جواب دیا۔

''میں زندہ ہوں ابھی حال پوچھنے کے لیے۔''

''تو آپ حال پوچھتی ہیں نا میں نے سوچا احوال کی کمی نہ رہ جائے وہ میں پوچھ لیتا ہوں۔''

''اندھی نہیں ہوں میں دو آنکھیں دی ہیں اللہ نے مجھے' تمہاری ساری حرکتیں نظر آتی ہیں مجھے باز آجاؤ ورنہ اس اسٹول کے ساتھ ساتھ تمہاری ٹانگیں بھی توڑ دوں گی۔'' نفیسہ بیگم نے وارننگ والا انداز اپنایا تھا۔

''امی آپ کی دو نہیں چار آنکھیں ہیں...... میرا مطلب ہے دو گلاسز والی آنکھیں۔'' اس کی زبان پر کھجلی ہوئی اور یہ کھجلی مہنگی بھی پڑ گئی اس کو۔

''زبان کے آگے جو خندق ہے نا اسے بھر لو بیٹا ورنہ زبان کھینچ کے ہاتھوں میں پکڑانی مجھے خوب آتی ہے۔'' نفیسہ بیگم نے اس کی فرفر چلتی زبان کو بریک لگائے' تو اس نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی مگر یہ بلائے ناگہانی سارا دن اس کے پیچھے رہی جیسے ہی اقبال صاحب نے بڑے بیٹے کے ہمراہ گھر میں قدم رکھا تو حالات کی سنگینی کو بھاپ گئے۔ کھانے کے فوراً بعد مقدمہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

''آپ اس لڑکے کو اس زبان میں سمجھالیں جو اسے سمجھ آتی ہے ورنہ میری زبان اسے بہت کڑوی لگے گی۔'' صارم سر جھکائے پیشی بھگت رہا تھا۔

''ایسا کیا کر دیا بچے نے استانی صاحبہ جو آپ آگ بگولہ ہو رہی ہیں۔'' اقبال صاحب نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

''توبہ' کبھی کبھی آپ کی عقل بھی گھاس چرنے چلی جاتی ہے یہ اتنا لمبا تاڑ جتنا لڑکا آپ کو بچہ لگ رہا ہے۔ اس کا ہر کام ہی ایسا ہے جو مجھے آگ بگولہ کر دے۔'' نفیسہ بیگم پورے جلال میں تھیں جب کہیں سے بچنے کی امید نہ ہوئی تو اس نے مدد طلب نظروں سے بڑے بھائی کو دیکھا۔

''امی' اتنا غصہ آپ کی صحت کے لیے اچھا ٹھیک نہیں' آپ مجھے بتائیں کیا مسئلہ ہے میں اس کے کان کھینچتا ہوں۔'' آدم نے سیز فائر کروانے کی کوشش کی۔

''ہاں تم ہی سمجھالو اس کو آئندہ اگر مجھے یہ دیواروں پر لٹکا نظر آیا تو اتنا ماروں گی کہ دیوار کی طرف دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔'' آخر کار بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی تھی۔ اقبال صاحب اور آدم کو اسی فیصد ایسی بات کی امید تھی' اقبال صاحب نے بنا کوئی ردعمل ظاہر کیے تسبیح ہاتھ میں پکڑلی تھی۔

''امی...... آپ فکر ہی نہ کریں میں اس کی خبر لیتا ہوں' چلو ذرا میرے کمرے میں۔'' آدم اسے ساتھ لیتا ہوا اٹھ گیا۔

''آپ منہ میں گھنگھنیاں ہی رکھا کریں' ذرا جو اس لڑکے کو ٹوک دیں۔'' نفیسہ بیگم کا غصہ ان پر نکلنے لگا۔

''بیگم...... والدین میں سے ایک سختی برتے تو دوسرے کو خاموش رہنا چاہیے اگر دونوں کا رویہ تلخ ہو جائے تو اولاد باغی ہو جاتی ہے۔ تختی یا غصہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا ویسے بھی اس کا جرم اتنا بڑا نہیں جتنی کلاس تم اس کی لگاتی ہو۔'' اقبال صاحب نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''بات کسی جرم کی نہیں بات اصول کی ہے' ہمارا مذہب اس بات سے منع کرتا ہے' جوان جہاں لڑکیاں گھر میں ہیں۔ ماں اللہ کو پیاری ہوگئی اور باپ شام کو گھر آتا ہے' اس کی ایسی حرکتیں کوئی نیا چاند چڑھائیں گی۔'' نفیسہ بیگم اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

''اس کے چچا کا گھر ہے کوئی غیر نہیں اور ابھی بچہ ہے ہو جائے گا ٹھیک۔''

''چاہے چچا کا گھر ہو یا خالہ کا' جو بات غلط ہے وہ غلط ہے اور آدم بھی تو اس عمر سے گزرا ہے' مجال ہے اس نے ایسی حرکتیں کی ہوں' یہ دنیا سے انوکھا بچہ پیدا ہو گیا ہے' لنگور نہ ہو تو۔'' اقبال صاحب نے خاموشی میں ہی عافیت جانی' وہ نفیسہ بیگم کی فطرت سے واقف تھے جب کسی بات پر اڑ جاتیں تو ایک انچ بھی ہلنے کو تیار نہ ہوتیں۔

گرمی کے باعث نفیسہ بیگم اور اقبال صاحب صحن میں بیٹھے تھے' یہ بھی نفیسہ بیگم کا اصول تھا صحن میں شام کا وقت اکٹھے مل بیٹھ کے گزارا جائے۔ آدم اور صارم کے اندر جانے پر صرف اس لیے چپ تھیں کہ صارم کو سمجھانا مقصود تھا' باہر بیٹھے ہوئے

بھی ان کے کان اندر لگے ہوئے تھے۔

اُدھر کمرے میں آدم صارم کے ساتھ مغز ماری کر رہا تھا مگر صارم صرف نفیسہ بیگم کے قابو میں آنے والا جن تھا۔ وہ ہی اس کو قابو کرنے کے منتر جانتی تھیں' آدم بول بول کر تھک گیا تھا مگر وہ مزے سے بیڈ پر لیٹ کر چیونگم چبانے میں مگن تھا۔

''تمہیں میری زبان سمجھ نہیں آ رہی لگتا ہے' مجھے امی کو بلانا پڑے گا۔'' آدم نے عاجز آتے ہوئے اسے امی کی دھمکی دی۔

''بھائی ادھر آ کر آرام سے بیٹھیں اور اپنی لمبی ٹانگوں کو زحمت سے بچائیں' آپ کی چک پھیریوں سے یہ ٹانگیں گھس جائیں گی۔'' اس نے مزے سے آدم کے لمبے قد کو نشانہ بنایا۔

''ٹھیک ہے اگر تمہارے یہی طور طریقے رہے تو آئندہ میں جنگ بندی نہیں کرواؤں گا' تڑواتے رہنا دانت اور منہ امی سے۔'' تھک کر وہ بھی بیٹھ گیا۔

''بھائی ایک بے مطلب بحث ہے' جس میں امی مصروف تھیں اور اب آپ بات کی ٹانگ کھینچ رہے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا اور آدم نے اسی کو غنیمت جانا۔

''صارم تم جانتے ہو امی نے بچپن سے ہی کچھ اصول بنائے ہیں اور ہر حال میں' ہمیں ان پر عمل پیرا ہونا ہے تو کیوں ایسی حرکتیں کرتے ہو۔'' آدم نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے سمجھانے ایک اور کوشش کی۔

''پتا ہے بھائی' میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میرے کانوں میں اس چڑیل کی خوف ناک آواز سنائی دی اور مجھ سے رہا نہیں گیا' میں بھی کیل کانٹوں سے لیس ہو کر میدان میں اترا اور اس کے ساتھ زبان زنی شروع کر دی۔''

''ایک منٹ' یہ زبان زنی کیا ہوتا ہے؟'' آدم نے حیرانی سے سوال پوچھا۔

''بھائی پہلے زمانے کی جنگوں میں تلوار اور نیزہ استعمال ہوتے تھے اور ہم دونوں کی جنگ میں زبان استعمال ہوتی ہے تو اس لیے یہ زبان زنی ہوئی۔'' اس کی وضاحت پر آدم کا دل چاہا کہ اٹھا کر اسے کمرے سے باہر پھینک دے مگر یہ اس کی نرم طبیعت کے منافی تھا۔

''میرے بھائی آپ عزت سے یہاں سے رخصت ہو جائیں ورنہ امی کی ''جوتا زنی'' حاضر ہو جائے گی۔'' آدم نے اسے باہر نکالنے میں ہی عافیت محسوس کی ورنہ یقیناً وہ اس کے سر میں درد کر دیتا۔

❀.....❀.....❀

رات کا ایک پہر گزر چکا تھا' ہر سو خاموشی کی راجدھانی تھی' آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ اور ستاروں کے درمیان راجہ اندر کی طرح براجمان چاند' رات کو پُرکشش بنائے ہوئے تھا۔ آسمان کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے بہت بڑی سیاہ رنگ کی چادر پر ہیرے جڑ دیئے ہوں۔ گرمیوں کے باعث لوگوں کی اکثریت صحن اور چھتوں پر سوتی تھی' ٹھنڈی رات گرمی کا زور توڑ دیتی تھی۔

امینے کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں مگر وہ زبردستی آنکھیں کھولے نیند سے لڑ رہی تھی' اپنے شرارتی دماغ میں آئے جنگی پلان کو پورا کرنے کے لیے رات کا یہ وقت ہی موزوں ترین تھا۔ ابا جان تو بستر پر لیٹتے ہی وادیٔ نیند کے راہی بن جاتے تھے مگر پریشے سونے میں کچھ وقت لیتی تھی۔ بستر پر لیٹ کر ایک دو گھنٹہ موبائل ٹارچ کی روشنی میں ڈائجسٹ پڑھا جاتا اور اس کی اس عادت سے امینے حد درجہ نالاں رہتی تھی۔ آج بھی یہ ہی صورت حال تھی' امینے کے بہت انتظار کے بعد پریشے کا ڈائجسٹ کورس پورا ہوا اور جیسے ہی پریشے کی نیند گہری ہوئی وہ اپنے مذموم عزائم پورے کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پہلے پہل امینے اپنے پلان میں پریشے کو شامل کر لیتی مگر اب وہ اپنے زورِ بازو پر یقین کرتی اور سارے کارنامے اکیلے ہی سر انجام دیتی۔ اس نے خاموشی سے بستر چھوڑا اور چاند کی روشنی میں سیڑھیوں کی جانب بڑھی' ہولے ہولے اور بنا آواز پیدا کیے وہ چھت پر آئی اور اسی محتاط انداز سے صارم کے گھر کا رخ کیا۔

دونوں گھر مشترکہ تھے سب بچے ایک ہی صحن میں کھیلے اور ایک ہی چھت پر مستیاں کرتے رہے۔ یہ علیحدہ بات ہے آدم اور پریشے کی مستیاں بھی شرارت کے زمرے میں نہیں آتی تھیں جب کہ پریشے اور آدم کے برعکس وہ دونوں آفت عظیم تھے' جب تک گھر مشترک رہا تب تک امینے اور صارم کا دنگل دن رات کی تمیز کے بغیر جاری رہتا تھا۔

جلال صاحب کی بیگم تو بچے سمجھ کے ہنس دیتی تھیں مگر نفیسہ بیگم کے غصے کو یہ کھلی دعوت ہوتی اور ان کا سارا نزلہ صارم اور امینے پر نازل ہوتا۔ چند گھڑیاں گھر میں امن وامان رہتا پھر دونوں طرف سے بم باری شروع ہو جاتی۔ پریشے لڑکپن میں ہی تھی کہ ماں چل بسی' سنجیدہ طبیعت اور سنجیدہ ہو گئی۔ نفیسہ بیگم گورنمنٹ اسکول میں ملازمت کرتی تھیں اور ان کی غیر موجوگی

میں دیورانی ساری ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کرتیں' انہیں کبھی شکایت کا موقع نہ ملا' اب وہ سہارا بھی ختم ہوا تو انہوں نے ملازمت کو خیر باد کہا اور اس کے ساتھ ساتھ گھر کے صحن میں چھوٹی سی دیوار کھڑی کردی اور وسیع وعریض چھت بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ یہ چھوٹی دیواریں بھی کن طریقوں سے کھڑی ہوئی تھیں یہ ایک الگ کہانی تھی مگر اس تقسیم کے بعد بھی انہوں نے اپنے فرائض سرانجام دیئے رکھے۔

سارا دن گھر کا چکر لگاتی رہتی اور کبھی دیوار پار سے پوچھ لیتی' پریشے کی پڑھائی مکمل ہونے تک کھانا بھی دونوں گھروں کا وہی پکاتی تاکہ وہ سکون سے پڑھائی مکمل کرے' جیسے ہی اس کی پڑھائی ختم ہوئی۔ اگلے دن ہی ایک موٹی سی کاپی کے ساتھ پریشے کے پاس آن پہنچی۔ ہر سبزی' دال' گوشت پکانے کا طریقہ کاپی میں تائی امی کی خوب صورت لکھائی میں درج تھا۔ کاپی پریشے کو ایسے تھمائی جیسے نسل در نسل ملنے والا خزانہ ہو'اسے گھر داری سکھانے میں صرف کچھ دن لگے اور پریشے مکمل گھریلو خاتون کا روپ دھار گئی تھی اور یہ ہی ان کی کامیابی تھی جس دن تائی امی کے منہ سے شاباش کا لفظ نکلا اسی دن امینے کو اپنے لیے خطرے کی گھنٹیاں محسوس ہونے لگی تھیں کیونکہ اسے اپنا مستقبل خاصا خوف ناک دکھ رہا تھا مگر ابھی تک راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا' پریشے کا سگھڑ پن بڑھتا جارہا تھا اور اسی حساب سے امینے کے کارنامے۔ اب بھی ایسا ہی ایک کارنامہ پورا کرنے وہ اقبال صاحب کی دیوار کے پاس کھڑی تھی۔

اس نے تھوڑا سا اچک کے دیکھا چھت پر صرف ایک چارپائی تھی اور ایک ہی بندہ چھت پر سوتا تھا' جس کی شامت اس وقت دیوار کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے آہستگی سے دیوار پھلانگی اور دبے قدموں سے چلتی ہوئی صحن والی دیوار کے پاس آئی اور صحن میں جھانکا' تین نفوس خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ وہ اسی خاموشی سے واپس چارپائی تک آئی اور چاند کی روشنی میں سوتے ہوئے وجود کا چہرہ دیکھا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا جار آہستگی سے چارپائی پھر الٹ دیا اور دبے قدموں واپسی کی طرف دوڑ لگادی۔

سیڑھیوں سے اتر کر اس نے سکون کا سانس لیا اور مزے سے پریشے کے ساتھ لیٹ گئی اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ لگ گئی ہو۔ چاند بھی مسکراتا ہوا لگ رہا تھا اور رات بھی دھیما سا مسکرا رہی تھی وہ ابھی اپنی جیت کا جشن منا ہی رہی تھی کہ اس کی چیخوں کی آواز آئی اور آواز اتنی تیز تھی کہ دونوں گھروں میں ہلچل مچ گئی تھی۔ ساتھ والے گھر سے سب چھت پر بھاگے اور ابو بھی چھت پر پہنچ گئے۔ پریشے بھی حیران سی بیٹھی تھی مگر زیادہ حیرانی اسے امینے کے نہ اٹھنے پر تھی' وہ جانتی تھی کہ امینے ہلکے سے کھٹکے سے بھی اٹھ جاتی تھی تو اب تو اچھا خاصا شور برپا تھا۔ پریشے اس کی اس عادت کے باعث بہت تنگ تھی کیونکہ نہ صرف وہ خود اٹھتی تھی بلکہ اسے بھی اٹھا دیتی تھی۔ کبھی بلی نے چھلانگ لگائی اور امینے اٹھ کے بیٹھ گئی کہ کوئی گھر میں گھس آیا اور ساری رات نہ خود سوتی نہ اسے سونے دیتی۔

چھت سے صارم کے شور وغل کی آوازیں آرہی تھیں جس کے باعث پریشے سارا معاملہ سمجھ گئی تھی۔ صارم چیخ رہا تھا اور سب اسے حوصلہ دے رہے تھے' کسی کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ صارم کے اوپر مینڈک گرانے والی کون ہوسکتی ہے مگر پریشے اپنے ساتھ لیٹی ہوئی لڑکی سے خوب واقف تھی' اس نے سر گھما کر امینے کو دیکھا یقیناً وہ جاگ رہی تھی۔

''ڈرامہ کرنا بند کرو' جب جاگ رہی ہو تو اٹھ کے بیٹھ جاؤ۔'' اس کے لہجے میں غصے کی واضح جھلک تھی اور امینے اسی پکار کے انتظار میں تھی۔

''اب ضروری تو نہیں جو اس کے ساتھ ہو وہ میں نے ہی کیا ہو'' اس نے جلدی سے زبان دانتوں تلے دبالی۔

''چور کی داڑھی میں تنکا...... میں نے کب تمہیں بتایا کہ کیا ہوا ہے اور تم تو سوئی ہوئی تھیں۔'' پریشے کا بس نہیں چل رہا تھا' امینے کا حشر کردے۔

''ہاں تو اس کا یہی علاج ہے نہ میرے ساتھ پنگے لیا کرے' ابھی تو معاف کردیا آئندہ سانپ رکھ کے آؤں گی۔'' امینے نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

''تمہاری ہر حرکت کا ذمہ دار میں خود کو سمجھتی ہوں لیکن میں تمہیں سمجھا کر تھک گئی...... جس دن ایک سوڈھیٹ مریں ہوں گے اس دن تم ڈھیٹوں کی سردارنی پیدا ہوئی ہوگی۔'' پریشے نے اس سے منہ موڑا اور دوبارہ لیٹ گئی' پریشے یقیناً ناراض ہوگئی تھی۔

''اچھا اب تم ناراض نہ ہو ایک تو تمہیں میں ہی قصوروار لگتی ہوں' پلیز ناراض نہ ہو میں آئندہ ذرا ہاتھ ہولا رکھوں گی' پلیز پریشے۔'' پریشے کی ناراضی نے اس کی بولتی بند کردی تھی سارا مزا

کرکرا ہوگیا تھا۔

❀.......❀.......❀

دروازہ پر کھٹکا ہوا تو اس نے اٹھ کے دروازہ کھولا سامنے اور امینے کو کھڑا پایا' ویسے تو اس وقت تک وہ جاب پر نکل جاتا تھا مگر آج طبیعت ناساز ہونے کے باعث وہ گھر میں ہی تھا۔ امینے بہت کم اس کے کمرے تک آتی تھی اس لیے اسے حیرت ہورہی تھی اور ساتھ امی کا ڈر بھی تھا پتا نہیں وہ کیا سمجھیں۔

''آدم بھائی میں کچھ چرانے نہیں آئی جو آپ کمرے کے دروازے پر تن کے کھڑے ہیں۔'' اس نے نروٹھے انداز میں کہا۔

''اوہ سوری..... دراصل تم بہت کم آتی ہو یہاں اس لیے ذرا حیران ہورہا تھا۔'' اس نے اندر آنے کا راستہ دیا اور دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا۔ امینے کمرے کے وسط میں کھڑی کمرے کا ناقدانہ نگاہوں سے جائزہ لینے لگی' آنکھوں میں ستائش کے رنگ ابھر آئے تھے۔

''آپ اور پریشے اتنے صفائی پسند کیسے ہیں' کہیں سے نہیں لگ رہا کہ آپ سو کر اٹھے ہیں' ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی ہوئی ہے' کچھ بکھرا ہوا ہی نہیں ہے۔'' اس نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

''کیوں کہ میں تم دونوں کی طرح بندروں والی حرکات نہیں کرتا' خیر یہ بتاؤ اتنی صبح صبح نازل کیسے ہوگئیں' سب ٹھیک تو ہے نا؟ اب تو پڑھائی سے بھی فری ہو پہلے تو تمہیں امی سے ہیلپ چاہیے ہوتی تھی۔'' آدم عجلت میں سارے سوال کررہا تھا۔

''مجھے آپ سے بہت ضروری کام ہے اور وہ آپ کے بنا نہیں ہوسکتا۔'' وہ ملتجی لہجے میں کہتی اس کے قریب ہوئی اور آہستہ آواز میں بولی' آدم کے کمرے کی طرف آتا صارم اس کے انداز دیکھ کر ٹھٹکا اور دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا۔

''ارے ایسا کون سا کام ہے اور تم پریشان کیوں ہو آرام سے بتاؤ۔'' امینے کے انداز اسے پریشان کررہے تھے۔

''پریشے مجھ سے بہت سخت ناراض ہوگئی ہے اور مان بھی نہیں رہی' اصل میں اس نے اکیلے ہی ناشتا کرلیا میرے لیے کچھ بھی نہیں رکھا۔'' امینے کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا اور آدم یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا' دونوں بہنوں کی آنکھیں ایک جیسی تھیں' پریشے کی آنکھوں میں بھی ذرا سی بات پر آنسو جھلملانے لگتے تھے۔

''تمہارے لیے زیادہ پریشانی والی بات کون سی ہے' پریشے کا ناراض ہونا یا ناشتے کا نہ ملنا۔'' آدم کو بھی اس کی باتوں میں مزا آرہا تھا اور طبیعت کا بوجھل پن کم ہوگیا تھا۔

''دونوں باتیں ہی بہت بڑا مسئلہ ہیں آدم بھائی' پریشے ناراض رہی تو مجھے ناشتا کیا کچھ بھی کھانے کو نہیں ملے گا اور نہ ہی وہ میرا کوئی اور کام کرے گی۔ مجھے خود تو کام کرتے ہوئے موت پڑتی ہے' بخار ہونے لگتا ہے کام کا سن کر..... پلیز آپ اسے منالیں نا اور خبردار انکار کیا تو کیونکہ صرف آپ ہی اسے منا سکتے ہیں۔'' امینے کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اسے کھینچتی ہوئی لے جائے۔

''اچھا میں بات کروں گا اس سے مگر وہ تم سے ناراض کس لیے ہے۔'' صارم جو گفتگو کو اپنی مطلب کا نہ سمجھتے ہوئے وہاں سے جارہا تھا اس سوال پر ایک دم رک گیا' وہ اتنا تو جانتا تھا کہ اس نے کوئی الٹا کام ہی کیا ہوگا اور اس کے سارے الٹے کاموں کا ریکارڈ اپنے پاس رکھنا صارم اپنا فرض سمجھتا تھا۔

''میں تو اسے کچھ نہیں بتاتی مگر نہ جانے کیسے وہ سب جان جاتی ہے اب آپ ہی دیکھیں رات میں وہ گہری نیند سوئی تھی' اپنے ڈائجسٹ کی خوراک لے کر اور میں بھی چوروں کی طرح چھت پر گئی دیواری پھلانگی' صارم پر مینڈک رکھا اور ویسے ہی خاموشی سے واپس آگئی مگر پھر بھی اسے پتا چل گیا کہ یہ معصومانہ حرکت میری ہے۔'' اس کی بات پر وہ اتنی زور سے ہنسا کہ باہر کھڑا صارم جل کر خاک ہوگیا۔

''تم نے مینڈک پکڑا کیسے؟'' اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کرکے' آپ بھی حد کرتے ہیں' ہاتھوں سے پکڑنا تھا اور کیسے پکڑا جاتا ہے۔'' اس نے زچ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں میرا مطلب ہے لڑکیاں تو بہت ڈرتی ہے' پریشے بھی ڈرتی ہے تو تم نے کیسے یہ کارنامہ سرانجام دے لیا۔'' اس کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی رات کا منظر بار بار سامنے آرہا تھا۔ صارم کا پاگلوں کی طرح چیخنا کودنا اور بعد میں ڈر کے نیچے بھاگ آنا۔

''میں پریشے کا پرتو نہیں ہوں اور نہ ہی آپ کے ڈرپوک بھائی جیسی ہوں میں تو امینے ہوں۔'' اس نے فخر سے فرضی کالر جھٹکا۔ ''تائی امی بھی صارم کی نالائقی سے تنگ آکر اس کا رخیر

کے لیے مجھے ہی دعوت دیتی ہیں۔'' وہ نان اسٹاپ بولتی رہی اور آدم ہنستے ہوئے سوچ رہا تھا اتنے عرصہ کتنے خوب صورت لمحوں سے محروم رہا تھا۔ صارم اور امینے کی لڑائیاں اسے زچ کرتی تھیں مگر آج اسے سب اچھا محسوس ہو رہا تھا' وہ ہنستے ہوئے سوال کرتا رہا اور امینے مزے سے بتاتی رہی۔

''یہ بھائی ہے یا دشمن' کیسے مزے سے میری نالائقی کی داستان سن رہا ہے اگر اتنے انہاک سے داستانِ امیر حمزہ سن لیتے تو امی کی نظر میں اور اچھے ہو جاتے۔'' صارم کا بس نہیں چل رہا تھا امینے کو کچا چبا جائے اب بدلہ تو واجب تھا۔

''ٹھیک ہے تم چلو میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔'' آدم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ امینے مسکراتے ہوئے باہر نکلی اور ابھی صحن تک آئی ہی تھی کہ سامنے سے تائی امی آتی نظر آئیں۔ اس نے اِدھر اُدھر چھپنے کی جگہ دیکھی مگر کوئی بھی جگہ مناسب نہیں تھی اور اگر پکڑی جاتی تو ڈانٹ تو پڑنی ہی تھی مگر پریشے نے اور ناراض ہو جانا تھا۔ اس نے جلدی سے سیڑھی چڑھی اور چھت پر پہنچ گئی جیسے ہی اوسان بحال ہوئے تو سامنے دیکھنے پر اسے احساس ہوا کہ آج کا دن امتحان کا دن ہے۔ صارم سامنے کھڑا اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا اس نے ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے پاس سے گزرنا چاہا مگر صارم نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔

''اب بتائیں محترمہ...... میں ڈرپوک' نالائق ہوں اور تم بڑی تیس مار خان ہو۔'' اس کے لہجے سے انگارے نکل رہے تھے اور امینے کو ہزار والٹ کا کرنٹ لگا۔

''جی میں نے سب ارشادات سن لیے ہیں تمہارے اب تمہیں بتاتا ہوں مجھ سے پنگا لینے کی سزا کیا ہوتی ہے۔'' صارم نے اس کی کلائی پکڑی اور زور سے مروڑ دی۔

''معافی مانگو مجھ سے ورنہ تمہارا ہاتھ توڑ دوں گا جس سے تم یہ شرارتی منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہو۔'' اس نے ایک اور جھٹکا دیا' امینے کے منہ سے سسکاری نکل گئی۔

''ہاتھ چھوڑو میرا بدتمیز انسان...... میں کبھی تم جیسے جاہل انسان سے معافی نہیں مانگوں گی۔'' درد کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''میں بھی دیکھتا ہوں تم کیسے معافی نہیں مانگو گی' معافی مانگو گی بھی اور آئندہ مجھے تنگ کرنے سے پہلے سو بار سوچو گی بھی۔'' صارم نے ہاتھ میں پکڑی پنسل اس کی دو انگلیوں کے درمیان پھنسائی اور دونوں انگلیاں زور سے دبا دیں' درد کی ایک لہر اس کے ہاتھ میں پھیل گئی اس نے زور سے ہاتھ چھڑوانے کی سعی کی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

''معافی مانگو مجھ سے ورنہ تو یہ ہاتھ چھوٹنے والا نہیں۔'' اس کی تکلیف اسے مزہ دے رہی تھی۔

اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش ترک کردی اور چہرہ اٹھاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھنا شروع کردیا۔ نفرت کی ایک داستان امینے کے چہرے سے پڑھی جاسکتی تھی' دانتوں تلے زبان دبا لینے سے سسکیاں تو ختم ہوگئی تھیں مگر آنکھوں کا بندھ ٹوٹ گیا تھا' اس نے دوسرے ہاتھ سے چہرہ رگڑا مگر آنسو بہے چلے جارہے تھے۔ صارم کے مسکراتے لب بند ہوگئے تھے وہ امینے کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا چاہتا تھا' ایسا بدلہ چاہتا تھا کہ وہ آئندہ بھی اسے تنگ کرنے کا سوچے بھی نہیں مگر اب اس کے آنسو اسے تکلیف میں مبتلا کررہے تھے۔ اس کے شفاف موتیوں جیسے آنسو اسے اپنے دل پہ گرتے محسوس ہو رہے تھے' اس نے بہت پہلے چچی کی یاد میں اسے روتا دیکھا تھا اور اس کے بعد اس کی حسرت ہی رہی' امینے کو رلانے کی اور آج جب حسرت پوری ہوئی تو دل پر نئے راز منکشف کرگئی۔

اس نے بہتے آنسوؤں کے پار دیکھنے کی کوشش کی تو وہاں اسے صرف نفرت نظر آرہی تھی' وہی نفرت جو بچپن سے آج تک تھی مگر اب اس نفرت کا ایک تیر بھی اس کے دل پر بھاری تھا' اس نے خاموشی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ کانچ سی معصوم آنکھوں میں حیرانی کا در وا ہوا تھا مگر یہ حیرانی چند پل کی تھی' اس کے بعد نفرت کے بھڑکتے شعلے تھے جن میں اس نے خود کو جلتا محسوس کیا تھا' اس نے بے دردی سے آنسو پونچھے اور بھاگتی ہوئی دیوار پار کرگئی تھی۔ وہ کتنے ہی پل حیرانی سے ان لمحات کی قید میں بے بس قیدی کی طرح کھڑا رہا اور پھر دھوپ کی تمازت سے بے نیاز وہیں بیٹھ گیا۔

❁......❁......❁

اس نے باہر کے گیٹ پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلا ہی ملا مگر احتیاطاً اس نے ہلکا سا کھٹکا کیا' آہستگی سے چلتے ہوئے وہ صحن کے درمیان آن کھڑا ہوا مگر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ بہت کم چچا کے گھر آتا تھا۔ آج بھی امینے کی خاطر اسے یہاں آنا پڑا تھا مگر جس سے بات کرنی تھی اس کا کوئی اتا پتا نہیں تھا' کچن سے برتنوں کی آوازیں آرہی تھیں' اسی باعث اس نے وہیں کا رخ

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا
ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ "ماہنامہ آنچل" کے معروف سلسلے "آپ کی صحت" کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔
قدرتی بال، سر کی رونق بحال
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 700/= روپے
Aphrodite
Hair Grower
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 900/= روپے
Hair Inhibitor
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 800/= روپے
ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 600/= روپے
Breast Beauty
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
ایفروڈائٹ پین کلر
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 700/= روپے
Pain Killer
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
زیر نگرانی:
محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا
ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیٹس فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی 75850
فون نمبر: 021-36997059 صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں
منی آرڈر بذریعہ
پاکستان پوسٹ بھیجنے کا پتا:
منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر، نام،
ایڈریس، مطلوبہ دوا، بھیجی گئی رقم،
0320-1299119 پر SMS کردیں
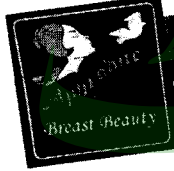
کیا، چند قدم کے فاصلے پر پریشے اپنے کام میں مگن تھی، لمبے کالے بال چوٹی کی صورت کمر پر لہرا رہے تھے۔ گلے میں دوپٹا لیے اردگرد سے بے نیاز ناشتا تیار کرنے میں مصروف تھی اس کی بے خبری پر اسے گلا کھنکار کر متوجہ کرنا پڑا تھا، پریشے ہڑبڑا کر مڑی اور جلدی سے سر پر دوپٹہ کا پلو جمایا۔

"آپ اتنی صبح یہاں، خیریت ہے نا؟" اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"خیریت ہی ہے، کیا میں ویسے یہاں نہیں آسکتا؟" اسے پریشے کی حیرانی سے اچنبھا ہوا یا اسے ایسے رویے کی امید نہیں تھی۔

"آپ کا اپنا گھر ہے سو بار آئیں۔" پریشے کا جواب بھی اس کی حیرانی کم نہیں کرسکا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟ خوشبو تو بہت مزے کی آرہی ہے۔" اسے نارمل کرنے کے لیے اس نے سرسری سا سوال کیا۔

"آپ ناشتا کریں گے؟" اچانک اسے میزبانی کا خیال آیا۔

"نہیں ناشتا تو نہیں البتہ چائے مل جائے تو کیا ہی بات ہو۔" اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور چائے کا پانی چولہے پر رکھا، اپنی پشت پر آدم کی موجودگی اسے حواس باختہ کیے جارہی تھی اور امینے کا بھی دور دور تک نام ونشان نہیں تھا کہ وہی آدم کا دھیان بٹا دیتی۔

"تم نے آگے پڑھائی کے بارے میں کیا سوچا؟" آدم نے ایک اور سوال کیا۔

"کچھ نہیں، گھر کی اتنی ذمہ داریاں ہیں اور امینے بھی رزلٹ کے بعد یونیورسٹی جوائن کرے گی تو ان حالات میں آگے پڑھنا بہت مشکل ہے۔" اس نے آدم کی تشفی کے لیے تفصیلی جواب دیا، اسے پڑھائی کا بہت شوق تھا، پریشے کی بھی ہر ممکن مدد کی اور امینے کو بھی سپورٹ کیا مگر اب پریشے کے جواب نے اسے مایوس کردیا تھا۔

"یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں، میرے ساتھ آفس میں ایسی لڑکیاں ہیں جو شادی شدہ ہیں، جاب کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ پڑھائی بھی جاری رکھی ہوئی ہیں۔ تمہارے مسائل تو ان سب کے سامنے بہت چھوٹے ہیں۔" اس موضوع پر وہ بلاتکان بول سکتا تھا اور وہ سر جھکائے اس کی تقریر سن رہی تھی۔

"عورت ہمارے معاشرے کا بہت اہم جزو ہے، آج کے دور میں عورت کی تعلیم بہت ضروری ہے، قدم قدم پر تعلیم کام آتی ہے اگر کوئی پرپوزل آتا ہے تو سب سے پہلے تعلیم کے بارے میں پوچھا جاتا ہے، آج کل کے لڑکے پڑھی لکھی لڑکیاں پسند کرتے ہیں جو قدم سے قدم ملا کر چلیں اور تم پتا نہیں کس دنیا میں مگن رہتی ہو۔" وہ اس کی پشت پر نظریں جمائے بولتا رہا تھا، اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کی باتیں کسی کے دل کو کتنا درد دے رہی تھیں۔

"آپ کی باتیں بالکل درست ہیں مگر میں اپنی سوچ پر مطمئن ہوں، ابو کی صحت خراب رہتی ہے اور باہر کا کھانا مضر صحت ہے، میری ذرا سی بے پروائی ان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ بہت پڑھنا میرا اولین خواب ہے، میں اپنے خواب امینے کے ذریعے پورے کرنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے اس پر کاموں کا بوجھ آئے اور وہ ٹھیک طرح سے پڑھ نہ پائے اور اگر میری یہ سوچ آپ کی نظر میں بے وقوفی یا دقیانوسی ہے تو مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں، میں اپنے فیصلے پر مطمئن ہوں۔" پریشے نے نم لہجے میں سارے سوالوں کے جواب دیئے اور اس کے خدشات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ آدم نے حیرانی سے اس کا مطمئن انداز دیکھا، اپنی خوشیاں، خواہش اور خواب کس اطمینان سے وہ نظر انداز کررہی تھی۔ آج کے دور میں جب ہر کوئی ذاتی خواہشات کو اولیت دیتا ہے، ایسے میں وہ رشتوں کو اہمیت دے رہی تھی، رشتوں کے لیے خود کو پس پشت ڈال رہی تھی۔

"چائے۔" وہ اپنے خیالوں میں مگن تھا جب پریشے نے کپ اس کے آگے رکھا، کپ تھامتے ہوئے اس کی نگاہ پریشے کے چہرے پر پڑی تو اسے اپنی تلخ باتوں کا احساس ہوا، سفید موتی آنکھوں کی چلمن پر اٹکے ہوئے تھے۔ بہت تلخ احساس ہوتا ہے جب کسی عزیز کی آنکھوں میں آنسو آئیں اور ان کا سبب بھی آپ خود ہوں۔

"کیا مجھے کھڑے رہنے کی سزا ہے؟" ماحول کا بوجھل پن کم کرنے کے لیے اس نے بات کا رخ بدلا۔

"اوہ...... مجھے خیال نہیں رہا، آیئے برآمدے میں بیٹھ جائیں۔" آنکھوں میں حیرانی کی جگہ شرمندگی کے رنگ در آئے تھے اور وہ یہ ہی سوچتا رہ گیا کہ سامنے کھڑی لڑکی چاہتے ہوئے اپنے تاثرات چھپا نہیں سکتی تھی، کئی پل خاموشی کی نذر ہوگئے۔

''امینے نظر نہیں آ رہی۔'' اس نے متلاشی نگاہوں سے اردگرد دیکھا۔

''میں اس سے ناراض ہوں' اس لیے سامنے نہیں آ رہی احتجاج ریکارڈ کروا رہی ہے۔'' پریشے نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''یہ فوجیں بارڈر پر کیوں جمع ہیں' صبح سویرے ایسا کیا معاملہ ہوگیا۔'' آدم نے لاعلمی کا مظاہرہ کیا' پریشے شش وپنج میں مبتلا تھی بتائے کہ رہنے دے مگر آدم کی پُرامید نظروں کے سامنے بے بس ہوگئی۔

''رات میں صارم کے ساتھ جو ہوا وہ امینے نے کیا تھا۔'' اس نے شرمندگی سے بتایا اور اس کا خیال تھا کہ آدم بھی اس بات پر غصہ ہوگا مگر اس کے خیالوں کے برعکس آدم ہنس رہا تھا وہ ناسمجھی سے اس کی شفاف ہنسی دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو غصہ نہیں آیا؟'' اس نے ہنسی پر قابو پایا اور پریشے کا پریشان چہرہ دیکھا۔

''اس میں غصے والی کون سی بات ہے' مجھے تو خوشی ہوتی ہے کوئی تو ہے اس لنگور سپورا آنے والا ورنہ وہ میرا بھی سر کھا جائے۔'' آدم نے بے بسی سے اپنا سر پکڑا اور وہ بھی فکر و پریشانی بھول کر مسکرا دی۔

''ہر چیز وقت کے لحاظ سے اچھی لگتی ہے' ابھی اسے موج مستی کرنے دو ان زنجیروں میں قید نہ کرو جن میں خود مقید ہو چکی ہو اسی کے دم سے زندگی کی رمق ہے وگرنہ تم تو سانس لینا بھی بھول جاؤ۔'' بات کا آغاز مسکراتے ہوئے کیا تھا اور اختتام تک دونوں ہی رنجیدہ ہو چکے تھے۔

پریشے نے جلدی سے نگاہیں جھکالی تھیں شاید وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کی نگاہیں راز اگل رہی ہیں مگر وہ اس بات سے انجان تھی کہ جھکی نگاہیں بھی دل کا حال بیان کر دیتی ہیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تو اسے وہ سب سکھانے کی کوشش کرتی ہوں جو تائی امی نے مجھے سکھایا۔ ہماری ماں تو ہے نہیں جو تربیت کرتی' سب کچھ تائی امی نے سمجھایا اس لیے میں نہیں چاہتی انہیں ہماری وجہ سے کوئی مسئلہ ہو یا ان کی تربیت پر کوئی حرف آئے۔'' وہ سر جھکائے بولی اور وہ اس کی حساسیت کی انتہا محسوس کر رہا تھا۔

''امی تھوڑی سخت مزاج ہیں اور اپنے اصولوں کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتیں مگر دل کی بہت اچھی ہیں اور پلیز تم ان کی وجہ سے امینے پر سختی نہ کرو' امینے مجھے بہت عزیز ہے بلکہ میری ہی نہیں ہم سب کی لاڈلی ہے اور ماشاء اللہ بہت عقل مند بھی ہے تم اس کے لیے پریشان نہیں ہوا کرو۔'' پریشے نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ جانے کے لیے کھڑا ہوا۔

''آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''تو کیا نہ جاؤں؟'' آدم کی آنکھوں میں عجب سی چمک در آئی' دل چپکے سے بولا' شاید یہی لمحہ ہو۔

''نہیں...... میرا مطلب تھا کہ کافی عرصے بعد آئے ہیں اور چائے کے علاوہ کچھ اور لیا بھی نہیں۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی تو آدم کی آنکھوں میں مایوسی کے رنگ اتر آئے۔ اس نے ایک جلتی ہوئی نگاہ سے پریشے کو دیکھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

کتنے ہی لمحے وہ اس سمت دیکھتی رہی جہاں سے وہ آندھی طوفان کی طرح گزرا تھا اور پھر ہارے ہوئے جواری کی طرح کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہر بار محبت کے چراغ بجھاتے ہوئے وہ سرتا پیر جل جاتی اور ہر دفعہ دل پر جبر کرتے ہوئے محبت کے نخلستانوں سے منہ موڑ لیتی تھی' آنکھوں میں آئے آنسو بے دردی سے پیچھے دھکیلتے کچن کی طرف بڑھی کیونکہ وہ جانتی تھی امینے بھوکی ہوگی اور آدم کے یہاں آنے کا سبب بھی یہ ہی تھا' اسے کبھی کبھی امینے پر بہت پیار آتا تھا جس کی شکایتیں روٹھے چاند کو اس کے آنگن میں لے آتی تھیں۔ جس جگہ وہ بیٹھی تھی وہ دو کمروں کے سامنے کی راہداری تھی اور اس کے بالکل پیچھے کمرے کی کھڑکی تھی اور اسی کھڑکی میں سے امینہ باہر کا منظر دیکھ رہی تھی جو کچھ اس نے دیکھا وہ اس کا دماغ تسلیم نہیں کر رہا تھا مگر آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ کوئی درد تھا جو دل میں انگڑائی لے کر بیدار ہوا تھا اس نے نم آنکھوں سے کچن کی سمت جاتی بڑی بہن کو دیکھا اور وہ کھڑکی بند کر دی۔

❁......❁......❁

کبھی سالوں کی بارش بھی صحرا میں پھول نہیں کھلا سکتی اور کبھی ایک قطرہ بھی دشت کو نخلستان میں بدل دیتا ہے' کبھی تاعمر ساتھ رہنے سے دو دل ایک ساتھ نہیں دھڑکتے اور کبھی ایک لمحہ بنجر دلوں میں محبت کے پھول کھلا دیتا ہے' کچھ ایسا ہی معاملہ اس کے ساتھ ہوا تھا۔ بچپن سے ساتھ تھا مگر دوستی ندارد تھی' لڑنا' جھگڑنا اور ایک دوسرے سے چڑنا صرف بچپن تک محدود نہیں رہا

تھا' ان کی عمر کے ساتھ بڑھتا گیا تھا' نفیسہ بیگم کے باعث دونوں فاصلے پر رہتے تھے مگر آنکھوں سے دل جلانے والے اشارے روز دیئے جاتے تھے اور اگر کہیں ٹکراؤ ہوجاتا تو جنگ کا میدان سج جاتا۔ آج بھی سب کچھ ویسا ہی ہوا تھا جیسا اتنے سال سے ہوتا آرہا تھا مگر اس بار جو ہوا وہ اس کے خواب وخیال میں نہیں تھا۔ وہ امینے کو رلانا چاہتا تھا' اتنا ہی ستانا چاہتا تھا جتنا اس نے ستایا تھا اور حساب برابر بھی ہوگیا تھا مگر امینے کی آنکھوں میں آنے والے آنسو اس کو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے تھے' اس کی شکوہ کرتی آنکھیں تیز دھار کی طرح دل پر لگی تھیں' اس کی نفرت کا سوچ کر پہلی دفعہ تکلیف ہوئی تھی۔

صبح سے دوپہر اور پھر شام ہوگئی تھی' دوستوں کے مجمع میں بھی گیا مگر کہیں بھی دو شکوہ کرتی آنکھوں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک پل کے لیے بھی اس کا خیال دور نہ ہوا اور اب چمکیلے آسمان تلے لیٹے ہوئے روشن چاند بھی اسے امینے کا عکس لگا تھا۔ اس کی ناراضگی کا خیال دامن گیر ہوتا تو ستارے بھی خود سے روٹھے ہوئے لگتے' وہ حیران و پریشان صرف یہ ہی سوچ رہا تھا کہ محبت کا دامن اتنا وسیع کیسے ہوسکتا ہے کہ قدرتی عناصر بھی محبت کے دامن میں سما جائیں اور آپس کے اختلافات بھی ختم ہوگئے۔ زندگی کی پہلی رات تھی جو اس کے خیالوں میں آنکھوں میں کٹی تھی اور نہ جانے آگے کتنی راتیں اس کی یادوں کے سنگ گزرنی تھیں۔

❀......❀......❀
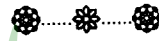
گرمی کا زور دن بہ دن بڑھتا جارہا تھا' اسی باعث پریشے کی کوشش ہوتی کہ وہ صبح سویرے ہی گھر کے سارے کام مکمل کرلے۔ آج بھی گھر کے کام مکمل کرنے کے بعد اس نے واشنگ مشین لگائی اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب امینے سارے کپڑے دھونے تک اس کے ساتھ لگی رہی' بات صرف یہیں تک محدود نہ رہی تھی بلکہ امینے اس کے کہے بناء ہی سارے کپڑے اتار کر استری کرکے سب کے خانوں میں بھی رکھ آئی تھی۔ اس کی حرکات پر پریشے کو حیرت ہورہی تھی اور اس کی یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔

''امینے...... میں تم سے ناراض نہیں ہوں' اس لیے تمہیں اتنی محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' امینے دوپہر کے کھانے کی تیاری کررہی تھی جب پریشے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''میں جانتی ہوں تم مجھ سے کیا کسی سے بھی ناراض نہیں ہوسکتیں' اگر تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچادے تب بھی تم اسے معاف کردوگی...... مگر میں یہ سب اس لیے کررہی ہوں کہ مجھے احساس ہوگیا ہے کہ میری غیر ذمہ داری کے باعث تم پر کتنا بوجھ آ گیا ہے اب میں تمہاری ہر ممکن مدد کیا کروں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ...... آج سورج کدھر سے نکلا ہے یا میری آنکھیں دھوکہ کھارہی ہیں۔'' وہ دونوں اپنی گفتگو میں مصروف تھیں جب انہیں نفیسہ بیگم کی آواز سنائی دی۔

''تائی امی آپ...... بہت دنوں بعد چکر لگایا آپ نے' آیئے بیٹھیے۔'' پریشے نے جلدی سے اٹھتے ہوئے انہیں بیٹھنے کو جگہ دی۔

''بس مصروفیات ہی ایسی ہوگئی تھیں اور اب تم بھی تو سارا کچھ سنبھال لیتی ہو اس لیے فکر کم ہوگئی ہے بلکہ اب تو میں دیکھ رہی ہوں امینے بھی تمہاری مدد کررہی ہے۔'' انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔

''جی تائی امی...... امتحانوں کے بعد فارغ ہے تو میرے ساتھ بہت تعاون کرتی ہے۔'' پریشے کا لہجہ بہن کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔

''ماشاء اللہ...... لڑکیاں کام کرتے ہوئی اچھی لگتی ہیں۔ پہلے بڑے بوڑھے کہا کرتے تھے لڑکیوں کو پڑھانا نہیں چاہیے کیونکہ انہوں نے چولہا چوکی سنبھالنا ہوتا ہے مگر میں یہ کہتی ہوں لڑکیاں تعلیم اور گھرداری دونوں میں طاق ہوں۔ تم تو ماشاء اللہ سے ان دونوں میدانوں میں کامیاب رہی ہو' بس ایک امینے کی فکر تھی آج اسے بھی دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔'' انہوں نے تعریف کے ساتھ ساتھ نصیحت بھی کردی تھی۔

''لو میں بھی کس کام سے آئی تھی اور کن باتوں میں لگ گئی' میری اسکول میں کولیگ تھی' مجھے اس کی بیٹی آدم کے لیے بہت پسند آئی ہے۔ میں نے سوچا ایک دفعہ تم دونوں بھی میرے ساتھ چل کر دیکھ لو آخر کو بہنیں ہو۔'' انہوں نے آرام سے اپنے آنے کا مقصد بتایا تھا۔ امینے نے کن اکھیوں سے بڑی بہن کو دیکھا' پریشے نے چہرہ جھکا رکھا تھا جس کے باعث وہ اس کے تاثرات نہیں دیکھ پائی تھیں مگر جس بے دردی سے وہ انگلیاں مروڑ رہی تھی وہ اس کے اضطراب کو ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا۔

''کل صبح گیارہ بجے تیار رہنا تم دونوں۔'' دونوں نے

اثبات میں سر ہلادیا۔

پریشے نے کبھی اپنے دل کی باتیں امینے کو بھی نہیں بتائی تھیں۔ اپنے دکھ سکھ اس سے بانٹنے کی بجائے دل کے نہاں خانوں میں چھپا لیتے تھے۔ اسے لگتا تھا کہ امینے بے پرواہ ہاں وہ بے پرواضرور تھی مگر بے حس نہیں تھی' آدم اور پریشے کا معاملہ کچھ گڑبڑ تھا اس بات کا اسے احساس ہو رہا تھا مگر اسے کیا کرنا ہے یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ ابھی اسی شش و پنج میں تھی کہ ہوسکتا ہے یہ محض اس کا وہم ہو اور ایسی کوئی بات سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ وہ اسی ہونے اور نہ ہونے کی فکر میں مبتلا رہی اور اگلے دن جانے کا وقت سر پر آن پہنچا۔

اس نے سفید کیپری پر سرخ شرٹ پہنی اور ویسا ہی ڈریس پریشے کا تھا۔ عین وقت پر دونوں تیار تھیں' گھر سے نکلی ہی تھیں کہ صارم بلانے آگیا' امینے نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور آگے بڑھ گئی۔

صارم ڈرائیونگ سیٹ پر اور اس کے ساتھ تایا ابو بیٹھے تھے' پیچھے وہ تینوں بیٹھے تھے جب کے جلال صاحب ساتھ نہیں آئے تھے۔ صارم نے کچھ دیر تو دل پر جبر کیا مگر پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے فرنٹ مرر اس طرح سیٹ کیا کہ پیچھے بیٹھی امینے نظر آنے لگی' تھوڑے تھوڑے وقفے بعد وہ ایک نظر اس پر بھی ڈال لیتا تھا۔ گاڑی سگنل پر رکی تو اس نے اسے فرصت سے دیکھا' شفاف چہرے پر اداسی کے رنگ غالب تھے اور یہ اداسی کس سبب تھی وہ اسے معلوم نہیں تھا شاید یہ اس کی نگاہوں کی تپش تھی کہ باہر کی طرف دیکھتی امینے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' نگاہیں ٹکرائی تھیں' اس کی آنکھیں مسکرا اٹھیں جب کہ امینے کا سارا چہرہ حیرانی کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ یہ آنکھ مچولی صرف راستے میں ہی نہیں بلکہ لڑکی کے گھر پہنچنے پر بھی جاری رہی' مردوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا جب کہ وہ لوگ لاؤنج میں ہی بیٹھ گئے۔ تائی امی کی اچھی خاصی بے تکلفی تھی۔

لڑکی والے اچھے ملنسار لوگ تھے اور لڑکی بھی خوب صورت اور پڑھی لکھی تھی مگر اس کا سارا دھیان پریشے کی جانب تھا' جس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری تھا اور اسی باعث وہ دوہرے خیالات کا شکار ہو رہی تھی۔ کبھی اسے اپنا شک پختہ لگتا اور کبھی شک بے یقینی کی دبیز تہہ تلے دب جاتا' ایک اچھے ماحول میں بیٹھنے کے بعد واپسی ہوئی تھی۔

❀......❀......❀

شام نے اپنے پر پھیلا کر سورج کی تپش سے پریشان لوگوں کو سکون مہیا کیا تھا' پرندوں نے غول در غول واپسی کا سفر شروع کیا تھا۔ آسمان پر پھیلی شفق رنگ شعاعوں کو رات نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ صحن میں چارپائیاں بچھی تھیں جن پر سب لوگ بیٹھے تھے' گفتگو کا موضوع آدم کا جلد طے پانے والا رشتہ تھا۔ سب ہی رشتے پر مطمئن تھے اور رمضان کے بعد منگنی کے خواہاں تھے' پریشے کچن میں سب کے لیے لسی بنا رہی تھی جب اسے اپنے پیچھے کسی کا احساس ہوا۔

''تم......ڈرا ہی دیا مجھے۔'' رخ موڑ کر دیکھنے پر صارم کو کھڑے پایا امید کا دیا بڑی خاموشی سے بجھا تھا۔

''آپ اکیلی کام کر رہی ہیں' آپ کی لڑاکا بلی بہن کدھر ہے؟'' اسے وہ کہیں نظر نہیں آئی تبھی وہ پوچھ بیٹھا۔

''وہ گھر پر ہے اور تم پلیز اب اسے کچھ نہ کہو وہ بہت بدل چکی ہے۔'' اس نے صارم کو مصنوعی ڈپٹا۔

''ویسے میں محسوس کر رہا ہوں وہ آج کل خاموش ہوگئی ہے اور بڑی سگھڑ بنی ہوئی ہے کیونکہ اگر میری اماں جان تعریف کر رہی ہیں تو کوئی خاص ہی بات ہوگی۔''

''میں خود یہ ہی سوچ رہی ہوں مگر کوئی سرا نہیں مل رہا' مجھے وہ اداس' پریشان اور الجھی ہوئی لگتی ہے مگر مجھ سے کچھ شیئر بھی نہیں کر رہی۔ کیا تم سے اس کی کوئی لڑائی ہوئی ہے؟'' پریشے نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں تو......مجھ سے اس کی کوئی بات ہوتی تو میں آپ سے کیوں پوچھتا؟'' اس نے ہڑبڑا کے جواب دیا جیسے دل کا چور پکڑا گیا ہو۔

دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ چھت کی منڈیر تک آیا اور متلاشی نظروں سے صحن کا جائزہ لیا کہ شاید کہیں سے لہراتا آنچل نظر جائے مگر دل کی مراد بر نہیں آئی تھی۔ اس نے آہستگی سے منڈیر پھلانگی اور سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں آگیا' سارا گھر خاموشی کی ردا اوڑھے ہوئے تھا' امینے ہو اور خاموشی بھی ہو یہ ناممکن بات تھی' اس نے گھبراتے ہوئے کمروں کا رخ کیا اور وہ نظر بھی آگئی۔ اس کا حلیہ اور بیٹھنے کا انداز کہیں سے بھی نارمل نہیں لگ رہا تھا' وہ شاید اپنے حواس میں نہیں تھی۔ وہ دروازے کی چوکھٹ پکڑے اسے گھور رہا تھا اور وہ ہر احساس سے بے نیاز منجمد ہو کر بیٹھی تھی۔ اس کا یہ حلیہ دیکھ کر صارم کے دل کو کچھ ہوا تھا' وہ آہستگی سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے کھوئے

ہوئے انداز میں اسے دیکھا اور گود میں کھلی ڈائری بند کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی' صارم اس کے رویے پر حیران تھا۔

"کیا بات ہے..... تم یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" صارم نے سوال کیا پر اس کو جواب نہیں ملا۔

"امینے..... میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا' بہت تنگ کیا تمہیں مگر تم نے بھی ہمیشہ حساب برابر کیا ہے۔ اس سب کے باوجود میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں لیکن تم یوں خاموش نہ رہو' ایسے تم بالکل اچھی نہیں لگتی۔" اس نے اپنے رویے کی تلافی کرنا چاہی تھی مگر انجانے میں وہ بھس میں تیلی لگا گیا تھا۔

"میں جو ہوں' جیسی ہوں تمہیں اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے' تمہارے گھر والوں نے اختیار لے رکھا ہے کیا کہ سب کی زندگیوں کے فیصلے وہ ہی کریں گے۔ ہماری زندگی' کھانا پینا' اٹھنا جاگنا یہاں تک کہ پڑھنا ہر چیز پر تم لوگوں کا اختیار ہے' تم لوگوں نے تو یہاں تک بھی بس نہیں کیا' تمہاری ماں تو دلوں کی بستی اجاڑ رہی ہے۔ بیٹی بیٹی کہنا صرف دکھاوا تھا اسی بیٹی کے جذبات قدموں تلے روندھ کر اپنے جذبات اور خواہشات پوری کرنے جا رہی ہیں۔" امینے کسی لاوے کی طرح پھٹی اور وہ ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا تھا۔

"امینے کیا ہوا ہے؟ مجھے بتاؤ پلیز اس طرح روؤ مت۔" اس نے بے چین ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما چاہا جسے بے دردی سے جھٹک دیا۔

"بس کرو تم لوگ یہ تماشہ' پہلے بڑا بھائی محبت کے کھیل کھیل کر زندگی کسی اور کے ساتھ بسانے جا رہا ہے اور اس سے دل نہیں بھرا تو تم آ گئے ہمدردی کی آڑ میں نیا کھیل کھیلنے کے لیے۔" وہ جو منہ میں آیا بولتی رہی۔

صارم بے یقین نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا' اسے اپنی سماعت پر دھوکے کا گمان ہوا' دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا مگر جو امینے نے کہا تھا اس پر یقین کرنا موت کے مترادف تھا۔ اس کا وجود کانپنے لگا' آج وہ شدت سے اس بات کو محسوس کر رہا تھا کہ محبت کے بچھڑنے کا خیال ہی دل کی دھڑکنوں کو بند کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ہجر کا تصور ہی زندگی کو موت کے قریب کر دیتا ہے' وہ ایک مرتبہ پھر بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھا۔

"تم ہوش و حواس کھو چکی ہو' تم جانتی ہو کہ امی اور بھائی کے بارے میں کیا بول رہی ہو' وہ کتنے بڑے ہیں تم سے' تم ایسے کیسے سوچ سکتی ہو.....؟" اس کا لہجہ بے یقینی کا تاثر دے رہا تھا۔

"میں بولوں گی' میں اس زیادتی کے خلاف آواز اٹھاؤں گی' تمہارا بھائی قاتل ہے۔ اس نے معصوم اور بے ریا جذبوں کو خاک میں ملایا ہے' محبت کے راستے پر چلا کر آدھے راستے سے رخ موڑا ہے' آنکھوں میں محبت کے دیے روشن کر کے اپنی بے رخی کی آنچ دی ہے۔ میں اس سب کے لیے انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئی' اس نے بے یقین نظروں سے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا' جس سے اس نے دل سے محبت کی تھی مگر اس کی محبت ایسے پودے کی طرح تھی جو موسم کی سختی برداشت نہ کرتے ہوئے مرجھا جاتا ہے۔ اس نے بے جان قدموں سے واپسی کا سفر اختیار کیا تھا۔

❁......❁......❁

ڈھونڈ رہی ہوں نگر نگر
گلی گلی ہر ڈگر
رات دن' شام و سحر
کبھی محبوب کی ہنسی میں
کبھی بنجاروں کی بستی میں
کبھی جوگی کی مستی میں
کوئی ایسا سوداگر
جس کے سامانِ تجارت سے
میں نیند خرید سکوں
اس کی اس عنایت پر
خود کو اس کا مرید کروں

زندگی عجب رخ اختیار کر گئی تھی صرف چند پل لگے تھے اور محبت کے تاجر اپنے جذبات سمیت لٹ گئے تھے۔ آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب لیے ایک دوسرے سے نگاہیں چرا رہے تھے۔ دل کی ویران بستی کو ہونٹوں کی جھوٹی مسکراہٹ کے پیچھے چھپا رہے تھے' اصولوں کی سولی پر ہنستے ہوئے چڑھ رہے تھے۔ ہجر کا پیالہ بنا کسی حیل و حجت کے پی رہے تھے' دل کے بین اونچے قہقہوں تلے دبا دیئے گئے تھے اور جدائی کی آہوں کو منت کے دھاگوں کی صورت محبت کے مزار پر باندھ دیا گیا تھا۔ گرمی کی حبس زدہ راتوں میں ہر کوئی نیند کا خریدار تھا اور دن کی روشنی میں خوابیدہ آنکھوں کو جاگنے پر مجبور کر رہا تھا' دن میں آسمان سے سورج قہر برساتا اور رات میں درد محبت بے چین کر دیتا تھا۔ رمضان کی آمد آمد تھی اور حکم ربی کی بجا آوری کے لیے ہر

کوئی تیاریوں میں مصروف تھا۔ امینے کی عادت تھی کہ وہ رمضان سے پہلے اپنی زبان کا چسکا پورا کرنے کے سارے انتظامات کر لیتی تھی اور پریشے اسے رمضان کا حقیقی مقصد سمجھاتے بے بس ہو جاتی تھی مگر اس دفعہ ہر چیز ماضی کے برعکس تھی۔ رمضان سے چند دن پہلے گھر کی تفصیلی صفائی کر لی گئی تاکہ روزوں میں عبادت متاثر نہ ہو کپڑوں کا ڈھیر استری کر کے رکھ لیا اور پریشے اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ اب اسے چیزوں کی لسٹ بناتے دیکھ کر وہ مزید خاموش نہ رہ سکی۔

"تم کیوں لسٹ بنا رہی ہو ہمیشہ تائی امی سامان لا دیتی ہیں نا تو اس بار بھی لے آئیں گی۔ تم ایسے ہی سر کھپا رہی ہو۔" پریشے نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے بال خراب کر دیئے۔

"اس دفعہ سارا سامان ابو جی خود لے آئیں گے ہمیں کسی کے احسان کی ضرورت نہیں۔" اس کی آواز پر باہر سے آتی نفیسہ بیگم کے قدم وہیں تھم گئے تھے امینے کی بات ان کے لیے بہت بڑا جھٹکا تھی۔

"کیوں؟ اس دفعہ کچھ خاص منگوانے کا ارادہ ہے۔" دل پر ضبط کرتیں وہ بڑے عام سے انداز میں ان دونوں سے مخاطب ہوئی تھیں جیسے کہ انہیں کوئی بات بری نہیں لگی۔

"ارے نہیں تائی امی ایسی کوئی بات نہیں یہ تو بس پاگل ہے یوں ہی بولتی رہتی ہے ابا کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ بازار اور منڈی کے دھکے کھائیں اور ویسے بھی اتنے سالوں سے یہ ذمہ داری آپ ہی پوری کر رہی ہیں۔" پریشے نے مسکراتے ہوئے امینے کی بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی جب کہ امینے وہاں سے اٹھ کے چلی گئی تھی وہ دونوں اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"پریشے نجانے کس کی نظر لگ گئی ہے ہمارے ہنستے بستے گھر کو۔ وہاں تمہارے بھائی ہیں ہر وقت چپ اور خاموش رہتے ہیں چلو مانا آدم شروع سے ایسا ہے مگر صارم اس کے تو نہ ہاتھ رکتے تھے اور نہ ہی زبان۔ آج امینے کا رویہ بھی عجیب سا ہے اب تو یہ دونوں لڑتے بھی نہیں۔" اتنے دنوں سے جو باتیں انہیں پریشان کر رہی تھیں وہ انہوں نے بلا جھجک اس سے کہہ دی تھیں اور وہ ان کے اس مان و یقین پر کھل اٹھی تھی کہ تائی امی اسے بیٹی کہتی نہیں بلکہ سمجھتیں بھی ہیں۔

"اس میں پریشان ہونے والی تو کوئی بات نہیں تائی امی آپ کو یہ سب پسند تھا صارم سے آپ کو جو شکایات تھیں وہ ختم ہو گئیں اور اب یہ دونوں بھی سمجھ گئے ہیں۔" اس نے احترام سے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے تسلی دی۔

"ہاں تم بھی ٹھیک کہہ رہی ہو پھر نجانے یہ بے چینی کیوں ہے۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے ایک نظر اس کمرے کی سمت دیکھا تھا جہاں امینے گئی تھی اور ابھی تک باہر نہیں آئی تھی۔

جلال احمد کے گھر سے نکلتے ہوئے پریشانی دامن گیر تھی اور اپنے گھر میں داخل ہو کر پریشانی اور بڑھ گئی تھی۔ گھر میں سناٹا بسا ہوا تھا پہلے وہ ایسی خاموشی کی متلاشی تھیں تو ملتی نہیں تھی اور اب یہ خاموشی انہیں کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی وہ انہی سوچوں میں غلطاں اقبال صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"کیا بات ہے استانی صاحبہ آپ کن خیالوں میں گم ہیں۔" اقبال صاحب نے بیگم کی پریشانی بھانپتے ہوئے سوال کیا۔

"مدت ہوئی مجھے نوکری چھوڑے ہوئے مگر آپ نے استانی کا خطاب دینا نہ چھوڑا۔" انہوں نے چڑ کر کہا۔

"اب استانی کو استانی نہ کہوں تو کیا ڈاکٹر کہوں؟" اقبال صاحب ان کے غصے کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولے۔

"خیر سب چھوڑو یہ بتاؤ پریشان کیوں ہو؟" انہوں نے مذاق ترک کرتے ہوئے سنجیدہ لہجہ اختیار کیا۔

"آپ نہیں دیکھ رہے بچے کتنے خاموش ہو گئے ہیں یہاں یہ چپ کا روزہ رکھے ہوئے ہیں وہاں امینے اکھڑی ہوئی ہے دونوں گھر سائیں سائیں کر رہے ہیں جیسے یہاں کوئی بستا ہی نہیں۔" ان کا لہجہ حد درجہ پریشانی کا غماز تھا۔

"میں اس سلسلے میں آپ کی مدد تو نہیں کر سکتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اولاد کو پیدا کرنے اور پالنے کا خراج وصول نہیں کرنا چاہیے۔ بہت خوش قسمت ہیں آپ جن کو ایسی باادب اولاد نصیب ہوتی ہے تو آپ کو بھی چاہیے کہ اولاد کی خواہشوں کو اولیت دیں جو وہ کہہ نہیں سکتے وہ آپ خود سمجھ جائیں۔" وہ خاموش بیٹھی اقبال صاحب کی باتوں کا مطلب سوچتی رہ گئیں اور وہ انہیں ایک نئے مخمصے میں ڈال کر سکون سے لیٹ گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

اندھیرے کمرے میں آنکھیں بند کیے وہ بیڈ پر نیم دراز تھا آج کل وہ ہر چیز سے بے زار تھا۔ رات کی نیند بھی روٹھی ہوئی تھی اور دن کا سکون بھی خفا تھا آفس میں بھی سب سے

اکتایا ہوا رہتا تھا اور گھر میں ”ہوں...... ہاں“ سے زیادہ بولتا نہیں تھا۔ سوشل میڈیا بھی اس کی بے زاری اور قنوطیت کو ختم نہیں کرسکی تھی وہ خود حیران تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہورہا ہے' اتنے سالوں سے سارے جذبات دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھے تھے مگر اس سب کے باوجود بچھڑنے کا خیال بھی ذہن کے درو بام پر نہیں جھلکا تھا۔ اب جبکہ جدائی کی آندھی چلنے لگی تھی تو وہ محبت کے چراغ روشن رکھنا چاہتا تھا' وہ ہجر کے طوفان کے سامنے آہنی دیوار بن جانا چاہتا تھا۔ اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ اس نے کب محبت کی وادی میں قدم رکھا تھا تو اس کا جواب اسے معلوم نہیں تھا' اگر کوئی پوچھتا کہ کب محبت کے شہ سواروں نے اس کے دل کی زمین پر محبت کی فتح کا پرچم لہرایا تھا تو اس کا جواب بھی وہ نہیں جانتا تھا کیونکہ جب سے اس نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا تھا اور ہراساں رہنے والی لڑکی کا اسیر ہوگیا تھا اس سے دور رہنے کی سب تدبیریں پہلے مرحلے میں ہی ناکام ہوگئی تھیں۔

بہت عرصہ سے عشق کی آگ میں وہ اکیلا جلا تھا مگر جب سے دو آنکھوں کا درزوں سے چھپ کر دیکھنے کا احساس ہوا تب اس کے جلتے دل پر ٹھنڈی پھوار برسنے لگی تھی' اس کی محبت ایسے ننھے پودے کی طرح تھی جو وقت کے ساتھ ایک تناور درخت بن جاتا ہے اور موسموں کے اثرات سے بے نیاز ہوتا ہے' بعض مرتبہ کئی دن اسے دیکھے بنا گزر جاتے مگر وہ خود کو ہمیشہ دو آنکھوں کے حصار میں پاتا تھا۔ کئی سال کچھ کہے اور سنے بنا وہ محبت کرتا رہا تھا اور اب فیصلے کا وقت آن پہنچا تھا تو وہ خاموش رہ کر محبت کے جلتے دیے بجھا دے یا اظہار کرکے دل کی خواہش کو پالے۔ اس کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ یہ فیصلہ اس کے لیے اتنا مشکل ہوجائے گا' ایک طرف ماں کے اصول' خواہش اور تربیت تھی اور دوسری طرف دل کی آرزو' بچپن کی محبت اور ملن کی خواہش تھی' اس کے کانوں میں اقبال صاحب کے الفاظ گونج رہے تھے۔

”محبت کسی سے پوچھ کر نہیں ہوتی جو اس کے مستقبل کے لیے تم پُر امید نظروں سے دوسروں کی طرف دیکھ رہے ہو' محبت کرتے وقت نفع ونقصان نہیں دیکھا جاتا تو اس کے حصول کے لیے بھی ہر بات سے بے نیاز ہوجاؤ۔ اب اس بات پر حیران نہیں ہو کہ یہ راز تمہارے دل سے نکل کر میری زبان تک کیسے آیا کیونکہ تم نے محبت تو کی ہے مگر اس کی خصوصیت نہیں سمجھ سکے کہ یہ ایسی خوشبو ہے جسے جتنا چھپانے کی کوشش کرو یہ اتنا پھیلتی ہے۔ یہ ایسا راز ہے جس کو جتنا مرضی چھپالو یہ بے نقاب ہوکر رہتا ہے۔“ اقبال صاحب اس کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے وہ سب کہہ گئے تھے جو عام حالات میں کبھی نہیں کہتے۔

وہ اپنے خیالات میں اتنا مگن تھا کہ اسے صارم کے آنے اور اپنے پاس بیٹھنے کا احساس تک نہیں ہوا تھا' صارم جو اپنی نوزائیدہ محبت پر ہزار اشک بہانے کے بعد اس فیصلے پر پہنچا تھا کہ امینے کی خوشیوں کے لیے وہ اپنی خواہش حسرتوں میں بدل لے گا' اس کی نم آنکھوں میں خواہشوں کی تکمیل کے جگنو بھرنے کے لیے وہ خود کو ہجر کے کالے اندھیرے کے سپرد کردے گا' وہ یہ سوچ کر آیا تھا کہ بھائی سے بات کرکے انہیں امینے کے لیے راضی کرے گا اور پھر ان دونوں کے لیے نفیسہ بیگم کے سامنے کھڑا ہوجائے گا مگر اب آدم کی حالت دیکھ کر وہ کف افسوس مل رہا تھا' وہ کیسے اتنا اندھا ہوگیا کہ سامنے کھیلے جانے والا محبت کا کھیل وہ دیکھ ہی نہیں سکا۔ محبت کے انگاروں پر چلتے ہوئے ایک پل کو اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا کہ بازی ایسے بھی پلٹ سکتی تھی' وہ جو خود کو حسینوں کا بے تاج بادشاہ سمجھتا تھا۔ زندگی کے پہلے مرحلے میں مات کھا گیا تھا' دل میں اٹھنے والے درد کو دباتے ہوئے اس نے آدم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

”بھائی اندھیرے کمروں میں خود کو قید کرنے سے کبھی مسئلے کا حل نہیں نکلتا اور مسئلہ بھی وہ جو زندگی وموت سے وابستہ ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے آدم کو حوصلہ دینا چاہا اور یہ وہ ہی جانتا تھا کہ مسکرانے کے لیے اس کو کن اذیتوں سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ آدم اس کی بات سنتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا محبت چہرے پر رقم ہوگئی ہے جو ہر کوئی آسانی سے پڑھ رہا ہے۔

”امی نے بچپن سے آج تک ہمیں اپنے اصولوں کی زنجیر سے باندھ کر رکھا اور وہ ایک فیصد بھی غلط نہیں تھیں' انہوں نے ہمیشہ وہ ہی سکھایا جو ہمارا مذہب اور معاشرہ اجازت دیتا ہے۔ دوسروں کی بیٹیوں کو عزت دینے کے لیے انہوں نے اپنی اولاد کو قابو میں کیا کیونکہ تربیت صرف بیٹیوں کی نہیں ہوتی بلکہ اس کے زمرے میں بیٹے بھی آتے ہیں۔ چچا کی بیٹیوں کو باعزت مرتبہ دینے کے لیے انہوں نے ہمیں ہماری حدود میں رکھا تو آج میں کس طرح ان کی برسوں کی محنت پر پانی پھیر دوں۔ میں کس منہ سے ان کے سامنے یہ اظہار کروں کہ ان کی لاکھ نصیحتوں کے باوجود میں نے وہ ہی کیا جس سے وہ ڈرتی تھیں'

نہیں یار مجھ میں اتنی ہمت نہیں......" وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھا تھا باہر کھڑی نفیسہ بیگم اس سے زیادہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتی تھیں اس لیے چپ چاپ لوٹ گئیں۔

"بھائی وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے' آپ کے بنا ٹوٹ جائے گی۔ اس کی ہستی بکھر جائے گی' میں نے اس کی ایسی حالت کبھی نہیں دیکھی جیسی ان دنوں ہے۔" اس نے اپنے کا مقدمہ نہ صرف لڑنے بلکہ جیتنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا' کیا پریشے نے تم سے کہا؟"

"پریشے کیوں یہ سب کہیں گی؟ اپنے سے بات ہوئی تھی میری' اس کی حالت چیخ چیخ کر بتا رہی ہے۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا یوں جیسے اس کی قوت گویائی سلب ہوگئی ہو۔

"ناممکن بات ہے' میں نہیں مان سکتا' جو لڑکی اس بات کو خود سے چھپا کر رکھتی ہو وہ اسے اپنے جیسی لاابالی لڑکی کو کیسے بتاسکتی ہے پریشے کبھی بھی ایسا نہیں کرسکتی۔" اس کے لہجے میں بے یقینی کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"میں آپ سے اپنے کی بات کررہا ہوں اور آپ بار بار پریشے کو درمیان میں لارہے ہیں۔" صارم اب اکتانے لگا تھا۔

"تو تم اپنے کی بات کیوں کررہے ہو اس سب سے اس کا کیا تعلق......" آدم بھی بے زار ہوا تھا۔

"اس کا ہی تو تعلق ہے' وہ آپ سے محبت کرتی ہے آدم بھائی اور کب سے آپ کو بات سمجھا رہا ہوں۔" اسے بار بار وہ ہی بات بولنی پڑ رہی تھی جو اس کے لیے حد درجہ اذیت کا باعث تھی۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا' وہ مجھ سے کتنے سال چھوٹی ہے اور میں اسے اپنی بہن سمجھتا ہوں' میں اس کے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتا ہوں' میں پریشے سے محبت کرتا ہوں بہت عرصے سے' ایسا واہیات خیال کیسے آیا تمہارے ذہن میں۔" آدم ایک دم چیخ اٹھا اور صارم خاموش بیٹھا رہا۔ وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اپنے کی یک طرفہ محبت کے لیے ترے گا اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے آدم چونکا وہ پل میں اس پر ادراک ہوا کہ اس کے خیال میں جو لاابالی سا بچہ تھا وہ محبت میں کتنی اونچائی پر کھڑا تھا۔

"اپنی محبت دوسروں کی جھولی میں ڈالنے کا ظرف تم کہاں سے لائے ہو مجھے تو آج تک نہیں آیا۔" آدم حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس کی خوشی کی خاطر میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔" صارم نے کہا۔

"میرے بھائی بے فکر ہوجاؤ' ایسی کوئی بات نہیں ہے میں پریشے سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے اور یہ اپنے والی بات مجھے کوئی غلط فہمی ہوگئی ہوگی۔" آدم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے حوصلہ دیا۔

"پریشے نے کبھی آپ سے کہا کہ وہ آپ سے محبت کرتی ہیں؟" صارم نے حیرانی سے پوچھا۔

"محبت کے لیے اظہار ضروری نہیں ہوتا' کبھی محبوب کو غور سے دیکھو تو اس کی لرزتی پلکیں آنکھوں کی زمین پر سایہ فگن ہوجاتی ہیں اور اس سے خوب صورت اظہار محبت اور کوئی نہیں ہوتا۔" آدم نے مسکراتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا۔

چند لمحوں میں ہی سوگ کا خاتمہ ہوا تھا' صارم کے دل سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ اپنی محبت پانے میں تاخیر ہوسکتی تھی مگر جان سے پیارے بھائی کا مقدمہ اسے ہر حال میں جیتنا تھا' دل ہی دل میں اس نے نئے عزائم بنانے شروع کردیئے تھے۔

❀......❀......❀
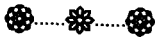
رمضان کا آغاز ہوچکا تھا' عبادتوں کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا' دنیا کے کاموں سے دھیان ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی سمت مڑ چکا تھا۔ ہر کوئی یہ چاہ رہا تھا کہ مالک کل کو راضی کرلیا جائے' گناہوں کو بخشوالیا جائے۔ نیک اعمال کرکے نیکیوں کا پلڑا بھاری کیا جائے' نماز کے ساتھ ساتھ ذکر و اذکار بھی پابندی سے جاری تھے ان مبارک ساعتوں کو خالی نہ لوٹایا جائے' ہر طرف نور ہی نور تھا اور یہ نور ہر انسان کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔ اقبال صاحب اور جلال صاحب کے گھروں میں بھی رمضان کا نور پھیلا ہوا تھا' گھر کے مرد پابندی سے مسجد کا رخ کرتے اور عورتیں گھروں میں فرائض پورے کرتیں' خاص کر نماز و تراویح نفیسہ بیگم ان دونوں کے ساتھ مل کر پڑھتی اور نماز کے بعد اسلامی موضوعات پر سیر حاصل گفتگو ہوتی۔ نفیسہ بیگم جو کہ کئی سال اسکول میں پڑھا چکی تھیں اور اچھا خاصا علم رکھتی تھیں اکثر پریشے کے سامنے لاجواب ہوجاتی' پریشے کا انداز گفتگو انہیں مسحور کردیتا اور اس وقت وہ انہیں کسی مفکر سے کم نہیں لگتی تھی۔

انہی دنوں اقبال صاحب اور جلال صاحب کے ساتھ مل

کر منگنی کا دن بھی رکھ لیا گیا۔ دونوں گھروں میں پہلے ہی خاموشی کا راج تھا اس فیصلے کے بعد سکوت چھا گیا تھا حتیٰ کہ ان دنوں صارم نے ایڑھی چھوٹی کا زور لگا دیا مگر نفیسہ بیگم سے اپنی بات نہیں منوا سکا تھا اس کی منتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دی جاتیں اور وہ زچ ہو کر رہ جاتا۔ اس فیصلے سے روکنے کے لیے اس نے گھر سے چلے جانے کی دھمکی بھی دی مگر نفیسہ بیگم نے پروا نہ کی۔ عید کے دن منگنی کی مبارک رسم ادا کی جانی تھی۔

اس فیصلے کے بعد صارم شرمندہ سا پریشے کے پاس آیا تھا جیسے اس کا مجرم وہ ہو۔ اس کا خیال تھا' پریشے بھی اپنے کی طرح منہ پھیرے گی اور اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرے گی مگر پریشے کے رویے نے اس کے ہر خیال کی تردید کردی تھی' اپنے نے دروازے سے اسے داخل ہوتے دیکھا تو ساتھ ہی کمرے میں گھس گئی اس کے برعکس پریشے نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔

"لگتا ہے چھوٹے صاحب کو زیادہ ہی روزہ لگا ہے تبھی تو منہ لٹکا ہوا ہے۔" پریشے نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا جس سے سارے بال خراب ہوگئے تھے۔ اگر کوئی عام دن ہوتا تو وہ اس بات پر چڑ جاتا مگر آج وہ خاموشی سے بیٹھا تھا اور یہ ہی بات پریشے کو حیران کررہی تھی۔

"پریشے..... آپ چاہتی ہیں سب آپ کے لہجے کی تازگی میں کھو کر دل کے ٹوٹنے کی آواز نہ سن پائیں' میں سچ کہہ رہا ہوں نا؟" پریشے کے مسکراتے لب سمٹے تھے آنکھوں کی زمین پر شبنم کے قطرے ابھرے تھے۔

"میں نے بہت کوشش کی تھی امی کو راضی کرنے کی مگر میں ایسا کر نہیں سکا۔ امی کے اصول اولاد سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں' بھائی امی کی محبت میں ہار گئے مگر میں لڑوں گا اور منزل کے حصول تک ہار نہیں مانوں گا۔" اس نے شکستہ لہجے میں خود سے عہد کیا۔

"بالکل ٹھیک سوچتے ہیں تمہارے بھائی' بڑوں کی دعاؤں کے بغیر بننے والے رشتے ایسے پھولوں کی طرح ہوتے ہیں جو ذرا سی تیز ہوا سے بکھر جاتے ہیں اور خبردار آئندہ تم تائی امی کے بارے میں ایسے نہیں بولنا۔ وہ ہماری ماں کی طرح ہیں اور مائیں بھی غلط فیصلہ نہیں کرتیں۔" پریشے بڑی بہن کی طرح اسے سمجھا رہی تھی' باہر کھڑا آدم خاموشی سے واپس مڑ گیا تھا کیونکہ وہ یہاں خود پر سے بے وفائی کا لیبل ہٹانے آیا تھا مگر پریشے کی باتوں نے اسے اندر تک مطمئن کردیا تھا۔ وہ ایسے لوگوں میں سے تھی جو محبت کا سودا نفع ونقصان سے بے بہرہ ہوکر کرتے ہیں جو محبوب کی رضا میں فرض کی طرح سر کو خم کردیتے ہیں۔

بہت سے لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے' پریشے اس سے معذرت کرتی افطاری کی تیاری کے لیے اٹھ گئی تو اس نے اپنے سے ملنے کے لیے اس کے کمرے کا رخ کیا' اسے آنکھوں کی زبان نہیں سمجھنی تھی بلکہ زبان سے اظہار کرنا تھا اور اس کے لیے وہ اور انتظار نہیں کرسکتا تھا۔

وہ جو گیت تم نے سنا نہیں' مری عمر کا ریاض تھا
مرے درد کی تھی وہ داستاں' جسے تم ہنسی میں اڑا گئے

اپنے بیڈ پر بیٹھی تھی' دونوں ہاتھ گود میں رکھے ان سے کھیلنے میں مشغول تھی۔ برآمدے سے کمرے کا فاصلہ اتنا نہیں تھا کہ باہر ہونے والی گفتگو اس نے نہ سنی ہو مگر اس کے چہرے پر سکون رقم تھا' جیسے کوئی مسئلہ' پریشانی اس کی زندگی میں آیا ہی نہ ہو جب کہ اسے پوری امید تھی کہ اسے سامنے دیکھ کر وہ کوئی نہ کوئی چیز اسے دے مارے گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا تھا' وہ آہستگی سے آگے بڑھا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"اس دن جب تم غصے میں بولی تھی تو مجھے تمہارا اور آدم بھائی کا خیال آیا مگر بعد میں معلوم ہوا ایسا کچھ نہیں تھا' اسی لیے میں اب تم سے اپنے دل کی بات کہنے آیا ہوں۔" اس نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے پر ٹھہرے پانی سی خاموشی تھی' کوئی برا ردعمل نہ پا کر اسے حوصلہ ہوا تو اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"میرے تمہارے درمیان جو سب تھا وہ صرف بچپن کی چپقلش اور نادانی تھی مگر اب میں سب باتیں بھلا کر تم سے احوال دل کہنے آیا ہوں' میں نہیں جانتا اس دن تمہاری آنکھوں میں ایسا کون سا جادو تھا جس نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا' میری نیند' سکون اور چین سب تمہاری جادوئی آنکھوں نے لوٹ لیا اور میں اپنا دل تمہارے قبضے میں دیکھتا رہ گیا' میں تم سے تمہیں مانگنے آیا ہوں۔" اس کا لہجہ شدت جذبات سے مخمور تھا۔

"اتنے دعوے کس بنیاد پر کررہے ہو' تمہارے بڑے بھائی تو ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ گئے ہیں تم بھی کچھ ایسا ہی کرو گے۔" وہ بولی بھی تو ایسا کہ اس کی وحشتیں اور بڑھ گئیں۔

"میں بھائی جیسا ہوتا تو تمہارے سامنے نہ بیٹھا ہوتا' میں

تمہیں پانے کے لیے ہر حد تک جاؤں گا اسی لیے میں ابھی امی سے بات کروں گا۔" وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے عجلت میں اٹھا اور ابھی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اس کی "زکو" کی آواز سنائی دی تھی' وہ بے تابی سے مڑا مگر اس کا چہرہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا' عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے وہ اس کے پاس آئی تھی۔

"مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور میں صرف نفرت کا رشتہ تم سے استوار رکھنا چاہتی ہوں' تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ جس جگہ میری بہن کی خواہشوں کی قبر بنے' میں وہاں اپنی خوشیوں کے تاج محل تعمیر کروں گی' جہاں میری بہن کی محبت کو رسوا کیا گیا' میں وہاں عزت کا تاج پہن لوں گی۔" اس کی زبان آگ اگل رہی تھی جس نے صارم کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی امینے۔" اس نے التجا کی۔

"بالکل' تمہارا بھائی بھی میری بہن کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے' اب حساب برابر...... تمہارا تڑپنا میرے دل کو تسکین دے گا' میری بہن یہاں روئے گی تو تم وہاں آنسو بہانا' اپنے بھائی کی خوشیوں پر بیٹھ کر اپنی محبت کا ماتم کرنا۔" اس کی زبان نفرت کے زہر سے نیلی ہوگئی تھی۔ صارم بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر یک دم تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

❁......❁......❁

رمضان کا آخری عشرہ تھا جب نفیسہ بیگم نے منگنی کی تیاری شروع کر دی' اس ساری مہم سے آدم اور امینے نے بائیکاٹ کر رکھا تھا جب کہ پریشے کو نہ چاہتے ہوئے ساتھ جانا پڑ رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ ساری مارکیٹ گھوم چکے تھے مگر نفیسہ بیگم کو کوئی چیز پسند نہیں آ رہی تھی' روزے کے ساتھ پریشے اور صارم کی بری حالت ہو چکی تھی جب کہ نفیسہ بیگم بھی تھک چکی تھیں۔

"امی اللہ کو مانئے' بس کر دیں۔ وہ لڑکی ہے کوئی مجسمہ نہیں جس کو سجا کر آپ نے لوگوں کو دعوت نظارہ دینی ہے۔" صارم نے بالآخر تھک کر کہا۔

"ارے چپ کرو' جب کچھ پسند آئے گا تب ہی لوں گی نا۔"

"تائی امی اس سے اچھا ہے آپ انہیں ہی ساتھ لے آئیں' جس نے پہننا ہے اس کی پسند کا ہوگا تو اسے بھی خوشی ہوگی اور خریدنا بھی آسان ہو جائے گا۔" دل پر جبر کرتے ہوئے اس نے مشورہ دیا۔

"ابھی افطاری میں بہت وقت ہے تب تک کوشش کرتے ہیں' کوئی نہ کوئی چیز پسند آ جائے گی۔" نفیسہ بیگم ایک نئے عزم سے اٹھیں اور چار و ناچار انہیں بھی ساتھ دینا پڑا' تائی امی کا جوش و خروش دیدنی تھا۔

آخر کار ایک دکان پر انہیں مطلب کی میکسی نظر آئی اور بنا قیمت کی پروا کیے اسے خرید لی' پریشے کے لیے تائی امی جیسی سنجیدہ اور بچت کرنے والی عورت کا یہ روپ نرالا تھا' وہ ضرورت کی چیزیں بھی لیتے وقت اس بات کا خیال رکھتیں کہ کچھ نہ کچھ بچت ہو جائے اور یہی تربیت انہوں نے اسے بھی دی تھی مگر اب انہوں نے ساری سلیقہ شعاری پس پشت ڈالی تھی اور اچھا خاصا مہنگا ڈریس خرید لیا تھا' وہ حیرت کے زیر اثر ان کا یہ روپ دیکھ رہی تھی شاید مائیں اولاد کے آگے ساری سلیقہ شعاری بھول جاتی ہیں۔

"منگنی کا ڈریس تو ہوگیا باقی چیزیں ایک دو دن میں ہو جائیں گی' بس اب تم اپنے اور امینے کے لیے کچھ پسند کر لو۔" انہوں نے پریشے کو حیران کیا۔

"ہمارے پاس کپڑے موجود ہیں تائی امی...... ہماری فکر نہ کریں۔" پریشے نے سہولت سے انکار کیا۔

"کیوں فکر نہ کروں' تم دونوں بھی میری بیٹیاں ہو اور اتنے اہم موقع پر پرانے کپڑے نہیں پہننے دوں گی' اپنے اور امینے کے لیے کچھ اچھا سا پسند کر لو۔" تائی امی نے اسے گھورا۔

"تائی امی' بہو کے لیے پسند کر لیا ہے تو بیٹیوں کے لیے بھی خود ہی کر لیں۔" پریشے کی حسرت اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی' نفیسہ بیگم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ان دونوں کے لیے کپڑے دیکھنے لگی۔

اللہ اللہ کر کے افطاری سے کچھ پہلے خریداری مکمل ہوئی مگر تب تک صارم اور پریشے بے حال ہو چکے تھے اور گھر جانے کی بجائے وہیں افطاری کرنا چاہی صارم نے ڈرتے ڈرتے عرض پیش کی جسے سختی سے خارج کر دیا گیا۔

"توبہ ہے آج کل کے بچوں سے...... تم لوگ تو ہم سے بھی زیادہ کمزور ہو نالائق نہ ہو تو۔" نفیسہ بیگم کی گھرکیوں سے انہوں نے چپ چاپ گھر جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

❁......❁......❁

دن پر لگا کے اڑ رہے تھے' امینے کے احتجاج کے باوجود

پریشے نے تائی امی کے ساتھ مل کر ساری تیاری کی تھی‘ اس کی ناراضگی کو خاطر میں نہیں لارہی تھی‘ رمضان کا اختتام ہوا تھا اور گلی محلے اور چھتوں پر چاند کے نکلنے کا شور تھا‘ چاند رات امینے کے لیے عید سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ کپڑے تیار کرنا‘ مہندی لگانا اور کھانے پینے کی تیاری وہ سب مکمل کر کے سوتی تھی‘ جب کے اس بار ایسا کچھ نہیں تھا اس نے اپنی کوئی چیز تیار نہیں کی تھی یہاں تک کہ پریشے کو بھی نہیں بلایا تھا اور نہ ہی کاموں میں مدد کی تھی۔

”میں صبح کسی فنکشن میں شامل نہیں ہورہی اس لیے میرے کپڑے استری کرنے کی ضرورت نہیں‘ یہ خدمتیں تمہیں ہی مبارک ہو تم ہی مہمان داری نبھانے کا شوق پورا کرو۔“ پریشے کو اپنے کپڑے استری کرتے دیکھ کر اسے کرنٹ ہی لگا تھا اور نہ صرف اس نے کہا بلکہ کپڑے چھین کر واپس الماری میں ٹھونس دیئے‘ ساری رات وہ اپنی ارادے پر پختہ رہنے کا عزم کرتی رہی اور صبح اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔

جلال صاحب عید کی نماز پڑھ کر آئے تو پریشے نے گلے لگ کر ”عید مبارک“ کہا اور کڑکڑاتے ہوئے نوٹ بطور عیدی وصول کی۔ میٹھے میں رس ملائی کھلائی اور ساتھ ہی ایک باؤل تائی کے گھر بھی لے آئی‘ حسب معمول نفیسہ بیگم باورچی خانے میں تھیں اس نے عید مبارک کہا اور پھر ایک ڈش میں رس ملائی نکالی اور اقبال صاحب کے کمرے کا رخ کیا‘ یہ اس کی پرانی عادت تھی وہ جو بھی بناتی وہ امینے کے ساتھ تایا کے گھر لاتی تایا ابو کو کھلاتی اور عیدی لیتی۔

”تایا ابو رس ملائی لائی ہوں آپ کے لیے۔“ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جوش سے بتایا۔

”ماشاء اللہ‘ میں اسی انتظار میں تھا‘ امینے ساتھ نہیں آئی‘ کیا اکیلی آئی ہو؟“ اقبال صاحب نے اس کے پیچھے امینے کو نہ پا کر سوال کیا۔

”وہ گھر میں ابو کے پاس ہے‘ ابھی آجاتی ہے‘ تھوڑی دیر میں۔“ اس نے ہکلاتے ہوئے بات بنانے کی کوشش کی اور جلدی سے عیدی لیے بنا اٹھ آئی تھی۔ اسے اپنے حوصلے بکھرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے امینے کی طرح اسے بھی لگا تھا کہ اس کے سارے حق اور مان ختم ہوچکے تھے۔ آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے ہوئے وہ باہر نکلی تو سامنے سے آتے آدم سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی آنکھوں میں آئے قطروں کے باعث اس کا چہرہ دھندلایا ہوا نظر آیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ اس سے اپنے دل کی زمین کو بنجر کرنے کے جرم میں سوال کرے مگر لب تھے کہ بولنے سے انکاری ہوگئے اور آنکھیں ساون کی برسات کی عملی تصویر بنی تھیں۔

اسے واپس آئے چند گھنٹے ہی ہوئے تھی جب صارم تائی امی کا پیغام لیے پہنچ گیا‘ دوپہر کا کھانا پکانے سے منع کیا اور دوپہر تک تیار رہنے کا حکم آیا تھا۔ پریشے نے اثبات میں سر ہلایا اور اندر امینے نے سر تک چادر تان لی تھی۔ اسے اس اعلان سے کوئی مطلب نہیں تھا اور نہ ہی کسی قسم کی تیاری سے کوئی غرض تھی‘ صارم کے جانے کے بعد پریشے اس کے پاس آئی اور منہ سے چادر ہٹائی۔

”امینے ضد ختم کرو‘ دوپہر تک مجھے تیار نظر آؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ پریشے نے انگلی دکھاتے ہوئے وارننگ دی۔

”اگر تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو مجھ سے برا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ میں وہاں سب کے سامنے ان لوگوں کے جھوٹے پیار کا پول کھول دوں گی اور یہ میری صرف دھمکی نہ سمجھنا۔“ امینے نے تڑخ کر جواب دیا اور منہ دوبارہ چادر میں چھپالیا۔

”تمہیں مسئلہ کیا ہے جب مجھے کوئی اعتراض نہیں تو تم اتنا اوورری ایکٹ کیوں کررہی ہو‘ درد میرا ہے تو تم کیوں مجھے تماشہ بنارہی ہو۔ یہ اذیت میرا مقدر ہے تو مجھ تک رہنے دو‘ اس کو اشتہار نہ بناؤ۔“ پریشے نے پہلی دفعہ اس موضوع پر اس سے بات کی تھی۔

”کیوں کہ میں امینے جلال ہوں‘ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا خوب جانتی ہوں۔ تمہاری طرح خاموشی سے محبت سے دستبردار ہونے کا ظرف مجھ میں نہیں......“ اس نے چادر کے اندر سے ہی جواب دیا تھا۔ پریشے نے اسے اس کے حال پر چھوڑنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ چند پل لگے اور وہ رات سے روٹھی نیند کی بانہوں میں سماگئی تھی۔

دور دور تک سبزہ ہی سبزہ تھا‘ اونچے پربت کو چھوتے پہاڑ نظر کو خیرہ کررہے تھے‘ پہاڑوں کے دامن سے نکلتے جھرنے‘ آبشاریں اور نالے بل کھاتے راستوں سے ہوتے ہوئے زمین کی طرف آرہے تھے اور ان کے خوب صورت شور کا تال میل ساعتوں کو محصور کررہا تھا۔ نیلے آسمان پر اتنے خوب صورت پرندے پرواز کررہے تھے کہ اس کی ساری توجہ ان کی جانب مبذول ہوگئی تھی۔ دور افق پر ست رنگی شعاعیں اس کو مدہوش کررہی تھیں وہ ان سات رنگوں کا عکس آبشار کی صورت

گرتے پانی میں محسوس کر رہی تھی۔ سورج کی نارنجی شعاعوں کی موجودگی میں آسمان سے ننھے قطرے برس رہے تھے اور اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پاگلوں کی طرح جھومے اور جھوم جھوم کر انوکھے گیت گائے۔ اچانک اسے لگا کہ اس کا پاؤں پہاڑ سے پھسلا اور وہ نیچے تاریک کھائیوں میں گر رہی ہے مگر وہ گری نہیں تھی۔ ایک ہاتھ نے اس کو تھام لیا تھا اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اوپر اپنے مہربان کی طرف دیکھا تھا۔ بارش کے نمکین قطروں میں اسے صارم کا چہرہ نظر آیا تھا' بارش سا پاکیزہ اور سات رنگ شعاعوں کا عکس لیے وہ چہرہ اسے اپنے دل کے ازحد قریب محسوس ہوا تھا۔

''امینے.....'' ایک زوردار جھٹکے سے اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور حیرانی بھاگ کر اس کی آنکھوں میں آن سمائی تھی کیونکہ اس کے اوپر جھکا چہرہ صارم کا نہیں بلکہ تائی امی کا تھا۔

''اُف لڑکی..... مجھے تو آج پتا چلا کہ تم گدھے' گھوڑے ہی نہیں بلکہ پورا اصطبل بیچ کر سوتی ہو۔'' نفیسہ بیگم تنگ آ کر بولی تھیں' وہ کب سے اسے اٹھا رہی تھیں مگر اسے ذرا اثر نہیں ہو رہا تھا' تنگ آ کر اسے اچھا خاصا ہلایا تب کہیں اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔

''اگر بھائی..... بہن کی خوشی دیکھنی ہے تو دو منٹ میں بستر سے نکلو ورنہ سب کچھ ہو جائے گا' تم سوتی رہنا۔'' انہوں نے لاسٹ وارننگ دی' بہن کے نام پر اس کی آنکھیں پٹ سے کھلیں مگر جو اس ندارد تھے' نفیسہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے اسے باہر لے آئیں۔ صحن میں دونوں گھروں کے افراد جمع تھے' چند رشتہ دار اور محلے کے کچھ افراد بھی شامل تھے۔ اس نے حیران نظروں سے سب کو دیکھا جو اس کے گھر میں براجمان تھے' سامنے ڈرائنگ روم میں پریشے تیار ہو کر بیٹھی تھی اور اس کے پہلو میں آدم بھائی تھے' اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے سب کچھ اس کی ناقص عقل سے باہر تھا۔

''یہ سب کیا ہے تائی امی؟ میری گناہ گار آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں۔'' اس نے پاس کھڑی نفیسہ بیگم سے پوچھا۔

''پریشے اور آدم کی منگنی ہو رہی ہے صرف تمہاری وجہ سے انگوٹھی نہیں پہنائی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ تو کہیں اور رشتہ پسند کر کے آئیں تھیں اور شاپنگ بھی تو ساری اسی لڑکی کی ہوئی تھی پھر یہ سب کیسے ہو رہا ہے؟'' وہ سوال پر سوال کر رہی تھی۔

''ہمیشہ والدین ٹھیک نہیں ہوتے اور اس بات کا احساس مجھے دونوں بھائیوں کی گفتگو سن کر ہوا تھا' میں نے تمہاری ہر طرح سے حفاظت کی وہاں میں ٹھیک تھی مگر گھر کی اتنی پیاری بچی چھوڑ کر باہر جانے والی بات یہاں میں غلط تھی۔'' انہوں نے اس کے گال پیار سے چھوئے۔

''جب آپ فیصلہ کر چکی تھی تو ہمیں آگاہ کیوں نہیں کیا؟'' پریشے کو مسکراتے دیکھ کر اسے اس کی ساری اذیت یاد آئی تبھی اس نے ایک اور سوال پوچھا۔

''تم لوگوں نے ساری باتیں دل میں ہی رکھیں' کسی ایک نے بھی مجھ سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور تم حد درجہ مجھ سے بدگمان ہو چکی تھی' اسی لیے میں نے تم سب سے چھپایا بھئی اتنی سزا تو بنتی ہے ناسب کی۔'' آخر بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی اور امینے کو حد درجہ شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

''اب جلدی کرو منگنی کی رسم ادا کریں یہ نہ ہو مہمان گھروں کو رخصت ہو جائیں۔'' وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھیں۔

''تائی امی مجھے تیار تو ہو لینے دیں' میں ایسے ہی جاؤں گی کیا؟'' اس نے اپنے سر جھاڑ منہ پھاڑ حلیے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''بے ہوش ہو کر سونے کی سزا ہے اب ایسے ہی چلو تاکہ آئندہ احساس ہو۔'' وہ اسے ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں' سب اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ اسے سب سے زیادہ ڈر صارم سے تھا مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا' اس نے حیرانی سے اسے دیکھا مگر وہ تو اسے دیکھنے کا روادار نہیں تھا' اس پہ آہستہ سے سارے در وا ہوتے چلے گئے تھے۔

ایک طرف پریشے کے چہرے پر بکھرے قوس وقزح کے رنگ اسے خوش کر رہے تھے تو دوسری طرف صارم کے چہرے پر لگا ''نو لفٹ'' کا بورڈ پریشان کر رہا تھا' ساری تقریب اختتام کو پہنچی تھی مگر صارم نے ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی' سارے مہمان موجود تھے اور صارم اٹھ کر چلا گیا تھا۔

''پریشے..... صارم مجھ سے بہت ناراض لگ رہا ہے' کیا کروں میں؟'' وہ ساتھ ہی پریشے کے کان میں گھسی۔

''میرا بھائی بہت پیارے دل کا مالک ہے' ایک بار مناؤ گی تو مان جائے گا۔'' آدم بھائی نے بھی پریشے کے پیچھے سے سر نکالتے ہوئے کہا اور ان کے اس انداز پر امینے ہنس دی۔

"میں ابھی لے کر آتی ہوں اسے۔" وہ فوراً اٹھی۔

کمرے میں آ کر اس نے وہی ڈریس نکالا جو تائی امی لائی تھیں' سفید کیپری پر رائل بلیو شرٹ اس پر بہت سوٹ کیا تھا۔ اس نے لائٹ سا میک اپ کیا اور جلدی سے تایا ابو کے گھر کی طرف آئی' وہ اسے برآمدے میں ہی بیٹھا نظر آ گیا تھا' وہ خاموشی سے آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"میری غلطی اتنی بڑی بھی نہیں کہ مجھے معاف نہ کیا جائے۔" اس نے بولنے کا آغاز کیا مگر دوسری طرف خاموشی تھی۔

"اچھا بابا مجھ سے بہت بڑا جرم ہوگیا ہے' میں معافی مانگتی ہوں اور التجا کرتی ہوں کہ یہ بگڑا ہوا منہ سیدھا کرلیا جائے ورنہ یہ معصوم بچی ڈر جائے گی۔" اس نے پُرامید نظروں سے صارم کی طرف دیکھا مگر اس طرف کوئی ردعمل نہیں تھا۔

"اب بچی سے عید کے دن کان پکڑواؤ گے۔" اس نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی۔

"تم میری محبت میں یہاں نہیں آئی ہو بلکہ کسی نئی دشمنی کی بنیاد رکھنے آئی ہو' تمہیں مجھ سے صرف نفرت ہے' تمہارا بدلہ ادھورا رہ گیا ہے تو اب کسی اور بات یا طریقے سے بدلہ لو گی۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"مجھے بھی محبت ہے' اب سے نہیں بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ کب سے ہے' بس اتنا فرق ہے کہ تمہارا دل محبت کے سروں پر پہلے دھڑک اٹھا اور میری محبت غصے تلے دبی رہی مگر میں سچ کہہ رہی ہوں' مجھے تم سے محبت ہے۔" وہ بچوں کی طرح اپنی محبت کا یقین دلا رہی تھی' صارم کے ہونٹوں کے کنارے پھیل رہے تھے مگر وہ خاموش ہی رہا۔

"میں تمہارے لیے تیار ہوکر آئی ہوں اور تم مجھے دیکھ بھی نہیں رہے۔ عید مبارک بھی نہیں کہا اور عیدی بھی نہیں دی اور سب سے بڑی بات تعریف بھی نہیں کی۔" اس نے شکووں کی قطار لگادی۔ وہ آہستگی سے اس کے پاس ہوا' چہرے پر آئے بال کان کے پیچھے اڑسے اور مخمور آنکھوں سے اسے دیکھا جس کی محبت کا اظہار بھی اسکول کا سبق سنانے جیسا تھا۔

جانے کیوں آپ کے رخسار دہک اٹھتے ہیں
جب بھی کان میں چپکے سے کہا "عید مبارک"

اس نے اپنا منہ اس کے کان کے پاس کرتے ہوئے اظہار کیا اور امینے نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ صارم اور ایسے انداز' حیرانی تھی کہ جاتی نہیں تھی۔

"تم بھی کچھ کہو گی تو میں راضی ہوں گا۔" صارم نے اس جھکی پلکوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

آج کے دن صاف ہو جاتا ہے دل اغیار کا
آ مل لو عید' یہ موقع نہیں تکرار کا

امینے نے بھی جوابی شعر ہی سنایا اور صارم کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اب میں سمجھوں کہ تمہیں میرا یقین ہوگیا ہے۔" امینے نے جھکی آنکھوں کو اٹھاتے ہوئے سوال کیا مگر سامنے شوخی عروج پر تھی اور اسے دیکھنا محال تھا۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔" اس نے جلدی سے باہر کا رخ کیا۔

"ارے رکو تو کدھر جا رہی ہو۔" صارم نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"بہت شکریہ' میرے دن کو اتنا خاص بنانے کے لیے۔" اس نے امینے کا جھکا چہرہ اٹھایا' اس کے چہرے پر پھیلے حیا کے رنگ دل میں اتر گئے تھے۔

امینے کے جاتے ہی وہ بھی چچا کے گھر کی طرف چلا جہاں خوشیاں محورقص تھیں' وہ گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھا کہ ہاتھ میں پکڑا موبائل بجا' انباکس میں امینے کا میسج تھا۔

"تم ملے تو عید ہوئی۔" اس نے مسکراتے ہوئے یہ ہی فیس بک پر اسٹیٹس دیا اور محبتوں سے بھرے گھر میں داخل ہوگیا۔ سب کے مسکراتے چہروں میں ایک چہرہ اس کی محبت کا بھی تھا اور وہ اس چہرے کو تاعمر نظروں کے حصار میں رکھنا چاہتا تھا۔

میری جیت امر کرو

نزہت جبین ضیاء

ڈور بیل کی مسلسل آواز سے وہ کچی نیند سے جاگی تھی ابھی تو نماز اور قرآن پاک پڑھ کر لیٹی تھی ڈھنگ سے آنکھ بھی نہ لگنے پائی تھی گھڑی پر نظر گئی تو تین بج رہے تھے شدید گرمی کے روزے میں اس وقت.....کون آ گیا تھا؟

"افوہ.....آ رہی ہوں..... ہمارے گھر گیٹ پر چوکیدار کو بٹھا کر نہیں رکھا ہم نے....." دروازہ کھولا۔

"اوہ....." سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ کر ہونٹ سکیڑے.....سفید شلوار قمیص میں ملبوس سانولا سا اسمارٹ سا نوجوان ہاتھوں میں بیگ اور آنکھوں پر سن گلاسز لگائے پسینے میں شرابور کھڑا تھا۔

"انگلی سوئچ پر رکھ کر ہٹائی بھی جاتی ہے.....اگر کرنٹ لگ گیا تو ایک لمحے میں شرنک ہو کر الیکٹرک بورڈ سے چپک جاؤ گے۔" کمر پر ہاتھ رکھے لہجے کو اجنبی بنا کر چہرے کا زاویہ بگاڑتے ہوئے مخاطب ہوئی۔

"محترمہ.....آپ کے یہاں سلام دعا نام کی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟ ادب و آداب سے قطعی نا آشنا ہو کر مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟" فیروزی اور سفید کومبینشن کے لان کے سوٹ میں بکھرے بالوں میں کھڑی آدم بےزاد مگر من موہنی سی لڑکی کو دیکھ کر وہ بھی اسی لہجے میں مخاطب ہوا۔

"مہمان.....مہمان؟ یوں آندھی طوفان کی طرح نہیں آتے وہ بھی تپتی دوپہر میں.....ویسے ملنا کس سے ہے؟"

"دلشاد پھوپو کا گھر یہی ہے.....؟ ایڈریس تو یہی ہے لیکن.....لگتا ہے میں.....پاگل خانے میں آ گیا غلطی سے۔" وہ بھی باز آنے والا نہ تھا۔ تب ہی چہرے پر دھیمی مسکراہٹ سجائے اوپر سے نیچے تک میرہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی بالکل.....آپ غلطی سے یہاں آ گئے ویسے جانا تو آپ کو پاگل خانے ہی تھا۔"

"کون ہے میرہ.....؟" دلشاد بیگم دھوپ سے بچاؤ کے لیے ہاتھ کا چھجہ بنا کر پیچھے کھڑی تھیں۔

"دلشاد پھوپو میں.....میں حماس تیمور ہوں اسلام آباد سے آیا ہوں۔" حماس نے سر اٹھا کر دلشاد بیگم کو دیکھ کر سلام کرتے تعارف کرایا۔

"ارے.....ارے بیٹا.....آؤ دھوپ میں کیوں کھڑے ہو۔" دلشاد بیگم نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیسے آؤں اندر پھوپو.....آپ نے انتہائی کھڑوس اور خرانٹ چوکیدار جو کھڑا کیا ہوا ہے۔" میرہ نے ہٹ کر راستہ دیا تو وہ اندر آتے ہوئے کن انکھیوں سے میرہ کو دیکھ کر اندر آتے ہوئے شرارت سے بولا۔ میرہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دھاڑ سے دروازہ بند کر گئی دلشاد بیگم بھتیجے کو لے کر اندر کی جانب چل دیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے میرہ مہمانوں کے ساتھ اس طرح کا رویہ انتہائی غیر مناسب ہے۔"

"اماں.....آپ نے اس جاہل کی باتیں نہیں سنیں.....؟ بھلا ایسے ہوتے ہیں مہمان.....ڈھیٹ اور اڑیل.....؟"

"چپ کرو جیسا بھی ہے وہ بھتیجا ہے میرا.....کئی سالوں بعد آیا ہے۔" دلشاد بیگم کی بات پر اسے غصہ آ گیا۔

"اماں.....رشتے داری ہوگی آپ سے.....میرا کوئی مطلب نہیں ان لوگوں سے.....آپ بھول سکتی ہیں سب کچھ.....مگر میں نہیں بھول سکتی.....آپ کا دل بہت بڑا ہوگا میرا نہیں۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا اس کے ذہن میں سب کچھ تازہ تھا۔

"چپ کرو تم.....بہت بولنے لگی ہو۔" دلشاد بیگم نے گھر کا تو اس نے منہ بنا کر کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"کمبخت انسان روزے میں میری زبان بھی خراب کر دی اور نیند بھی.....شیطان کہیں کا۔" بڑبڑاتے ہوئے سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

☾.....☆.....☾

ارشاد صاحب گورنمنٹ ملازم تھے رزق حلال کماتے تھے اس لیے سفید پوشی قائم رکھنے کے لیے میاں بیوی کو سو جتن کرنے پڑتے سب سے بڑی بیٹی ضحیٰ تھی پھر میرہ اور سب سے

چھوٹی سجل۔ ارشاد صاحب کے تو رشتے دار نہیں تھے مگر دلشاد بیگم کے دور دراز کے میکے والے کافی تھے مگر سب دوسرے شہروں میں رہتے تھے‘ ارشاد صاحب جاب کی وجہ سے کراچی آئے تو یہیں کے ہو رہے۔ اس لیے کوئی بھی دوسرے شہر سے آتا تو قیام دلشاد بیگم کے پاس ہی کرتا‘ دلشاد بیگم کے میکے سے کوئی بھی آتا ان کو بہت خوشی ہوتی‘ جب بچیاں چھوٹی تھیں تو ان کو مہمانوں کا آنا اچھا لگتا تھا گھر میں چہل پہل ہو جاتی اور کھانے بھی مزے مزے کے پکتے تھے۔

پھر سب کے بچے بھی بڑے ہوگئے تو مصروفیات بڑھ گئیں‘ یوں آنا جانا بھی کم ہوگیا‘ ایک تو مہنگائی بہت ہوگئی‘ کرایوں میں اضافے اور معاشی فکرات نے فاصلے بڑھا دیئے تھے‘ یہاں پر بھی ضحیٰ اور میرہ بڑی ہوگئی تھیں‘ دلشاد بیگم کو ضحیٰ کے رشتے کی بھی فکر ہونے لگی تھی۔ ویسے تو بیٹیاں سلیقہ مند اور اچھی شکل و صورت کی تھیں‘ ذہین اور سلیقہ شعار بھی‘ ضحیٰ تو معصوم سی تھی جبکہ میرہ تھوڑی تیز اور حاضر جواب تھی۔ سجل چھوٹی تھی۔ سجل اسکول سے واپس آئی تو آج کھانے میں خاص اہتمام دیکھا۔ اماں پلاؤ دم پر رکھ رہی تھیں جبکہ ضحیٰ سلاد بنا رہی تھی۔

”ارے واہ...... آج اتنے مزے کے کھانے۔“ میرہ نے اچار گوشت کی ہانڈی کی طرف دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”ناصرہ مامی آ رہی ہیں آج۔“ ضحیٰ نے پیاز پانی میں بھگوتے ہوئے کہا۔ ”اس لیے اگر تمہیں یہ سب کھانا ہے تو انتظار کرنا پڑے گا ورنہ یہ حاضر ہے......“ رات کا اروی کا سالن جس میں گوشت تو برائے نام البتہ اروی کی باقیات نظر آ رہی تھیں۔

”ہائے اللہ...... کب تک آئیں گی؟“ میرہ نے للچائی نظروں سے سالن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بس آتی ہوں گی۔“

ناصرہ مامی‘ ہنس مکھ اور محبت کرنے والی خاتون تھیں دو چار بار اکیلی آئی تھیں‘ اس بار اپنے بیٹے فرجاد کے ساتھ آئی تھیں۔ فرجاد کی بھی الگ کہانی تھی‘ وہ کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار تھے مگر...... وہ لڑکی جو کہ ان کو بہت پسند کرتی تھی اپنے والدین کے دباؤ میں آ کر ان کی زندگی سے نکل گئی اور فرجاد بہت اپ سیٹ ہوگیا...... زندگی سے بالکل اچاٹ اور آدم بیزار...... تب دلشاد بیگم نے ناصرہ کو کہا تھا کہ اسے کچھ دن کے لیے یہاں لے آؤ‘ ناصرہ فرجاد کو لے کر بہت پریشان تھیں‘ وہ چاہتی تھیں ان کا بیٹا نارمل ہو جائے حالانکہ اس سے چھوٹا ایک اور بیٹا تھا‘ فرجاد ایک آدھ بار آیا تھا اس بار کافی عرصے بعد دیکھا تھا۔ سانولا‘ سیدھا سادھا‘ خاموش طبع‘ سنجیدہ چہرے پر چھائی اداسی نے اس کو منفرد سا بنا دیا تھا۔

☾......☆......☾

ارشاد صاحب‘ صاحب علم اور لائق انسان تھے‘ اپنی جامع گفتگو اور مدبرانہ لہجے میں فرجاد سے بہت اچھی اچھی باتیں کرتے۔ وہ لوگ آئے تو پندرہ دن کے لیے تھے مگر...... یہاں آ کر فرجاد کا دل لگ گیا تھا‘ ناصرہ بیگم بہت خوش تھیں اس میں تبدیلی آ رہی تھی‘ دلشاد بیگم نے انہیں مزید روک لیا‘ میرہ کو سوبر سے فرجاد بھیا بہت اچھے لگے تھے۔ ضحیٰ آج کل ایگزامز سے فارغ ہو کر گھریلو کام کاج میں اماں کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ سلیقہ شعار ضحیٰ کھانے بھی بہترین پکاتی اور گھر کے دیگر امور بھی بڑی اچھی طرح انجام دیتی‘ ناصرہ ضحیٰ کی تعریفیں کرتی نہ تھکتی تھیں۔ میرہ نے محسوس کیا تھا کہ فرجاد کو دیکھ کر ضحیٰ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ جاتی‘ فرجاد بھی ضحیٰ میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس کو یہ معصوم سی لڑکی اچھی لگی تھی۔

''آپا ایک بات کہوں اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو......؟'' اس روز سب لوگ صحن میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے۔ ضحیٰ اور سجل مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔ میرہ اور فرجاد وہیں بیٹھ کر لوڈو کھیل رہے تھے۔

''کیا ہوا ناصرہ...... ایسی کیا بات ہے؟'' دلشاد بیگم نے چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے بھاوج کی طرف دیکھا۔

''آپا مجھے کہنا تو نہیں چاہیے لیکن......'' وہ تذبذب کا شکار تھیں۔ ''آپا آپ لوگ فرجاد کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس کی زندگی میں ایک لڑکی آئی تھی...... لیکن...... اب وہ نہیں رہی...... میرا بیٹا...... اس کے لیے پاگل ضرور ہوا تھا لیکن......'' وہ ایک لمحے کے لیے رکیں ان کے چہرے سے ان کے ذہنی خلفشار کا اندازہ ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے ناصرہ...... یوں پریشان کیوں ہو؟ جو بات ہے کھل کر کیوں نہیں کہتیں۔'' دلشاد بیگم الجھ کر بولیں۔

''آپا...... مجھے ضحیٰ بہت پیاری لگتی ہے میرا ارادہ تو شروع سے ہی اس کو بہو بنانے کا تھا مگر درمیان میں سارہ آ گئی لیکن...... اگر آپ لوگوں کو فرجاد کے ماضی پر اعتراض نہ ہو اور مناسب سمجھیں تو...... ضحیٰ کو میری بیٹی بنا دیں......؟'' ناصرہ بیگم نے لجاجت سے درخواست کی۔

دلشاد بیگم تو خود یہی چاہتی تھیں انہیں اپنے بھائی تیمور احمد کے بیٹے اچھے لگتے تھے لیکن بھائی کے انتقال کے بعد وہ اپنی بات زبان پر نہ لا سکیں...... بھاوج تو غیر تھیں اور پھر فرجاد کے بارے میں پتہ چلا تو دلشاد بیگم چپ ہو گئیں۔

''کیا ہوا آپا......؟ آپ کو میری بات بری لگی تو معذرت......'' ناصرہ بیگم شرمندگی سے بولیں۔ دلشاد بیگم کی خاموشی کو وہ انکار سمجھ رہی تھیں۔

''نہیں ناصرہ ایسی بات نہیں...... تمہارے بہنوئی سے پوچھ کر جواب دیتی ہوں۔'' دلشاد بیگم کی بات پر ناصرہ بیگم کی باچھیں کھل گئیں۔

''ارے آپا...... فرجاد بھائی کا رشتہ دیا ہے ناصرہ مامی نے تمہارے لیے۔'' میرہ نے سنا تو خوش ہو کر بولی۔ اسے زندگی میں پہلی بار اباجی کے بعد کوئی مرد اچھا لگا تھا۔ ضحیٰ کے چہرے پر گلال پھیل گیا۔

''اوہو...... مطلب اے سوہنی کڑی بھی چپکے چپکے پسند کرنے لگی ہے گبرو جوان کو۔'' میرہ شرارت سے بولی تو ضحیٰ دھیرے سے مسکرا دی۔

''یوں سر جھکانے سے کام نہیں چلے گا آپا سچ بتاؤ کیا فرجاد بھیا سے کوئی بات ہوئی ہے تمہاری......؟'' میرہ نے کرید نے والا انداز اپنایا۔

''میرہ...... فرجاد بہت اچھے انسان ہیں سوفٹ، کیئرنگ، لونگ، گزشتہ ایک ماہ سے میں نے یہ بات نوٹ کی ہے اور ہم...... ایک دوسرے کے کافی قریب آ گئے۔'' سادگی سے اعتراف کیا۔

''آپا...... تم کو ان کے ماضی سے کوئی پرابلم......؟'' میرہ ایک لمحے کو رکی۔

''نہیں میرہ...... جو گزر گیا مجھے اس سے کوئی پرابلم نہیں۔''

''اوئے ہوئے میری آپا...... دیکھنے میں تو بڑی معصوم لگتی ہے اور یہ سب میری ناک کے نیچے ہوتا رہا...... ابھی فرجاد بھائی کی خبر لیتی ہوں۔'' پہلے کاندھے سے پکڑ کر ضحیٰ کو ہلایا اور پھر باہر کی جانب لپکی۔ ضحیٰ زیر لب مسکرا دی۔

☆
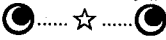
پھر ناصرہ مامی اور فرجاد واپس اسلام آباد چلے گئے جاتے ہوئے رشتہ پکا کر گئے اور باقاعدہ رسم کرنے کا کہہ گئے تھے۔ ضحیٰ بہت اداس تھی اسے فرجاد سے کافی لگاؤ ہو گیا تھا۔ اکثر راتوں کو دونوں بہنیں مل کر فرجاد کی باتیں کرتیں، سجل چھوٹی تھی اسے بس یہ خوشی تھی کہ ضحیٰ آپا کی شادی میں خوب رنگ برنگے گوٹے کناری والے کپڑے بناؤں گی۔ فرجاد کی اکثر کال آ جاتی، ناصرہ بھی برابر کال کرتیں۔

''آپا...... تم بہت خوش ہو ناں......؟'' میرہ ضحیٰ کے جگمگاتے چہرے کی جانب دیکھ کر سوال کرتی، جب فرجاد سے کال پر بات ہوتی اس کے بعد ضحیٰ کتنی دیر تک فریش دکھائی دیتی۔ بات بے بات مسکراتی، ایسے میں میرہ محبت سے اپنی بہن کو دیکھتی اور سوال کر بیٹھتی۔

''ہاں......'' ضحیٰ مسکرا دیتی۔

''آپا...... اللہ پاک تمہیں بہت ساری خوشیاں دے، بہت خوش رہو مگر...... تم اتنی دور چلی جاؤ گی مجھ سے اگر دل ملنے کا بھی چاہے گا تو...... میں آ بھی نہیں سکوں گی۔'' میرہ ضحیٰ کی جدائی کے تصور سے اداس ہو گئی۔ ''میری اتنی الٹی سیدھی باتیں کون سنے گا...... راتوں کو کس کے ساتھ باتیں کیا کروں گی؟''

"ارے میری گڑیا...... ایسی باتیں کروگی تو میں رو پڑوں گی۔" ضحیٰ اسے سینے سے لگا کر بولی اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔

"ارے چھوڑو آپا" میں تو یونہی اموشنل ہوگئی تھی' بس اللہ پاک سے دعا ہے کہ تم اور فرجاد بھائی بہت خوش رہو اور ناصرہ مامی جلدی سے آکر تمہیں دلہن بنا کرلے جائیں۔" میرہ نے فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے لہجے کو بشاش بنایا تو ضحیٰ بھی روتے ہوئے ہنس دی لیکن اللہ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ضحیٰ کی خواہش' میرہ کی خوشی' دلشاد بیگم اور ارشاد صاحب کی خوشیاں سب دھری کی دھری رہ گئیں جب ناصرہ نے باقاعدہ روتے ہوئے معافی مانگ کر اس رشتے سے معذرت کرلی کیونکہ فرجاد کی زندگی میں سارہ دوبارہ واپس آ گئی تھی اور...... فرجاد کا ایک بار پھر اس کی جانب جھکاؤ ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے دل میں تو اس کی محبت تھی ہی اور سارہ اپنے کیے پر شرمندہ تھی' معافی تلافی ہوگئی اور فرجاد کا دل پگھل گیا۔ ناصرہ بیگم کے لاکھ سمجھانے پر بھی فرجاد اب سارہ سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا' ضحیٰ کی چند دن کی قربت اور معصوم سی ادائیں بھول کر وہ پھر سے سارہ کے پیچھے سب کچھ بھول چکا تھا' نہ ماں کی زبان کا پاس تھا نہ رشتے داری کا خیال...... ضحیٰ نے سنا تو دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا' اتنے وعدے' اتنی باتیں' یقین' امیدیں' دلا کر سب کچھ بھول بھال گیا تھا' ارشاد صاحب بہت غصے میں تھے' دلشاد بیگم منہ کھولے حیرت زدہ بیٹھی تھیں' سب سے زیادہ چراغ پا میرہ ہوئی تھی۔ اس نے کال کرکے فرجاد کی خوب خبر لی تھی۔ دل بھر کے سنائی تھی' مگر اب کیا ہوسکتا تھا' ناصرہ بیگم بہت شرمندہ تھیں جوان بیٹے پر زبردستی بھی نہیں کرسکتی تھیں' بس خاموش ہوگئی تھیں بیٹے کی اچھی خاصی باتیں بھی سنائیں تھیں۔

"فرجاد تم نے مجھے میری نند کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا...... ایک معمولی سی لڑکی نے اپنی مرضی سے پہلے تمہیں چھوڑا اور پھر دوبارہ تمہاری زندگی میں آ گئی اور تم...... اس کے ہاتھوں میں کھلونا بن رہے ہو خود کو کیا سمجھتی ہے وہ......؟"

"اماں پلیز...... میں شرمندہ ہوں' مگر...... سچ تو یہ ہے کہ میں واقعی سارہ کے بغیر نہیں رہ سکتا' اب جبکہ دوبارہ اللہ نے ہمارے ملن کا راستہ بنا دیا تو میں اب اس کو کھونا نہیں چاہتا' پہلے وہ مجبور تھی خاندانی مسائل تھے لیکن اب...... سب ٹھیک ہوگیا ہے...... وہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتی......" فرجاد کے جواب پر ناصرہ بیگم سر پیٹ کر رہ گئیں۔

دلشاد بیگم نے بھاوج سے رابطہ ختم کردیا...... کچھ دن تک سب اپ سیٹ رہے پھر اپنی اپنی مصروفیات میں لگ گئے میرہ کے دل پر یہ بات جا کر لگی تھی اسے ناصرہ بیگم کی فیملی سے سخت نفرت ہوگئی تھی کتنی اوچھی حرکت کی تھی ان لوگوں نے...... ایک معصوم لڑکی کو تماشہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ ضحیٰ کے لیے ارشاد صاحب کے دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا اچھے لوگ تھے ان کو شادی کی جلدی بھی تھی یوں ضحیٰ کی شادی طے کردی گئی۔ ضحیٰ بظاہر خوش اور مطمئن تھی مگر میرہ کے ضحیٰ کے ساتھ کی گئی زیادتی چبھ کر رہ گئی تھی۔ ضحیٰ رخصت ہوکر سرمد کے ساتھ سسرال چلی گئی۔ سرمد بہت اچھا لڑکا تھا ضحیٰ کا بہت خیال رکھتا تھا ساس سسر بھی بہت پیار کرتے تھے ضحیٰ خوش تھی۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا دیکھتے دیکھتے تین سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ ان تین سالوں میں زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آئی تھیں۔ ارشاد صاحب کا انتقال ہوگیا تھا۔ ضحیٰ ایک پیاری سی بیٹی عیشہ کی ماں بن گئی تھی۔ میرہ بی کام لاسٹ ایئر میں تھی جبکہ سجل میٹرک میں آگئی تھی۔ ارشاد صاحب کے انتقال پر ناصرہ بیگم بھی آئی تھیں نند سے مل کر ہاتھ جوڑ کر معافیاں مانگی تھیں رو رو کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ دلشاد بیگم دل کی ویسے بھی نرم تھیں اور بھاوج ان کو عزیز بھی تھیں انہوں نے بھاوج کو گلے لگا کر معاف کردیا تھا۔ ایک میرہ تھی جس کو ممانی کا آنا ناگوار گزرا تھا اس کے دل ودماغ سے چار سال پہلے کی بات جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں ناصرہ بیگم اور ان کی فیملی کے لیے نفرت تھی۔ اب اسے اماں کے میکے سے آنے والا ہر بندہ برا لگنے لگا تھا جو آ کر کھاتے پیتے، رہتے، خدمتیں کرواتے اور چلے جاتے تھے۔

☆

رمضان المبارک شروع ہوچکا تھا تب اماں کے ذریعے میرہ کو پتہ چلا تھا کہ ناصرہ مامی کا چھوٹا بیٹا حماس کچھ دنوں کے لیے آرہا ہے، کراچی میں بزنس کے سلسلے میں کچھ کام ہے اور اماں نے فوراً دعوت دے ڈالی تھی۔ میرہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

"اماں...... یہ سب کیا ہے؟ ہم اتنے بے کار لوگ نہیں کہ ایرے غیروں کی خدمتیں کرتے پھریں اور پھر خود سوچیں کہ یوں ہمارے ساتھ کوئی بھی لڑکا کیسے گھر میں رہ سکتا ہے......؟ آپ کو تو عادت ہے ٹینشن پالنے کی۔"

"پاگل ہوگئی ہو کیا......؟ وہ غیر نہیں بھتیجا ہے میرا...... اور وہ باہر والے کمرے میں رہے گا تھوڑے دنوں کی بات ہے۔" دلشاد بیگم نے جھنجلا کر کہا۔

"ہونہہ...... غیر نہیں ہے وہ...... اور وہ لوگ بہت اپنا سمجھتے ہیں ناں ہمیں سر پر بٹھاتے ہیں...... بہت نہال کردیا ہے ہمیں اپنے رویوں سے۔" اس کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی اور اب حماس تیمور...... آ گیا تھا کڑکتی دھوپ میں آ کر میرہ کا دماغ مزید خراب کردیا تھا۔

عصر کی اذان ہوئی تو میرہ کی آنکھ کھلی آنکھ کھلتے ہی حماس کا خیال آ گیا اندر تک تلخی اتر گئی۔ وہ اٹھ کر باہر آئی دلشاد بیگم نماز کی تیاری کررہی تھیں، سجل بھی ٹیوشن سے واپس آ گئی تھی۔ نماز پڑھ کر دونوں بہنیں افطار کی تیاری کے لیے کچن میں گھس گئیں اور دلشاد بیگم فروٹ کاٹنے لگیں۔

"آپو...... وہ حماس بھائی آگئے؟" سجل نے پوچھا۔

"ہاں آ گئے موصوف تپتی دوپہر میں۔" ابھی تک تپتی دوپہر میں آنے کا قلق تھا۔

"حماس دوست کے یہاں گیا ہے افطار پر آئے گا۔" دلشاد بیگم نے بیٹھے بیٹھے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"ہنہ...... مفت خورے۔" پکوڑوں کے لیے بیسن گھولتے وہ بڑبڑائی۔ مغرب سے تھوڑی دیر پہلے سجل اور میرہ نے دستر خوان لگایا تب ہی حماس آ گیا۔

"السلام علیکم!" آتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" سجل نے بھی گرم جوشی سے جواب دے کر اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ سجل کو وہ معقول بندہ لگا تھا۔ ذہین اور شرارتی سا۔ افطار کے بعد چائے کا دور چلا۔

"چائے تو اچھی ہے۔" ایک گھونٹ لے کر حماس نے تعریفی نظریں میرہ پر ڈال کر کہا۔

"جی نہیں یہ نیک کام سجل نے کیا ہے...... میں نے نہیں۔" انداز لٹھ مارنے والا تھا۔ اسے حماس کا دیکھنا بھی برا لگ رہا تھا۔

"ارے تو اس میں کاٹنے والی کون سی بات ہے۔ یہ بات آرام سے بھی کہی جاسکتی ہے۔" حماس نے لاابالی انداز میں کاندھے اچکائے۔

"تمہیں کاٹ کر مجھے انجکشن نہیں لگوانے چودہ۔" وہ بھلا کب چپ رہنے والی تھی۔

"ہاہاہا...... واہ بھئی ماشاء اللہ کیا زبان پائی ہے محترمہ

نے..... سجل تمہارے گھر میں چھریاں، چاقو اور قینچی تو نہیں ہوگی ناں؟" اس بار سجل کو مخاطب کیا۔

"جی.....!" سجل نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے گھر میں کٹائی سے متعلق سارے کام تمہاری آپا کی زبان ہی کردیتی ہوگی ناں؟"

"کبھی کبھی یہ قینچی ڈھیٹ لوگوں کے ہاتھوں پر بھی کام دکھا دیتی ہے۔" وہ جل کر بولی۔

"اوہ..... مطلب مجھے انجکشن تیار رکھنے ہوں گے حفظ ماتقدم کے طور پر۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

"کس قدر ڈھیٹ انسان ہو تم لعنت ہے تم پر۔" وہ چلبلا کر بولی اور وہاں سے کھسکنے میں عافیت جانی۔

"آپا..... حماس بھائی بہت جینئس بندے ہیں، اتنے اشعار زبانی یاد ہیں ان کو..... غالب، اقبال سے لے کر احمد فراز تک اشعار اور ان کے بارے میں بھی بڑی معلومات ہیں رکھتے ہیں، اتنی ساری ناولز پڑھے ہوئے ہیں۔ ادب کے حوالے سے بہت باتیں پتہ ہیں ان کو..... آپ کیوں اتنا غصہ کررہی ہیں ان پر.....؟" رات کو سجل سونے کے لیے لیٹی تو مسلسل حماس کے بارے میں باتیں کررہی تھی۔

"افوہ..... بس بھی کرو سجل تمہیں اپنا حماس نامہ مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں؟ مجھے چڑ ہے ان لوگوں سے..... اماں ہی کافی ہیں ان کو جھیلنے کے لیے آئی سمجھ۔" وہ جھنجلا کر بولی سجل منہ بنا کر کاندھے اچکا کر رہ گئی۔

حماس سحری سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر آرام کرتا اور پھر کام کے سلسلے میں چلا جاتا تو افطار سے کچھ دیر پہلے لوٹتا..... اسے دیکھتے ہی میرہ کی تیوری پر بل پڑ جاتے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ وقتاً فوقتاً وہ حماس پر طنز کے تیر چلاتی رہتی۔ حماس کبھی ہنس کر چپ ہوجاتا تو کبھی برجستہ جواب دے کر اسے مزید تپا دیتا۔

رمضان المبارک میں ضحیٰ کا بھی آنا کم ہوتا تھا کیونکہ اس کے سسرال کی روٹین الٹ تھی۔ پھر عید کی تیاریاں بھی کرنی ہوتیں، اس روز ضحیٰ آئی ہوئی تھی دلشاد بیگم کو عیشہ اور ضحیٰ کی عیدی کے کپڑے بھی لینے تھے اب ضحیٰ آئی تو تینوں بہنوں کا افطار کے بعد بازار جانے کا پروگرام بن گیا تاکہ ضحیٰ اپنی پسند سے ہی اپنے سرمد اور عیشہ کی عیدی کے کپڑے لے لے اس روز حماس کا افطار بھی باہر تھا وہ افطار کے بعد گھر آیا تو تینوں مارکیٹ جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

"السلام علیکم ضحیٰ آپا..... کیسی ہیں آپ؟" حماس نے گرم جوشی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو؟"

"میں الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک۔" ضحیٰ خوشدلی سے بولی اور سوال بھی کر ڈالا۔

"میں بھی ٹھیک ٹھاک ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"ماشاء اللہ سے کتنے بڑے ہوگئے ہو تم کتنا قد نکال لیا فرجاد کے پاس تمہاری پکس دیکھی تھیں چھوٹے سے تھے تب۔" ضحیٰ کی بات پر وہ کھل کر ہنس دیا۔

"آپ کے میاں جی کہاں ہیں؟ آجاتے تو مل لیتا۔"

"سرمد تھوڑے مصروف تھے یہ بتاؤ ناصرہ ماں، فرجاد وغیرہ کیسے ہیں۔ فرجاد کے بیٹے کی پکس دیکھی ایف بی پر، بہت پیارا ہے ماشاء اللہ۔" ضحیٰ انتہائی خوشگوار انداز میں سوالات کررہی تھی۔ میرہ نے حیرت اور غور سے ضحیٰ کے چہرے کی طرف دیکھا کوئی رنج، ملال کھودینے کا احساس یا اداسی..... کچھ بھی تو نہیں تھا۔ نارمل اور مطمئن انداز اور خوشگوار لہجہ..... وہ سب کچھ بھلا کر کتنی مطمئن لگ رہی تھی۔

"ہم لڑکیاں بھی کتنی پاگل ہوتی ہیں۔"

"ارے آپا آپ لوگ کہیں جارہے ہیں؟ میرا تو موڈ تھا آپ سے بہت ساری باتیں کرنے کا اور اس کیوٹ سی گڑیا سے کھیلنے کا۔" عیشہ کو پیار کرتے ہوئے حماس نے ضحیٰ کی طرف دیکھا۔

"آج رات میں یہیں رہوں..... تھوڑی سی شاپنگ کرنی ہے..... ہم آتے ہیں ایک گھنٹے میں پھر باتیں کریں گے دیر تک۔" ضحیٰ نے حماس کے کاندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر ہٹلر صاحبہ دس بجے کے بعد لائٹیں آف نہ کردیں تب....." حماس کن انکھیوں سے میرہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"چلیں آپا..... آپ بھی کھڑے کھڑے باتوں میں لگ گئیں۔" میرہ کھاجانے والی نظروں سے حماس کو دیکھتے ہوئے بولی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ "آپا..... ایک بات تو بتاؤ....." رکشے میں بیٹھ کر میرہ نے ضحیٰ کی طرف دیکھا۔

"بولو....." ضحیٰ عیشہ کو گود میں صحیح سے بٹھاتے ہوئے بولی۔

''آپا...... تمہیں فرجاد کی زیادتی' ان سے وہ بنا تعلق اور وہ باتیں یاد نہیں آتیں......؟''

''ہش...... پاگل ہوئی ہو کیا......؟ اب وہ باتیں سوچتی ہوں تو ہنسی آتی ہے ہاں...... تھوڑی سی دل چسپی ضرور ہوئی تھی مگر...... اب سمجھتی ہوں کہ محض پاگل پن تھا وہ...... ویسے بھی ہماری زندگیوں میں کسی کا آنا یا جانا یہ ہماری مرضی سے نہیں بلکہ اللہ پاک کی رضا کے مطابق ہوتا ہے اور ہوتا وہی ہے جو ہمارے لیے بہتر ہو اور اللہ کی رضا میں راضی ہو کر جینا ہی اصل زندگی ہے اور میرا نصیب تو سرمد کے ساتھ جڑا تھا اور الحمدللہ میں کامیاب اور مطمئن زندگی گزار رہی ہوں فرجاد اپنی زندگی میں مگن اور مطمئن ہے میں پاگل تھوڑی ہوں کہ ایک فضول سی بات کو لے کر روگ لگا بیٹھوں اور پھر ناصرہ مامی یا فرجاد کو کیوں برا کہوں......؟'' ضحیٰ نے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں کہا اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان نمایاں تھا۔

''آپا...... تم سچ مچ پاگل ہو۔'' وہ بڑبڑائی اور ضحیٰ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

''پاگل تو تم ہو میرہ۔''

اس رات سجل' ضحیٰ اور حماس ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے اور میرہ کچن میں سحری کی تیاری میں مصروف تھی۔

''ایک کپ چائے ملے گی......؟'' آٹا گوندھ کر وہ جیسے ہی پلٹی سامنے حماس کھڑا تھا۔

''کیوں......؟ میں تم کو چائے والی نظر آتی ہوں جو ایسے آرڈر دے رہے ہو۔''

''نہیں تو۔'' وہ بے ساختہ بولا۔ ''مجھے تو تم اس حلیے میں کام والی ماسی بشیراں لگ رہی ہو۔'' لہجے میں شرارت تھی۔

''مجھ سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''جناب میں نے تو ایک کپ چائے کی درخواست کی تھی چلو...... سجل سے کہہ دیتا ہوں۔'' خلاف توقع عاجزانہ لہجے میں کہہ کر پلٹا اور ایک قدم بڑھا کر دوبارہ اس کی جانب پلٹا۔ ''ایک بات تو بتاؤ......؟'' اس کے قریب آ کر رکا۔ ''تم بچپن سے کٹ کھنی ہو یا گزشتہ ہفتے سے یہ بیماری لاحق ہوئی ہے......؟''

''بکواس بند کرو اپنی بدتمیز جاہل انسان۔'' وہ پوری قوت سے چلائی مگر وہ قہقہہ لگا کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو چکا تھا۔

''کیا بدتمیزی ہے میرہ......؟ یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا......؟'' اسی وقت دلشاد بیگم کچن میں آئی تھیں۔

''اماں اس بدتمیز کو سمجھالیں' میرے منہ مت لگا کرے وہ...... ایک تو دنیا کی سب سے ناپسندیدہ فیملی ممبر اوپر سے ہر وقت کمبل بنا رہتا ہے۔ میرا بس چلے تو منہ توڑ دوں اس کا۔'' وہ برتن پٹختی ہوئے بڑبڑائی۔

''ایک لفظ بھی نکالا تو زبان کھینچ لوں گی۔'' دلشاد بیگم نے بھی وارننگ دی۔

''پاگل مجھے ڈانٹ کھلوانے آ گیا۔'' اس بار بڑبڑاہٹ آہستہ تھی مگر چہرے پر غصہ ہنوز برقرار تھا۔

☆
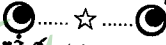
آخری شروع ہو چکا تھا حماس کا کام بھی ختم ہونے والا تھا۔ افطار کے بعد وہ لوگ چائے پی رہے تھے کہ حماس نے پھوپو کو مخاطب کیا۔

''پھوپو مجھے اماں اور گھر والوں کے لیے کچھ چیزیں لینی ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں سجل کو بازار تک لے جاؤں' مجھے لیڈیز شاپنگ کا آئیڈیا نہیں۔''

''ہاں...... ہاں ضرور۔'' دلشاد بیگم نے خوشدلی سے کہا۔

''سنو...... میرے ساتھ بازار چلو لیڈیز شاپنگ میں ہیلپ کر دینا۔'' تھوڑی دیر بعد وہ میرہ کے سر پر کھڑا تھا۔

''میں اتنی فالتو نہیں ہوں اپنے کام خود کرو۔'' وہ تنک کر بولی۔

''کبھی تو شرافت سے بات کر لیا کرو بچپن میں گھٹی کی جگہ نیم کا پیسٹ کھایا تھا کیا......؟'' وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

''اے مسٹر...... آپ کو تکلیف کیا ہے آخر......؟ یہ جو بات کر لیتی ہوں ناں یہ بھی بہت ہے تم جیسے لوگوں کے لیے...... میرے گھر میں دندناتے پھر رہے ہو اور میں برداشت کر رہی ہوں۔'' وہ تلخی سے کہتی ہوئی اسے دھکا دے کر باہر نکل گئی۔

''کتنا زہر بھرا ہے اس کے اندر کتنی متنفر ہے یہ لڑکی' کتنی منفی سوچیں پال رکھی ہیں اس نے۔'' حماس تاسف سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

آخری عشرہ کی عبادات میں بھی اضافہ ہو گیا تھا' طاق راتوں کی عبادات میں شب قدر کو تلاشنا تھا۔ حماس سجل کو لے کر مارکیٹ گیا تھا کیا لایا؟ کس کے لیے لایا؟ میرہ کو اس بات سے دلچسپی نہیں تھی اور نہ غرض...... دوسرے دن سجل نے خوب صورت سا ایمبرائیڈی ڈیزائنر سوٹ دکھایا۔

''آپو...... یہ حماس بھیا نے مجھے عیدی کے طور پر دیا ہے''

بہت مہنگا ہے۔" سجل بہت خوش تھی۔

"ہمم......" اس نے بنا نگاہ اٹھائے دھیمے لہجے میں کہا اور اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ اسی رات میرہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر اٹھی ہی تھی دروازے پر ناک کر کے حماس اندر آ گیا۔

"آ جاؤں......" سوال کیا۔

"آ تو گئے ہو۔" بیزاری سے کہتے ہوئے جائے نماز تہہ کر کے جگہ پر رکھی۔ حماس آگے بڑھا اس کے ہاتھ میں پیک سوٹ کا بیگ تھا۔

"یہ لے لو تمہارے لیے لایا تھا۔" ہاتھ آگے بڑھایا۔

"یہ کیا ہے......؟" تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"سب کے لیے عید کے سوٹس لے رہا تھا اچھا لگا تو تمہارے لیے بھی لے آیا۔" بدستور ہاتھ آگے بڑھا ہوا تھا۔

"مجھے ان مہربانیوں کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اپنا تحفہ اپنے پاس رکھیں۔" انتہائی سرد مہری سے کہا۔ حماس پیکٹ بیڈ پر رکھ چکا تھا۔

"میرہ......کیا سچ میں تم ہم لوگوں سے اتنی نفرت کرتی ہو؟ کیا تم وہ سب پرانی باتیں بھول نہیں سکتیں؟"

"نہیں۔" وہ حتمی لہجے میں بولی۔

"میرہ...... پھوپو اس بات کو بھول چکی ہیں انہوں نے اماں اور بھائی کو معاف کر دیا' دل صاف کر لیا اور سب سے بڑی بات ضحیٰ آپا بھی کتنی مطمئن ہیں' وہ بھی اس بات کو بھول کر کتنی خوش اور مطمئن ہیں......اور ایک تم ہو کہ اس بات کو لے کر آج تک ہم سے اتنی نالاں ہو......"

"ہاں......ان سب کے دل بہت بڑے ہوں گے لیکن میں' میں...... چھوٹی اور کوتاہ سوچ کی مالک ہوں...... میرے دل میں گنجائش نہیں۔" منہ پھیر کر سرد لہجے میں بولی۔

"میرہ پلیز...... میں وہ فاصلے ختم کرنا چاہتا ہوں' وہ تلخی دور کرنا چاہتا ہوں۔" حماس کا لہجہ ملتجی ہوا۔

"حماس کم از کم مجھ سے یہ توقع مت رکھنا۔" حماس کے ٹوٹے لہجے پر ایک لمحے کے لیے اس کا دل ڈولا' حماس کے چہرے پر اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا اس کا دل ڈوب گیا مگر دوسرے لمحے اس نے خود پر قابو پالیا۔

"حماس تیمور......بہتر یہی ہے کہ میرا وقت ضائع مت کرو' اماں کے مہمان ہو تو ان تک ہی اپنی عنایات محدود رکھو......اور جو کام کرنے آئے ہو جلدی سے کرو اور واپسی کا راستہ ناپ کر میری جان چھوڑو......میں اب اور برداشت نہیں کر سکتی۔"

"میرہ......جو کرنے آیا ہوں وہی تو نہیں کر پایا۔" بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر اس کی جانب دیکھ کر سوچا' اتنی بے عزتی' اس دو فٹ کی لڑکی نے تو اس کو لتاڑ کر رکھ دیا تھا۔ بے عزتی اور ہتک کے احساس سے حماس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ اسے تو یہ لڑکی اچھی لگی تھی' وہ بہت کچھ سوچ کر آیا تھا مگر......وہ مرے مرے سے قدموں سے جانے کے لیے واپس پلٹا۔

"سنو......" میرہ کی آواز پر بڑھتے قدم رکے۔ "یہ لے جاؤ اپنا قیمتی تحفہ۔" پیکٹ بیڈ سے اٹھا کر اس کی جانب اچھالا جو ہاتھ سے بچ ہوکر زمین پر گر گیا۔ حماس نے جھک کر زمین سے پیکٹ اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

......☆......
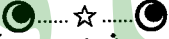
"آپو......آپ نے اچھا نہیں کیا حماس بھائی کے ساتھ کتنی مشکل سے آپ کی پسند کا کلر تلاش کر کے وہ اتنا مہنگا سوٹ لے کر آئے تھے۔ آخر کس بات پر آپ اتنا بھاؤ دکھاتی ہیں ان کو اس طرح سے دل توڑ کر اچھا نہیں کیا آپو۔" سجل کی آنکھوں میں آنسو تھے اسے واقعی بہت برا لگا تھا' حماس کتنے خلوص سے لے کر آیا تھا اور میرہ نے کتنی بدتمیزی کی تھی۔

"چپ کرو تم' میری اماں بننے کی ضرورت نہیں۔ چپ کر کے سو جاؤ۔" میرہ نے اسے بھی گھرکی دی۔

"آپو پچھتاؤ گی آپ......" سجل دل ہی دل میں بول کر رہ گئی۔ میرہ چادر اوڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

پتہ نہیں کیا وقت ہو رہا تھا میرہ کی آنکھ کھلی تو سجل بستر پر نہیں تھی' کچھ دیر میرہ نے انتظار کیا شاید واش روم میں ہو مگر جب تھوڑی دیر ہوگئی تو میرہ اٹھی' کمرے سے نکل کر دیکھا تو حماس کے کمرے کی لائٹ ابھی تک جل رہی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ اتنی رات کو سجل حماس کے کمرے میں......؟ وہ غصے سے پیچ و تاب کھاتی ہوئی حماس کے کمرے کی جانب بڑھی' قبل اس کے کہ وہ تیزی سے اندر جاتی اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم روک لیے۔

"سجل گڑیا میری بہن......تم کیوں روتی ہو؟ کیوں دل برا کر رہی ہو...... یہ سب نصیبوں کے کھیل ہیں اور میرا نصیب یہی ہے میں تو بہت کچھ سوچ کر آیا تھا یہاں' پرانی تلخیاں مٹا کر نئے رشتے بنانا چاہتا تھا' میرہ سے شادی کرنا چاہتا تھا...... مجھے

امید تھی کہ میں میرہ کے دل سے نفرت ختم کردوں گا......اس کو منالوں گا......تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود میں اس پاگل لڑکی سے پیار کر بیٹھا ہوں......میں تو سچے دل سے اسے اپنانا چاہتا تھا لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی بدظن شاکی اور اتنی بددل ہے......اس کے دل میں ہمارے لیے رتی برابر بھی گنجائش نہیں......وہ تو سرتاپا زہر ہے زہر......اتنی تلخی ہے اس کے اندر کہ واقعی میں اس فاصلے کو ختم نہیں کرپاؤں گا جو اس کے دل تک جاتا ہے......میں پورے خلوص اور ایمان داری کے ساتھ تمام تر محبتوں کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا' اماں کی بھی دلی خواہش تھی کہ ضحیٰ آپا نہ سہی میرہ ہی ان کی بہو بن جائے......بہرحال' میری دعا ہے کہ اسے بہت اچھا' پیارا اور بہت محبت کرنے والا جیون ساتھی نصیب ہو اور ہاں......تم اس بات کا ذکر پلیز کسی سے بھی مت کرنا میں یہ بات یہیں ختم کردینا چاہتا ہوں ہاں آج تمہارے سامنے یہ اعتراف بھی کروں گا کہ میں دل سے اس لڑکی سے محبت کرنے لگا ہوں اور اس کے علاوہ کوئی لڑکی میری زندگی میں نہیں آئے گی۔"

"اف خدایا......" میرہ کھڑے کھڑے لڑکھڑائی اور الٹے قدموں اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ حماس اس خیال سے یہاں آیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گھومتا سر تھام لیا......سوچوں کا در وا ہوا تھا واقعی......فرجاد اور ضحیٰ اپنی اپنی زندگیوں میں خوش اور مطمئن تھے' اماں اور ناصرہ مامی کے دل صاف ہوچکے تھے اور صرف میں......صرف میں اس بات کو لے کر اتنی جذباتی ہوں......ایک مخلص لڑکے کے ساتھ اتنی بدتمیزی کی' قدم قدم پر بے عزتی' اس کا سر چکرانے لگا تھا وہ مسلسل سوچوں کے گرداب میں الجھی ہوئی تھی' تھوڑی دیر میں سجل بھی آکر لیٹ گئی اور شاید اس کی آنکھ بھی لگ گئی تھی۔ وہ مسلسل سوچ رہی تھی تب اسے احساس ہوا کہ واقعی حماس اچھا لڑکا ہے......اپنی باتیں اور اپنے رویے کے بارے میں سوچا تو خود ہی شرمندہ ہونے لگی......اسے حماس پر ترس آگیا' کتنی برداشت تھی اس میں......کس لیے......؟ صرف میرہ کو اپنانے کے لیے......تلخیاں دور کرنے اور خوب صورت رشتہ قائم کرنے کے لیے وہ مسلسل میرہ کی زیادتیاں' بدتمیزیاں اور طنز برداشت کرتا رہا' وہ تو اچھے مقاصد لے کر آیا تھا۔ تب اس کو اپنے اندر بھی تبدیلی محسوس ہونے لگی......میرہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس انکشاف نے کیسے اس کی سوچوں کا رخ موڑ دیا......اس کے خیالات میں تبدیلی آگئی' وہ خود حیران ہورہی تھی کہ ابھی کچھ دیر پہلے تک حماس سے نفرت کرنے والی میرہ آہستہ آہستہ بدلنے لگی تھی۔

☾......☆......☾

میرہ حسب معمول سحری کے لیے اٹھی' آج حماس بالکل آخر میں اٹھا خلاف توقع خاموشی سے سحری کی اور چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میرہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر میرہ کو نہیں دیکھا۔ میرہ کو عجیب سی فیلنگ ہورہی تھی۔ احساس ندامت اور شرمندگی محسوس کررہی تھی' سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ حماس سے کس طرح بات کرے......سحری کے بعد حسب معمول اماں اور سجل نماز پڑھ کر قرآن پاک پڑھ کر سوگئے میرہ کی تو نیند اڑ گئی تھی۔ سجل سوگئی تو میرہ آہستگی سے اٹھ کر حماس کے کمرے کی طرف آئی۔ وہ بھی جاگ رہا تھا اور جانے کی تیاری کررہا تھا۔

"اوہ......! آپ یہاں......؟" حماس نے اس کو دیکھا تو حیرت سے بولا۔

"یہ لیں جناب......چیک کرلیں میرا بیگ......واپسی کا راستہ ناپ رہا ہوں......ہاں آپ کے گھر سے کچھ لے کر نہیں جارہا سوائے بے عزتی' تحقیر اور حقارت کے......" اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔ وہ سر جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

"کیوں بھئی آپ کی لغت میں بے عزت کرنے والے سارے الفاظ ختم ہوگئے کیا......؟ چلیں لفظ ختم ہوگئے تو ہاتھوں کا استعمال کرلیں......کیونکہ میرا گناہ ہی اتنا بڑا ہے' ناقابل معافی اور سنگین......"

"بس کرو حماس......آئی ایم سوری......میں شرمندہ ہوں' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ایک اچھا مقصد اور نیک ارادہ لے کر آئے ہو۔ میرے ذہن میں وہی تلخی' وہی زیادتی مسلط تھی جو میں نے ضحیٰ آپا پر ہوتی دیکھی تھی۔ میں نے اماں کو راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتے دیکھا تھا' ان کو ناصرہ مامی اور تیمور ماموں سے بہت محبت تھی' ناصرہ مامی سے دور ہوجانے کے بعد وہ بہت اپ سیٹ ہوگئی تھیں اور ابا جی کے سامنے شرمندہ بھی' بس ان باتوں کو لے کر میں بہت ہرٹ ہوئی تھی اور وہ باتیں میرے دل و دماغ سے چپک کر رہ گئی تھیں اور میں تم لوگوں سے بہت متنفر ہوگئی تھی اور صحیح اور غلط کی پہچان کھو بیٹھی' تمہارے ساتھ بہت بدتمیزیاں کیں لیکن اب مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ جو کچھ ہوا رب کی رضا

تھی اور سب اپنی اپنی جگہ مطمئن ہیں، میں اپنی زیادتیوں کی معافی چاہتی ہوں...... کیا...... مجھے معاف کر سکتے ہو......؟"
حماس دم سادھے آنکھیں پھاڑے حیرت سے اس کا نیا اور بالکل الگ انداز دیکھ رہا تھا۔
"کیا...... کیا......! یہ کیا ہے؟ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا......؟ وہ زبان مبارک جس سے انگارے برستے تھے وہاں...... وہاں...... آج اتنی نرمی، اتنا سوفٹ انداز...... میں زندہ بھی ہوں یا مرحومین میں شامل ہوگیا ہوں......؟ خود کو یقین دلاؤ کہ یہ حقیقت ہے۔" حماس نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے خود کو زوردار چٹکی کاٹی۔ نرم اور دھیمے لہجے میں اپنی غلطیوں کا معصومانہ اعتراف کرتے ہوئے نگاہیں جھکائے وہ سیدھا دل میں اترتی جارہی تھی۔
"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" وہ دل ہی دل میں بولا اور پھر منہ بنا کر اس کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا۔
"بس کرو...... رہنے بھی دو...... اب ان چیزوں کا کوئی فائدہ ہے نہ ضرورت...... تم نے میرے دل کو کھلونا سمجھ کر ایک بار نہیں کئی بار توڑا...... بے اعتنائی اور کج روئی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے...... تم نے میرے دل کو میرے احساسات کو اپنے آگ اگلتے لفظوں سے جلا ڈالا...... تم نے میرے جذبات کو اپنی نفرتوں تلے روند ڈالا...... اب...... کیوں آئی ہو تماشہ دیکھنے......؟ اچھا ہے ناں کہ میں...... ناکام و نامراد تمہاری دنیا و گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور...... بہت دور جارہا ہوں...... کبھی نہ آنے کے لیے، جہاں میرا منحوس سایہ بھی تم پہ نہ پڑے گا۔" وہ جذبات میں آکر زیادہ ہی بول گیا تھا تب ہی خود کو روکتے ہوئے الماری پر ہاتھ رکھ کر اس سے سر ٹکا کر فلم عندلیب کی شبنم کی ناکام ایکٹنگ کرنے کی کوشش کی۔
"بس...... بس...... زیادہ بھاؤ دکھانے اور ایموشنل ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں، شرافت سے بات کررہی ہوں تو زیادہ ہی دماغ دکھا رہے ہو...... شرافت سے جواب دو معاف کررہے ہو یا نہیں......؟" وہ پرانی جون میں واپس آگئی تھی۔
حماس نے پلٹ کر غور سے اسے دیکھا، کہیں یہ لڑکی پھر سے نہ بدل جائے۔
"عادت نہیں ہے ناں دل، کانوں اور آنکھوں کو تمہارے اس انداز کی اس لیے...... بندہ تھوڑا تو ایموشنل ہوگا ناں یار۔ اب اچانک سے تم انسان بن گئی ہو تو سمجھنے میں وقت تو لگے گا ناں۔" ساتھ ہی شرارت سے باز نہ آیا۔
"کیا......؟ بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا ایٹی ٹیوڈ۔" میرہ میں کہاں برداشت تھی وہ تیزی سے پلٹی اور باہر کی سمت جانے لگی، دوسرے ہی لمحے اس کی کلائی حماس کے مضبوط ہاتھوں کی زد میں آ گئی تھی۔
"بھاڑ میں چلا جاؤں گا...... مگر تمہارے ساتھ...... مجھے صرف تمہارا ساتھ چاہیے...... چلوگی ناں میرے ساتھ......" وہ قریب آکر محبت بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"ہاں ناں...... یہی تو کہنے آئی تھی۔" وہ بے ساختگی اور معصومیت سے بولی۔
"ہائے سچی...... کہیں مر نہ جاؤں قاتل تیری اس ادا پر۔" دل پر ہاتھ رکھ کر گر جانے کی ایکٹنگ کی۔
"اللہ نہ کرے۔" میرہ نے بے ساختہ ہاتھ اس کے منہ پر رکھا۔
"آہم...... آہم......" سجل کی آواز پر دونوں چونکے...... میرہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹی۔
"مبارک ہو بھئی آپ دونوں کو حالات اور واقعات کا اندازہ کرتے ہوئے اماں اور ناصرہ مامی نے طے کرلیا ہے کہ حماس بھائی کہیں نہیں جارہے اور...... اور ناصرہ مامی، فرجاد بھائی اور سارہ بھابی کراچی آرہے ہیں اور عید کی شام آپ دونوں کا نکاح کردیا جائے گا ان شاء اللہ۔" سجل نے ہاتھوں کا مائیک بنا کر باآواز بلند اعلان کیا۔
"ہائیں...... اتنی جلدی۔" میرہ حیرت سے بولی جبکہ حماس کے چہرے پر بے تحاشہ خوشی تھی۔
"ہاں بھئی اس بار پکا کام ہونا چاہیے ورنہ اگر میں نے بھی کچھ الٹا سیدھا کرلیا تو......"
"تو گولی ماردوں گی تم کو۔" حماس کی بات ختم ہونے سے پہلے میرہ غرائی۔
"ہاہاہا...... نہیں میری جان من...... یہ موقع نہیں آئے گا کیونکہ یہ معصوم تو پہلے ہی تم پر مرمٹا ہے۔" حماس دو قدم آگے آکر محبت سے چور لہجے میں اس کے کانوں میں گنگنایا اور میرہ نے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔

قسط نمبر 20

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ماریہ جیکولین کی زبانی میک سے شادی کا سن کر ششدر رہ جاتی ہے ایسے میں وہ میک سے مل کر اپنے متعلق تمام حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ فی الحال وہ شادی نہیں کرنا چاہتی اور اپنے مذہب کو چھوڑنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ وہ اسے اپنی بھول قرار دیتی ہے میک اس کے انکار پر بدظن ہوجاتا ہے اور خود بھی اس سے شادی پر آمادہ نہیں ہوتا ایسے میں جیکولین اسے سرپال کے حوالے کردینے کا فیصلہ کرتی ہے یہ بات ماریہ کے لیے مزید مشکل کا سبب بنتی ہے۔ مومن جان مہرو کے رشتے سے انکار ہونے پر بے حد برہم ہوتا ہے اور اپنا غصہ مہرو پر نکالتا ہے وہ کسی بھی طرح مہرو کے بوجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے اپنے ایک دوست کی مدد سے تمام سودہ طے کرلیتا ہے لالہ رخ آفس سے واپسی پر مومن جان کی یہ باتیں سن کر دنگ رہ جاتی ہے اور مہرو کے لیے اس کی پریشانی بڑھ جاتی ہے۔ عنایہ باسل سے دوستی کی خواہش مند ہوتی ہے مگر باسل اسے نظر انداز کردیتا ہے حورین کو بھی عنایہ اچھی لگتی ہے اور وہ اس کی دوستی کا جواب محبت اور دوستی سے دیتی ہے۔ بزنس پارٹی میں جہاں بہت سے لوگ مدعو ہوتے ہیں وہیں حورین بھی خاور حیات کے ہمراہ ہوتی ہے اس پارٹی میں خاور حیات کا تعارف مسٹر این ڈی سے ہوتا ہے جو بزنس کی دنیا میں اپنی الگ پہچان رکھتا ہے اور اپنا زیادہ وقت بیرون ملک میں گزار چکا ہے مسٹر این ڈی اس پارٹی میں حورین کو دیکھ کر چونک جاتا ہے وہ اس چہرے کو دیکھ کر عجیب احساسات سے دوچار ہوتا ہے جب ہی وہ حورین کے پاس جا کر اپنے خدشات کی تصدیق کرنا چاہتا ہے مگر حورین کو بھیڑ میں غائب ہوتا دیکھ کر مضطرب ہوجاتا ہے۔ جیسکا اور ابرام کی دوستی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے وہ ابرام کے ساتھ باہر آتی ہے جب ہی ان کی ملاقات فراز سے ہوتی ہے۔ جو لالہ رخ سے فون پر محوِ گفتگو تھا اس مختصر سی ملاقات کے بعد وہ آپس میں نمبرز کا تبادلہ کرتے اپنی اپنی راہوں پر گامزن ہوجاتے ہیں، ہمیر کامیش کا دل فراز کی جانب سے صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر کامیش فی الحال اس بات کو ٹال جاتا ہے اور صحیح وقت کا منتظر ہوتا ہے سونیا اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہتی ہے اور ماں کی تمام باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ہے۔ لالہ رخ جو مومن جان کے عزائم جان کر متفکر ہوتی ہے وہیں مہرو کی گمشدگی کی اطلاع اس کے حواس سلب کرلیتی ہے اسے لگتا ہے کہ مہرو کے ساتھ کچھ غلط ہونے والا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆......☆......☆

رات کے سیاہ آنچل نے آسمان کو پوری طرح ڈھانپ لیا تھا' اماوس کی رات ہونے کی وجہ چہار سو گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا ننھے ٹمٹماتے ستارے بھی گہری تاریکی کو دور کرنے میں ناکام رہے تھے۔ لالہ رخ ہنوز زار و قطار روئے جارہی تھی۔ ''یااللہ میرے مالک مہرو کی حفاظت کرنا اسے ذرہ بھر بھی نقصان نہ پہنچنے دینا' میرے اللہ میری دعا سن لے۔'' وہ ہچکیوں کے دوران بے پناہ روتے ہوئے باآواز دعا مانگتی رہی' اس پل اس کی تمام ہمتیں حوصلہ بھر بھری ریت کی مانند ڈھے کر ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گیا تھا' نجانے کتنے لمحے یونہی گزر گئے تھے جب ہی ایک ہاتھ لالہ رخ کے کندھے پر آ ٹھہرا تھا' وہ جیسے کرنٹ کھا کر ایک پل کے لیے ساکت ہوئی ہچکیوں کے ساتھ ساتھ آنسوؤں کو بھی بریک لگے تھے پھر بے پناہ چونک کر لالہ رخ نے بجلی کی تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھ دیر وہ سامنے کھڑی شخصیت کو ٹکر ٹکر دیکھتی رہ گئی۔

''لالہ کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا تم یہاں راستے میں کیوں بیٹھی ہو اور......اور رو کیوں رہی تھیں۔'' سامنے ہی بے حد حیرت و پریشان سی کھڑی مہرو اس سے استفسار کررہی تھی۔ لالہ رخ کچھ دیر تو انتہائی بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی پھر جب حواسوں بحال ہوئے تو نجانے کیوں اشتعال و طیش کی ایک تیز لہر اس کے اندر سے اٹھی تھی۔ جس نے اس کے دل و دماغ کو پوری

طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم؟ میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا؟ آخر یہ کوئی طریقہ ہے اس طرح کہاں غائب ہوگئی تم مہرو بولو نجانے کب تمہیں عقل آئے گی کب سمجھو گی تم میری باتوں کو ہاں۔" آخر میں لالہ رخ اس کے دونوں بازوؤں کو بری طرح جھنجوڑتے ہوئے بولی تو مہرو نے اسے بہت الجھ کر دیکھا۔ "کتنا سمجھاتی ہوں میں کہ احتیاط کیا کرو مت بے پروائی برتو، مگر نہیں تم نے تو کچھ بھی نہ سمجھنے کی جیسے قسم کھا رکھی ہے۔" اس وقت لالہ رخ کا غصہ بجائے ٹھنڈا ہونے کے بڑھتا ہی چلا جارہا تھا اس پل وہ کس دہشت اور اذیت ناک مرحلے سے گزری تھی اس کا اندازہ مہرو کو قطعی نہیں تھا ابھی تک لالہ رخ کے اعصاب واہمن کے تاروں کی مانند کھچے ہوئے تھے۔

"ایسا بھی کیا ہوگیا لالہ میں پہلی بار تو نہیں گئی ہوں اکثر ایسا ہوتا ہے مگر تم اتنی جذباتی کیوں ہورہی ہو؟" وہ ہنوز متعجب اور لالہ رخ کے اتنے شدید ردعمل پر پریشان سی ہوکر بولی تو لالہ رخ کا غصہ دوچند ہوگیا۔

"یہ علاقہ تمہارے ماموں کا باغ ہے جہاں تم جب چاہے جس وقت چاہے مٹرگشت کے لیے نکل پڑتی ہو کتنا منع کرتی ہوں تمہیں کہ رات میں مت یوں باہر نکلا کرو۔"

"ویسے میرے ماموں تمہارے ابا لگتے ہیں۔" مہرو لالہ رخ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے ہنس کر بولی جبکہ لالہ رخ اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے انتہائی خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"کہاں گئی تھیں تم مہرو؟" اس کے کڑے تیوروں سے پوچھے سوال پر مہرو کچھ بدمزہ سی ہوکر کہنے لگی۔

"افوہ لالہ اب ٹھنڈی بھی ہوجاؤ کیوں انگارے چباتے ہوئے منہ سے آگ اگل رہی ہو ویسے میں چوک پر لگے بڑے بازار گئی تھی اور تم نے تو میرے تھیلے بھی گرادیئے۔" آخر میں مہرو نے جھک کر پلاسٹک کے دو تھیلے زمین سے اٹھائے۔

"تم اکیلی کیوں گئی تھیں بازار جانتی ہو ناکہ وہاں اچھے لوگ نہیں آتے۔" لالہ رخ ہنوز لہجے میں بولی تو مہرو نے سہولت سے اسے دیکھا پھر اپنے مخصوص لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں ابا کے ساتھ گئی تھی۔" لالہ رخ کو اس لمحے لگا جیسے اس کے جسم میں بچھو رینگنے لگے ہوں، اس نے بے حد ہراساں ہوکر مہرو کو دیکھتے ہوئے تقریباً ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ک.....کیا مطلب تم پھوپا کے ساتھ کب گئی تھیں اور کیوں گئی تھیں؟" مہرو اب اچھی خاصی چڑ گئی تھی۔

"افوہ لالہ یہ کیا تم تھانیدارنی بن گئی ہو بھئی ایسی کون سی افتاد ٹوٹ پڑی جو میں ابا کے ساتھ بڑے بازار چلی گئی۔ میں تمہارے گھر سے جب ذلیل ہوکر آرہی تھی تو راستے میں ابا مل گیا اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تمہیں بڑے بازار چلنا ہے تو چلو تمہیں تو معلوم ہے ناکہ وہ صرف چھٹی کے دن لگتا ہے اور بہت دنوں سے میرا وہاں جانے کا دل بھی چاہ رہا تھا بس پھر میں ابا کی سخاوت پر حیران ہوتی چلی گئی۔" وہ پوری تفصیل بتاتے ہوئے بولی پھر دوسرے ہی لمحے اسے کچھ یاد آیا تو بے پناہ متعجب ہوکر بولی۔ "مگر لالہ تم یہاں راستے میں بیٹھی کیوں اتنا رو رہی تھیں سب ٹھیک تو ہے نا۔" مہرو اس وقت اچھی خاصی پریشان ہوگئی تھی جب کہ لالہ رخ مومن جان کا نام سن کر یک دم گم صم سی ہوگئی تھی۔

"آں ہاں، کچھ نہیں مہرو میں تو بس....." وہ پزل سی ہوکر فقط اتنا ہی بولی سارا غصہ طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں لالہ مجھے بتاؤ کیا بات ہے تم اتنی شدت سے کیوں رو رہی تھیں۔" مہرو یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ لالہ رخ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے کی عادی ہرگز نہیں تھی وہ تو بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی مگر آج کا رویہ اور انداز دیکھ کر مہرو حیران ہونے کے ساتھ ساتھ کافی پریشان بھی ہوگئی تھی۔

"وہ.....وہ دراصل تم مجھ سے ناراض ہوکر چلی گئی تھی نا تو میں کافی اپ سیٹ ہوگئی تھی پھر تمہیں پوری وادی میں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتے ڈھونڈتے میرے اعصاب جواب دے گئے تھے اسی لیے رونا آگیا تھا۔" وہ اپنے آپ کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے بولی تو مہرو نے لحظہ بھر کو اسے دیکھا پھر آگے بڑھ کر لالہ رخ کے گلے لگ گئی لالہ رخ ساکت سی ہوئی پھر یک دم اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرتی چلی گئیں۔

"آئی ایم ویری ویری سوری لالہ تم میری وجہ سے کتنی پریشان ہوئی۔" مہرو کی شرمندگی ومحبت کے ملے جلے رنگ میں ڈوبی آواز جب لالہ رخ کی سماعتوں میں پہنچی تو اس وقت اس کا دل چاہا کہ وہ مہرو کو زور سے بھینچ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردے مگر اس نے اپنے آپ پر قابو پایا پھر نرمی سے اس کے وجود کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے بولی۔

"کوئی بات نہیں مہرو مگر آئندہ ایسا نہیں کرنا۔" جب ہی مہرو سرعت سے اس سے الگ ہو کر مسکرا کر جلدی سے بولی۔

"اب ایسا بالکل نہیں ہوگا اچھا چلو اب گھر چلیں اماں اور مامی پریشان ہو رہی ہوں گی اور ہاں تمہیں چیزیں بھی تو دکھانی ہیں جو ابا نے مجھے دلوائی ہیں۔" آخر میں دوشاپرز اس نے لالہ رخ کی نگاہوں کے سامنے لہرائے تو اس پل لالہ رخ کا دل جیسے چھری تلے آ گیا اس کی مسرت اور اشتیاق کو دیکھ کر لالہ رخ کی روح کانٹوں میں الجھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

ابرام بے حد شاکڈ و تحیر کے عالم میں پوری طرح آنکھیں پھاڑے ٹکر ٹکر اپنی بے لچک اور اصول پرست ماں کو دیکھتا ہی رہ جاتا ہے ایک پل کے لیے اسے خیال آیا کہ شاید وہ مذاق کر رہی ہیں مگر مذاق کرنے یا سہنے کی عادت اسے ہرگز نہیں تھی وہ جو کہتی تھی وہی کرتی تھی اپنے فیصلوں اور ارادوں میں پہاڑوں سے بھی کہیں زیادہ سخت اور مستحکم جسے بدلنا یا رد کرنا کسی ذی شعور انسان کے بس کی بات نہیں تھی اور یہ بات وہ سبھی جانتے تھے مگر پھر بھی ابرام سائمن کو تھوڑی سی خوش گمانی ہوئی کہ ہو سکتا ہے کہ جیکولین ماریہ کو ڈرانے دھمکانے کے لیے ایسا کہہ رہی ہو تاکہ وہ جیکولین کی بات مان جائے جبکہ زمین و آسمان کے درمیان معلق سی کھڑی ماریہ بھی کتنے ہی پل بے پناہ حیرت واستعجاب کے عالم میں اپنی جنم دینے والی ماں کو دیکھتی رہ گئی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں حیرت استعجاب کی جگہ گہرے دکھ تاسف اور کرب کے رنگ ہلکورے لینے لگے اس کی ماں اس قدر سفاکانہ اور بے رحمانہ فیصلہ بھی کر سکتی ہے شاید اسے اندازہ نہیں تھا بے اختیار اس کی خوب صورت آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہنے شروع ہو گئے وہ بے آواز روتی چلی گئی اپنی جگہ اسٹیچو بنی جیسکا نے اس لمحے بے حد چونک کر ماریہ کو دیکھا پھر اگلی نگاہ جیکولین پر ڈالی جو اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کیے مطمئن سی کھڑی تھی ابرام بھی خاموش لبوں سمیت ماریہ کو آنسو بہاتا دیکھتا رہا اس پل لاؤنج میں ایسی خاموشی تھی جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو روتے ہوئے ماریہ نے لبوں سے ایک سسکی بھی باہر نہیں نکالی تھی پھر بہت دقتوں سے ابرام نے خود کو سنبھال کر کچھ بولنے پر آمادہ کیا اور بڑی سنجیدگی سے مام کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"آپ کا فیصلہ صحیح نہیں ہے مام آپ پلیز اسے بدل دیجیے ماریہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی صرف میک سے شادی سے انکار کرنے پر آپ ماریہ کو اتنی بڑی سزا مت دیجیے مام یہ میری آپ سے درخواست ہے التجا ہے آپ اپنا فیصلہ بدل دیجیے۔" جواباً جیکولین نے اپنے خوبرو بیٹے کو تیکھے چتونوں سے گھورا پھر بے حد ناگواری سے سر جھٹک کر بولیں۔

"میں نے تم سے کوئی رائے یا مشورہ نہیں مانگا ابرام جو تم مجھے صحیح غلط کے بارے میں بتاؤ اور بہتر یہ ہے کہ تم اس معاملے میں چپ ہی رہو تو اچھا ہے۔"

"میں چپ رہوں مام...... ہرگز نہیں مام یہ میری بہن کی زندگی کا معاملہ ہے میں اس طرح بے دخل ہرگز نہیں ہو سکتا۔" لہجے میں استعجاب کے ساتھ ساتھ قطعیت بھی تھی۔

"وہ تمہاری بہن ہے تو میری بیٹی بھی ہے اور میں اس کی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کی مختار ہوں۔" جیکولین ناگوار لہجے میں بولی تو ابرام خاموش سا ہو کر چند ثانیے اسے دیکھتا رہا جب ہی خاموشی سے آنسو بہاتے ہوئے ماریہ کو جیکولین نے بے حد سخت گیر انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پال نے مسٹر جوزف سے بات کر لی ہے تم اپنی پیکنگ شروع کرو کل صبح میں تمہیں خود چرچ جا کر چھوڑ دوں گی۔" اس بات پر تینوں کو ایک بار پھر سانپ سونگھ گیا تھا ماریہ کا بے ساختہ اس پل دل چاہا کہ اس کے جسم میں دوڑتی سانسوں کی رفتار ہمیشہ کے لیے تھم جائے۔

"یا اللہ! یہ کیسی آزمائش کیسا امتحان ہے کہ جس کا سوچ کر ہی میرا دل بند ہوا جاتا ہے میں تیرے راستے کی جانب ہر طور آنے کی سعی کرتی ہوں مگر پھر چند ہی قدم چل کر ہر راستہ مسدود ہو جاتا ہے سامنے بہت قد آور دیوار کھڑی ہو جاتی ہے جسے نہ میں عبور کر سکتی ہوں نہ گرا سکتی ہوں میں کس طرح تیرے پاس آؤں میرے اللہ میری ہمت میرا حوصلہ ٹوٹ رہا ہے میری جان لبوں پر آ رہی ہے

میری مدد کیجیے میرے اللہ میرے اللہ مجھے اس مشکل سے نکال باہر کیجیے۔" وہ بے اختیار دہائی دینے والے انداز میں دل ہی دل میں کرتی رہی۔

"آنٹی ماریہ کو نن بنانے کا فیصلہ آپ کا بہت سخت ہے وہ ساری زندگی چرچ میں رہے گی زندگی کی تمام خوشیوں اور آسودگیوں سے محروم ہوجائے گی پوری عمر مذہب کی تبلیغ کرنے اور وہاں کے سخت اصولوں پر کار بند رہے گی وہ کبھی شادی نہیں کرسکے گی آنٹی۔" جیسکا بھی ہمت کرکے بولی تو جیکولین اپنے ہنوز انداز میں تیزی سے بولی۔

"مجھے یہ سب کچھ پہلے سے معلوم ہے جیسکا۔" جیکولین کے جواب پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی جب ہی ابرام کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوا۔

"مام جب آپ نے اتنا بڑا اور سنگین فیصلہ کرہی لیا ہے تو مسٹر ایڈم کا انتظار کرلیں آفٹر آل وہ ماریہ کے باپ ہیں۔" ابرام کی بات پر جیکولین جیسے جلتے توے پر جا بیٹھی انتہائی تلملا کر اسے دیکھ کر بولی۔

"یہ کیا بکواس ہے ابرام تم نے یہ بات کہی بھی کیسے؟ وہ ایڈم صرف اس بدذات کو دنیا میں لانے کا سبب بنا ہے اور کچھ نہیں کیا اس ایڈیٹ ایڈم نے اور ایک بات تم سب کان کھول کر سن لو ماریہ صرف میری بیٹی ہے اس ایڈم کو تو صرف اپنی مے نوشی سے سروکار ہے اور کسی بھی بات سے نہیں نہ جانے کس ملک کے کونے میں پڑا شراب کے نشے میں دھت ہوگا۔" اس پل جیکولین کے لہجے میں بے پناہ حقارت و تنفر تھا ابرام چپ کا چپ رہ گیا۔ جیکولین سو فیصد صحیح کہہ رہی تھی ماریہ کے باپ ایڈم نے کبھی اس کی پروا نہیں کی تھی وہ سال میں بمشکل ہفتہ دس دن کے لیے گھر آتا تھا اور یہ دن بھی جیکولین کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں گزر جاتے تھے پھر نجانے کہاں منہ اٹھا کر نکل جاتا اور کس کونے میں جاکر چھپ جاتا تھا پھر وہ تیزی سے رخ موڑ کر ماریہ سے مخاطب ہوئی۔

"تم نے سن لیا ہے نا اپنی پیکنگ کرلینا کل صبح مسٹر جوزف کے پاس جانا ہے...... دیٹس اٹ۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

زرتاشہ اور زرینہ کے درمیان ایک بار پھر لڑائی ہوگئی تھی اور اس بار وجہ بھی مہوش کی شادی تھی زرینہ چاہ رہی تھی کہ وہ مہوش کی شادی کا ہر فنکشن جیسے ڈھولکی مایوں مہندی اور شادی اٹینڈ کریں مگر زرتاشہ ہر موقع پر جانے کو بالکل بھی آمادہ نہیں تھی۔

"زری تمہارا بس چلے تو ابھی سے تم مہوش کے گھر جاکر ڈیرے ڈال کر بیٹھ جاؤ یار حد ہوتی ہے کسی بھی بات کی چلو ٹھیک ہے کہ مہوش ہماری اچھی دوست ہے اس کی شادی کا موقع ہے تو ہم ایک فنکشن اٹینڈ کرلیں گے ویسے بھی تمام فنکشنز رات کے ہیں وارڈن سے اجازت لینے کا مسئلہ الگ ہے اور پھر اتنی رات کو ہم دو تنہا لڑکیاں فنکشن اٹینڈ کرتی اچھی لگیں گی کیا؟" زرتاشہ اسے ہر طور سمجھانے اور راضی کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

"ہم دو نہیں بلکہ چار لڑکیاں مسکان اور رمشا بھی تو ہیں نا۔"

"چلو وہ دونوں بھی سہی اور وہ دونوں کون سی مسٹنڈیاں ہیں...... ہیں تو ہماری طرح لڑکیاں ہی۔"

"افوہ تاشو...... ایک تو میں تمہارے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے سے سخت عاجز ہوں۔" زرینہ اس کی جانب دیکھ کر انتہائی بے زاری سے بولتی اپنے بیڈ پر دھپ سے گری تو زرتاشہ نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا پھر قدرے ناگواری سے گویا ہوئی۔

"ڈر اور خوف کوئی بری چیز نہیں ہے زری اسی بدولت ہم احتیاط اور عقل مندی سے کام لیتے ہیں اور اسی بدولت ہم بہت سے خطرات سے بھی بچ جاتے ہیں بلاوجہ کی بہادری کبھی کبھی ہمیں بہت بڑے نقصان سے بھی دوچار کردیتی ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ قدرے متفکرانہ ہوگیا تھا جب کہ زرینہ ہنوز ناراضی والے انداز میں بیٹھی تھی زرتاشہ کی بات مکمل ہونے پر فوراً بولی۔

"مگر بلاوجہ میں ہروقت ڈرتے سہمتے رہنا یہ بھی کوئی اچھی بات تو نہیں ہے اور مہوش کہہ تو رہی ہے نا کہ وہ ہر فنکشن میں ہمیں ڈرائیور کے ذریعے بلوائے اور چھڑوائے گی تو پھر کیا مسئلہ ہے اور رہا وارڈن کا سوال تو مہوش نے کہا ہے کہ اس کے فادر ان سے بات کرلیں گے۔"

"زری پلیز یار میری بات سمجھنے کی کوشش کرو یہ ہمارا شہر نہیں ہے ہم یہاں کسی کو جانتے بھی نہیں ہیں یہاں کے لوگ کس

طرح کے ہیں، ہمیں کچھ نہیں معلوم ہمارا تو کوئی اپنا بھی نہیں ہے اور ویسے بھی ہم یہاں پڑھائی کرنے آئے ہیں شادیاں اٹینڈ کرنے نہیں۔" زرتاشہ کی پوری کوشش تھی کہ اس کی بات کسی بھی طرح زرینہ کے دماغ میں اتر جائے مگر وہ تو جیسے کچھ بھی سننے کو گویا تیار نہیں تھی۔

"افوہ تاشو ہم کون سا روز روز شادیاں اٹینڈ کر رہے ہیں۔" زرینہ جھنجلا کر بولی تو زرتاشہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"ویسے تو تم اچھی خاصی عقل مند اور سمجھدار ہو مگر یہاں نجانے کیوں تمہاری ساری سمجھ اور عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔"

"تاشو تم اس بات کو اتنا سیریس کیوں لے لیتی ہو اگر ہاسٹل سے باہر ہم کسی کی گاڑی میں کہیں گھومنے پھرنے چلے جائیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔" زرینہ نے آف وائٹ اور بے بی پنک کنٹراسٹ کے لان کے سوٹ میں ملبوس زرتاشہ کو دیکھتے ہوئے اس بار کافی نرمی سے مخاطب کر کے کہا تو جواباً زرتاشہ نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورا پھر ناگوار انداز میں گویا ہوئی۔

"ہمارے گھر والوں نے کیا ہمیں اس بات کی اجازت دی تھی کہ ہم اس طرح یوں بنا انہیں بتائے کسی کے بھی ساتھ سیر سپاٹوں کے لیے نکل جائیں یا پھر راتوں کو شادیاں اٹینڈ کرتے پھریں۔" زرتاشہ کی اس بات پر زرینہ جز بز ہو گئی اس بات کا جواب تو اس کے پاس نہیں تھا زرتاشہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی زرتاشہ نے ایک نظر زرینہ پر ڈالی پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"دیکھو زری ہم جن علاقوں سے آئے ہیں ناں وہ کراچی جیسا بڑا نہیں، ہمیں یہاں کے طور طریقے نہیں معلوم لوگوں کی عادات وخصلت کا بھی اندازہ نہیں مگر اتنا تو ضرور جانتے ہیں کہ ہم چھوٹے علاقوں کے قدامت پرست لوگ ہیں ان جیسے ہرگز نہیں ہیں، مہوش بہت اچھی لڑکی ہے زری مگر وہ ہماری جیسی تو نہیں ہے نا۔" آخر میں زرتاشہ نے سہولت سے زرینہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تو زرینہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا پھر قدرے توقف کے بعد اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو تاشو میری ضد غلط تھی۔ چلو یہ ٹھیک ہے کہ ہم کوئی ایک فنکشن اٹینڈ کر لیں گے، بلکہ ایسا کرتے ہیں ہم مہندی میں چلتے ہیں مہوش بتا رہی تھی کہ اس دن اس کا نکاح بھی ہے کہہ رہی تھی کہ خوب رونق لگے گی تو پھر ڈن، ہم مہندی میں چلیں گے او کے۔" آخر میں اس کا لہجہ جوش وانبساط سے پُر ہو گیا تھا زرتاشہ بے اختیار ہنس دی پھر جلدی سے بولی۔

"او کے.....او کے ڈن۔"

☆......☆......☆

انتہائی حیرت انگیز طور پر مومن جان کا رویہ مہرینہ سے بہت اچھا ہو گیا تھا بات بات پر اسے بری طرح جھڑکنا اور ہمہ وقت اس سے بے زاری اور ناگواری کا اظہار کرنا سب کچھ مفقود ہو گیا تھا' اب تو مومن جان مہرو کو اتنے شفقت اور پیار سے مخاطب کرتا کہ مہرو اور گڈو دونوں حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو جاتیں۔

"ہائے اللہ یہ آج کل ابا کو کیا ہو گیا ہے اتنا میٹھا لہجہ اور پیارا ابا تو کبھی نہیں تھا۔" مہرو ابھی تھوڑی دیر پہلے مومن جان کو پانی کا گلاس تھما کر آئی تو جواباً مومن جان نے بے حد حلاوت آمیز انداز میں اس کے سر پر دست شفقت پھیر کر کہا تھا۔

"جیتی رہے میری دھی رب سوہنا تیرے نصیبوں کو اچھا کرے۔" جب کہ مہرو کتنی ہی دیر ابا کو ٹکر ٹکر دیکھتی رہ گئی اور اب دل ہی دل میں خود سے بولی۔

"لگتا ہے آج کل ابا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ورنہ ابا اور ایسا رویہ۔" ابھی وہ مزید خود سے سوال جواب کرتی کہ اچانک ہلکے سے داخلی دروازے پر دستک کرتی انتہائی غیر متوقع طور پر لالہ رخ اندر چلی آئی مہرو جو صحن کے بیچوں بیچ کھڑی تھی اورنج اور آف وائٹ لان کے کنٹراسٹ کے سوٹ میں ملبوس لالہ رخ کو دیکھ کر وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی پھر بڑے جوش وانبساط بھرے انداز میں اس کے قریب آ کر بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

"ارے واہ لالہ رخ تم اس وقت میرے گھر کیسے آ گئیں۔" وہ اپنی حیرت کا برملا اظہار کرتے ہوئے بولی تو لالہ رخ ہولے سے ہنستے ہوئے اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے بولی۔

"کیوں اس وقت میرے آنے پر کوئی پابندی ہے کیا؟" اب لالہ رخ اسے کیا بتاتی کہ جب سے اس نے مومن جان کی باتیں سنی ہیں اس کا ہر لمحہ خوف واضطراب میں گزر رہا تھا اس وقت بھی وہ انتہائی بے چینی محسوس کر کے یہاں چلی آئی تھی لالہ رخ کی

بات پر مہرینہ اپنے مخصوص انداز میں کھلکھلا کر گویا ہوئی۔

''میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ رات کے اس وقت تم مجھے سختی سے باہر جانے کو منع جو کرتی ہو نا۔'' لالہ رخ مہرو کو ہنستے ہوئے یک ٹک دیکھتی چلی گئی خوب صورت سے دہانے اور شنگرفی ہونٹوں کے پیچھے چمکتے موتیوں جیسے دانت اور لبوں پر بکھری بے فکری سی ہنسی اس پل انتہائی دلکش لگ رہی تھی۔

''اے میرے مالک تو میری مہرو کی جان اور عزت کی حفاظت کرنا' میری مہرو کو کچھ نہیں ہونا چاہیے' میرے اللہ میں تجھ سے التجا کرتی ہوں۔'' لالہ رخ دل ہی دل میں بے پناہ گڑگڑاتے ہوئے بولی جب ہی مہرو نے اسے اس کے دھیان سے ٹوکا۔

''اب کیا یہیں کھڑی رہو گی یا پھر میڈم اندر بھی چلو گی۔'' لالہ رخ نے ابھی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اسی دم مومن جان صحن میں داخل ہوا۔ لالہ رخ اس سفاک انسان کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ کر اندر ہی اندر بے اختیار کپکپا کر رہ گئی۔

''ارے لالہ بیٹا...... تم آئی ہو بھئی اندر آؤ نا وہاں باہر کیوں کھڑی ہو بیٹا۔'' اتنا میٹھا اور شہد آگئیں لہجہ اور اپنائیت سے پُر الفاظ سن کر لالہ رخ کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا اس نے انتہائی نا سمجھی والے انداز میں بے پناہ الجھ کر مومن جان کو دیکھا تو وہ انتہائی پُرشفیق مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے بولا۔

''لالہ دھیے اندر آجاؤ وہاں کیوں کھڑی ہو گڑیا۔'' مہرو لالہ رخ کے پہلو میں کھڑی اس کی حیرت سے حظ اٹھا رہی تھی۔ جب ہی وہ تیزی سے بولی۔

''ابا میں اسے اندر ہی لا رہی ہوں۔'' پھر فوراً سے پیشتر لالہ رخ کا بازو تھام کر اس کی جانب جھک کر ہلکی سی سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

''افوہ لالہ اب اور حیران اندر چل کر ہو جانا ابھی تو اندر چلو نا۔''

''آں...... ہاں...... ہاں سلام پھوپا۔'' لالہ رخ بے حد مشکلوں سے خود پر قابو پا کر بولی۔

''وعلیکم السلام دھیے۔'' مومن جان نے بے پناہ گرم جوشی سے اسے جواب دیا تو بے اختیار وہ دل ہی دل میں خود سے بولی۔

''اوہ تو بھیڑیے نے بکری کی کھال پہن لی ہے۔'' پھر سر جھٹک کر مہرو کے ہمراہ اندر کی جانب چل دی۔

☆......☆......☆
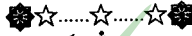
سونیا اس وقت تھکی ہوئی سی گھر میں داخل ہوئی تھی جب کہ لاؤنج میں کھڑی سارا بیگم انتہائی ٹک سک سے تیار کہیں جانے کے لیے نکلنے والی تھیں۔

''سونیا مائی ڈارلنگ بے بی...... کیسا گزرا آج کا دن۔'' سارا بیگم اسے کاؤچ پر گرتے دیکھ کر حلاوت آمیز لہجے میں بولیں تو اس پل بے زاری کے رنگ سونیا خان کے چہرے پر بکھرتے چلے گئے۔

''ایک دم بورنگ اور ڈل مام۔'' سونیا نے اپنی فرینڈز کے ساتھ مل کر آؤٹنگ کا پروگرام بنایا تھا مگر نجانے کیوں اس کا دل کسی بھی بات میں نہیں لگ رہا تھا' عجیب سی بے زاری اور تھکن تھی جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سارا بیگم نے اسے ایک نگاہ پُرسوچ انداز میں دیکھا پھر چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد دھیرے سے گویا ہوئیں۔

''لگتا ہے کہ تم نے زیادہ انجوائے نہیں کیا؟''

''اوہ مام مجھے بالکل بھی مزہ نہیں آیا آئی تھنک یہ موسم کا اثر ہے میں خود کو کافی ڈل محسوس کر رہی ہوں۔'' وہ ہنوز بے زاری سے شانے اچکاتے ہوئے بولی تو کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی چھا رہی پھر قدرے توقف کے بعد سارا بیگم کی آواز نے سکوت توڑا۔

''جانو میں مسز حارث کی بیٹی کی اینگیج منٹ پارٹی میں جا رہی ہوں اگر تم بھی چلو تو کچھ فریش ہو جاؤ گی۔'' سارا بیگم کی بات پر سونیا نے چونک کر انہیں دیکھا پھر منہ بسور کر بولی۔

''مگر مام میں کچھ تھکن محسوس کر رہی ہوں۔'' پھر اچانک وہ خود ہی کہنے لگی۔ ''او کے مام میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں مگر آپ تو بالکل ریڈی ہیں اور میں تو ابھی تیار بھی نہیں ہوئی۔''

"اٹس او کے بیٹا میں آپ کا ویٹ کرلوں گی بس آپ جلدی سے ریڈی ہوکر آجائیں۔" سارا بیگم خوش گواری سے بولیں تو سونیا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کاؤچ سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆
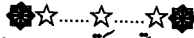
"دیکھ لیا تم نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ، میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا تھا کہ باز آجاؤ' چھوڑ دو اپنی یہ بچکانہ حرکت' مجھے معلوم تھا کہ اس کا انجام بہت سنگین ہوگا' مگر نہیں تم نے تو کچھ بھی نہ ماننے اور سننے کے لیے اپنے کان بند کر رکھے تھے۔" ابرام اس پر پوری طرح سے گرج برس رہا تھا جب کہ وہ کسی معصوم بچے کی مانند سر جھکائے بیٹھی تھی ماریہ کو فادر جوزف کے حوالے کرنے کی خبر نے ابرام کو اچھا خاصا بدحواس کردیا تھا وہ انتہائی بے قراری سے پورے کمرے میں چک پھیریاں لگا رہا تھا' اس کا ذہن جیسے کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے انکاری تھا چلتے چلتے وہ یک دم اپنی جگہ رکا اور انتہائی خشمگیں نگاہوں سے ماریہ کے جھکے سر کو گھورتے ہوئے دوبارہ بولا۔

"ماریہ تم اس رستے پر چلتے ہوئے ایسی جگہ آن کھڑی ہوئی ہو کہ آگے بہت گہری دلدل اور پیچھے بہت خطرناک کھائی ہے' اب بتاؤ کیا کرو گی تم؟ کیا کل صبح چپ چاپ اپنا سامان سمیٹ کر فادر جوزف کے چرچ میں جاکر سیاہ و سفید لباس پہن لو گی یا پھر میک سے شادی پر رضامند ہو جاؤ گی۔" ابرام کی اس بات پر بھی ماریہ نے سر نہیں اٹھایا وہ ہنوز سر نیہوڑائے بیٹھی رہی جبکہ اس کے پہلو میں بیٹھی جیسکا نے انتہائی ہمدردانہ اور ترحم بھری نگاہوں سے ماریہ کو دیکھا تھا' جیکولین اپنا فرمان جاری کر کے اسٹڈی میں بند ہوگئی تھی' جبکہ جیسکا اور ابرام ماریہ کے ہمراہ اس کے کمرے میں آگئے تھے۔ اس وقت سے اب تک ماریہ کسی مجسمے کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی تھی جبکہ ابرام اور جیسکا کا مارے پریشانی اور گھبراہٹ کے برا حال ہو رہا تھا۔

"ابرام پلیز کول ڈاؤن تم اتنی سختی سے پلیز ماریہ کے ساتھ بات مت کرو تم دیکھ نہیں رہے اس کی کیفیت' کتنی ڈپریسڈ ہے وہ۔" جیسکا ابرام کو دیکھتے ہوئے شستہ انگریزی میں بولی تو انتہائی طیش کے عالم میں ابرام نے اپنے لبوں کو بھینچا پھر درشت لہجے میں بولا۔

"جیسکا یہ سب کچھ کیا دھرا خود اس کا ہے' اسی نے اپنی حرکتوں کی بدولت یہ دن دیکھا ہے' اوہ گاڈ میں نے کتنا سمجھایا تھا اس کم عقل کو کہ باز آجائے چھوڑ دے یہ سب کچھ مگر اس نے تو میری ایک بات بھی نہیں مانی۔" ابرام کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ تھپڑوں سے ماریہ کا چہرہ سرخ کردے بھلا کیا ضرورت تھی اسے اپنا مذہب تبدیل کرنے کی آخر وہ یہ بات کیوں کر فراموش کر گئی تھی کہ جس فیملی اور کمیونٹی سے وہ تعلق رکھتی ہے وہ اسلام کی کتنی بڑی مخالف ہے' اس کی خود کی سگی ماں اس مذہب سے بے پناہ عداوت اور بے زاری رکھتی ہے۔ ابرام کی بات پر ماریہ نے دھیرے سے اپنا سر اٹھایا اور اس پل اس کا چہرہ بالکل لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔

"میں نے کوئی کم عقلی والی حرکت نہیں کی ہے برو اور نہ ہی مجھے اپنے کسی عمل پر کوئی پچھتاوا یا ندامت ہے' یہ تو میرے اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم خاص ہے کہ اس نے مجھے ہدایت کی روشنی عطا کی اور مجھے گمراہی و غفلت کے اندھیرے سے باہر نکالا اور مجھے ایمان کے نور سے مالا مال کردیا میں اپنے کیے پر نہ آج شرمسار ہوں اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوں گی۔" ماریہ ایک جذب کی کیفیت میں ڈوبی کہتی چلی گئی جبکہ جیسکا پوری طرح منہ کھولے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس یک ٹک انتہائی حیرت واچنبھے سے اسے دیکھتی رہ گئی وہ خاموش ہوئی تو ابرام نے بے حد چڑ کر اسے دیکھا پھر بے اختیار کرسی پر بیٹھ کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا پھر قدرے توقف کے بعد سر اٹھا کر اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرا تو دل چاہ رہا ہے ماریہ کہ میں ابھی اور اسی وقت تمہارا خون کردوں۔" جواباً ماریہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری پھر دھیرے سے بولی۔

"آپ چاہیں تو ایسا کرلیں برو میں آپ کو اپنا خوف معاف کردوں گی۔"

"اوہ شٹ اپ ماریہ۔" ابرام بری طرح سلگا۔

"مجھے اپنی موت کا خوف نہیں ہے برو مگر مام اور سرپال نے میرے لیے جو سزا تجویز کی ہے وہ موت سے بھی بدتر ہے۔" ماریہ تیزی سے بولی۔

"تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ سرپال کس حد تک جاسکتے ہیں؟"

"تھا.....مگر اس بات کا نہیں تھا۔"

"اوہ ماریہ یو آر ٹو مچ۔" وہ زچ ہوا۔

"سرپال میرے پر کاٹ لینا چاہتے ہیں۔" ماریہ باآواز بلند بڑبڑائی تھی۔

"وہ اس سے بھی زیادہ برا سلوک کرسکتے ہیں تمہارے ساتھ۔"

"وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جب تک میرا اللہ نہ چاہے۔"

"وہ کافی حد تک بگاڑ چکے ہیں اب تم کیا کرو گی ماریہ؟"

"میں مسٹر جوزف کے چرچ چلی جاؤں گی۔"

"واٹ......" اس وقت ابرام اور پہلے سے تحیر کے عالم میں بیٹھی جیسکا کو لگا جیسے کمرے کی چھت ان پر آن گری ہو جب کہ ان دونوں کے برعکس ماریہ کے چہرے پر بلا کا سکون اور اطمینان پھیلا ہوا تھا ابرام اور جیسکا نے ایک دوسرے کو بے پناہ الجھ کر دیکھا پھر بڑی دقتوں کے بعد ابرام کچھ پوچھنے اور بولنے پر آمادہ ہوا تھا۔

"ک.....کیا......کیا مطلب ہے ماریہ تمہارا اس بات سے؟ تم جانتی ہو نا کہ ایک نن کی کیا ذمہ داری اور فرائض ہوتے ہیں۔"

"جب میں اس مذہب کی پیروکار ہی نہیں ہوں تو پھر کیسی ذمے داریاں اور کون سے فرائض۔" وہ بڑی بے پروائی سے شانے اچکا کر بولی تو اس پل ابرام کا دل چاہا کہ اسے بری طرح جھنجوڑ ڈالے۔

"تم جانتی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو ایک بار جب تم وہ یونیفارم پہن کر چرچ میں رہنے لگو گی نا تو تادم مرگ وہاں سے نکل نہیں سکو گی تم......ماریہ یہ کوئی بچوں کا کھیل اور مذاق نہیں ہے۔" ابرام کی بات پر ماریہ نے لحظہ بھر اپنے بھائی کو دیکھا پھر بے اختیار اوپر سر کرکے گویا ہوئی۔

"میں نے یہ معاملہ اپنے اللہ کے سپرد کردیا ہے کیونکہ یہاں میں بالکل بے بس اور مجبور ہوگئی ہوں اب مجھے صرف اپنے اللہ کی مدد کا انتظار ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری مدد ضرور کرے گا۔" ماریہ کے لہجے کا یقین اور مضبوطی محسوس کرکے ابرام چپ کا چپ رہ گیا جبکہ جیسکا بھی ماریہ کو دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

گھر آ کر لالہ رخ اور بھی زیادہ بے چین اور مضطرب ہوگئی تھی مومن جان کے رویے اور انداز نے اسے اور بھی زیادہ پریشان اور بے قرار کردیا تھا۔

"یا اللہ میں کروں بھی تو کیا کروں، پھوپا میٹھی چھری بن کر حلال کرنا چاہتے ہیں یہ تو اور زیادہ خطرے کی بات ہے کہ انہوں نے اپنا رویہ اتنا مشفقانہ اور عاجزانہ کرلیا ہے۔ پھوپو پہلے تو ان سے چوکس رہتی تھیں مگر اب ضرور بے فکر ہوجائیں گی اف میرے اللہ میں کیا کروں، کیسے مہرو کو اس کے باپ کے مذموم ارادوں سے بچاؤں۔" وہ بے قراری سے اپنی انگلیاں آپس میں مروڑتے ہوئے خود سے بولی دشمن جب بظاہر میٹھا اور نرم ہوجاتا ہے تو وہ بے خبری کے عالم میں پیٹھ کے پیچھے سے وار کرتا ہے جس سے بچاؤ ناممکن ہوجاتا ہے اور پھر انسان بری طرح گھائل ہوجاتا ہے، گڈو بیگم جیسی سادہ لوح عورت بھی آج کافی حیرت اور خوش گواری کا اظہار لالہ رخ سے کررہی تھیں۔

"بس لالہ مجھے تو لگتا ہے کہ رب سوہنے نے میری دعائیں قبول کرلی ہیں میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگتی تھی کہ مومن کا سلوک میری بچی کے ساتھ اچھا ہوجائے۔" گڈو بیگم کی سادگی پر وہ محض ایک نگاہ انہیں دیکھ کر رہ گئی پھر کچھ سوچ کر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

"آپ نے پھوپا سے پوچھا نہیں کہ اچانک اس تبدیلی کا اصل سبب کیا ہے۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس پل لالہ رخ کے انداز میں طنز کی آمیزش در آئی تھی مگر اپنی خوشی میں مگن گڈو بیگم نے غور نہیں کیا تھا۔

"ہاں نا پوچھا تھا میں نے جب ہی مومن جان نے مجھے بتایا کہ اس کے دوست کی جواں سال بیٹی کرنٹ لگنے سے مرگئی، بس تب ہی سے اسے مہرو کے ساتھ اپنی بدسلوکی کا احساس ہوا اور پھر وہ بدل گیا۔" اسی دم مہرو باورچی خانے سے اس کے لیے چائے کا

مگ لے کر آئی تو لالہ رخ نے خاموشی سے اسے تھام لیا۔

"لالہ تمہیں فضل چاچا کے بیٹے راجو نے یہاں چھوڑا ہے ناں اب وہ تمہیں لینے آجائے گا لہٰذا تم میرے ساتھ کمرے میں چلو مجھے تمہیں کچھ دکھانا ہے۔" وہ فضل چاچا کے پندرہ سالہ بیٹے کے ہمراہ اس کے گھر آئی تھی کیونکہ رات کے نو بجے وادی میں بے حد سناٹا پھیل جاتا تھا' اس نے کہا تھا کہ ایک گھنٹے میں وہ اسے لینے آجائے گا لہٰذا مہر واس سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی تھی اسی لیے وہ بہانے سے اسے وہاں سے اٹھا کر لے گئی۔ لالہ رخ بھی بے چینی سے بستر سے اٹھ کر کمرے میں بے مقصد ٹہلنے لگتی کبھی ساکت سی ہو کر بستر پر گر پڑتی وہ پوری رات اس نے جاگ کر گزار دی تھی۔

☆......☆......☆
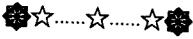
سونیا تقریب سے گھر واپس آئی تو اس پل اس کا موڈ بے حد خراب تھا وہاں جا کر اس کی بے زاری اور ناگواری میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا' کمرے میں آتے ہی اس نے اپنے پیروں کو قیمتی سینڈلز سے آزاد کیا اور انہیں بڑی بے دردی سے ایک کونے میں پٹخا پھر بے حد طیش میں کھڑی اپنی جیولری جیسے نوچ نوچ کر اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکی اور دھپ سے اپنے بستر پر آگری اس وقت غصہ و ناگواری اس قدر عروج پر تھا کہ بے اختیار سونیا کا دل چاہا کہ زور زور سے رونا شروع کر دے مگر اس نے اپنے لبوں کو سختی سے بھینچ کر خود کو رونے سے باز رکھا پھر جب کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا تو سائیڈ ٹیبل پر دھری بیش قیمت اور بے حد نفیس سی ٹائم پیس کو اٹھا کر سامنے کی دیوار پر پوری طاقت سے دے مارا جو پل بھر میں ہی اپنی اصل ہیئت تبدیل کر کے اب چھوٹے چھوٹے کانچ کے ٹکڑوں میں بدل کر جگہ جگہ پھیل گئی تھی۔

"یہ لوگ سمجھتے کیا ہیں خود کو کیا میری ہستی کی شناخت اس ایڈٹ کامیش شاہ کے حوالے سے ہے' کیا میں صرف مسز کامیش شاہ ہوں نو نیور...... میں سونیا ہوں' سونیا اعظم خان اپنی خود کی پہچان رکھتی ہوں۔" وہ آخر میں بے پناہ زعم اور غرور سے خود سے بولی آج پارٹی میں اسے سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا مگر سونیا اعظم خان کی حیثیت نہیں بلکہ مسز کامیش شاہ کی حیثیت سے ہی اسے خصوصی پروٹوکول دیا گیا تھا۔

"ارے مسز مہتاب ادھر آئیے میں آپ کو آج ایک خاص مہمان سے ملواؤں یہ ہیں سونیا کامیش' پولیس کمشنر مسٹر کامیش شاہ کی وائف جن کی بہادری اور کامیابی کے ڈنکے پورے پاکستان میں بج رہے ہیں۔" مسز حارث اپنے بھاری بھرکم وجود کو ساڑھی میں لپیٹے بے پناہ جوش و انبساط سے کسی سے مخاطب ہو کر بولی تھیں اور پھر چند ہی لمحوں میں سب نے اسے ایسے گھیر لیا تھا جیسے وہ کوئی بڑی اسٹار یا سلیبرٹی ہو۔

"واؤ آپ کامیش شاہ کی وائف ہیں وہ تو میرے آئیڈیل بن گئے ہیں کتنے بریو اور ہینڈسم ہیں آپ کے ہزبینڈ۔" ایک کیوٹ سی نوعمر لڑکی بے حد اشتیاق اور رشک سے اس کے پاس آ کر بولی تھی۔

"سونیا ڈیئر پلیز آپ اپنے ہزبینڈ سے کہہ کر ہمارے لیے ٹائم دلوا دیں دراصل ہمارے اسکول میں نیکسٹ منتھ بہت بڑا فنکشن ہونے والا ہے ہم انہیں ایز آ چیف گیسٹ بلانا چاہتے ہیں۔" کوئی خاتون بڑی تمکنت سے بولی تھیں۔

"ارے سارا تم تو بہت لکی ہو بھئی' کتنا شاندار داماد ملا ہے تمہیں۔" سونیا کے عقب سے کسی کی آواز ابھری تھی وہاں موجود اس کی ہم عمر لڑکیوں کی نگاہوں میں اپنے لیے رشک و حسد کے ملے جلے رنگوں کو سونیا نے بخوبی محسوس کیا تھا جبکہ سارا بیگم کسی خاموش تماشائی کی مانند سونیا کو دیکھ رہی تھیں۔

"اب ایسا تو پھی نہیں ہے کامیش جس کے اوپر وہ سب مرے چلی جا رہی تھیں۔" سونیا کے ذہن میں جو کچھ دیر پہلے والی باتیں گونج رہی تھیں انہیں جھٹک کر بڑی نخوت سے وہ خود سے بولی تھی۔

☆......☆......☆

یہ جگہ اس کے لیے بالکل نئی اور اجنبی تھی وہ بے حد حیران حیران نگاہوں سے چہار سو دیکھ رہی تھی اطراف میں اڑتے سفید براق بادل اس کے بدن سے آر پار ہو کر گزر رہے تھے تاحد نگاہ سبز و نرم گھاس کا بچھونا اس کے ننگے پیروں میں تراوٹ سی بھر رہا تھا چھوٹے قد کے خوشنما پیڑ عجیب قسم کے پھلوں سے ڈھکے بے پناہ دلفریب و دلکش لگ رہے تھے جب کہ اطراف میں کھلے بے حد حسین

ومنفرد ہر رنگ کے پھول جیسے جنت کی جھلک پیش کررہے تھے۔ اس نے انتہائی سرشاری کے عالم میں سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا تو اسے یوں گمان ہوا کہ آسمان تو صرف چند فٹ کے فاصلے پر موجود ہے وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر پنجوں کے بل کھڑے ہو کر وسیع وبیکراں نیلگوں پربت کو چھو کر اسے اپنے دامن میں بھر سکتی ہے اس نے بے حد طمانیت وانبساط کے عالم میں سامنے نگاہ اٹھائیں تو انتہائی پُرشکوہ سا محل دکھائی دیا اور پھر چند ہی لمحوں بعد وہ شیشے کے بنے اس دودھیا سفید محل کے اندر موجود تھی اور انتہائی حیران ومتعجب نگاہوں سے سامنے تخت پر بیٹھی اس بزرگ ہستی کو بنا پلک جھپکائے تک رہی تھی جن کے چہرے پر اس قدر نور اور روشنی تھی کہ وہ تو جیسے مبہوت سی ہوگئی تھی جب ہی وہ بزرگ اس کی جانب متوجہ ہو کر بے پناہ دلکش مسکراہٹ سمیت گویا ہوئے۔

"بیٹی وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں آؤ میرے پاس۔" اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر آہستگی سے ان کی جانب بڑھ گئی اور کچھ گم صم سی وہیں تخت پر ٹک گئی۔

"کیا ہوا بیٹی تم کچھ اداس لگ رہی ہو کیا کوئی پریشانی ہے؟" سوال پر اس نے انہیں لحظہ بھر کو دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر دھیرے سے بولی۔

"جی بابا میں بہت پریشان ہوں یہ لوگ مجھ سے میرا ایمان چھیننا چاہتے ہیں' مجھے بے دین کرنا چاہتے ہیں' میرے اللہ کو مجھ سے ناراض کرنا چاہتے ہیں' ان سب لوگوں نے اپنے ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیے ہیں یہ مجھے سنگ سار کردینا چاہتے ہیں' میری سانسیں مجھ پر تنگ کرنے کے درپے ہیں' مجھے زندہ قبر میں اتارنا چاہتے ہیں۔" وہ تیزی سے بولتی چلی گئی اتنے عرصے بعد اسے کوئی اپنا ملا تھا وہ ایک ہی سانس میں اپنی تمام تکلیف تمام درد انہیں بیان کردینا چاہتی تھی جواباً وہ بڑی دھیمی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر گویا ہوئے۔

"ماریہ میری بیٹی جتنا ایمان خالص اور مضبوط ہوتا ہے ناآزمائش اور تکلیفیں بھی اسی قدر آتی ہیں یوں جان لو بیٹی جس قدر اللہ سے محبت ہوگی اتنی ہی دنیا والوں سے اذیت اور بے رخی ملے گی۔ تم اللہ سے قریب ہوتی جاؤ گی تو دنیا والے تمہیں خود سے دور کرتے چلے جائیں گے۔"

"بابا آپ مجھے بیٹی کہہ رہے ہیں' کیا واقعی میں آپ کی بیٹی ہوں؟" ان کی باتیں غور سے سنتی ماریہ کچھ توقف کے بعد استفسار کرتے ہوئے بولی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔

"تم میری ہی تو بیٹی ہو جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس راستے پر چلایا ہے' تمہیں اپنا قرب عطا کیا ہے۔"

"کیا واقعی یہ سچ ہے کہ میں آپ کی بیٹی ہوں؟" ماریہ یہ سن کر خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے بولی جب کہ وہ بزرگ ہنوز مسکراتے رہے۔

"اب تو مجھے کسی بھی بات کی فکر ہی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ میں تو آپ کی بیٹی ہوں نا۔" ماریہ اس پل خوشی سے باؤلی ہوئی جارہی تھی۔ اسی پل ایک تیز چبھتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ ہڑبڑا کر اپنے بستر سے اٹھی اس نے بے حد تیزی سے اِدھر اُدھر اپنی گردن گھما کر دیکھا وہ اس لمحے اپنے کمرے میں موجود تھی تمام منظر غائب ہوگیا تھا کوئی تیز رفتار گاڑی ہارن بجاتے ہوئے سامنے سڑک سے گزری تھی جس کے سبب اس کی آنکھ کھل گئی تھی' ماریہ نے اپنی ناہموار اتھل پتھل سانسوں کو قابو کرنے کے لیے گہرے گہرے سانس لیے' اس لمحے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بے پناہ طویل مسافت پیدل طے کرکے یہاں ابھی ابھی پہنچی ہے کچھ دیر بعد جب اس کی طبیعت نارمل ہوئی تو بے اختیار وہ تھوڑی دیر پہلے دیکھے جانے والے خواب کے متعلق سوچنے لگی جو اسے حقیقت سے بے حد قریب لگا تھا خواب سے بےدار ہونے کے بعد بھی ان بزرگ کے نین نقوش اور شفیق چہرہ ماریہ کے دل ودماغ میں اچھی طرح نقش ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆
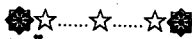
زرتاشہ اور زرینہ کا آج آخری پرچہ تھا وہ دونوں بہت ایکسائیٹڈ ہورہی تھیں کیونکہ کچھ ہی دنوں بعد وہ اپنے اپنے گھروں کو جانے والی تھیں اور پھر پڑھائی کا بوجھ بھی تو سروں پر سے سرکنے والا تھا دونوں کمرہ امتحان سے باہر نکلیں تو دیر رات تک جاگ کر پڑھائی کرنے اور علی الصبح کیمپس پہنچنے کے باوجود بھی وہ اس وقت خود کو بہت فریش اور ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھیں جبکہ کل مہوش

صاحبہ مایوں بیٹھ گئی تھیں۔
''ہائے اللہ زری اس وقت یونیورسٹی کتنی اچھی لگ رہی ہے نا مجھے تو یہ گرمی اور چبھتی ہوئی دھوپ بھی بری نہیں لگ رہی اُف...... اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے سمسٹرز ختم ہوگئے۔''
''ہوں تاشو بی بی تب ہی تو کہتے ہیں کہ جب دل کا موسم اچھا ہو تو ہر طرح کا موسم سہانا لگتا ہے۔'' زرمینہ اس کے برابر میں چلتے ہوئے مزے سے بولی اس وقت ان دونوں کا رخ کینٹین کی جانب تھا پرچے کی فکر میں دونوں نے صبح ناشتہ بھی گول کردیا تھا لہٰذا اس پل دونوں کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔
''بس اب تو دعا یہ ہے کہ ہمارا رزلٹ بھی بہت اچھا آجائے۔'' لیمن کلر کے لان کے سوٹ میں ملبوس زرتاشہ مگن سے انداز میں بولی جب ہی کچھ یاد آنے پر زرمینہ جلدی سے بولی۔
''تاشو تم نے لالہ آپی کو بتادیا تھا ناکہ آج ہمیں مہوش کی مہندی میں جانا ہے۔'' جواباً زرتاشہ اپنی جگہ رکی جبکہ چلتے چلتے زرمینہ بھی ٹھہر کر اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔
''نہیں زری میں نے لالہ سے ابھی تک بات ہی نہیں کی۔''
''واٹ...... مگر کیوں تاشو تم تو کہہ رہی تھیں کہ تم بات کرلوگی اُفوہ پھر تم کب بات کروگی آج رات کا فنکشن ہے اور ابھی تک تم نے پرمیشن ہی نہیں لی۔'' زرمینہ بری طرح چڑ کر بولی تو زرتاشہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنساتے ہوئے بولی۔
''وہ زری دراصل مجھے ڈر لگ رہا ہے اگر لالہ نے منع کردیا تو......؟''
''لالہ آپی بھلا کیوں منع کریں گی تاشو اچھا تم رہنے دو میں خود ان سے بات کرلوں گی ٹھیک ہے۔''
''ہاں یہ ٹھیک ہے پلیز تم ہی ان سے بات کرلینا۔'' زرمینہ کی بات پر زرتاشہ جلدی سے بولی پھر دونوں کینٹین کی جانب بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆
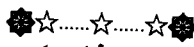
ابرام نے اگلی صبح بے حد مشکلوں سے جیکولین کو اس بات پر راضی کیا تھا کہ وہ ماریہ کو ہر صورت میں میک سے شادی کرنے پر رضامند کرلے گا بس وہ اسے مسٹر جوزف کو سونپنے کا فیصلہ بدل دیں کافی دقتوں کے بعد جیکولین صرف اس شرط پر آمادہ ہوئی تھی کہ ماریہ کو میک سے شادی کرنی پڑے گی اور ابرام نے جیکولین سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد ہی ماریہ کو میک سے شادی کرنے پر ضرور راضی کرلے گا۔ ابرام نے یہی ساری بات ماریہ کو بتادی تھی جواباً ماریہ محض خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس وقت وہ دونوں بہن بھائی شاپنگ مال کچھ خریداری کرنے کے لیے آئے تھے جیکولین نے ماریہ کے اکیلے آنے جانے پر بھی کڑی پابندی لگارکھی تھی ماریہ اِدھر اُدھر دکانیں دیکھتی فلاور شاپ کی جانب بڑھی کہ اسی پل ابرام کی آواز اس کی سماعت میں پہنچی۔
''ماریہ تم فلاورز دیکھو میں سامنے والی شاپ میں جارہا ہوں اوکے۔'' ماریہ اثبات میں سرہلا کر شاپ میں داخل ہوئی جبکہ ابرام مگن سے انداز میں جونہی شاپ میں داخل ہوا ایک شناسا چہرے کو وہاں سے نکلتے دیکھا فراز شاہ کچھ ضروری اشیاء خریدنے اس مال میں آیا تھا وہ فوراً ابرام کو پہچان کر بڑی گرم جوشی سے بولا۔
''او ہیلو مسٹر ابرام ہاؤ آر یو؟'' ابرام بھی اس پل اسے اچھی طرح پہچان گیا تھا یہ وہی پارک والا لڑکا تھا جو اس دن جیسکا کے ساتھ وہاں پر چہل قدمی کرتے ہوئے ملا تھا۔
''اوہائے مسٹر فراز آپ یہاں۔'' ابرام بھی کافی خوشی سے گویا ہوا تو فراز شاہ کھل کر مسکرادیا وہ بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے بے حد ہینڈسم اور اسمارٹ لگ رہا تھا۔
''جی بالکل مسٹر ابرام لیکن مجھے اس وقت آپ سے مل کر بہت خوشی ہورہی ہے۔''
''میری بھی یہی فیلنگز ہیں۔'' ابرام نے مسکرا کر جواب دیا تو فراز خوش دلی سے ہنس دیا پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے استفہامیہ انداز میں بولا۔
''آپ کی فرینڈ آپ کے ساتھ نہیں ہیں آج۔''

"جیسکا؟ نہیں آج وہ میرے ساتھ نہیں ہیں۔" ابرام اپنی پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ اڑستے ہوئے مسکرا کر بولا پھر کچھ یاد آنے پر گویا ہوا۔

"آپ نے بتایا تھا کہ آپ اپنے آفس کے کام کے سلسلے میں یہاں لندن آئے ہیں آپ کے کام ہوگئے کیا؟" اب وہ دونوں شاپ سے باہر ایک جانب کھڑے ہوکر باتوں میں محو تھے۔

"ابھی تو کچھ ضروری معاملات ہیں جونمٹانے ہیں پھر دیکھئے کب پاکستان جانا ہوتا ہے۔"

"پاکستان......!" ابرام فراز کے منہ سے پاکستان کا نام سن کر چونکا...... فراز نے اسے دیکھ کر کہا۔

"جی میں پاکستان سے بی لونگ کرتا ہوں' کیا آپ پاکستان کبھی گئے ہیں؟" فراز کی آواز ابرام کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے سرعت سے خود کو سنبھالا پھر ایک دلکش مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے گویا ہوا۔

"نو...... نیور میں تو کیا میرا کوئی بھی ریلیٹو یا فرینڈ پاکستان نہیں گیا۔" فراز نے یہ بات بخوبی محسوس کی تھی کہ پاکستان کے نام پر ابرام اندر سے بجھ سا گیا تھا۔

"بائی داوے مجھے لگ رہا تھا کہ آپ انڈیا سے ہیں۔" ابرام کے لہجے میں کچھ مایوسی کے رنگ جھلکے تھے فراز نے اسے بغور دیکھا پھر ہلکے سے ہنس کر بولا۔

"انسان کہاں رہتا ہے کس جگہ سے تعلق رکھتا ہے یہ سب معنی نہیں رکھتا مسٹر ابرام' اہم بات تو یہ ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ اچھا رہنا چاہیے۔ یہ مذہب' ذات پات بعد کی بات ہے' سب سے پہلے تو انسانیت ہے۔" ابرام نے کچھ چونک کر اسے دیکھا پھر بے اختیار قدرے شرمندگی سے سرنفی میں ہلاتے ہوئے بولا۔

"مسٹر فراز میرا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں پلیز آپ مجھے غلط مت سمجھیں۔"

"اوہ ناٹ آ ٹال مسٹر ابرام' میں آپ کو بالکل غلط نہیں سمجھ رہا۔" فراز شاہ جلدی سے بولا پھر ابھی وہ مزید کچھ اور بات کرتے کہ ماریہ ابرام کو وہاں کھڑا دیکھ کر چلی آئی۔

"برو آپ کا کام ہوگیا تو ہم یہاں سے چلیں۔" فراز شاہ کے عقب سے ایک نسوانی دلکش سی آواز ابھری تو وہ بے ساختہ چونکا جبکہ ماریہ کی جانب پشت ہونے کے سبب وہ اب تک فراز کو دیکھ نہیں سکی تھی۔

"اوہ ہنی تم فری ہوگئیں۔" ابرام اسے دیکھ کر بولا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے قدرے بےزاری سے بولی۔

"بس مجھے یہ فلاور بوکے ہی لینا تھا۔ اگر آپ فری ہوگئے ہیں تو چلیں مجھے یہاں گھٹن سی ہو رہی ہے۔" اسی دم فراز شاہ تیزی سے ماریہ کی جانب مڑا تھا ماریہ جو بڑی بےزاری سے وہاں کھڑی تھی فراز شاہ پر نگاہ پڑتے ہی بے اختیار ٹھٹکی تھی وہ تو سمجھی تھی کہ شاید ابرام کا کوئی دوست یا جاننے والا یہاں کھڑا ہے مگر سامنے کھڑی ہستی کے نین نقوش اور اس کی پرسنلٹی نے اسے با آسانی ایشین ظاہر کیا تھا وہ نا چاہتے ہوئے بھی کافی حیرت سے فراز شاہ کو دیکھے گئی' چند ثانیے یونہی خاموشی سے گزر گئے جب ہی ابرام نے آگے بڑھ کر فراز کے کندھے پر سہولت سے ہاتھ رکھتے ہوئے ماریہ سے مخاطب ہوکر کہا۔

"ماریہ ان سے ملو یہ میرے نئے فرینڈ ہیں فراز شاہ۔" ابرام کی آواز فضا میں گونجی تو ماریہ کی محویت ٹوٹی وہ بے اختیار اپنی اس حرکت پر خفیف سی ہوگئی پھر اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ ایشین ہیں۔" فراز شاہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے سر کے اشارے سے ہاں میں جواب دیا تو ماریہ کچھ پل کے لیے خاموش سی ہوگئی ڈارک براؤن ٹراؤزر پر آف وائٹ شارٹ شرٹ میں ملبوس سر پر ڈارک براؤن ہی اسکارف پہنے وہ لڑکی اپنی ہیزل براؤن آنکھوں اور خوب صورت نین ونقوش میں بہت منفرد سی لگ رہی تھی۔

"میں نے تو فی الحال کچھ نہیں لیا ہنی۔ چلو کوئی بات نہیں ابھی گھر چلتے ہیں میں پھر کبھی آجاؤں گا۔" ابرام ماریہ کو جواب دیتے ہوئے بولا مگر ماریہ نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں وہ ایک بار پھر پوری توجہ سے فراز شاہ کو دیکھنے میں محو تھی۔

"اوکے مسٹر ابرام میں بھی اب چلتا ہوں' آئی ہوپ ہماری ملاقات بہت جلد ہوگی۔" وہ ماریہ کے اس طرح دیکھنے سے اندر ہی اندر جزبز سا ہوکر بولا تو ابرام نے خوش دلی سے الوداعی مصافحہ کی غرض سے اپنا ہاتھ فراز کی جانب بڑھایا جب ہی ماریہ نے انتہائی

عجیب وغریب سوال فراز سے کرڈالا جسے سن کر فراز کے ساتھ ساتھ ابرام بھی چونکا۔
''مسٹر فراز کیا آپ مسلم ہیں؟'' فراز نے بے حد الجھ کر ماریہ کو دیکھا اسے یہ لڑکی اس پل عجیب دیوانی سی لگی۔
''ماریہ آئی تھنک ہم بہت لیٹ ہوچکے ہیں اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' ابرام نے نرمی سے ماریہ کا بازو پکڑ کر کہا مگر اس بار بھی ماریہ نے جیسے ابرام کی بات کو سنا ہی نہیں۔
''مسٹر فراز آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کیا آپ مسلمان ہیں؟'' ماریہ اردو میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراتے ہوئے بولی۔ جب ہی فراز فخریہ لہجے میں گویا ہوا۔
''الحمدللہ...... میں مسلمان ہوں۔'' ابرام نے اس وقت ماریہ کو تادیبی نگاہوں سے دیکھا تھا فراز کے سامنے وہ خود کو ایک دم آکورڈ محسوس کرنے لگا تھا جبکہ ماریہ کے چہرے پر فراز کا جواب سن کر ایک الوہی سی چمک اور روشنی اتر آئی تھی۔
''اوہ...... اچھا......'' وہ فقط اتنا ہی بولی فراز اب خاصی الجھن آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ ابرام اب ماریہ کے عجیب وغریب ایٹی ٹیوٹ پر بہت گلٹی فیل کررہا تھا۔
''میرے خیال میں ماریہ ہم کافی لیٹ ہورہے ہیں مام ہمارا ویٹ کررہی ہوں گی۔'' ابرام لفظوں کو جما جما کر ادا کرتے ہوئے بولا۔
''مسٹر فراز آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' آج اتنے عرصے بعد کسی مسلمان کو اپنے سامنے دیکھ کر ماریہ کو انجانی سی مسرت محسوس ہورہی تھی۔ اسے اس پل ایسا لگ رہا تھا جیسے بے حد حبس اور گھٹن بھری فضا میں اچانک ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی ہوں فراز شاہ کے وجود سے اسے اپنائیت کی عجیب سی خوشبو محسوس ہورہی تھی۔
''اوکے مسٹر فراز گڈ بائے۔'' اس بار ابرام ماریہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا تو ناچار ماریہ بھی ''بائے'' بول کر ابرام کے ہمراہ پلٹ کر وہاں سے نکل گئی جبکہ فراز کچھ دیر ہنوز کھڑا ماریہ کے عجیب وغریب رویے پر غور کرتا رہا پھر خود سے با آواز بلند بولا۔ ''کریزی گرل'' اور اگلے ہی لمحے وہ بھی وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆
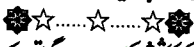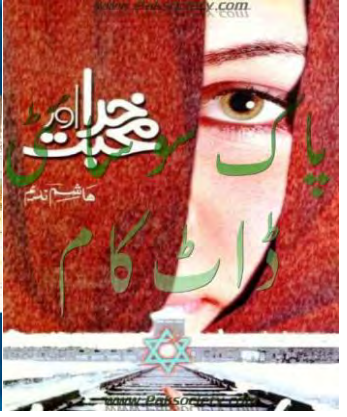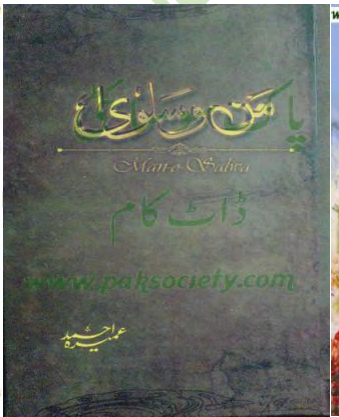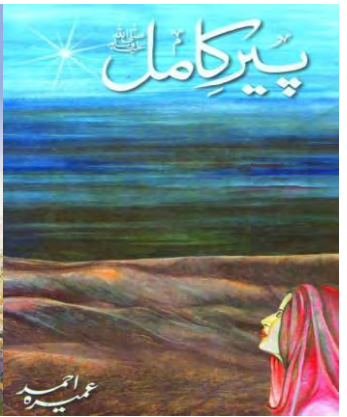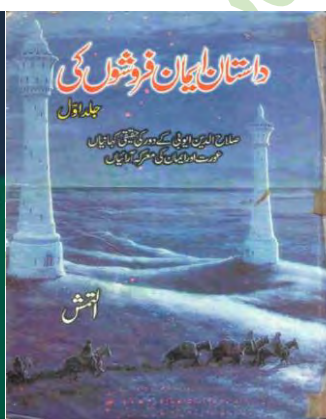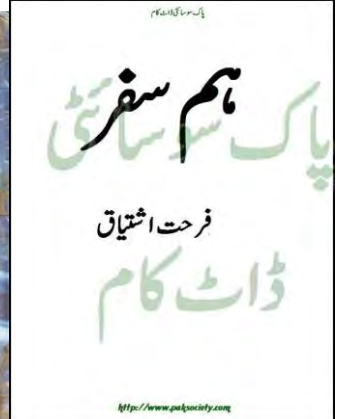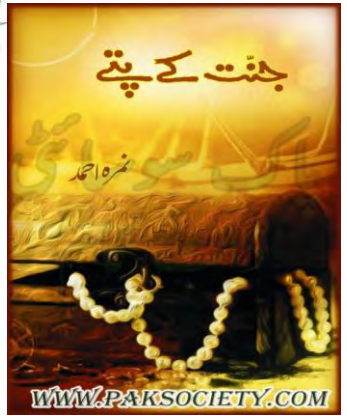
''مہرو میں تمہیں کتنی دیر سے ایک بات سمجھانے کی کوشش کررہی ہوں مگر تم ہو کہ ایک سمپل سی بات تمہارے دماغ میں اترنے کا نام ہی نہیں لے رہی اف اللہ کس کندذہن لڑکی سے میرا واسطہ پڑ گیا ہے۔'' آخر میں لالہ رخ بے اختیار آسمان کی جانب منہ کرکے بولی تو مہرو نے اسے بے حد برا ماننے والے انداز میں دیکھا اس وقت وہ وادی کی ذیلی سڑک کے دائیں جانب بنے باغیچے میں شام کے اس سہانے پہر بیٹھی ہوئی تھیں۔
''لالہ یہ تم آج کل بات بات پر مجھ پر چڑھ کیوں دوڑتی ہو اور یہ کندذہن تم نے کس کو کہا؟'' مہرو نے باقاعدہ آستینیں چڑھالی تھیں لالہ رخ نے ہونٹوں کو بھینچ کر اسے ایک نگاہ دیکھا ڈارک گرین رنگ کے سادے سے سوٹ میں خوب صورت بالوں کو چوٹی میں قید کیے اپنی سنہری رنگت اور تیکھی کالی آنکھوں سے دیکھتی وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی لالہ رخ نے بے اختیار ایک گہری سانس کھینچ کر تازہ ہوا اپنے نتھنوں کے ذریعے پھیپھڑوں میں بھری پھر بغور مہرو کی جانب دیکھ کر نرمی سے گویا ہوئی۔
''دیکھو مہرو میں جو بات تمہیں سمجھنے کی کوشش کررہی ہوں تم پلیز اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔''
''اوفوہ لالہ میں بھی تم سے یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ تم آخر مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کررہی ہو......'' مہرو اپنے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے زچ سی ہوکر بولی تو چند ثانیے لالہ رخ خاموش نگاہوں سے اسے دیکھے گئی پھر دھیرے سے اپنا گلا کھنکھارتے ہوئے بولی۔
''دیکھو مہرو میں صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ تم......'' وہ بولتے بولتے ایک دم رکی پھر تیزی سے گویا ہوئی۔ ''تم مومن پھوپا کے ساتھ ہر جگہ منہ اٹھا کر نہیں چلی جایا کرو۔'' لالہ رخ کی بات پر مہرو نے انتہائی ناسمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔
''کیوں لالہ؟ میں تمہاری بات نہیں سمجھی میں بھلا کہاں ابا کے ساتھ گھومتی پھرتی ہوں اور اگر میں کہیں چلی بھی گئی تو اس میں کیا ہرج ہے۔'' مہرو کی بات پر لالہ رخ نے انتہائی بے بسی کے عالم میں اسے دیکھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"یا اللہ...... اب میں مہرو کو کیسے بتاؤں' اسے کیسے سمجھاؤں کہ اس کا باپ ہی اس کے لیے رہزن اور لٹیرا بن گیا ہے میں کیا کروں میرے مالک۔" وہ دل ہی دل میں اپنے رب کو مخاطب کر کے بولی۔

"لالہ ابا کا رویہ مجھ سے بہت اچھا ہو گیا ہے' اب تو وہ میرا بالکل ویسے ہی خیال رکھنے لگا ہے جیسے ایک باپ کو اپنی بیٹی کا رکھنا چاہیے۔ مگر لالہ مجھے تمہاری یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟" اس پل مہرو کے لب و لہجے میں تفکر و پریشانی واضح مترشح تھی۔ جبکہ لالہ رخ اس وقت جیسے بے بسی اور لاچاری کی انتہاؤں پر تھی مہرو کو وہ بتائے بھی تو کیا بتائے؟

"میں بس یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ جیسے آج صبح تم پھوپا کے ساتھ ان کے دوست کے گھر چلی گئی تھیں تو اس طرح ان کے دوستوں کے گھروں میں جانا کچھ مناسب نہیں لگتا۔" لالہ رخ کی بات پر مہرو کسی سوچ میں غلطاں ہو گئی پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو لالہ آج میں ابا کے ساتھ' جس دوست کے گھر گئی تھی وہ مجھے کچھ اچھا نہیں لگا بہت عجیب نگاہیں تھی اس کی یہ بات تو مجھے بھی محسوس ہوئی تھی۔" مہرو جیسے تصور میں اس شخص کو دیکھ رہی تھی جبکہ لالہ رخ کی سانس یہ سن کر اندر ہی اندر گھٹنے لگی تھی۔

"بس اب تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ابا کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی چاہے وہ تمہیں کتنا ہی کہیں کتنا بھی زور لگائیں ٹھیک ہے نا مہرو۔" لالہ رخ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولی تو مہرو الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

"او گاڈ ماریہ تم اتنی اسٹوپڈ کیوں ہو گئی تھیں کیا سوچتا ہو گا وہ فراز شاہ اور مجھے تم یہ بتاؤ کہ اس سے تم نے یہ کیوں پوچھا کہ وہ مسلم ہے؟" ابرام گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ماریہ ایڈم کی بھی کلاس لے رہا تھا' اسے ماریہ پر حقیقی معنوں میں غصہ آ رہا تھا کس قدر ہونق پن کا مظاہرہ کیا تھا ماریہ نے جبکہ ابرام کے برعکس ماریہ پُرسکون انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھنے میں محو تھی۔ "میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں ماریہ؟" ماریہ کو لاتعلق سا بیٹھا دیکھ کر ابرام بری طرح تپ گیا تھا تب ہی وہ اپنے دھیان سے چونک کر ابرام کو دیکھنے لگی پھر بے اختیار ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"مجھے خود نہیں معلوم برو کہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔" وہ سیٹ پر اپنا سر ٹکاتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تو ابرام لحظہ بھر کو اسے دیکھ کر رہ گیا پھر موڑ کاٹتے ہوئے ہموار انداز میں گویا ہوا۔

"مجھے تم پر حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ افسوس بھی ہو رہا ہے کہ اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی تم اپنی ضد سے باز نہیں آئیں۔" ماریہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی مگر بولی کچھ نہیں کچھ دیر گاڑی میں جامد خاموشی چھائی رہی پھر ابرام نے ہی اس خاموشی کو اپنی آواز سے توڑا تھا۔ "تم جانتی ہو نا کہ مام صرف اس شرط پر تمہیں فادر جوزف کے حوالے نہ کرنے پر راضی ہوئی ہیں کہ تم میک سے شادی کرو گی۔"

"برو یہ فراز شاہ کتنا لکی ہے نا کہ اس ایک مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی آپ نے دیکھا نہیں کتنے فخر و خوشی سے اس نے بتایا تھا کہ وہ مسلم ہے اس کا باپ بھی مسلمان ہے پورا گھرانہ مسلمان ہے کتنی خوش نصیبی ہے اس کی کہ وہ نسلی مسلمان ہے۔" ماریہ نے جیسے اس بار بھی ابرام کی بات سنی ہی نہیں تھی وہ ایک جذب کے عالم میں ڈوبی بولتی چلی گئی جبکہ بے حد پریشانی و تفکر کے عالم میں گھرا ابرام اسے دیکھتا رہا پھر اچانک کسی کے ہارن بجانے پر وہ اپنے حواسوں میں واپس آیا اور سامنے سڑک کی جانب دیکھتے ہوئے گاڑی دھیان سے ڈرائیو کرنے لگا ماریہ اور بھی کچھ بولے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

مہوش کی مہندی کا فنکشن اس کے خوب صورت اور وسیع گھر کے لان میں ارینج کیا گیا تھا ہر طرف رنگ و بو کا جیسے سیلاب سا اُمڈ آیا تھا۔ پورے لان کو پیلے اور ہرے رنگ کے ڈیکوریٹڈ کپڑوں' پھولوں اور لائٹوں سے بے حد دلکشی اور نفاست سے سجایا گیا تھا ہر جانب گیندے اور گلاب کے خوب صورت پھولوں کے گل دستوں کی بدولت فضا بے حد معطر ہو رہی تھی لڑکیوں کے نقرئی قہقہے اور لڑکوں کی چھیڑ چھاڑ کے ساتھ ڈیک پر چلتے مہندی کے گیتوں نے فنکشن کی رونق کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ زرتاشہ اور زرینہ کے ساتھ ساتھ مسکان اور رمشا بھی مہوش کے بھیجے ہوئے ڈرائیور کے ہمراہ ابھی ابھی یہاں پہنچی تھیں زرتاشہ تو اندر داخل ہوتے ہی بے پناہ

گھبرا سی گئی تھی ہر جانب شور وغوغا اور لوگوں کا ہجوم دیکھ کر وہ اچھی خاصی پریشان ہوگئی تھی۔
"ہائے اللہ زری یہاں تو بہت سارے لوگ ہیں اور دیکھو ایک ہی جگہ لڑکیوں کے ساتھ ساتھ لڑکے بھی موجود ہیں اف یہ تو مکس گیدرنگ ہے۔ یار مجھے تو بہت گھبراہٹ ہورہی ہے زری۔" زرتاشہ بے ساختہ زرینہ کا سر دہاتھ تھامتے ہوئے اس کے کان میں گھس کر بولی اس پل زرینہ بھی یہاں آ کر پزل ہورہی تھی وہ جس گھرانے اور علاقے سے تعلق رکھتی تھیں وہاں ایسی مخلوط تقریبات اور اس قدر بے باکانہ ماحول نہیں ہوتا تھا' رمشا اور مسکان تو آتے ہی گیندے اور گلاب کے پھولوں سے بنے خوب صورت سے اسٹیج کی جانب بڑھ گئی تھیں جبکہ زرینہ اور زرتاشہ دونوں کنفیوز سی ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی تھیں۔
"ہاں تاشو یہاں تو مکس گیدرنگ ہے مجھے تو خود ایسی تقریبات میں جانے کی عادت نہیں ہے۔" زرینہ جتنی بھی بااعتماد تھی مگر بے باک اور نڈر نہیں تھی کہ اس طرح مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفل میں جھجکتی پھرتی۔
"لالہ منع بھی کررہی تھی کہ نجانے کراچی کی تقریبات کیسی ہوں گی' مہوش کی فیملی کتنی ماڈرن ہوگی مگر نہیں تم تو لالہ کے پیچھے ہی پڑگئی تھیں دیکھا نا لالہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ زری مجھے یہاں آ کر بہت گھٹن محسوس ہورہی ہے یار۔" زرتاشہ ایک بار پھر اس کے کان میں گھسی کہہ رہی تھی جب ہی زرینہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے اپنے اعتماد کو بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔
"تاشو اب اتنا گھبرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے یہ لوگ ہمیں کھا نہیں جائیں گے' دیکھو سب اپنے آپ میں مگن ہیں ہماری جانب تو کوئی بھی متوجہ نہیں ہے۔" زرینہ کی بات پر زرتاشہ نے محفل پر ایک سرسری نگاہ دوڑائی سب لوگ اپنی اپنی باتوں میں مگن بے باک قہقہے لگانے میں مصروف تھے۔
"اف زری دیکھو ذرا ان عورتوں کو کیسے غیر مردوں کے سامنے حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگارہی ہیں۔" زرتاشہ تقریباً اس سے چپکی ایک بار پھر سرگوشی میں بولی۔
"ہوں اور ہر خاتون اپنے آپ کو ملکہ الزبتھ اور لیڈی ڈیانا سمجھ رہی ہے اف تاشو وہ ڈارک اورنج کپڑوں والی عورت کو دیکھو کتنا اوور میک اپ اور ہیوی جیولری پہن رکھی ہے نا۔" دونوں آہستہ آہستہ اب ریلیکس ہورہی تھیں زرینہ کی بات پر زرتاشہ نے ان خاتون کو دیکھا تو اس کی ہنسی نکل گئی۔
"زری یہاں تو ہر کوئی اپنی سیلفی بنانے اور تصویریں لینے میں مگن ہے۔" زرتاشہ ہنوز نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولی۔
"ہوں اچھا چلو مہوش کے پاس اسٹیج پر چلتے ہیں یہ رمشا اور مسکان تو آتے ہی ہم سے الگ ہوگئیں۔"
"نہیں زری پلیز اسٹیج پر مت جاؤ مجھے ڈر لگ رہا ہے' ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں نا۔" وہ بے ساختہ اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی تو خلاف توقع زرینہ فوراً راضی ہوگئی۔
"ٹھیک ہے آؤ ہم وہاں کونے کی میز پر بیٹھ جاتے ہیں۔" زرینہ اور زرتاشہ دونوں نسبتاً خالی کونے والی میز کی جانب بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

لالہ رخ نے زرینہ کے بے حد اصرار پر اسے اجازت تو دے دی تھی مگر اب بڑی بے چینی سے ان دونوں کے واپس ہاسٹل آنے کی منتظر تھی لالہ رخ نے زرینہ سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ گیارہ بجے واپس ہاسٹل پہنچ جائیں گی چاہے تقریب کا اختتام ہو یا نہ ہو جواباً زرینہ نے لالہ رخ سے وعدہ بھی کرلیا تھا لالہ رخ نے بے چینی سے گھڑی کی سوئیوں کی جانب دیکھا جو رات دس بجے کا اعلان کررہی تھیں وہ دل ہی دل میں ان دونوں کی بخیر وعافیت گھر واپس آنے کی ڈھیروں دعائیں مانگ چکی تھی' اس نے فی الحال امی کو کچھ نہیں بتایا تھا ورنہ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ پریشان ہوتیں۔
"اوہ ابھی تو دس بجے ہیں ان لوگوں کے آنے میں پورا ایک گھنٹہ باقی ہے۔" لالہ رخ کچھ مایوسی سے خود سے بولی پھر وقت گزاری کے لیے کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

سونیا پر آج پھر قنوطیت کا دورہ پڑا تھا' سارا دن وہ اپنے کمرے میں بند تھی دوپہر کا کھانا بھی اس نے گول کردیا تھا ملازمہ جب کھانے کی ٹرالی سجا کر سارا بیگم کے حکم پر لے کر گئی تو اس نے بری طرح جھڑک کر اسے اپنے کمرے سے نکال باہر کیا تھا اور اب

رات ہوچکی تھی ڈنر ٹیبل پر بھی وہ نہیں آئی تھی۔ آج کل اعظم خان شیرازی فارن کنٹری گئے ہوئے تھے لہٰذا انہیں بیٹی کے شب وروز کا کچھ پتہ نہیں تھا البتہ سارا بیگم کی تو جیسے جان پر بنی ہوئی تھی۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ بالکل نارمل اور فریش تھی مگر جب آج کے اخبار میں کامیش شاہ کی تصویر اور اس کی کامیابی کی توصیفی خبریں پڑھیں تو ایک بار پھر اس کا موڈ خطرناک حد تک خراب ہوگیا تھا‘ اس نے بے حد رعونت سے نیوز پیپر ایک جانب پھینکا تھا۔

”ہونہہ اس شخص کو کرمنلز پکڑنے کے علاوہ اور آتا بھی کیا ہے دنیا والوں کے سامنے بس ہیرو بننے کا شوق ہے اسے۔“ نجانے کیوں اسے بے پناہ طیش آ رہا تھا اس کے بعد سے وہ اپنے کمرے میں گئی تو ابھی تک وہاں سے نکلی نہیں تھی۔ سارا بیگم سے مزید برداشت نہیں ہوا تو وہ اس کے کمرے میں چلی آئیں پورا کمرہ ملگجے سے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا‘ کھڑکیوں پر پڑے دبیز پردے بھی ہٹائے نہیں گئے تھے۔ کمرے میں چلتے اسپلٹ کے باوجود انہیں عجیب سی گھٹن کا احساس ہوا تھا جب کہ سونیا بے ترتیب سے انداز میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سارا بیگم سہولت سے چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب آ کر اس کے سرہانے بیٹھتے ہوئے حلاوت سے بولیں۔

”سونیا میری جان‘ بیٹا کیا ہوا؟ کیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری؟“ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو بھی چیک کیا‘ جب ہی سونیا نے انتہائی بےزاری سے آنکھیں کھول کر ماں کی جانب دیکھتے کہا۔

”مام پلیز اس وقت میرا کسی سے بھی بات کرنے کا موڈ نہیں ہے لیومی الون مام۔“ سونیا دوسری جانب تیزی سے کروٹ بدل گئی تھی۔ سارا بیگم نے چند ثانیے خاموشی سے اس کے پشت پر بکھرے بالوں کو دیکھا پھر نرمی سے دوبارہ بولیں۔

”بیٹا کچھ کھا تو لو آپ نے ناشتے کے بعد سے کچھ بھی نہیں کھایا...... پلیز جانو اپنی مام کو ٹینس مت کرو بس آپ تھوڑا سا کھا لو گی تو میں ریلیکس ہو جاؤں گی بیٹا۔“ سارا بیگم کے لہجے سے جھلکتے ملتجیانہ رنگوں کو محسوس کر کے سونیا تھوڑی نادم سی ہوئی پھر ان کی جانب رخ موڑتے ہوئے بولی۔

”اوکے آپ زاہدہ سے کہیے وہ ٹرالی میرے روم میں بھیج دے۔“ سارا بیگم یک دم بے پناہ خوش ہوگئیں اور سرعت سے اٹھیں۔

”میں ابھی ٹرالی بھجواتی ہوں اپنی جان کے لیے۔“ یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب بڑھ گئیں جبکہ سونیا انتہائی کسلمندی سے بیڈ سے اٹھ کر فریش ہونے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی۔

❀☆......☆......☆❀

باسل نک سک سے تیار ہو کر احمر کی بہن کی مہندی کا فنکشن اٹینڈ کرنے کی غرض سے جونہی اپنے کمرے سے نکل کر سیٹنگ ایریے میں آیا حورین کو عنایہ کے ہمراہ بیٹھا دیکھ کر بے ساختہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گیا جبکہ حورین نے اسے وہاں آتا اور پھر رکتا دیکھ کر خوشدلی سے کہا۔

”آیئے بیٹا آپ رک کیوں گئے؟“ حورین کی بات پر عنایہ نے بھی مڑ کر اسے دیکھا پھر شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

”آنٹی یہ شاید میرے سامنے آنے سے کترا رہے ہیں۔“ وہ ایسی ہی تھی منہ پھٹ ہر بات فوراً کہہ دینے والی باسل کو عنایہ کی بات کچھ ناگوار گزری جب ہی تیزی سے وہاں آتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔

”میں کیوں تمہارے سامنے آنے سے کتراؤں گا عنایہ۔“ باسل کے وہاں آجانے سے چہار سو دلکش مردانہ پرفیوم کی مہک پھیل گئی تھی وائٹ مردانہ شلوار پر ڈل میرون رنگ کے کرتے میں بے حد نفاست سے بال بنائے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ عنایہ نے اسے توصیفی جبکہ حورین نے بلائیں لیتی نگاہوں سے دیکھا تھا آج پہلی بار عنایہ اسے شلوار کرتے میں دیکھ رہی تھی۔

”ہوں مسٹر باسل آپ تو کافی ڈیشنگ لگ رہے ہیں اس ڈریسنگ میں۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی تو باسل کا چہرہ کچھ اور بھی زیادہ سنجیدہ ہوگیا جبکہ حورین اسے ممتا لٹاتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”میرا بیٹا تو ہے ہی پیارا...... وہ جو بھی پہن لے اس پر خوب جچتا ہے۔“

”ویسے آنٹی ہر ماں کو اپنا بچہ دنیا کا سب سے پیارا بچہ لگتا ہے چاہے وہ نیلا پیلا ہی کیوں نہ ہو۔“ وہ ایک بار پھر شرارت پر آمادہ تھی جبکہ حورین مصنوعی خفگی سے عنایہ کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''نہیں جناب میرا بیٹا حقیقت میں دنیا کا سب سے پیارا بچہ ہے۔'' باسل نے ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر اپنی کلائی میں بندھی گھڑی کی جانب دیکھا پھر عنایہ کو یکسر نظر انداز کر کے بولا۔

''اللہ حافظ مام میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔'' دوسرے ہی لمحے وہ جھپاک سے باہر نکل گیا جبکہ عنایہ نے باسل کی اس حرکت کو بخوبی محسوس کیا۔

☆......☆......☆
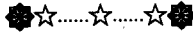
فراز اپنے اپارٹمنٹ میں آ کر مسلسل ماریہ کے بارے میں سوچ رہا تھا، وہ جب جب تصور کی آنکھ سے ماریہ کے سراپے اور اس کے عجیب وغریب رویے کو دیکھتا انتہائی دلکش سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو جاتی وہ بے ساختہ خود سے بولا۔

''کریزی گرل......'' ابھی وہ اٹھ کر اپنے لیے کافی بنانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ معاً اس کے واٹس ایپ پر لالہ رخ کی کال آنے لگی جسے دیکھ کر وہ خوش گواری سے پک کر گیا۔

''کیسی ہو لالہ رخ میں کئی دن سے تمہیں فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا سب خیریت ہے نا؟'' فراز شاہ کی کھنکتی مسکراتی آواز سن کر لالہ رخ کچھ دیر خاموش سی رہی اس وقت عجیب وغریب وسوا سے وخدشات اس کے ذہن میں درآ رہے تھے ایک تو وہ مہرو کو لے کر آج کل بے حد پریشان تھی اوپر سے اس پل زرتاشہ اور زرینہ کی فکر بھی سر پر سوار ہو گئی تھی وہ جب تک ہاسٹل نہیں پہنچ جاتیں اسے سکون نہیں آنا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے۔'' لالہ رخ کا لب ولہجہ آج واضح طور پر بہت بجھا بجھا اور تھکا تھکا سا تھا فراز چند لمحے خاموش رہا پھر ایک گہری سانس فضا کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔

''دیکھو لالہ رخ میں نے تمہیں اپنا دوست صرف زبان سے کہا نہیں بلکہ دل سے مانا بھی ہے، میں جانتا ہوں کہ کچھ دنوں سے تم کافی ڈسٹرب اور کسی بات کو لے کر بہت پریشان بھی ہو کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے لالہ رخ؟'' آخر میں اس کا لہجہ شکوہ سے پُر تھا۔ لالہ رخ کچھ دیر خاموش رہی پھر سنجیدگی سے بولی۔

''آپ وہاں اتنی دور بیٹھے ہیں فراز آپ کی خود کی بھی الجھنیں ہوں گی میں خوامخواہ میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔''

''لالہ رخ میں اتنی جلدی پریشان ہونے والوں اور ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں تم بلاجھجک مجھ سے کہو۔'' فراز ٹھوس اور مضبوط لہجے میں بولا تو بے ساختہ لالہ رخ کی آنکھیں نم ہو گئیں اس بھری دنیا میں واحد یہ شخص ہی اس کا اپنا تھا اس کو ڈھارس دینے والا اس کی مدد کرنے والا۔

''فراز میں واقعی میں بہت پریشان ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولی اور پھر مومن جان کے حوالے سے ایک ایک بات اس نے فراز شاہ کے سامنے رکھ دی، فراز یہ سب سن کر انگشت بدنداں رہ گیا۔

''اوہ مائی گاڈ کیا کوئی باپ اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے۔'' وہ تحیر ودکھ کے بیکراں سمندر سے بمشکل نکلتے ہوئے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''اب آپ ہی بتائیے فراز میں کیا کروں، مہرو کو اس خود غرض باپ سے کیسے بچاؤں جو اس کی عزت کے درپے ہو گیا ہے اور وہ اس بات کو لے کر خوش ہو رہی ہے کہ اس کا باپ اس سے محبت وشفقت سے پیش آنے لگا ہے۔'' اس وقت لالہ رخ کے لب ولہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچوں جیسی چبھن اور تکلیف تھی فراز بھی بے حد ملول سا ہو گیا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لالہ رخ وہ نادان اور معصوم بھلا اپنے باپ کو غلط کیونکر سمجھ سکتی ہے اس کی جھوٹی محبت اور پیار کے جھانسے میں آ گئی ہے مہرو اور یہ بات بہت سنگین ہے لالہ رخ۔''

''یہی تو فکر مجھے کھائے جا رہی ہے فراز میں کیسے اسے اس کے باپ کی کریہہ سچائی کے بارے میں اسے بتاؤں۔''

''تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ یہ تمام سچائی تم اپنی پھوپو کو بتا دو۔'' فراز قدرے توقف کے بعد پُرسوچ انداز میں بولا تو لالہ رخ یک دم چونکی۔

''پھوپو کو بتا دوں؟'' وہ جیسے خود سے بولی پھر فراز سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی۔

"مگر فراز یہ سب سن کر پھوپو بے حد پریشان ہوجائیں گی مومن پھوپا کی اصلیت جان کر کہیں صدمے اور دکھ سے ان کو خدانخواستہ کچھ ہوناجائے۔"

"تم انہیں پوری بات مت بتاؤ بس انہیں ذرا چوکنا کردو کہ مہرو کے باپ کی نیت کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہورہی۔" فراز سہولت سے بولا تو لالہ رخ سوچ میں پڑگئی پھر کسی خدشے کے پیش نظر دوبارہ گویا ہوئی۔

"کہیں اس طرح پھوپا کو تو خبر نہیں ہوجائے گی کہ ہم ان کے عزائم سے واقف ہوگئے ہیں۔"

"تم مہرو کی امی کو اپنے اعتماد میں لے کر بات کرو لالہ رخ فی الحال اس بات کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں۔" فراز کی بات لالہ رخ کو اس وقت بالکل درست اور مناسب لگی جب ہی وہ راضی ہوتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے فراز میں پھوپو کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرتی ہوں۔" پھر فراز نے اسے تسلیاں دے کر فون بند کردیا۔

☆......☆......☆
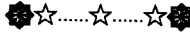
انہیں اس جگہ بیٹھے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہوگیا تھا زرینہ دومرتبہ زرتاشہ سے اسٹیج پر جانے کا کہہ چکی تھی مگر زرتاشہ نے قطعیت سے منع کردیا تھا جس پر زرینہ بدمزہ سی ہوکر بولی۔

"اُفوہ تاشو تم یہاں چپک کر بیٹھنے کے لیے آئی تھیں۔" جس پر زرتاشہ ڈھٹائی سے کرسی پر جمی بیٹھی رہی تھی زرتاشہ اپنے تئیں یہی سمجھی کہ یہاں اس کونے میں انہیں کوئی بھی نہیں دیکھ رہا مگر دو آنکھیں بہت دیر سے زرتاشہ کو پوری طرح اپنی نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئی تھیں۔

"زری ساڑھے دس بج گئے ہیں اور یہاں محفل برخاست ہونے کا دور دور تک نام ونشان نہیں ہے لالہ نے کہا تھا کہ ٹھیک گیارہ بجے ہمیں ہاسٹل میں ہونا ہے تم پلیز مسکان اور رمشا کو ڈھونڈ کر لاؤ تاکہ ہم وقت پر ہوسٹل پہنچ جائیں بلکہ ایسا کرو میں بھی چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی تو زرینہ نے اسے بڑی بے زاری سے دیکھا پھر چڑے ہوئے انداز میں بولی۔ "چلو رمشا اور مسکان کو پکڑ کر لائیں۔" پھر وہ منہ میں بڑبڑائی۔ "کیا فائدہ ہوا یہاں آنے کا۔" دوسرے ہی لمحے وہ دونوں اسٹیج کی جانب بڑھ گئیں جہاں لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم تھا زرتاشہ تو اتنی بھیڑ دیکھ کر ایک کونے میں کھڑی ہوگئی جبکہ زرینہ ہمت کر کے اس ہجوم کے اندر داخل ہوگئی ابھی نکاح نہیں ہوا تھا مہندی کی رسم ادا کی جارہی تھی زرینہ کو سبز و پیلے کنٹراسٹ کے لہنگے میں ملبوس پھولوں کا زیور پہنے مہوش کے پیچھے کھڑی رمشا اور مسکان نظر آگئیں اسی دم مہوش کی نگاہ زرینہ پر پڑی تو اس نے اسے اشارہ کر کے اپنے برابر میں جگہ بنا کر بٹھالیا جبکہ ایک سائیڈ پر کھڑی زرینہ کا انتظار کرتی زرتاشہ ایک بار پھر پریشان سی ہونے لگی۔

"یا اللہ یہ زری ابھی تک کیوں نہیں آئی یقیناً وہیں مہوش کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی ہوگی۔" وہ خود سے بڑبڑا کر بولی اسی دم باوردی ویٹر اس کے سامنے ٹرے میں جوس کا گلاس اٹھائے چلا آیا چونکہ وہ وہاں بالکل کونے میں الگ تھلگ بیٹھی تھیں لہٰذا ویٹر نے وہاں جوس سرو نہیں کیا تھا اس وقت اسے پیاس کا شدت سے احساس ہوا تو اس نے سہولت سے جوس کا گلاس اٹھایا' ویٹر اس کے گلاس اٹھاتے ہی تیزی سے وہاں سے پلٹ گیا' زرتاشہ نے دو گھونٹ جوس کے بھرے اور پھر ایک نگاہ اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر ڈالی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"اوہ میرے اللہ پونے گیارہ بج گئے......اف یہ زری کہاں رہ گئی۔" وہ بے تحاشا گھبرا کر خود سے بولی پھر جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھا اور جونہی اسٹیج کی جانب بڑھی ایک زوردار چکر نے اس کا دماغ پوری طرح گھمادیا اس نے بے ساختہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

فصیحہ آصف خان

"اب بس بھی کرو عالیان آنے والا ہوگا۔ اسے بھنک بھی نہ پڑے۔" صادقہ کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ عالیان کی بائیک کی آواز سنائی دی۔ اس کا مخصوص انداز تھا جس پر سوں سوں کرتی ارم کو صادقہ نے واش روم کی طرف بھیجا اور خود دروازہ کھولنے گیٹ پر آ گئیں۔ دل تھا کہ بوجھل ہو رہا تھا۔ وہ ضبط کی منزلیں طے کرتی دروازہ کھول کر ایک جانب ہو گئیں اور چہرے پر زبردستی بشاشت لے آئیں۔ عالیان بائیک کھڑی کر کے انہیں سلام کرتا اندر آ گیا۔

"السلام علیکم میری پیاری امی جان۔" عالیان حسب عادت ادب سے مسکرا کر محبت سے بولا تو صادقہ بھی اندر کی تکلیف لمحہ بھر کو بھلا کر مسکرا دیں۔ دونوں برآمدے سے کمرے میں آ گئے' آج موسم کچھ خوش گزار تھا۔ جوتوں سے پیر آزاد کرتے ہوئے اس نے ارم کا پوچھا۔ صادقہ نے نرمی سے کہا کہ وہ آ رہی ہے۔ اتنے میں ارم اندر داخل ہوئی اور بھائی کو سلام کیا۔ آج اس کے انداز میں شگفتگی مفقود تھی۔ عالیان نے اسے بغور دیکھا۔ صادقہ کو کھٹکا سا ہوا کہ وہ کچھ بول نہ دے' اس کی آنکھیں اور ناک رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"جاؤ بھائی کے لیے پانی لاؤ اور کھانا گرم کرو۔" صادقہ اسے منظر سے ہٹانے کے ارادے سے بولیں۔ مگر عالیان فوراً بولا۔

"ارم یہاں آؤ' بیٹھو ادھر......" ارم نظریں جھکائے جانے لگی تو عالیان نے اسے روک کر پاس بلایا۔

"کیا ہوا بتاؤ مجھے؟" وہ پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر انتہائی شفقت سے بولا تو ارم مزید ضبط نہ کر سکی اور اس کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔ عالیان گھبرایا...... اور سخت لہجہ میں پوچھا تو اس نے سب اگل دیا۔ سب سنتے ہی مارے طیش کے عالیان کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ وہ تڑخ کر بولا۔

"امی...... مجھے بتائیں کہ ارم ان کی ملازمہ ہے کیا' کیوں جاتی ہے یہ وہاں۔" عالیان اٹھ کھڑا ہوا تو صادقہ نے گھبرا کر اسے بٹھایا اور اسے سمجھانے لگیں۔

"بیٹا یہ تو مومی کے پاس نوٹس لینے گئی تھی کہ ان کے مہمان آ گئے' برتن الماری سے نکالتے ہوئے پلیٹ ٹوٹ گئی' تو تمہاری ممانی کو غصہ آ گیا' مومی بھی ساتھ کام کروا رہی تھی' یہ اکیلی تھوڑی تھی اتنا سا کام کرنے سے کوئی ملازم تھوڑی بن جاتا ہے۔"

"ہاں بھیا یہ دیکھیں میرے زخم پر مومی نے سنی پلاسٹ لگایا تھا۔"

"مومی نے۔" عالیان بڑبڑایا۔ جب ارم نے اپنی انگلی اسے دکھائی تو ارم کا معصومانہ انداز اسے ایک آنکھ نہ بھایا۔

"ماں زخم لگاتی ہے اور بیٹی مرہم رکھتی ہے۔ میں تو امی تنگ آ گیا ہوں...... مجھے جیسے ہی نوکری ملی تو یہاں ایک پل بھی نہ رکوں۔" عالیان کے اندر ابال اٹھ رہے تھے۔

"اچھا چھوڑو...... میں کھانا لگاتی ہوں۔ تم ہاتھ منہ دھو لو۔ آتے ہی معرکے بھگتانے لگے ہو۔" صادقہ نے بولتے ہوئے ارم کو اٹھایا اور دونوں باورچی خانے میں آ گئیں۔

چنے کی بگھاری دال' پودینے کی چٹنی اور کھیرے ٹماٹر پر مشتمل سلاد ٹرے میں رکھ کر ارم کو تھمائی اور خود گرم گرم پھلکے اتارنے لگیں۔

تینوں نے کھانا کھایا اور رب کا شکر ادا کیا۔ ابھی وہ کھانا کھا کر باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ صادقہ نظر انداز کر گئیں...... ارم بھی پہلو بدلنے لگی۔

مومی ہی تھی...... جو ماں کی طرف سے معذرت کرنے آئی تھی اور ساتھ میں بڑی سی پلیٹ میں کیک اور نگٹس لائی تھی۔ دوبارہ ذرا تیز دستک ہوئی تو عالیان اٹھا' ماں' بیٹی اب آنے والے طوفان کو دیکھ رہی تھیں۔ دروازہ کھلتے ہی سامنے چمپئی رنگت اور بڑی بڑی سرمئی آنکھوں والی اپنی لمبی پلکیں جھپکاتی مومنہ اسحاق کھڑی تھی۔ کالی پینٹ اور چاکلیٹی کلر کی شرٹ پہنے لمبا تڑنگا عالیان پھیل کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ ماتھے کے بلوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اندر آنے کی تمام راہیں مسدود کیے اندر کی ساری کڑواہٹ آنکھوں سے نظر آ رہی تھی اور لہجہ آگ اگلنے لگا تھا۔

''کیوں آئی ہو...... اب کوئی کسر باقی رہ گئی تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ کے دل میں ٹھنڈ پڑ گئی ہوگی...... ار...... اور یہ کیا اٹھالائی ہو۔ ہاں...... ہم تو بھوکے ننگے ہیں ناں' کچھ کھانے کو ہوتا ہی نہیں...... جو آپ من وسلویٰ لیے حاضر ہوجاتی ہیں۔'' وہ زور زور سے بولتا اپنا غصہ اس پر نکال رہا تھا کہ صادقہ اور ارم فوراً آگے بڑھیں۔

''بس کرو...... عالیان' کیا کررہے ہو' اس کا کیا قصور ہے۔'' صادقہ نے اسے آہنی دیوار بنے دیکھا تو غصے سے ہٹایا۔

''پھوپو......'' مومنہ کی بڑی بڑی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھری ہوئی اور لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ جلدی سے ارم کو پلیٹ تھما کر وہ سسکتی ہوئی پلٹی اور دوڑتی ہوئی اپنے پورشن میں چلی گئی تب صادقہ لال بھبھوکا چہرے والے عالیان سے الجھ پڑیں۔ جبکہ اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''دونوں ایک جیسی ہیں بلکہ سارے ہی......''

''مومی ایسی نہیں ہے بیٹا' تم نے بلاوجہ اس کو ڈانٹا۔ وہ ثریا بھابی سے بہت مختلف ہے' بہت پیاری اور حساس بچی ہے۔ تم نے اس کا دل دکھایا دیا' وہ کتنے پیار سے چیزیں لائی تھی۔'' صادقہ کو عالیان کے رویے پر بہت افسوس ہورہا تھا۔ مومنہ حقیقت میں ایسی نہ تھی۔ جبکہ عالیان کو اس سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔

''بس کریں امی' مجھے نہ سمجھائیں۔ سب جانتا ہوں' ان کی حرکتیں اور ارم تم ادھر اب ہرگز نہیں جاؤ گی' کالج میں مل لیتی ہو' کافی نہیں ہے۔'' عالیان اب ارم کو ڈانٹ رہا تھا۔ ارم سر جھکائے کھڑی رہی۔

''ہاں ہاں کھاؤ...... رج کے کھاؤ' تمہاری لاڈلی جولائی ہے۔'' عالیان اس کے ہاتھ میں پلیٹ دیکھ کر تلملا کر بولا۔

''تو آپ بھی کھائیں ناں۔'' ارم نے پلیٹ اس کی جانب بڑھائی۔

''شکریہ...... تمہیں مبارک ہو یہ سب۔'' کہتا ہوا وہ کمرے سے نکل گیا۔ تو ارم نے گہرا سانس لیا اور مزے سے کھانے لگی۔ صادقہ موجودہ کشیدہ صورت حال پر غور کررہی تھیں۔

☆......☆......☆

عالیان کے بابا سرفراز احمد ایکسیڈنٹ میں جان ہار گئے تھے تب وہ چھ سال کا تھا' اماں کی گھٹی گھٹی چیخیں' خواتین کا شور وہ ہراساں تھا۔ اسے تو اماں نے کچھ دن پہلے بتایا تھا کہ کوئی ننھا سا مہمان آنے والا ہے' وہ تو اس کا شدت سے انتظار کررہا تھا' کجا یہ کہ بابا ہمیشہ کے لیے سب کچھ چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسے میں اسحاق ماموں نے اپنی شفقت بھری بانہوں میں انہیں سمیٹ لیا اور اپنے گھر لے آئے۔ یہاں پر اپنے سے بڑے فہد بھائی ملے جو اس سے تین سال بڑے تھے اور زیادہ دوستی کے قائل نہ تھے۔ عالیان بھی پیچھے ہٹ گیا۔ ثریا ممانی نک چڑھی دولت مند خاتون تھیں۔ ان کا استقبال بھی اوپری دل سے کیا۔ وہ بھی تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھیں۔ یوں اسحاق ماموں کی انیکسی ان کی رہائش گاہ بنی۔

صادقہ کی آنکھیں رو رو کر سرخ رہتیں' عالیان ایسے میں ماں سے لپٹ جاتا' گو عمر میں بہت چھوٹا تھا مگر وقت اور حالات نے اس کے ذہن کو بڑا کردیا۔ بس ماموں کا رویہ اچھا تھا' وہی خیال رکھتے' سب ضروریات پوری کرتے' عالیان کو بھی اچھے اسکول میں داخل کرایا' مگر باپ کی کمی پوری نہ ہوئی' جن کو وہ یاد کرتا رہتا تھا۔ اب دل لگا کر پڑھنے لگا تھا' ڈیڑھ ماہ

بعد ثریا نے گڑیا سی بیٹی کو جنم دیا' جس کا نام مومنہ رکھا گیا' ٹھیک پندرہ دن بعد عالیان کو ارم جیسی بہن مل گئی' صادقہ وقتی طور پر بہل گئیں اور ارم کی پرورش میں لگ گئیں۔ مگر عالیان کو اچھا پڑھنے اور بڑا آدمی بننے کی نصیحت کرنا نہ بھولتیں۔ عالیان نے یہ بات گرہ میں باندھ لی تھی اور اس پر عمل پیرا تھا۔ وہ ماموں کی طرف بہت کم جاتا۔ فہد کی اپنی سرگرمیاں تھیں اور ثریا ممانی کی اپنی مصروفیات۔

اسحاق ماموں نے ثریا ممانی سے اپنی پسند کی شادی کی تھی' وہ بے حد امیر وکبیر خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسحاق ماموں کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا تھا' سو اچھی نوکری مل گئی۔ یوں ثریا ممانی جو کمپنی کے مالک حمید اختر کی اکلوتی بیٹی تھیں' انہیں اسحاق کی شرافت نے متاثر کیا اور انہیں اپنی فرزندی میں لے لیا۔ ثریا جو بے حد مغرور اور ضدی خاتون تھیں' اپنے حسن پر نازاں رہتی تھیں۔ اسحاق صلح جو اور امن پسند انسان تھے' کام میں مصروف رہتے۔ روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ حمید اختر کے مرنے کے بعد انہوں نے سب کچھ ثریا کے نام کردیا......کاروبار وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔ سو اسحاق دن رات مصروف رہتے۔

ثریا کی اپنی زندگی تھی۔ پارٹیاں' شاپنگ' سہیلیاں' فہد بڑا ہوا تو بھی معمولات میں فرق نہ آیا مگر وہ فہد کی تعلیم اور پرورش پر کوئی سمجھوتہ نہ کرتیں۔ اسحاق کو بھی ان سے کوئی شکایت نہ تھی۔ یوں آٹھ سال بعد جب مومنہ پیدا ہوئی تو انہیں الجھن ہونے لگی۔ اکثر اوقات جاتے ہوئے وہ مومنہ کو صادقہ کے حوالے کرجاتیں۔ صادقہ' ارم کے ساتھ ساتھ مومنہ کو بھی ٹائم دیتی یوں مومنہ ماں سے زیادہ پھوپو سے مانوس ہوگئی۔ ارم کے ساتھ اس کی دوستی ہوگئی۔ عالیان کو غصہ اس بات پر آتا کہ ماں اکثر اوقات ارم کو نظر انداز کرکے مومنہ کو اٹھا لیتیں' اس کا خیال رکھتیں' تبھی تو اسے مومنہ بری لگتی تھی۔ جو ارم کا حق چھین رہی تھی۔ یہ اس کی بچگانہ سوچ تھی۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' اس کی سوچ اور پختہ ہوتی گئی اور مومنہ سے اس کی الجھن بڑھتی گئی۔

ماموں نے ارم اور مومنہ کو ایک ہی کلاس میں داخل کرادیا۔ فہد اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وقت کا سفر جاری تھا' سبھی بچپن کی حدود سے نکل کر جوانی کی سرحد میں داخل ہوگئے تھے۔ عالیان کے دل میں مومنہ کے لیے جو کرواہٹ تھی' وہ ابھی تک برقرار تھی' صادقہ لاکھ سمجھاتیں مگر اس پر کوئی اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ اسے کچھ کہتا نہ تھا مگر اس کے آتے ہی وہاں سے اٹھ جاتا تھا۔

ادھر مومنہ نے شعور میں آتے ہی اپنے اس تلخ مزاج کزن کو دل کے قریب پایا' اس کی شرافت اور مردانہ وجاہت نے مومنہ کا دل جیت لیا تھا' وہ چپکے چپکے اسے دل میں بٹھا کر اسے حال دل سنانے لگی تھی۔ حالانکہ جانتی تھی کہ عالیان نے آج تک سیدھے منہ بات تک نہ کی تھی۔ مومنہ اس کے طنز و طعنے سنتی رہی۔

''مومی کو ماں کے اعمال کی سزا مل رہی تھی۔ یہ بات وہ اپنے سوا کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ بھلا ماں کب چاہے گی کہ عالیان کے ساتھ اس کا جوڑ بنے۔ وہ تو اپنے ہم پلہ لوگوں میں اسے بیاہیں گی تو کیا یہ محبت کا سفر وہ ساری عمر اکیلے ہی طے کرے گی۔'' بستر پر اوندھی لیٹی وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

دل تھا کہ عالیان کے سوا کسی اور کا تصور محال سمجھتا تھا۔ وہ خود کو بے بس محسوس کرتی تھی۔ اس ظالم کی ایک جھلک دیکھنے کو وہ بہانے سے پھوپو کی طرف جاتی' کبھی ارم سے نوٹس کے بہانے' کبھی پڑھائی کی کوئی بات پوچھنے اور مومی کو دیکھتے ہی عالیان کے تیور بگڑ جاتے اور مومی دل مسوس کررہ جاتی۔

شکر تھا کہ اپنی محبت کا وہ تنہا ہی بوجھ اٹھا رہی تھی ورنہ وہ تو اس کا جی بھر کے مذاق اڑاتا اور مومی کو اپنی محبت کی توہین کب گوارا تھی۔

☆......☆......☆

انہی دنوں فہد کے وطن واپس لوٹنے کا غلغلہ اٹھا' وہ پڑھائی مکمل کرکے آ گیا تھا۔ گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ عالیان وغیرہ سے وہ رسمی انداز میں ملا' یہ نخرہ' خود پسندی اسے ماں کی طرف سے وراثت میں ملی تھی۔ عالیان کو اس کی ذرا بھی پروا نہ تھی۔ فہد کے آتے ہی ثریا نے اپنے سرکل میں لڑکیاں دیکھنی شروع کیں' ایک سہیلی کے توسط سے اسے خوب صورت سی زنیرہ بے حد بھائی' سو جلد ہی رشتہ طے کردیا گیا۔ زنیرہ امیر کبیر خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ نخوت کا ایک ہالہ اس کے چہرے کے گرد تنا تھا جو اس پر سجتا بھی تھا۔ ثریا نے جلد ہی سب سے مشورہ کرکے شادی کی تاریخ طے کردی۔

یوں درمیان میں دو ماہ کا وقفہ تھا۔ مومنہ بھائی کی خوشی بہت

مسرت سے منانا چاہتی تھی خوب شاپنگ کی اچھے لباس تیار کروائے اپنی پسند کی ہر شے خریدی۔ ایسے میں اسحاق ماموں نے صادقہ کے ہاتھ پر بھی چند ہزار رکھے کہ وہ بھی شادی کی تیاری کرلے۔

"ہاں تو برخوردار کب آرہا ہے نتیجہ۔" وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے عالیان سے پوچھنے لگے۔

"جی بس اگلے ماہ۔" عالیان ادب سے بولا۔

"اللہ کامیاب کرے۔" اسحاق ماموں کے دل سے دعا نکلی۔ وہ چائے پی کر چلے گئے۔

☆......☆......☆

شادی کے تمام دن مومنہ دل سے تیار ہوئی۔ عالیان اسے دیکھ کر دم بخود رہ گیا' سب لڑکیوں میں اس کی سج دھج ہی نرالی تھی۔ وہ خود کو باز نہ رکھ سکا' مومنہ کا یہ روپ پہلی بار ہی تو دیکھا تھا۔ اس کی معصومیت اور پھر لازوال حسن' وہ بے چین سا ہوگیا اور خود کو ٹٹولا تو دل ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ آسمان اور میں زمین اور ان کا ملن کب ممکن ہے۔ وہ جتنا سر جھٹکتا مومنہ تھی کہ دل و دماغ پر اتنا ہی حاوی ہوئے جارہی تھی۔ تھک ہار کر اس نے خود کو حالات کے سپرد کردیا کہ دل اب اس کے اختیار میں نہ رہا تھا۔

زنیرہ کے آنے سے گھر میں خاصی رونق ہوگئی تھی مگر اس کا رکھ رکھاؤ' غرور اور طنطنہ پہلے سے کہیں بڑھ گیا تھا۔ وہ ثریا کو بھی خاطر میں نہ لاتی۔ موڈ ہوتا تو مومنہ سے بات کرتی ورنہ سارا دن کمرے میں رہتی' فہد کے آنے پر تیار ہوجاتی اور دونوں سیر سپاٹے کو نکل جاتے۔ بہو کے تیور دیکھ کر ثریا کا بلڈ پریشر بڑھنے لگا تھا' بہو تو بہو بیٹا بھی پرایا لگنے لگا تھا۔ اسحاق سے بات کی تو انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ تم اپنی پسند سے لے کر آئی ہو اور ثریا ان کی یہ بات سن کر خاموش ہوگئیں۔

گھر میں پھیلی خاموشی کا انہیں کافی دنوں سے احساس ہورہا تھا کہ مومنہ کا زیادہ وقت صادقہ کے ہاں گزرتا ہے' اس پر مزید طیش آیا۔ شام کو انہوں نے اس کی کلاس لے ڈالی۔

"امی...... میں اور ارم مل کر پڑھتے ہیں۔" وہ بے حد معصومیت سے بولی تو ثریا کو پتنگے لگ گئے اور تڑخ کر بولیں۔

"بس گھر میں بیٹھ کر پڑھو۔" ان کے دماغ میں خود بخود

یہ خیال آیا کہ کہیں صادقہ، عالیان کے لیے مومی کو نہ مانگ لے اسحاق تو انکار کریں گے نہیں۔ میری بیٹی تو محلوں میں راج کرے گی اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو پانی سر سے اونچا ہو مجھے جلد از جلد کچھ کرنا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ مطمئن ہوگئیں۔ شومئی قسمت چند دن بعد زنیرہ ان کے پاس چلی آئی مختصر حال احوال کے بعد بولی۔

''وہ ایسا ہے کہ میرا کزن راحیل نے مومنہ کو شادی پہ دیکھا تھا اور اب وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اب جیسا آپ کہیں۔''

''اچھا......'' ثریا مارے خوشی کے بول ہی نہ پائیں۔

پھر صلاح مشورے کے بعد راحیل کی فیملی کو بلالیا گیا۔ انہیں سب بہت پسند آئے ثریا تو موقع کی تلاش میں تھیں۔ اسحاق دل مسوس کررہ گئے وہ تو عالیان کو اپنا داماد بنانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ادھر صادقہ نے سنا تو اپنی کم مائیگی پر رونا آ گیا مومنہ انہیں کتنی عزیز تھی یہ کوئی ان سے پوچھتا۔ ثریا نے دھوم دھام سے منگنی کی یہ دیکھے بنا کہ بیٹی کے خواب بکھر گئے ہیں اور درد دل میں اتر گیا ہے۔

عالیان اس رات سو نہ سکا درد سے بے قرار دل کو سنبھالے وہ سلگتا رہا۔ مومنہ پر بھی یہ رات بھاری تھی۔ یک طرفہ محبت کا بوجھ بہت بڑا لگ رہا تھا کوئی بانٹنے والا نہ تھا جسے چاہتی آئی وہ مل نہ سکا ایک اجنبی کے ساتھ اس کا جوڑ کردیا...... بے بسی کی آخری حد تھی اور مومنہ کے آنسو تھے۔

☆......☆......☆

ایم بی اے کا نتیجہ آ گیا۔ عالیان سرفراز کی پہلی پوزیشن آئی۔ صادقہ کے لب مسکراتے نہ تھکتے تھے۔ وہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر عالیان کے ہمراہ بھائی کی طرف چلی آئیں۔ مومنہ کے اداس چہرے پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں کئی شکوے مچل رہے تھے۔ عالیان کا دل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہورہا تھا۔ زیادہ دیر وہاں بیٹھ نہ سکا۔ جی چاہتا تھا کہ مومی کا ہاتھ تھام کر محبت کا اقرار کردے اور اسے سب سے چھپا کر کہیں دور لے جائے مگر...... ایسا صرف سوچا جاسکتا تھا۔

اس سے پہلے اسے ارم کی فکر تھی۔ کئی دوستوں اور جاننے والوں سے کہہ رکھا تھا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے دوست طاہر نے اپنے کزن عماد کا ذکر کیا جو دبئی سے آیا ہوا تھا اور نکاح کرکے جانا چاہتا تھا تاکہ کاغذات بنواسکے عالیان ان سے ملا بھلے لوگ تھے صادقہ نے اسحاق بھائی سے مشورہ کیا......سب کی متفقہ رائے سے اگلے ہفتے ارم کا نکاح عماد سے ہوگیا۔ صادقہ اور عالیان کے سر سے ایک بوجھ اترا تھا۔ اب وہ نوکری کے لیے سرگرداں تھا۔ کئی جگہ اپلائی کر رکھا تھا مگر ابھی بات نہ بن رہی تھی۔

کافی سارے دوست اس کی طرح پریشانی کا شکار تھے۔ سب نے ذہن تازہ کرنے کے لیے آؤٹنگ کا پروگرام بنالیا اور مری چلے آئے رات کو دیر تک خوب ہلا گلا رہا موسم بھی ایسا تھا کہ بے شمار لوگ آئے ہوئے تھے۔ رات دیر تک جاگنے کے بعد اب سب ہی سو رہے تھے مگر عالیان کی آنکھ جلد کھل گئی وہ اٹھ کر ہاتھ منہ دھو کر ناشتے کے لیے چلا آیا۔

ذرا فاصلے پر ایک مرد اور خاتون کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کررہے تھے۔ عالیان ناشتہ بھول کر منیجر کے پاس آیا تب جو اس نے سنا اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہوگئی۔

''مسٹر اینڈ مسز راحیل صفدر۔''

دھوکا...... دھوکا ہی تو ہوا ہے مومی کے ساتھ...... اتنا بڑا دھوکا...... باقی دو دن جیسے تیسے گزار کر وہ آیا تو سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کس سے بات کرے۔ خوش قسمتی سے اس نے اپنے موبائل پر ان کی تصاویر بھی اتار لی تھیں اور ویڈیو بھی بنالی تھی۔ پورے ثبوت تھے اس کے پاس۔ گھر آیا تو ایک بہت بڑی خوش خبری اس کی منتظر تھی۔ بہت بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کی طرف سے لیٹر اس کا منتظر تھا۔

صادقہ جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا۔ عالیان اگلے ہی دن اپنی نوکری کے سلسلے میں لگ گیا اور مصروفیات بڑھ گئیں۔ کیونکہ اسے اگلے ہفتے جوائن کرنا تھا۔ ایک بار پھر مٹھائی لے کر وہ امی کے ساتھ ماموں کی طرف آ گیا۔ مومنہ آج سامنے نہیں آئی۔ عالیان اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر وہ سامنے ہی نہ آئی سب نے مبارک باد دی خاص طور پر اسحاق ماموں کی خوشی دیدنی تھی۔ جن کی وجہ اور تعاون کرنے سے عالیان اس مقام تک پہنچا تھا وہ ان کا بہت شکر گزار تھا۔ چائے پی کر وہ گھر لوٹ آئے۔

اگلے چند دن وہ سوچ بچار میں رہا کہ کیسے بات کرے مومنہ کی زندگی اسے ہر حال میں بچانی تھی۔ اس دھوکے اور فراڈ سے اسے نکالنا تھا۔ آخر وہ اس کی محبت تھی۔ کیسے اسے

مکار لوگوں کے حوالے کرتا۔

☆......☆......☆

کچھ دن مزید سوچنے کے بعد وہ صادقہ کو بتائے بغیر ماموں کی طرف آ گیا' سب گرم ماحول میں رات کا کھانا کھا رہے تھے' عالیان جان بوجھ کر ایسے وقت آیا کہ سب ایک ہی جگہ موجود ہوں' اس کا اس وقت آنا ثریا کو برا تو لگا مگر خاموش رہیں۔

"آؤ...... آؤ بیٹا کھانا کھاؤ۔" ماموں نے کہا تو وہ بیٹھ گیا۔ مومنہ خاموشی سے کھا رہی تھی' ایک نظر عالیان پر ڈالی' سنجیدہ مگر وجیہہ چہرہ سلیقے سے بنے بال' سرمئی شلوار سوٹ پر فان کلر کی جیکٹ پہنے وہ مومنہ کو ہمیشہ سے زیادہ اچھا اور پیارا لگ رہا تھا۔ دل اسی کی طرف ہمکنے لگا تھا' جس سے اب کوئی تعلق نہ تھا۔

عالیان اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھتا' شوق آرزو کو دبا کر ضبط لازم تھا' کھانا کھا کر فہد اور زنیرہ جانے لگے تو عالیان نے انہیں بیٹھنے کو کہا۔ دونوں حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں خیریت؟" زنیرہ ابرو اچکا کر بولی۔

"جی...... کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ بیٹھیے بلکہ سب تشریف رکھیے۔" وہ ادب سے بولا۔ زنیرہ منہ بناتے ہوئے بیٹھ گئی۔ مارے تجسس کے سبھی حیران تھے۔ عالیان نے سب کے بیٹھتے ہی بات شروع کی۔

"بات کا تعلق دراصل مومنہ سے ہے۔" عالیان براہ راست مومنہ کی حیرت میں ڈوبی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ سب ہی اچھنبے سے اس کی طرف دیکھنے لگے' جو لرزہ براندام تھی۔

"زنیرہ بھابی...... آپ کا کزن راحیل شادی شدہ ہے کیا؟" عالیان کا کہنا تھا کہ زنیرہ یوں اچھلی جیسے کسی نے ڈنگ مار دیا ہو۔ فہد اور اسحاق الگ چونکے' ثریا کا دل سکڑ کر پھیلا اور مومنہ کی حالت ایسی تھی کہ ابھی بے دم ہو کر گر پڑے گی۔

"ہاں...... مگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا۔" زنیرہ بے خوفی سے بولی تو ثریا اور اسحاق کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"کیا...... مطلب تم نے ہم سے دھوکا کیا...... ہمیں بتایا تک نہیں' اتنی بڑی بات چھپا کر دھوکے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔" ثریا کا بس نہ چل رہا تھا کہ زنیرہ کو کچا چبا ڈالیں۔

"دیکھا...... فہد اپنی بیوی کے کرتوت' تمہاری معصوم بہن کے ساتھ اتنا بڑا فراڈ کر رہی تھی۔" ثریا نے سسکتی ہوئی مومنہ کو سینے سے لگا کر نم آواز میں کہا تو عالیان کو شدید غصہ آیا' وہ انتہائی طیش میں بولا۔

"نہ تو وہ طلاق دے رہا ہے نہ کوئی علیحدگی بلکہ دونوں مری میں مزے کر رہے ہیں۔ یہ دیکھیں۔" عالیان نے موبائل اسحاق ماموں کے سامنے کر دیا۔

"ہاں تو اس نے کہا ہے کہ وہ جلد عمرانہ کو طلاق دے دے گا' ایک سال پہلے ہی تو ان کی شادی ہوئی' پھر لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔"

"جھوٹی بند کرو اپنی داستان حمزہ...... دھوکے سے میری بیٹی کو تباہ و برباد کرنا چاہتی تھیں' ہمیں کیا لینا دینا' اگر عالیان نہ دیکھ لیتا اور ہمیں نہ بتاتا تو ہم تو بے خبری میں مارے جاتے اور تم سب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ مگر تم نے اچھا نہیں کیا......" ثریا اپنے بہتے اشکوں کے ساتھ مومنہ کو بھی چپ کرا رہی تھیں۔ اسحاق ماموں کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ایک دم وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے چلے گئے۔ سب کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے' عالیان نے ہمت کی اور فہد کی مدد سے انہیں گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے آئے مگر دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ صدمہ ہی اتنا شدید تھا' عالیان پھوٹ پھوٹ کر رو دیا' فہد بھی سسک اٹھا۔

باپ جیسے ماموں اب دنیا میں نہیں رہے تھے۔ رات گئے' وہ ضروری کارروائی کر کے ڈیڈ باڈی گھر لے آئے' صادقہ اور ارم مسلسل اشک شوئی میں مصروف تھیں۔ مومنہ اور ثریا کے لیے دہرا صدمہ تھا۔ ماں بیٹی تڑپ رہی تھیں' صرف زنیرہ تھی جس کی آنکھیں خشک تھیں' نہ ندامت نہ شرمندگی کا احساس...... بے حسی کا بت بنی رہی...... صادقہ نے بھائی کے چہرے کو دیکھا اور دھاڑیں مار مار کر رو دیں' پھر ثریا اور مومنہ کو گلے لگا کر تڑپنے لگیں۔ فہد حواس باختہ سا تھا۔ سب کے دل دکھ سے بھر گئے تھے صبح تک گھر لوگوں سے بھر چکا تھا۔ عالیان نے سارے معاملات سنبھالے ہوئے تھے' اس نے اپنے دوستوں کو بلا لیا تھا۔ سب ہی تعاون کر رہے تھے۔

تجہیز و تکفین کے بعد سفر آخرت کی تیاریاں مکمل تھیں' ثریا اور مومنہ ہوش سے بے گانہ ہوئی جا رہی تھیں' دونوں کو صادقہ

اور ارم سنبھالے بیٹھی تھیں' ان کی صدماتی موت پر زنیرہ کو قصور وار ٹھہرایا جارہا تھا۔ دوپہر تک انہیں سپرد خاک کر کے مرد واپس آگئے' محبت و شفقت کا پیکر منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔ گھر کے گوشے گوشے سے اداسی ٹپک رہی تھی۔ رونے اور سسکیوں کی آوازیں کلیجہ چیر دیتیں' شام تک مہمان چلے گئے' گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ ثریا اور مومنہ کے حلق سے سوائے پانی کے ایک لقمہ بھی نہ اترا تھا۔ عالیان ان کے دکھ کو دل سے محسوس کررہا تھا۔

رات کو سارے وہیں رہے' آنے والے دنوں میں تعزیت کے لیے لوگ آتے جاتے رہے' وقت ہی زخم لگاتا ہے اور وقت ہی مرہم فراہم کرتا ہے۔

فہد کے ساتھ وہ تقریباً روزانہ ہی قبرستان جاتا۔ کئی دن گزر گئے' رفتہ رفتہ زندگی اپنے معمولات پر آنے لگی۔ اس دن فہد کو بٹھا کر ثریا نے واضح کردیا کہ اب وہ کسی صورت میں ان دھوکے بازوں سے تعلق نہیں رکھیں گی۔ رشتہ ختم سمجھیں۔

فہد کو زنیرہ پر غصہ تو بہت تھا مگر اب تو 'تو' میں میں کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ زنیرہ دو دن سے میکے تھی' فہد نے اسے جا کر منگنی کا سامان تھمایا اور ماں کا پیغام دیا۔ ثریا قدرے ہلکی پھلکی ہوگئیں۔ ادھر مومنہ کے احساسات جیسے مرچکے تھے۔ محبت کرنے والا باپ جاچکا تھا۔ بھائی کی بے حسی دل چیرتی تھی وہ خاموش واداس بیٹھی تھی' رنگت میں ذردیاں گھلنے لگی تھیں۔ کئی دنوں سے وہ کالج بھی نہ جارہی تھی۔ بے مقصدسی ہر شے لگنے لگی تھی۔ ارم اسے سمجھاتی رہتی' مگر وہ بت بنی خالی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہتی' ارم اس کا دکھ سمجھتی تھی' مگر اس کا کوئی مداوا نہ تھا۔

☆......☆......☆

اسحاق کی وفات کو ڈیڑھ ماہ ہونے والا تھا۔ ہنوز موسم دل غمگین تھا۔ اس روز آسمان پر ہلکے ہلکے بادل اُمڈ آئے' دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹاؤں نے ڈیرہ جمالیا اور پھوار پڑنے لگی۔

''آؤ پکوڑے فرائی کرتے ہیں۔'' اسے ساتھ لیے ارم کچن میں آگئی اور بیسن گھولنے لگی۔ صادقہ' ثریا کے پاس تھیں۔ ارم نے ساتھ املی اور پودینے کی مزیدار چٹنی بنالی۔

''بس کل سے تم میرے ساتھ کالج جاؤ گی' کتنا حرج ہوگیا ہے۔ سوچو تو ذرا۔'' ارم اسے سمجھا رہی تھی' مومنہ نے سر ہلایا۔

''کل نہیں پرسوں' کل سنڈے ہے۔'' وہ پانی کا گھونٹ بھر کر بولی۔

''ہاں...... ہاں وہی۔'' ارم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی اور دروازے سے عالیان اندر آگیا۔ بارش میں اندر آتے آتے وہ بھیگ گیا تھا۔ مومنہ کچن میں ہی رہی جبکہ ارم بھائی کو آکر سلام کرنے لگی۔

''بہت اچھی خوشبو آرہی ہے۔'' عالیان فضا میں پکوڑوں کی مہک محسوس کرکے بولا۔

''جی' بالکل آپ کی پسند کے پکوڑے بنائے ہیں ابھی لائی' آپ چینج کرکے آئیں۔'' عالیان مسکراتا ہوا کمرے کی طرف چل دیا۔

اسے کمپنی کی طرف سے کنوس کی سہولت ملی ہوئی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ آرام دہ ہوکر آیا۔ ارم نے اس کے آگے پکوڑوں اور چٹنی کی پلیٹ رکھی کہ اس کا موبائل بج اٹھا عماد کا فون تھا...... وہ شرمیلی مسکان لیے کمرے میں چلی گئی۔

''ارے...... پانی تو دے جاتیں۔'' عالیان کو مرچیں لگیں تو اس نے پانی کی آواز لگائی۔

ہمت کرکے مومنہ نے پانی کا جگ اور گلاس اٹھایا اور کچن سے باہر آگئی۔ عالیان نے قدموں کی آہٹ پر سر اٹھایا تو مومنہ کو سامنے پاکر حیران رہ گیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ نظریں جھکائے ہوئے بولی۔ جبکہ عالیان اسے دیکھتا رہا۔ پیلے اور گلابی امتزاج کے سوٹ میں اس کی اداسی واضح ہورہی تھی۔

عالیان کے اندر سے محبت وہمدردی کے سوتے پھوٹنے لگے کہ مومنہ دہرے صدمے سے دوچار تھی' بلاوجہ' بلاقصور۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو۔'' عالیان کا لہجہ ازخود سراپا محبت بن گیا۔

آج ایک مدت بعد دونوں کے درمیان براہ راست بات ہورہی تھی۔ وہ بھی نارمل' ورنہ اب تک تو عالیان طنز کے تیر ہی برساتا رہتا تھا' بے نقط سناتا مگر اب جیسے سب تیر ہی ختم ہوگئے۔ نفرت وطنز کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

''آپ کا شکریہ...... ٹھیک ہوں یہ پانی لے لیں۔''

گلاس اور جگ رکھ کر وہ ہولے سے بولتی ارم کے پاس اندر چلی گئی اور اسحاق کو یاد کر کے رونے لگی۔

عالیان کے کھانے کی اشتہا اچانک ختم ہوگئی۔ بارش زوروں پر تھی باہر اور اندر مومنہ کے اشک...... جو عالیان کے دل پہ گر رہے تھے ارم اسے چپ کرائے جا رہی تھی، مگر وہ بری طرح بکھر رہی تھی۔

''شکریہ...... یہ کیوں کہا اس نے، یہ تو میرا فرض تھا' کیسے اسے کنوئیں میں گرتا دیکھ سکتا تھا۔ جسے چپکے چپکے وہ چاہتا آ رہا تھا کیونکر اسے درد کے حوالے کرتا' اپنے کمرے میں آ کر وہ بارش کو دیکھتا اور سوچتا رہا۔ دل تھا کہ بے قراری کی حد پار کر رہا تھا۔ کیا کروں؟ کی تکرار سے دل و دماغ میں شور برپا تھا۔

''شادی......'' ایک دم دماغ میں کلک ہوا۔

''شادی...... کیا؟'' اسے ایسا لگا جیسے اپنے سوال کا جواب ایک ہی لفظ میں مل گیا ہو۔

☆......☆......☆

صادقہ ثریا کے پاس خاموش بیٹھی تھیں۔ بارش اپنے جوبن پر تھی اور ثریا کے آنسو بھی نہ رک رہے تھے۔

''بس کریں بھابی...... رونے سے مسئلے کب حل ہوتے ہیں' اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ میں نے بھی تو بھائی کھویا ہے' کلیجہ میرا بھی پھٹتا ہے' مگر اللہ کے حکم اور اس کی مشیت کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔'' صادقہ آنچل سے آنکھیں پونچھتے ہوئے دلگیر لہجے میں بولیں تو ثریا نے سر ہلایا۔

''دوہرے عذابوں سے گزر رہی ہوں میں صادقہ۔'' وہ اجڑے دلگیر لہجے میں بولیں۔ ''میرے تو اپنوں نے میری پیٹھ پر خنجر گھونپا ہے۔ نہ فہد کو شرمندگی ہے نہ زنیرہ کو۔ وہ تو یہاں آنے کو تیار ہی نہیں' بتاؤ کہتا ہے جو ہونا تھا ہوگیا...... اب زنیرہ کو کچھ مت کہیں' ماں بننے والی ہے وہ' اسے ٹینشن نہ دیں۔ لو...... کہتا ہے ٹینشن نہ دیں اور میں' میں کتنی تکلیف میں ہوں رات دن کا سکون برباد ہوگیا ہے۔ شوہر چلا گیا' بیٹی کا گھر بسنے سے پہلے ہی اجڑ گیا۔ میری تو زندگی کا رخ ہی بدل گیا اور بیٹا کہتا ہے ہم کچھ عرصے تک کینیڈا جا رہے ہیں' زنیرہ کے باپ کے پاس۔'' وہ درد سے پھٹتے دل کو لیے ہچکیوں سے رونے لگیں تو صادقہ نے انہیں ساتھ لگالیا' دونوں حالات کے لگائے زخموں پر کھل کر رونے لگیں۔ مگر ثریا کو سکون کہاں تھا۔

صادقہ تھوڑی دیر بعد وہاں سے جا کر ان کے لیے چائے لے آئیں اور ساتھ درد کی گولی کھلائی مگر ثریا کو سکون کہاں تھا۔ وہ باتیں کر رہی تھیں کہ ارم اور مومنہ آ گئیں۔ پکوڑوں کی بھری پلیٹ لیے۔

''ارے واہ...... ہماری سگھڑ بچیوں نے واقعی سگھڑاپے کا ثبوت دیا آج تو......'' صادقہ نے دونوں کو پیار سے دیکھ کر کہا۔

''امی' گھر آ جائیں عالیان بھائی بھی آ گئے ہیں۔'' ارم نے کہا تو صادقہ اٹھنے لگیں۔

''ٹھیک ہے مومی تم کالج جانے کی تیاری کرو...... پرسوں چلیں گے۔ ممانی جان ٹھیک ہے ناں۔'' ارم نے ان سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا کیوں نہیں...... ضرور جائے' اپنی تعلیم مکمل کرے' جانے والوں کی وجہ سے دنیا کے کام کب رکے ہیں۔'' ثریا نے محبت کی تصویر اور اداس بنی مومنہ کو دیکھ کر کہا۔

''جیسے آپ کہیں امی......'' مومنہ سعادت مندی سے بولی۔ ارم اور صادقہ گھر آ گئیں۔

عالیان سو رہا تھا۔ بارش اب تھم چکی تھی۔ البتہ بادل موجود تھے۔ دونوں ماں بیٹی بھی آرام کی غرض سے اپنے بستروں پر آ گئیں۔ صادقہ مسلسل مومنہ کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ کتنی خواہش تھی کہ اسے اپنی بہو بنائیں' مگر عالیان...... وہ تو کبھی نہ مانے گا اس کی ضدی طبیعت سے وہ واقف تھیں۔ اب تو ثریا بھی عالیان کی ممنون تھیں۔

''کتنی ڈھے گئی ہیں ثریا ممانی' حالات نے کیسا پلٹا کھایا۔'' اپنی سوچوں میں گم تھیں کہ ارم کی آواز آئی۔

''ہوں......'' صادقہ نے اس کی جانب پلٹ کر کہا۔

''ایک بات کرنی ہے آپ سے۔'' ارم امید کا دامن تھام کر بولی۔

''کیا بات......'' صادقہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولیں۔

''امی...... مومی کو میری بھابی بنا دیں۔'' ارم کے لہجے میں لجاجت' آرزو' حسرت' خواہش' امید نہ جانے کیا کیا پنہاں تھا۔ صادقہ چند لمحے خاموش رہیں پھر اداسی بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''بیٹا میری تو یہ ازلی خواہش ہے۔ پہلے عالیان تو مانے' مجھے نہیں لگتا کہ وہ مومنہ کو پسند کرتا ہے۔ ہمیشہ اس نے غلط

روپیہ رکھا اس سے...... میں کیسے کروں بات۔'' صادقہ مایوسی سے بولیں۔

''امی اب تو بھائی بہت بدل گئے ہیں۔ میں نے خود نوٹ کیا ہے کہ وہ مومی سے اس طرح بات نہیں کرتے جیسے پہلے کرتے تھے۔'' ارم نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

''وہ تو بیٹا سب ہی کچھ بدل گیا ہے۔ خود ثریا بھابی' پے در پے صدموں سے چور ہیں۔ میں ان سے مومی کا ہاتھ مانگوں تو انکار نہ کریں گی' مسئلہ صرف عالیان کا ہے۔'' عالیان جو انہی کے پاس آ رہا تھا۔ دونوں کی گفتگو میں اپنا نام سن کر چونکا اور رک کر ان کی باتیں سننے لگا۔ حالانکہ وہ فطرتاً ایسا نہ تھا۔

''آپ بھی ٹھیک سمجھتی ہیں میری پیاری ماں...... میں خود آپ سے بات کروں گا۔'' وہ مسکراتا ہوا دل میں سوچتا واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور مومنہ کے تصور سے باتیں کرنے لگا۔''مومی میری سچی اور پاکیزہ محبت تمہیں میرا بنادے گی۔ میں کوئی لینڈ لارڈ نہیں ہوں۔ جس عمر میں بچے کھلونوں سے کھیلتے تھے' اس عمر سے میں اس سوچ و بچار میں رہا کہ میں نے بس پڑھنا ہے' ماں اور بہن کو سکھ دینے ہیں' اللہ کی رحمت اور ماں کی دعاؤں سے میں اپنے مقاصد میں کامیاب رہا۔ ٹھیک ہے میرے رویے سے تم دلبرداشتہ رہتی مگر کیا کرتا حالات ہی ایسے تھے مگر اب میں بدل گیا ہوں...... سب کچھ دے سکتا ہوں تمہیں' میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔ تمہارے سارے غم' دکھ' تکلیفیں ختم کردوں گا۔'' وہ تکیہ بازوؤں میں بھینچے اس کے تصور سے باتیں کرتا رہا۔

☆......☆......☆

ثریا کی عدت تو گزر گئی تھی۔ اسحاق کیا گئے ان کے دن رات' معمولات بھی بدل گئے۔ گھر کی ہو کر رہ گئیں۔ سفید دوپٹہ اوڑھے وہ نماز و قرآن و تسبیحات میں مصروف رہتیں' فہد کی بے حسی اور زنیرہ کی ہٹ دھرمی نے انہیں اور زیادہ دکھ پہنچایا۔ اب انہیں فکر تھی تو مومنہ کی...... صادقہ روزانہ ان کے پاس آتیں' ان کی دلجوئی کرتیں' زبردستی کھانا کھلاتیں اور وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہوتیں' کہ کس طرح ان لوگوں کو چھوٹا سمجھ کر نظر انداز کرتی رہیں' اپنی دولت کے بل بوتے پر' غرور خاک میں مل گیا تھا۔ بیٹے نے آنکھیں پھیر لیں۔ نہ ماں کا خیال نہ بہن کا احساس' سسرال میں پڑا تھا۔ کاروبار بھی اسحاق کے دوست دیکھ رہے تھے۔ درد اندر ہی اندر انہیں کچوکے لگاتا رہتا' ایک بھری بھری دیوار کی طرح ہوگئی تھیں' تب انہوں نے خود پر ملامت کی اور اپنے تئیں فیصلے کرتی گئیں اور کسی حد تک مطمئن ہوگئیں۔

☆......☆......☆

اس روز عصر کے بعد دونوں چائے پی رہی تھیں کہ فہد اور زنیرہ آگئے۔ زنیرہ اپنا کچھ سامان لینے آئی تھی جو رہ گیا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ثریا اشتعال میں آگئیں اور تو تکار شروع ہوگئی۔

''تمہاری ماں پاگل ہوگئی ہے۔'' زنیرہ کے منہ میں جو آیا بولے گئی۔

''ہم جارہے ہیں یہاں سے کینیڈا' پرسوں' رہتے رہیے آپ یہاں۔'' وہ بک بک کرتی اندر گئی' بیگ بھرے اور تن فن کرتی باہر نکل گئی اور فہد اس کے پیچھے پیچھے...... ان کے جانے کے بعد ثریا کی حالت دگرگوں ہوگئی' بلڈ پریشر خطرناک حد تک بڑھنے لگا۔ مومنہ کو کچھ نہ سوجھا تو صادقہ کی طرف بھاگی۔ حواس باختہ وہ زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی۔ عالیان نے کھولا۔

''کیا ہوا......؟'' اس کی حالت دیکھ کر وہ گھبرا کر بولا۔ ارم اور صادقہ بھی تیزی سے آئیں۔

''وہ...... وہ امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' وہ بے ربط سی بولی تو صادقہ نے اسے تھاما اور تینوں ان کی طرف بھاگے۔ عالیان نے جلدی سے ٹیکسی منگوائی اور جیسے تیسے انہیں قریبی کلینک میں لے آئے۔

ثریا نیم بے ہوش تھیں۔ صادقہ مومنہ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ ارم گھر میں اکیلی تھی۔ مومنہ ایک پل کو بھی چپ نہ ہوئی تھی۔ مسلسل گریہ آہ و زاری کر رہی تھی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ثریا کی حالت سنبھلی تو سب نے سکھ کا سانس لیا اور رب کا شکر ادا کیا۔ بروقت طبی امداد سے معاملہ سنبھل گیا تھا۔

''اگر آج عالیان نہ ہوتا تو کیا اماں بھی بابا کے پاس چلی جاتیں؟'' مومنہ کے دماغ میں یہی بات گردش کر رہی تھی۔ عالیان نے دونوں کو تسلی دی' اور ثریا کو لے کر گھر آ گئے۔

''پھوپو...... آپ آج رات یہیں رہ جائیں......'' اس کی معصوم فرمائش پر عالیان مسکرا دیا اور بولا۔

''جی امی آپ یہیں رہیں......'' دوائیاں ان کے حوالے

کر کے سمجھا کے وہ جانے لگا۔

''میں چلتا ہوں ارم اکیلی ہے کب سے۔'' وہ مومنہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ مومنہ جو پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہی تھی نظریں ملنے پر سٹپٹا گئی۔ عالیان مسکراتے لبوں گھر پلٹ آیا۔

''اف...... پھوپو اگر آپ لوگ نہ ہوتے تو میں کیا کرتی...... اکیلی۔'' مومنہ مسلسل صادقہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی اور ماں کے سابقہ رویے پر شرمندہ بھی تھی۔

''ہم سب تمہارے ساتھ ہیں' اکیلی کب ہو تم......'' صادقہ نے اسے ساتھ لپٹا کر کہا تو مومنہ کے اندر سکون سا اتر آیا۔

ثریا کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ وہ خاموش ممنون نظروں سے صادقہ کو دیکھے گئیں' جس نے آج تک شکوہ کرنا سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ غنودگی میں جانے لگیں تو صادقہ عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لیے اٹھ گئیں۔

''چلو اب تم پڑھو اور اطمینان سے سو جاؤ۔ میں ہوں ناں یہاں' بے فکر ہو جاؤ۔'' صادقہ اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ تو مومنہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ اگر یہ محبت والے بے غرض رشتے ساری عمر کے لیے مل جائیں تو کیا ہے؟ یہ شاید قبولیت کی گھڑی تھی۔

☆......☆......☆

اللہ جب مہربان ہوتا ہے تو واقعی اپنی رحمت و کرم کے دروازے کھول دیتا ہے۔ انسان کی اوقات ہی کیا ہے؟ اسے تو بس اس کی رضا میں راضی رہنا ہے' راضی بہ رضا ہی حقیقی مسرتوں کو حاصل کر لیتا ہے۔

یہی عالیان کے ساتھ ہوا' کمپنی کی طرف سے اسے خوب صورت گھر اور گاڑی مل گئی۔ وہ پھولے نہ سما رہا تھا۔ گھر میں ایک بار پھر خوشی کی لہر دوڑ گئی' ارم اور صادقہ' ثریا کو خوش خبری سنانے آ گئیں۔

''مبارک ہو بہت بہت......'' ثریا خوش دلی سے بولیں۔

''تو...... کیا آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں گے۔'' مومنہ دل پہ ہاتھ رکھ کر صدمے سے بولی۔

''ہاں...... جانا تو ہے...... جانا تو پڑے گا۔'' ارم نے اس کے لہجے پر غور نہ کیا۔ البتہ صادقہ اور ثریا مومنہ کے لہجے پر غور

کرنے لگیں۔

"ہاں...... تم تو دوبئی چلی جاؤ گی ناں......" مومنہ پھر اداسی سے بولی۔

"یہ بھی ٹھیک ہے......" ارم شرمیلی مسکان لیے مسکرا کر بولی اور دونوں باتیں کرنے لگیں۔

ثریا سوچوں میں گم تھیں...... عالیان اور سب نے اس کڑے وقت میں قدم قدم پہ ان کا ساتھ دیا تھا۔ جو کام فہد کے کرنے کے تھے وہ عالیان کر رہا تھا' فہد کنیڈا جا چکا تھا زنیرہ کے ساتھ۔ ماں' بہن کو بے سہارا چھوڑ کر۔ اب ثریا نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ لوگ کہیں نہیں جائیں گے۔ عالیان کاروبار دیکھے گا' اسے نوکری کی کیا ضرورت۔ تب وہ بے حد مطمئن ہوگئیں کہ زندگی اور حالات بعض اوقات ایسے فیصلے کرواتے ہیں جن کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

ایسے ہی ثریا کے ساتھ ہوا...... اللہ کی تقدیر کے آگے انسان کی تدبیر نہیں چلتی اور انسان اپنے تئیں فیصلے کرتا رہتا ہے' ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ محبت بھی عجیب شے ہے اس کا اپنا لطف و مزا ہے اور یہ نشہ رگ و پے میں سما جائے تو ہر طرف بہار اور رنگینی دکھائی دیتی ہے عالیان رات ماں کے پاس آیا اور ان کے ہاتھ تھام کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

صادقہ پہلے تو حیران رہ گئیں پھر ہنستے ہوئے اسے گلے سے لگالیا۔ تشکر کے آنسو بہہ نکلے' ارم نے سنا تو مارے خوشی کے دل رقص کرنے لگا اور دعائیں کرنے لگی۔

"بس ہم کل ہی جائیں گے ممانی کے پاس امی۔" ارم کا بس نہ چل رہا تھا کہ ابھی چلی جائے۔ رات بھر اسے نیند نہ آئی۔

صادقہ نے اسے بھی صبر کرنے کو کہا کہ سوچ کر ہر کام کریں گے دو روز اور گزرے کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ ارم کو ساتھ لے کر وہ ثریا کو مبارک دینے آ گئیں۔ انہوں نے ارم کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ مومنہ کو کچھ مت کہے پہلے ثریا بھابی کا عندیہ تو معلوم ہو' ثریا نے بھی انہیں رمضان المبارک کی مبارک باد دی۔

"میں خود آتی مگر ایک دم سر چکرانے لگا تھا۔" ثریا کی طبیعت واقعی ٹھیک نہ لگ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں بھابی۔" صادقہ مسکرا کر بولیں۔

"بھابی...... ایک بات کرنی تھی...... بلکہ یہ ہم سب کی آرزو ہے کہ......" صادقہ ذرا دیر کو رکیں...... اتنے میں ثریا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"ہاں کہو۔" وہ نرمی سے بولیں۔

"بات یہ ہے کہ مومنہ کو میری بیٹی بنا دیں...... عالیان آپ کا بچہ ہے' آپ کا دیکھا بھالا' اس میں کوئی برائی نہیں' سیدھا سادھا شریف سا......" صادقہ نظریں جھکائے جھکائے اپنا مدعا بیان کر رہی تھیں۔ تب ثریا اٹھیں اور صادقہ کو گلے لگالیا۔

"صادقہ...... مومنہ تمہاری ہے' یہ اسحاق کی بھی خواہش تھی۔ مگر میں دولت کے نشے میں اندھی ہوگئی تھی اور عالیان نے اسے بچا لیا غلط لوگوں سے اور تو اور میں اپنی بیٹی کا دل توڑنے کی بھی سزاوار ہوں اللہ مجھے معاف کرے۔" صادقہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔ ان سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"اور ہاں صادقہ اب سارا کاروبار عالیان سنبھالے گا' تم لوگ کہیں نہیں جا رہے' اتنے وسیع کاروبار کے بعد عالیان کو کسی نوکری کی ضرورت نہیں۔" صادقہ پر تو شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔

"بھابی......" وہ ان سے لپٹ گئیں۔

"بس بھابی میں چاند رات والے دن آ کے رسم کر جاؤں گی۔ آپ اب آرام کریں...... ارم آجاؤ۔" ساتھ ہی انہوں نے ارم کو پکارا جو مومنہ کے کمرے میں تھی۔

سرشار دل کے ساتھ وہ گھر آ گئیں۔ عالیان تراویح پڑھ کے آیا تو خوشیوں کے انبار اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اسے اپنی دعاؤں پر پورا بھروسہ تھا۔

☆......☆......☆

خوشیوں میں رمضان المبارک کی سعادت بھری ساعتیں گزر رہی تھیں۔ ارم اور مومنہ روزانہ ہی افطاری میں کچھ نہ کچھ تیار کر کے ایک دوسرے کو بھیجتیں۔ اس دن اٹھارواں روزہ تھا جب مومنہ نے اسپیشل دہی بڑے بنائے اور باؤل لے کر ان کی طرف آ گئی۔ دروازہ کھلا تھا' صادقہ بستر پر لیٹی تسبیح پڑھ رہی تھیں اور ارم قرآن پاک پڑھ رہی تھی کھٹکے پہ عالیان باہر آیا۔

سرخ اور کالے پرنٹڈ سوٹ میں مومنہ دلکشی کی حدوں کو چھو رہی تھی۔ عالیان یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ مومنہ کے تصور میں بھی نہ تھا کہ عالیان اس طرح گستاخ نظروں سے اسے

دیکھے گا۔ وہ باؤل اسے تھما کر دوڑتی ہوئی دھڑکنیں سنبھالتی لوٹ آئی۔

''تو...... تو کیا عالیان بھی انہی راستوں کا مسافر ہے' جس راہ پر میں برسوں سے چل رہی ہوں......'' یہ سوچ اسے نئی توانائی دے گئی۔

☆......☆......☆

دن پر لگا کر اڑنے لگے تھے گویا...... انتیسویں روزے کے اختتام پر متوقع چاند کے انتظار میں سب ہی بلند عمارتوں پر جا پہنچے...... کہ چاروں طرف سے چاند' چاند کا دلفریب شور بچ اٹھا...... اور دلوں میں انمٹ خوشیوں کا احساس جاگ اٹھا۔

مومنہ بھی ہاتھ اٹھا کر اچھے نصیب کی دعائیں کرنے لگی۔ ثریا آج بہت بہتر تھیں۔ بیٹی کو گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور دعائیں دیں۔ کھانا کھا کر وہ فارغ ہی ہوئی تھی کہ صادقہ' ارم اور عالیان آ گئے۔ مومنہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ چہروں پر گہری خوشی تھی...... جو پھوٹی پڑ رہی تھی۔

ثریا سے مل کر صادقہ نے مومنہ کو اپنے پاس بٹھایا۔ وہ کچھ نہ سمجھ رہی تھی۔ عالیان میٹھی میٹھی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اجازت ہے بھابی۔'' صادقہ نے ثریا سے پوچھا۔

''ہاں صادقہ مومنہ اب تمہاری ہے۔'' ثریا کی بات پر مومنہ نے مزید حیرانی سے ماں کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں تشکر کے موتی لرزاں تھے۔

صادقہ نے مومی کا ہاتھ تھام کر اس کی نازک سی انگلی میں انگوٹھی پہنائی اور ساتھ ہی سرخ گوٹے کناری والا چمکدار دوپٹہ اس کے سر پر ڈال دیا۔ ارم نے مٹھائی کا ڈبہ کھولا اور ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا کر مسرت کا اظہار کیا۔

''اور یہ رہی تمہاری عیدی......'' ارم نے شرارت سے ہنستے ہوئے چیزوں کی جانب اشارہ کیا اور ایک ایک چیز اسے دکھانے لگی۔ مومنہ چہرہ جھکائے بیٹھی رہی۔

''ارے...... یہ کیا...... امی چوڑیاں کہاں ہیں؟ بھول گئے ناں ہم......'' ارم افسردہ لہجے میں بولی۔ چوڑیوں کے بغیر تو عید کا تصور ہی محال لگتا تھا اسے۔

''تو کیا ہوا؟ عالیان ابھی جا کر چوڑیاں پہنا آتا ہے۔'' صادقہ نے فوراً مسئلے کا حل نکالا اور ثریا کی طرف دیکھا...... جن کی طرف سے اجازت تھی۔

''ہاں...... ہاں...... جاؤ پہنا آؤ۔ کوئی کمی نہ رہ جائے' یہ رسم بھی پوری ہوئی۔'' عالیان مسکرا کر اٹھا اور باہر چلا گیا۔

شرمائی' لجائی وہ اس کے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھی' ارم نے دل سے دونوں کے لیے دعا کی۔ عالیان نے گاڑی اسٹارٹ کی' دونوں خاموش تھے۔

کافی دیر بازار کی رونقیں دیکھتے دکھاتے وہ گاہے بگاہے ایک نگاہ عالیان پر ڈال لیتی کہ عالیان نے اس کی چوری پکڑی اور مسکرا کر بولا۔

''گاڑی روکتا ہوں' اچھی طرح دیکھ لو مجھے۔'' تو مومنہ شرما گئی۔

''خوش ہو؟'' عالیان نے خوش دلی سے پوچھا۔

''بہت...... اور آپ......؟'' وہ بھی جواباً بولی اور اس کی تبدیلی پر حیران بھی تھی۔

''خوش ہوں تو تمہیں ساتھ لایا ہوں' چوڑیوں کا تو بہانہ تھا صرف...... پہنا دوں گا وہ بھی...... اصل میں کچھ پل تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا......'' نسبتاً سنسان جگہ پر گاڑی روک کر وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا...... کہ مومنہ کا شرمیلا' موہنا سا روپ عالیان کے دل میں اترتا جا رہا تھا۔ جس کا وہ کب سے منتظر تھا۔

''بہت تنگ کیا ناں میں نے تمہیں......؟''

''ہوں......'' وہ اس کا دایاں ہاتھ ہاتھ میں لے کر محبتوں سے چور لہجے میں بولا۔

''اب محبت بھی بہت کروں گا۔ تمہارے سارے دکھ' غم ختم۔''

عالیان محبتوں کی پھوار برسا رہا تھا اور مومنہ اس مدھر پھوار میں بھیگتی جا رہی تھی' عید کی رونقیں تھیں اور دل میں آنے والے سہانے سکھ بھرے دنوں کا احساس رقصاں تھا۔ یہ عید ان کے لیے خوشیوں کے گلاب لا رہی تھی۔

حقیقی عید

سباس گل

"اچھی زندگی اچھی صورت سے نہیں اچھی نیت سے ملتی ہے۔" امی نے اسے سمجھایا' وہ جو پہلے ہی جلی بھنی بیٹھی تھی تپ کر بولی۔

"جن کے پاس جو چیز نہیں ہوتی نا وہ لوگ ایسی ہی باتوں کا سہارا لے کر فلسفہ اور اخلاقیات کا لیکچر دے کر دوسروں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"حقیقت تو یہی ہے۔ بات صرف سمجھنے کی ہے اور تم سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔" امی نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں نہیں سمجھنا چاہتی اور کیوں سمجھوں؟ کنزیٰ اور حمنیٰ کے لیے تو آپ نے بہت شاندار پرسنالٹی والے ڈاکٹر' انجینئر پسند کیے' ان کی شادی دھوم دھام سے کی اور جب میری شادی کا وقت آیا تو سارے حسین وجمیل' وجیہہ مردوں کا کال پڑ گیا تھا جو یہ کالا نوفل میرے لیے چن لیا آپ اور ابو نے؟ میں نے آپ دونوں پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کیا تھا یہ سوچ کر جیسے کنزیٰ اور حمنیٰ کے لیے آپ نے اتنے قابل اور شاندار لڑکے ڈھونڈے ہیں میرے لیے بھی ایسا ہی ہینڈسم بزنس مین پسند کیا ہوگا مگر نکلا کیا؟ ایک جنرل اسٹور اور دو دکانوں کا مالک' صرف بی اے پاس اور کالا بھجنگ۔" عشنا غصے سے بول رہی تھی۔

"اب تم زیادتی کر رہی ہو عشنا.... کالا تو نہیں ہے وہ سانولا رنگ ہے' نین نقش تو بہت اچھے ہیں نوفل عظیم کے اور سب سے بڑھ کے وہ دل کا صاف' نیت کا نیک ہے لالچی نہیں ہے جہیز لینے سے انکار کر دیا تھا اس نے۔" امی نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بس اسی لیے آپ نے مجھے نوفل کے ساتھ بیاہ دیا اور جہیز کے نام پر چند چیزیں ساتھ کر دیں' اپنے پیسے آپ نے میری ہی شادی پر بچانے تھے نا۔ کنزیٰ اور حمنیٰ "ہنی مون" پر دبئی گئی تھیں' خوب شاپنگ کر کے آئی تھیں اور جناب نوفل صاحب فرماتے ہیں ہم مری' سوات جائیں گے "ہنی مون" کے لیے ہنہہ...... ملا کی دوڑ مسجد تک' ان کی دوڑ مری تک۔" عشنا نے غصیلے لہجے میں دل کی بھڑاس نکالی۔

"شکر ادا کرو کے تمہارا شوہر تمہیں مری سوات تو لے جا رہا ہے ورنہ ہزاروں لڑکیاں ہیں ایسی جو شادی کے بعد سسرال اور میکے کے علاوہ کسی تیسری جگہ کا نام تک نہیں جانتیں' کہیں جانا تو دور کی بات ہے اور ڈاکٹر' انجینئر ہونے میں کوئی بڑائی نہیں ہے بلکہ اچھا اور نیک نیت اور اپنے سے جڑے رشتوں کے ساتھ مخلص ہونے میں بڑائی ہے۔ محبت کرنے والا شوہر ہے نوفل' عزت کرتا ہے تمہاری اور کیا چاہیے ایک عورت کو؟ صرف ماں ہے' بہن اسلام آباد میں بیاہی ہے وہ بھی سال میں ایک دفعہ ہی میکے آتی ہے' کون سی ذمہ داری ہے تم پر؟ کل وقتی ملازمہ رکھی ہوئی ہے نوفل نے اب اگر تم بیوی' بہو ہونے کے فرائض بھی ادا نہ کرو تو تف ہے تم پر۔" امی نے قدرے درشتی سے کہا تو وہ برا مناتے ہوئے بولی۔

"بات فرائض کی نہیں ہو رہی تھی امی...... بات آپ کے داماد کی صورت و کاروبار کی ہو رہی تھی' گھر کے کام تو میں میکے میں بھی کرتی تھی وہاں بھی کرتی ہوں کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں تو ذرا سی بات کو اتنا بڑا مسئلہ بنا کر اپنی خوشیوں سے کیوں منہ موڑ رہی ہو؟ اور رنگ' شکل' نین نقش سب اللہ کی دین ہے اس پر شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ کفرانِ نعمت کرنے اور کیڑے نکالنے لگو' گناہ ہے یہ اللہ ناراض ہوتا ہے۔ ہوش کے ناخن لو عشنا' ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔" امی نے سپاٹ لہجے میں ڈانٹنے والا انداز اپناتے ہوئے سمجھایا۔

"بس میرے لیے تو آپ کے پاس صرف نصیحتیں اور محاورے ہی رہ گئے ہیں' جا رہی ہوں میں۔" عشنا غصے سے کہتی اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟ کھانا کھا کر جانا کنزیٰ اور حمنیٰ بھی اپنے شوہروں کے ساتھ آ رہی ہیں کھانے پر۔ میں نوفل کو بھی فون کر دیتی ہوں وہ بھی سب کے ساتھ کھانا کھا لے گا پھر چلی جانا اس کے ساتھ۔" امی نے اسے ناراض دیکھ کر کہا۔

"میں کھانا پکا کر آئی تھی آپ اپنے بڑے دامادوں کو کھلائیں دعوتیں جو بہانے بہانے سے سسرال میں پیٹ بھرنے چلے آتے ہیں۔ اپنے گھر تو کبھی نہیں بلایا آپ کو۔" وہ غصے سے بولی۔

"اللہ کا شکر ہے کہ ہم دوسروں کی طرف نہیں دیکھتے اس

نے ہمیں کھلانے والا دینے والا بنایا ہے احسان ہے اس کا اور بیٹا دامادوں کی آؤ بھگت تو کرنا پڑتی ہے نا۔“

”ہاں اور کچھ دامادوں کو بھگتنا بھی پڑتا ہے اتنی آؤ بھگت کے عادی ہوکر سر جو چڑھ جاتے ہیں وہ اللہ حافظ۔“ عشنا نے جل کر کہا اور گھر کا گیٹ عبور کرگئی امی آوازیں ہی دیتی رہ گئیں۔

❀……❀……❀

امتیاز احمد اور رخشندہ بیگم کے پانچ بچے تھے دو بیٹے ایاز احمد ارباب احمد اور تین بیٹیاں کنزیٰ حمنیٰ اور سب سے چھوٹی عشنا۔ بیٹے بیٹیاں سب ہی بیاہی گئی تھیں امتیاز احمد کا کپڑے کا کاروبار تھا اچھی آمدن اور خوش حال گھرانہ تھا۔ سارے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اچھے خاندانوں میں شادیاں کیں عشناء کی شادی کو ابھی ایک ماہ ہوا تھا اس نے انگلش میں ماسٹرز کیا تھا اور اس کا شوہر بی اے پاس تھا۔ اچھے خوشحال گھرانے سے تعلق تھا دس مرلے کا دو منزلہ شاندار مکان تھا جس کی تعمیر بنگلے کے طرز پر کی گئی تھی۔

نوفل زبیر کے والد کا دو سال پہلے انتقال ہوگیا تھا والدہ آمنہ کے ساتھ وہ اپنے گھر میں رہتا تھا جہاں ایک کل وقتی اور ایک جز وقتی ملازمہ گھر کے سب کاموں کے لیے رکھی ہوئی تھی۔ دونوں ماں بیٹے بہت اچھے مزاج اور حسن اخلاق کے مالک تھے۔

نوفل اب باپ کی جائیداد کا اکلوتا وارث تھا اس نے اپنی والدہ کے مشورہ سے اپنی اکلوتی بہن کو والد کی جائیداد میں سے اس کا شرعی حق ادا کردیا تھا اب اس کے پاس ایک بڑا جنرل اسٹور تھا جسے وہ خود دیکھ رہا تھا دو دکانیں کرائے پر دے رکھی تھیں جن کا معقول کرایہ ہر ماہ آیا کرتا تھا۔ گاڑی اور دیگر تمام سہولیات بھی تھی بس ایک ہی کمی تھی کہ نوفل کا رنگ پکا سانولا تھا اور سانولے رنگ نے عشنا کی خوشی میں بھنگ ڈال دیا تھا۔ عشنا بہت حسین وجمیل تھی دلکش نین نقش، کھلتا گلابی مائل سفید رنگ تھا۔ اس کے مناسب قد کاٹھ دراز زلفیں ستواں ناک شنگرفی لب اپنے ساتھ اسے نوفل بالکل ایسے لگتا تھا جیسے حور کے پہلو میں لنگور اور یہ بات اس کے کئی رشتے داروں نے بھی کہی تھی کہ لڑکا تو ایسے ہی ہے البتہ لڑکی چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے سفید اور کالے رنگ کا ملاپ ہے۔ دیکھو کیا رنگ دکھلاتا ہے غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں اور ان باتوں نے عشنا کا دل اور بھی کھٹا کردیا تھا بظاہر وہ نوفل کے ساتھ ٹھیک تھی پر دل سے بہت بجھی ہوئی تھی اپنے گھر والوں پر غصہ تھا اسے کہ دونوں بہنوں کے لیے اتنے قابل اور ہینڈسم لڑکے ڈھونڈے اور اس کے لیے بی اے پاس کالے رنگ والا لڑکا پسند کیا۔ وہ دل ہی دل میں سب سے ناراض تھی حالانکہ نوفل اس پر دل وجان سے فدا تھا۔ اتنی خوب صورت، سگھڑ، پڑھی لکھی شریک حیات اسے مل گئی تھی وہ بہت چاہنے لگا تھا عشنا کو اس کا خیال بھی بہت رکھتا۔ ساس بھی بہت شفیق اور محبت کرنے والی تھیں یہی وجہ تھی عشنا اپنے غصے اور ناپسندیدگی کا اظہار ان کے سامنے نہیں کرسکی تھی نوفل کو یہ نہیں بتاسکی تھی کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں……بس وہ بات ضرور تنا کرتی تھی ان دونوں سے وہ اسے اس کی شرم وحیا اور کم گوئی تصور کررہے تھے۔

”عشنا جی……آپ تیاری کرلیجیے گا ہم اگلے ہفتے ”ہنی مون“ پر جائیں گے ان شاء اللہ۔“ نوفل نے عشنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”امی کہاں رہیں گی؟“

”امی کو ہم خالہ کے گھر چھوڑ دیں گے چند روز کے لیے۔“

”نہیں یوں اچھا نہیں لگتا کہ ہم دونوں گھومنے نکل جائیں اور امی کو خالہ کے گھر چھوڑ دیں۔ پتا ہے رشتے دار طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں اور کان بھرتے ہیں بہو بیٹے کے خلاف

اچھے بھلے شریف رشتہ داروں کو ایسے کرتے دیکھا ہے میں نے۔“ عشنا نے سنجیدگی سے جواب دیا وہ سوچ میں پڑ گیا۔
”پھر کیا کریں؟ دیکھیں نا اگر ہم امی کو ساتھ لے کر جائیں گے تب بھی عزیز رشتہ دار باتیں بنائیں گے ماں بہو بیٹے کا ہنی مون خراب کرنے کے لیے ساتھ چلی گئی یونہ ہم شادی کے بعد پہلی بار کہیں گھومنے جائیں گے لوگ تو اسے ”ہنی مون“ ہی کہتے ہیں ناں؟“ نوفل نے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
”ہاں لیکن اس کا ایک حل ہے اور وہ یہ کہ رمضان شروع آنے والا ہے کیوں نہ ہم عید کے فوراً بعد جائیں تب تک راشد ماموں بھی سعودی عرب سے اسلام آباد پہنچ جائیں گے امی اپنے بھائی کے گھر رہ لیں گی ان کی بھی ملاقات ہوجائے گی اور ہمارا ٹرپ بھی ہوجائے گا لوگوں کو بھی فضول میں باتیں بنانے کا موقع نہیں ملے گا‘ کیسا ہے؟“
”بہت اچھا ہے بھئی آپ نے صحیح سوچا‘ امی بھی کہہ رہی تھیں کہ راشد ماموں عید پاکستان میں کریں گے وہ ان سے ملنے اسلام آباد ضرور جائیں گی تو ہم تینوں ساتھ چلے جائیں گے ماموں نے ہمیں انوائٹ بھی کیا ہے شادی کے بعد کی دعوت کے لیے ایک ٹرپ میں تین کام ہوجائیں گے‘ بس ٹھیک ہے ہم عید کے بعد جائیں گے امی کو بھی بتادیتا ہوں۔“ نوفل نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرادی۔ وہ ہنی مون پر جانا ہی نہیں چاہتی تھی نوفل کے ساتھ اسی لیے بہت طریقے سے بات بنائی تھی اور نوفل کو بھی اعتراض نہیں ہوا الٹا وہ تو دل میں بہت خوش ہوا تھا کہ عشنا کو اس کی ماں کی کتنی فکر ہے۔
عشنا کو اس بات پر بھی ہمیشہ غصہ آتا تھا کہ دونوں بہنوئی ہر ہفتے ان کے گھر دعوت کھانے موجود ہوتے اور وہ امی اور بھابی کے ساتھ کچن میں مصروف رہتی‘ ان کے لیے مزے دار کھانے پکانے کے لیے دامادوں کی آؤ بھگت کرنے کے علاوہ بیٹیوں کو ہر بار ہزار کا نوٹ دے کر بھیجنا پڑتا تھا بقول امی کے بیٹی کو خالی ہاتھ بھیجا تو اس کے سسرال والے باتیں بنائیں گے‘ بیٹی کو طعنے دیں گے‘ امی بیٹی دامادوں کا ہمیشہ پورا کیا کرتی تھیں اور یہ بات عشنا کو ہمیشہ بہت غصہ دلایا کرتی تھی اور وہ سوچتی تھی کہ جب اس کی شادی ہوجائے گی تو وہ بار بار میکے کے چکر نہیں لگائے گی نہ ہی میکے سے رقم اور تحفے بٹورنے کی پالیسی اپنائے گی‘ یہی وجہ تھی کہ شادی کی پہلی دعوت کے بعد وہ میکے کھانا کھانے کے لیے نہیں رکی تھی۔ نوفل بھی ایسی رسموں کا قائل نہیں تھا۔

رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو پہلے روزے سے ہی عشنا کو میکے سے افطار ڈنر کی دعوتیں موصول ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ نوفل اور اس کی والدہ سمیت‘ مگر وہ ایک بھی دعوت میں نہیں گئی‘ آج پندرھواں روزہ تھا‘ نوفل کو عشنا کی امی اور بھائی ایاز احمد نے کال کر کے افطاری پر آنے کی دعوت دی تھی‘ نوفل نے عشنا کو بتایا تو اس نے صاف منع کردیا۔
”مجھے نہیں جانا امی کو پتا نہیں کیا ملتا ہے خود کو ہر وقت کچن میں مصروف رکھ کر ان کی صحت بھی اب ٹھیک نہیں رہتی اور ہر دوسرے دن دعوتیں کرتی رہتی ہیں۔“
”میں نے تو اسی لیے آپ کی امی کو شادی کی پہلی دعوت پر ایسی رسموں اور تکلفات میں پڑنے سے منع کردیا تھا۔ انہوں نے بیٹی بیاہ دی اپنا سب کچھ دے دیا‘ پھر اب یہ لازم تھوڑی ہے کہ ہر ہفتے بیٹی داماد کو دعوت کھلائیں‘ تحفے دیں‘ اتنا بوجھ بیٹی کے ماں باپ پر نہیں ڈالنا چاہیے کہ وہ بیٹیوں کی میکے آمد پر خوش ہونے کی بجائے پریشان ہوجائیں کہ بیٹی داماد کی خاطر تواضع کیسے کریں‘ انہیں واپسی پر کیا دے کر رخصت کریں یہ سراسر زیادتی ہے مردوں کو بھی یہ بات سمجھنی چاہیے۔“ نوفل نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا تو اس کا دل اطمینان سے بھر گیا کہ اس کا شوہر اچھی سوچ کا مالک اور سمجھ دار ہے۔ اس لمحے وہ اسے بہت اچھا لگا اور وہ دل سے مسکرائی تھی۔
”اب سارے مرد آپ کی طرح احساس کرنے والے تھوڑی ہوتے ہیں‘ شکر ہے کہ آپ میری بات سمجھتے ہیں ورنہ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس بات کا غلط مطلب لے لیتا۔ کہنا نہیں چاہیے لیکن افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ میرے دونوں بہنوئی ایسے ہی مفت خورے ہیں اتنا کماتے ہیں اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ ان کا سسرال انہیں دعوتیں کھلاتا رہے‘ ان پر تحفے تحائف لٹاتا رہے اور سسرال کو بھی دعوت نہیں دی اپنے گھر‘ یہ میری بہنوں کی بھی کمزوری ہے میکہ قریب ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ہر وقت میکے جاتے رہو۔“ عشنا سنجیدگی سے بولی تو نوفل نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
”آپ پریشان مت ہوں‘ ٹھیک ہوجائیں گے وہ۔“
”وہ ایسے ٹھیک نہیں ہوں گے انہیں ٹھیک کرنا ہوگا۔“
”اور کون ٹھیک کرے گا انہیں؟“
”میں ٹھیک کروں گی آپ ساتھ دیں گے نا میرا؟“ عشنا نے نوفل کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتے

ہوئے بولا۔

"میں تو مرتے دم تک آپ کا ساتھ دوں گا۔"

"شکریہ۔" وہ اس کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی اور شرم وحیا سے آنکھیں جھکالیں۔

❁......❁......❁

امتیاز ہاؤس میں عشنا کا انتظار ہو رہا تھا' کنزیٰ' حمنیٰ اپنے اپنے شوہر' بچوں اور ساس سسر کے ہمراہ افطار سے ایک گھنٹہ پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ عشنا نے نوفل سے افطار کا کچھ سامان منگوایا اور کچھ خود اہتمام گھر پر کرلیا تھا۔ ساس کے لیے افطار کا سامان وہ علیحدہ رکھ چکی تھی' نوفل اور وہ امتیاز لاج پہنچے تو سبھی ان کے ہاتھوں میں کھانے پینے کا سامان دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"نوفل میاں...... یہ سب کیا لے آئے آپ؟" امتیاز احمد نے پوچھا۔

"انکل...... کچھ پھل ہیں' جوسز ہیں اور آپ سب کے لیے آئس کریم' دہی بھلے' سموسے اور مٹھائی لائے ہیں ہم۔" نوفل نے شاپرز میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا...... ان سب چیزوں کی کیا ضرورت تھی' گھر میں سب کچھ موجود ہے۔" امتیاز احمد تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ کنزیٰ' حمنیٰ ان کے شوہر بھی حیرت زدہ تھے کہ انہیں تو کبھی خیال نہ آیا کچھ لانے کا اور چھوٹے داماد جی اتنا کچھ اٹھا لائے حالانکہ وہ بھی دعوت میں آئے تھے۔

"میں جانتا ہوں انکل کہ ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں تھی میں یہ سب ضرورتاً نہیں لایا محبت سے لایا ہوں اور پھر سسرال میں خالی ہاتھ آنا دعوت کھانے کم از کم مجھے تو بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔ آپ نے بھی تو ہم سب کو محبت میں افطار ڈنر پر مدعو کیا ہے نا ورنہ ہم سب کے گھر میں بھی سب کچھ موجود ہے' یہ لوگ بھی آپ کی محبت میں آئے ہیں ورنہ داماد کہاں سسرال جاتے ہیں' ہمارے ہاں تو اچھا نہیں سمجھا جاتا کہ داماد اپنے سسرال کے چکر لگاتا رہے۔" نوفل سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا تو اسی لیے آپ یہاں نظر نہیں آئے شادی کے بعد سے۔" کنزیٰ کے شوہر عاصم نے اپنی خجالت مٹانے کو کہا۔

"ہاں بھئی آپ تو عید کا چاند ہوگئے نوفل صاحب۔" حمنیٰ کے شوہر ولید نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کہتے ہیں نا کہ قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا' تو اس لیے نوفل کم کم آتے ہیں یہاں۔" کنزیٰ کے گیارہ سالہ بیٹے ارحم نے مسکراتے ہوئے کہا تو عاصم اور ولید شرمندہ ہوگئے' کنزیٰ اور حمنیٰ شرمندہ سی ہو کر نظریں چرانے لگیں' انہیں لگا کہ نوفل نے انہیں جتایا ہے کہ وہ ان کے جیسا مفت خورہ نہیں۔

"چلو بھئی افطار کا وقت ہوگیا ہے سب آجائیں ٹیبل پر۔" امی (رخشندہ بیگم) نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا تو سب اٹھ کر میز پر آگئے۔ عشنا بھی امی اور بھابی کے ساتھ مل کر افطار کا سامان سب کو پیش کرنے لگی جیسے وہ شادی سے پہلے کام کیا کرتی تھی اب بھی اسی طرح کام کرتی ہوئی سب کو حیران کر رہی تھی۔

"عشنا بیٹا...... تم بھی روزہ کھول لو۔" امتیاز احمد نے کہا۔

"ابو میں نے روزہ کھول لیا ہے آپ کو کچھ چاہیے تو بتائیں؟"

"نہیں بیٹا' جیتی رہو سدا خوش و آباد رہو آمین۔" امتیاز احمد نے دل سے اسے دعا دی اور وہ خوش ہوگئی۔

"نوفل...... بیٹا کچھ لو نا تم نے کچھ لیا ہی نہیں۔" رخشندہ بیگم نے نوفل کی پلیٹ میں تھوڑی سی فروٹ چاٹ دیکھ کر کہا۔

"ہاں بیٹا...... تم تو تکلف کر رہے ہو۔" امتیاز احمد بولے۔

"بالکل بھی نہیں' تکلف تو آپ نے کیا ہے اتنا اہتمام کر کے کہ میرا تو دیکھ کر ہی پیٹ بھر گیا۔" نوفل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ کچھ لوگوں کا پیٹ ایک ایک پلیٹ کھا کر بھی نہیں بھرتا۔" حمنیٰ کی بیٹی یمنیٰ بولی تو سب ہنس دیئے۔

"اس کو کہتے ہیں مالِ مفت دلِ بے رحم۔" کنزیٰ کے بیٹے ارحم نے حسب عادت محاورہ پیش کیا تو عشنا کے دونوں بہنوئی اور بہنیں شرمندہ ہوگئیں۔

"ارحم...... یہ کیا بدتمیزی ہے خاموشی سے کھانا کھاؤ۔" کنزیٰ نے ارحم کو ڈانٹا۔

"مما...... عشنا خالہ کی تو شادی ہوگئی ہے نا پھر وہ یہاں آ کر کام کیوں کر رہی ہیں؟ نئی نئی شادی ہوئی ہے ان کی اور آپ کی شادی پرانی ہوگئی ہے آپ تو اپنی امی کے گھر آ کر کام نہیں کرتیں' ان کا ہاتھ نہیں بٹاتیں' جب اتنے سارے مہمان آئے ہیں تب سب کو مل کر کام کرنا چاہیے نا؟" ارحم کہاں چپ رہنے والا تھا بولتا چلا گیا اور عشنا کا کام آسان کر دیا تھا اس نے۔

"بالکل صحیح کہہ رہا ہے ہمارا ارحم' مل کر کام کرنے سے کام جلدی ختم ہو جاتا ہے اور کوئی تھکتا بھی نہیں' غصہ بھی نہیں کرتا کہ

میں اکیلا کام کررہا ہوں اور باقی مزے سے بیٹھے ہیں۔'' امتیاز احمد نے کہا تو امی (رخشندہ بیگم) نے بات بناتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر بیٹیاں سسرال میں بھی تو کرتی ہیں دو گھڑی اگر میکے میں آ کر آرام کرلیتی ہیں تو کیا حرج ہے؟''

''جی آنٹی...... لیکن ماں باپ کا ہاتھ بٹانا' ان کا خیال رکھنا تو اچھی بات ہے نا۔ ماں باپ کی خدمت کرکے ثواب کمانا بھی ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔'' نوفل نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم بھی سچ کہتے ہو میاں۔'' امتیاز احمد نے نوفل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا اور نماز کے لیے اٹھ گئے نوفل بھی ان کے ساتھ ہی مسجد چلا گیا۔

''بات سنو عشنا...... یہ تم کیا کرتی پھر رہی ہو؟'' کنزیٰ اور حمنیٰ نے مردوں کے مسجد جاتے ہی عشنا کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''کیوں...... کیا کرتی پھر رہی ہوں؟'' عشنا نے دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہی نوفل کے ساتھ اتنے سامان جو اٹھا لائی ہو اور اب......''

''اب کیا؟'' عشنا نے کنزیٰ کی بات کاٹ کر تیزی سے پوچھا۔ ''میں اخلاقاً کچھ چیزیں لے آئی ہوں کیونکہ مجھے اور میرے شوہر کو کسی کے بھی گھر خالی ہاتھ جانا پسند نہیں اور یہ میرے امی ابو اور بھائی کا گھر ہے ان کے گھر آتے ہوئے میں اگر کچھ لے آئی ہوں تو اس سے آپ کو کوئی پرابلم نہیں ہونی چاہیے۔'' عشنا نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

''تو تم کیا کہنا چاہ رہی ہو کہ ہم امی ابو کا خرچہ کرانے آتی ہیں۔'' حمنیٰ بولی۔

''میں نے تو آج تک یہی دیکھا ہے اور آپ کی زبان پر یہ بات آنے کا مطلب ہے کہ آپ کو بھی آج یہ احساس ہورہا ہے کہ آپ نے میکے کا کبھی خیال نہیں کیا' صرف اپنا اور اپنے سسرال کا خیال کیا ہے۔ ہر سنڈے کو اور اس کے علاوہ بھی دوپہر' شام' رات جب بھی آپ دونوں کا دل چاہا آپ اپنی پلٹن سمیت پہنچ جاتی ہیں یہاں۔ کبھی آپ دونوں کو امی ابو کے آرام اور ان کی کنڈیشن کا احساس تک نہیں ہوا' ہمارا اپنا کوئی پروگرام ہے کہ نہیں کسی کی طبیعت خراب ہے' بس آپ کو تو شاندار سی دعوت نما خاطر تواضع ہر ہفتے چاہیے بلکہ ہفتے تو کیا کئی بار دو تین دن بعد بھی یہی ہوتا رہا ہے۔'' عشنا بولتی چلی گئی اور وہ شرمندہ ہونے کے باوجود ڈھٹائی سے کھڑی تھیں۔

''تو تم کیا چاہتی ہو کہ ہم میکے آنا چھوڑ دیں؟'' کنزیٰ بولی۔

''یہ میں نے کب کہا؟ آپ بات کو سمجھنے کے باوجود اگر غلط رنگ دینا چاہ رہی ہیں تو آپ کی مرضی اس سے حقیقت نہیں بدلے گی۔'' عشنا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اور سب کے سامنے کام کرکے کیا جتانا چاہ رہی تھیں؟'' حمنیٰ نے سلگتے لہجے میں سوال کیا۔

''یہی کہ یہ وہی گھر ہے جہاں دو ماہ پہلے تک بھی میں آپ سب کی خاطر مدارت میں بھاگتی دوڑتی رہی تھی' آج بھی اگر میں وہی کام کررہی ہوں تو آپ کو برا کیوں لگا؟ آپ کے دل میں چور ہے اسی لیے آپ کو میرا شادی کے بعد امی اور بھابی کا ہاتھ بٹانا برا لگ رہا ہے۔ مجھ سے بڑی اور پڑھی لکھی ہیں آپ دونوں اور بچوں والی بھی ہیں کتنا شاندار گھر اور گاڑی ہے شوہر بھی ڈاکٹر' انجینئر ہیں پھر بھی آپ اور آپ کے شوہر حضرات بھاگ بھاگ کر یہاں آتے ہیں۔ ارحم ٹھیک کہہ رہا تھا ''مال مفت دل بے رحم'' وہ تو داماد ہیں' آپ تو بیٹی ہیں اس گھر کی' آپ کو کبھی اپنے والدین کی آسانی کا خیال نہیں آیا' اپنی ماں کے آرام کا نہیں سوچا آپ نے۔ آپ دونوں نے کبھی امی ابو کو اپنے گھر انوائٹ نہیں کیا' عید بقر عید پر بھی وہ خود ہی آپ کے سسرال عید ملنے چلے جاتے ہیں اور ساتھ مٹھائیاں' کیک' پھل بھی لے جاتے ہیں' آپ انہیں چائے' بسکٹ یا زیادہ سے زیادہ کبھی کباب' کیک پر ٹرخا دیتی ہیں۔ اللہ نے سب کچھ دیا ہے آپ کو لیکن آپ کے دل اتنے چھوٹے ہیں ان میں اپنے ماں باپ کو دینے کے لیے سکون اور آرام تک نہیں ہے۔ کیسی اولاد ہیں آپ؟ اپنی شو آف اور آرام کے لیے آپ اپنے والدین کو بے آرام کرنے چلی آتی ہیں' میکے قریب ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ماں باپ کے گھر ہر دوسرے تیسرے دن دعوتیں اڑانے چلے آؤ' شکر ہے میرے شوہر میرے ہم مزاج ہیں' انہیں سسرال والوں کو بے آرام کرنا' بالکل بھی پسند نہیں۔ اپنے شوہر کو اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلائیں' اپنی عادت ڈالیں آپ کے ماں باپ ہیں وہ...... وہ تو کبھی آپ سے اپنی پریشانی نہیں کہیں گے اور بھائی وہ جو آپ سب کے آنے پر اپنا کام چھوڑ چھوڑ کر بازار کے چکر لگاتے ہیں کبھی آپ اور آپ کے شوہر ان کے لیے کریں گے یہ سب؟ سسرال میں دل لگائیں' میکے والوں کو اتنا نہ ستائیں کہ آپ کے آنے پر انہیں خوشی ہی نہ ہو بلکہ پریشانی ہونے لگے اور ایک وقت ایسا آجائے کہ انہیں غصہ آنے لگے

بھائی بھابی بھی اچھے ہیں جو آپ کے آگے پیچھے پھرتے ہیں ورنہ ایک سے دوسری بار آپ میکے دعوت اڑانے بھی نہ آسکتیں اس لیے جو مل گیا ہے اس پر شکر ادا کریں اور اس کی قدر بھی کریں۔ اپنی قدر نہ گنوائیں روز روز میکے آ کر آپ سے تو زیادہ آپ کا بیٹا سمجھ دار ہے‘ سنا تھا نا کیا کہہ رہا ہے ”قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا۔“ عشنا نے اپنی بات مکمل کی اور کچن سے باہر نکل گئی‘ ان دونوں کے پاس اس کی باتوں کے جواب میں گہری خاموشی اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ تھا۔

”ماں باپ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی اولاد کا پیٹ بھرتے ہیں‘ انہیں اولاد پر خرچہ کرنا کبھی برا نہیں لگتا لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ اولاد ہمیشہ اپنا حق وصول کرتی رہے اور فرض ادا کرنے میں صفر رہے؟ میکے آنا غلط نہیں‘ میکے روز روز آنا اور کھانا غلط ہے۔ اپنوں کا خیال اور احساس ہی رشتوں اور گھروں کو آباد رکھتا ہے ورنہ غرض اور مطلب پوری کرنے کی خاطر رشتوں سے میل جول رکھنا تو دلوں میں نفرت‘ بے زاری اور فاصلے پیدا کر دیا کرتا ہے۔“ کنزیٰ اور حمنیٰ کے کانوں میں عشنا کی کہی باتیں چابک کی طرح گونج رہی تھیں‘ احساس کے دریچے دھیرے دھیرے کھل رہے تھے۔

”عشنا جی..... آپ اتنا کم کیوں بولتی ہیں؟“ نوفل نے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونکتے ہوئے بولی۔

”کم مطلب؟“

”امی کہتی تھیں کہ تمہاری بیوی آجائے گی تو گھر کی خاموشی دور ہو جائے گی۔ گھر میں رونق آجائے گی مگر آپ تو زیادہ بولتی ہی نہیں۔“ نوفل نے اسے چاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”رونق کیا زیادہ بولنے سے آتی ہے؟“

”پتا نہیں..... مگر کسی کے ہونے کا احساس ہر وقت گھر کے در و دیوار کو بھی ہوتا رہے شاید اسی کو رونق کہتے ہیں۔“ نوفل مسکراتے ہوئے بولا تو اس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور ایسا کرنے کے لیے آپ کے خیال میں مجھے زیادہ بولنا چاہیے؟“

”ہوں۔“

”سوچ لیں بیوی اگر زیادہ بولنے لگے تو شوہر کانوں کو ہاتھ لگانے لگتا ہے‘ ناک میں دم ہو جاتا ہے‘ سر درد کرنے لگتا ہے اور بیوی کی شکل سے بھی بیزاری ہونے لگتی ہے۔“ عشنا نے مسکرا کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

”ہم پھر بھی یہ رسک لینے کو تیار ہیں بس آپ بولا کریں‘ بات کیا کریں ہم سے۔ ہم آپ کو سننا چاہتے ہیں‘ کچھ اپنی سنانا چاہتے ہیں۔ آپ کی پسند ناپسند جاننا چاہتے ہیں‘ آپ عجیب لڑکی ہیں کوئی فرمائش بھی نہیں کرتیں نہ شاپنگ کرانے کا کہتی ہیں۔“ نوفل اس کا ہاتھ تھام کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا‘ عشنا کو اس کی محبت‘ توجہ‘ حسن عمل اور دھیما لہجہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ غصہ جو اس سے شادی پر دل میں بسا تھا آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا اور یہ سب نوفل زبیر کے پیار بھرے اور مثبت طرز عمل کے طفیل ممکن ہوا تھا‘ وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے نوفل کے ساتھ کسی قسم کی بدتمیزی نہیں کی تھی نہ ہی کچھ غلط کہا تھا اس سے۔ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار زبان سے یا رویے سے نہیں کیا تھا اور نہ وہ کبھی بھی نوفل سے نظریں نہ ملا پائی۔

نوفل زبیر اپنے مثبت طرز عمل اور سلجھی سوچ کے سبب اس کے دل میں جگہ بناتا جا رہا تھا‘ عشنا کو یہ بات سمجھ آگئی تھی کہ اچھی شکل اگر برا عمل رکھتی ہو تو دل سے اتر جاتی ہے اور ایک عام سی صورت والا انسان اگر مثبت فکر و عمل اور حسن اخلاق سے مالا مال ہو تو وہ خود بخود دل میں اتر جاتا ہے۔ یہی عشنا کے ساتھ ہوا تھا‘ دلوں میں اترنے کے لیے سیڑھی کی نہیں اچھے اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے‘ اسے یقین ہو گیا تھا‘ اب اسے نوفل کی سانولی رنگت بھی بری نہیں لگتی تھی۔ اس نے ماہ رمضان کی عبادات میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اسے نوفل سے یہ رشتہ نبھانے کے قابل بنا دے‘ اس کا دل نوفل کے لیے نرم و وسیع کر دے‘ اس کی دعائیں قبول ہو رہی تھیں اور اس کی امی بھی ہر نماز میں یہی مانگتی تھیں کہ عشنا کو اپنے شوہر نوفل سے محبت ہو جائے وہ اس کے رنگ کی بجائے اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کو دیکھے اور ایسا ہی ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

کنزیٰ اور حمنیٰ نے خود احتسابی کا عمل شروع کیا تو انہیں عشنا کی باتیں درست معلوم ہونے لگیں۔ وہ واقعی اپنے والدین کو کبھی کوئی آسانی نہیں دے سکی تھیں‘ ان کی خدمت تو دور کی بات انہیں کبھی ان کی بیماری میں بھی نہیں پوچھا تھا کہ ان کی بیماری میں میکے گئے تو خاطر تواضع کون کرے گا؟ عشنا بچپن سے یہ سب دیکھتی آرہی تھی۔ کنزیٰ اور حمنیٰ خود بے پروا تھیں‘ خود غرض اور سہل پسند تھیں‘ یہی وجہ تھی کہ ان کے شوہر بھی ویسے ہی ہو گئے تھے۔ وہ بھی سسرال میں مزے اٹھانے آجاتے تھے اپنے گھر میں بچت کا اصول کارفرما تھا۔

❁.........❁.........❁

آج سنڈے تھا‘ عشنا سب کو افطار پر مدعو کرنے کی غرض سے نکلی تھی‘ جانتی تھی کہ بہنیں ناراض ہوں گی اس کی کھری کھری باتوں پر مگر وہ انہیں حقیقت آشنا کرنا چاہتی تھی‘ احساس دلانا چاہتی تھی بس۔ پہلے وہ کنزیٰ کے گھر پہنچی تھی‘ ملازم نے گیٹ کھولا تو وہ چپ چاپ اندر چلی آئی۔ ٹی وی لاؤنج سے سب کے بولنے اور ٹی وی کی آواز آرہی تھی‘ وہ ایک لمحے کو دروازے کے باہر ہی رک گئی۔

”آج کا کیا پروگرام ہے کنزیٰ...... افطار تو تمہارے میکے میں ہی ہوگا نا؟“ عاصم پوچھ رہے تھے‘ کنزیٰ نے فٹ سے جواب دیا۔

”ہرگز نہیں‘ افطار اپنے گھر ہی ہوگا۔ ہم نے تو جیسے معمول بنا رکھا ہے امی ابو کے گھر ہر سنڈے فرائی ڈے کو دعوت اڑانے کا‘ کبھی آپ بھی اپنے ساس سسر کو اپنے گھر مدعو کرلیا کریں۔ لاکھوں میں کھیلتے ہیں مگر مجال ہے جو کبھی سسرال والوں کو ایک دن کھانا کھلایا ہو‘ دعوت پر بلایا ہو۔“

”تو اس میں میرا کیا قصور؟“ عاصم کی آواز آئی تھی عشنا وہیں جم کر رہ گئی۔ ”میں تو شادی کے شروع دنوں میں اکثر تم سے کہتا تھا کہ انکل آنٹی کو اپنے ہاں بھی مدعو کرو‘ روز روز ان کے ہاں جا کر دعوت کھانا ٹھیک بات نہیں‘ مگر تمہیں ہی میری بات سمجھ نہیں آتی تھی شاید کام کرنے‘ دعوت کا اہتمام کرنے سے تمہاری جان جاتی ہے‘ اسی لیے تم نے میری بات کو کبھی اہمیت نہیں دی‘ نہ ہی گھر میں کبھی ڈھنگ کا کھانا پکایا حالانکہ سگھڑ ماں کی بیٹی ہونے کا اثر تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ تم اب تک کوکنگ میں ماسٹر شیف بن گئی ہوتیں۔ جب تمہیں بیٹی ہو کر ہی اپنی غلطی کا احساس نہیں تھا تو میں داماد ہو کر کب تک مروت برتتا‘ مجھے بھی اچھا کھانا کھانے کا شوق ہے‘ جو تمہارے میکے جا کر باآسانی پورا ہو جاتا ہے۔ گھر میں تو تم سے کبھی ڈھنگ کا سالن تک نہیں پکایا جاتا‘ تم آج گھر‘ کچن اور کوکنگ پر توجہ دینے لگو تو میں بھولے سے بھی نام نہیں لوں گا تمہارے میکے میں دعوت اڑانے کا وہ تو ان کی اعلیٰ ظرفی اور محبت ہے کہ ہمیں روز روز برداشت کرتے ہیں اگر میں ان کی جگہ ہوتا کبھی بھی یہ عیاشی اور خود غرضی برداشت نہ کرتا کہ میرا داماد روز میرے گھر دعوت پر آئے۔“

”تو آپ کو چاہیے تھا کہ مجھے سختی سے روکتے مگر نہیں آپ بھی ابو کے گھر جانے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے تھے۔“ کنزیٰ خجل ہو کر بولی۔

”بھئی جہاں محبت اور اخلاق سے ہمیں ویلکم کیا جائے گا مزے دار کھانا کھلایا جائے گا وہاں تو ہم بھاگ کر جائیں گے یہ تو نیچرل سی بات ہے ویسے آج تمہیں یہ احساس کیوں ہو رہا ہے کہ تم میکے میں بوجھ بن رہی تھیں۔ انہیں اپنی ہی ٹینشن میں مبتلا رکھا آج تک؟ حمنیٰ کا بھی یہی حال ہے اس نے اور اس کے شوہر نے بھی امتیاز ہاؤس کو مفت کا ریسٹورنٹ ہی سمجھ رکھا ہے۔“ عاصم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”ہمیں اپنی خود غرضی کا احساس ہوگیا ہے۔“ کنزیٰ نے اعتراف کیا۔

”عشنا اور نوفل کی وجہ سے نا؟“

”ہاں...... ان دونوں کے کیئرنگ اور احساس کرنے والے رویے نے ہمیں شرمندہ ہی نہیں کیا بلکہ ہماری آنکھیں بھی کھول دی ہیں۔ وہ چھوٹی ہو کر یہ بات ہمیشہ سے سمجھتی محسوس کرتی تھی اور ہم نے جانتے بوجھتے اپنی آنکھیں بند رکھی تھیں کہ ماں باپ اپنے منہ سے تو بیٹیوں کے میکے ہر دوسرے دن آنے اور کھانے سے منع کریں گے نہیں سو ان کی اس مجبوری اور کمزوری کا خوب فائدہ اٹھایا ہم نے‘ مگر اب نہیں۔ اب ہم امی‘ ابو بھائی اور بھابی کو مزید تنگ نہیں کریں گے بلکہ ان کا خیال کریں گے۔“ کنزیٰ نے دل سے اپنی بے حسی کا اعتراف کرتے ہوئے نئے عزم کے ساتھ کہا تو عاصم بولے۔

”چلو شکر ہے شادی کے بارہ سال بعد ہی سہی تمہیں اپنی اس غلطی کا احساس تو ہوا‘ عشنا کا شوہر اپنے سانولے رنگ کو بھی اپنی سچی اور اچھی سوچ اور حسن عمل کی وجہ سے مات دے گیا۔ مجھے یقین ہے عشنا بہت خوش رہے گی نوفل کے ساتھ۔“

”ان شاء اللہ سچ پوچھیں تو ہم بہنیں ہنستی تھیں کہ عشنا جیسی حسین لڑکی کو ایسا پکے سانولے رنگ کا جیون ساتھی ملا ہے جو اس سے کم تعلیم یافتہ ہے لیکن اب سمجھ آیا کہ والدین اپنی اولاد کے لیے کبھی بھی غلط فیصلہ نہیں کرتے۔ انسان کی قدر اس کی خوبیوں اور ساتھ ہی اچھے طرز عمل سے ہوتی ہے‘ اچھی اور گوری چٹی شکل سے نہیں۔“ کنزیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

”بالکل۔“ عاصم کو اعتراف تھا اس بات کا وہ مسکرا کر بولا‘ عشنا نے دل میں شکر ادا کیا کہ وہ دونوں یہ بات سمجھ گئے ہیں۔

”السلام علیکم!“ عشنا چند لمحے کے توقف کے بعد لاؤنج میں داخل ہوگئی۔

”وعلیکم السلام...... ماشاء اللہ بڑی لمبی عمر ہے تمہاری‘ ابھی

ہم تمہارا ہی ذکر کررہے تھے۔‘‘ عاصم نے اسے دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولے۔

’’ذکر خیر ہی تھا نا؟‘‘ عشنا نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

’’سو فیصد بھلا کوئی تمہاری برائی کرسکتا ہے؟‘‘ عاصم نے شرارت سے کہا۔

’’کرسکتا ہے جسے میرا کچھ کہا سنا بُرا لگے گا وہ میری برائی بھی کرسکتا ہے اب ہر کوئی تو مجھے اچھا نہیں سمجھ سکتا نا۔‘‘ عشنا نے کنزیٰ سے گلے ملتے ہوئے جواب دیا۔

’’بیٹا...... ہمیں ہر کسی کی فکر کرنی بھی نہیں چاہیے صرف اپنی اور اپنوں کی فکر کرنی چاہیے۔‘‘ عاصم نے اٹھ کر صوفے پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

’’بالکل صحیح کہا آپ نے۔‘‘

’’نوفل کہاں ہیں؟‘‘ کنزیٰ نے پوچھا۔

’’بس آتے ہی ہوں گے ایک ضروری کام سے گئے ہیں، میں تو آپ سب کو اپنے گھر افطار پر مدعو کرنے آئی ہوں یہاں سے حمنیٰ آپی کے گھر جانا ہے انہیں بھی انوائٹ کرنا ہے پھر امی ابو کے گھر جاؤں گی کل کی افطاری آپ سب ہمارے ہاں کریں گے۔‘‘ عشنا نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو کنزیٰ بولی۔

’’ٹھیک ہے، ہم ضرور آئیں گے لیکن سب مل کر ایک چیز طے کریں گے۔‘‘

’’وہ کیا؟‘‘

’’وہ یہ کہ ہم سب مہینے میں ایک دن کسی ایک کے گھر جمع ہوا کریں گے اور سب ساتھ کوئی بھی ایک ڈش پکا کر لایا کرے گا سب کے لیے۔ میں، حمنیٰ اور تم مہینے میں ایک دن کسی ایک کے گھر اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ شریک ہوا کریں گے اور امی ابو اور بھائی بھابی کو بھی انوائٹ کریں گے لیکن وہ ون ڈش لانے کی شرط سے آزاد ہوں گے کیونکہ انہوں نے آج تک ہمارے لیے بہت کیا ہے اب ہم انہیں مزید تنگ نہیں کریں گے بلکہ ان کی خوشی، سہولت اور آسانی کا خیال رکھیں گے۔ کیوں عاصم میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟‘‘ کنزیٰ نے عشنا کو دیکھتے ہوئے کہا اور آخر میں شوہر سے اپنی بات کی تائید چاہی۔

’’بالکل بیگم صاحبہ...... زندگی میں پہلی بار آپ نے معقول تجویز دی ہے تو ہم اسے سراہتے ہوئے اس پر عمل کی اجازت دیتے ہیں اور میرے رشتے داروں سے آپ کو پہلے کی طرح ہی ملنا ہے میرا مطلب اپنے سسرال سے۔‘‘ عاصم نے مسکراتے ہوئے ٹی وی کے ریموٹ سے چینل چینج کرتے ہوئے کہا۔

’’وہ تو ظاہر ہے رہے گا ہی۔‘‘ کنزیٰ مسکرادی اور عشنا مطمئن ہو کر وہاں سے حمنیٰ کی طرف چلی گئی۔

❀......❀......❀

’’شرم آنی چاہیے تھی تمہیں اتنے سال سے میکے یاترا کو جارہی تھیں، کبھی خیال نہیں آیا کہ بھائی بھابی کے بچوں کے لیے ہی کچھ خرید کرلے جاؤں۔ امی ابو کیسے بچھے چلے جاتے تھے تمہارے اور تمہارے شوہر کے آگے کتنی خاطر مدارت کرتے ہیں ہمیشہ تاکہ تمہیں اپنے شوہر کے سامنے شرمندگی محسوس نہ ہو تمہاری ناک اونچی رہے۔ تمہاری ناک اونچی رکھتے رکھتے وہ خود نیچے جھک گئے، تم نے انہیں اپنا ماں باپ نہیں سمجھا بلکہ غلام سمجھ لیا کہ بس وہ تمہاری اور تمہارے شوہر کی آؤ بھگت میں لگے رہیں نہ ان سب کی اپنی کوئی مرضی ہے نہ دلچسپی، نہ خوشی، نہ خواہش، نہ مصروفیت بس تم بہنوں کے چونچلے اٹھاتے رہیں اور تمہارے شوہر انہیں دل ہی دل میں ڈرپوک، بزدل، بے وقوف اور اپنا بے دام غلام سمجھتے رہیں۔ تم نے ماں باپ سے مراعات حاصل کرنا اپنا حق سمجھ لیا تھا اور اپنے فرائض کی طرف سے آنکھ بند کرلی تھیں۔ انہیں کیا فائدہ ہوا بیٹیوں کی شادیاں کرکے؟ جب شادی کے بعد بھی بیٹیاں میکے سے مراعات حاصل کرنے کے لیے بھاگی چلی آئیں، اپنے گھر میں ہر نعمت کے ہوتے ہوئے میکے کی جیب اور باورچی خانے پر نیت لگی رہے تو ایسی بیٹیوں کو کیا کہیں گے؟ تم بہنوں کے تو شوہر بھی خوب کماتے ہیں اور وہ لٹاتے ہیں اپنے گھر والوں پر بھائی بہنوں، ماں باپ پر جبکہ تم لوٹتی رہیں اپنے ماں باپ اور بھائی کو۔ بہن، بیٹی ہو ان کی تو اس کی اتنی بڑی سزا دی انہیں ایسے امیر شوہر اور سسرال کا کیا فائدہ جب دل تنگ ہو۔ نیت دوسروں مال پر ہو تم بہنوں نے اپنا پیسہ تو بچالیا آرام بھی کرلیا مگر کیا دل سے نہیں اتر گئیں تم ان کے، ان کی ضروریات کا کبھی احساس ہی نہیں۔ تم لوگ دلوں سے اتر چکے ہو میکے والوں کے۔ وہ تم سے رشتہ داری اور دنیا داری نبھائے جانے پر مجبور ہیں بس، تمہاری لاج رکھنے کے خیال میں اپنے آج کو مشکل بنا کر بھی خاموش رہیں۔ انہوں نے تمہارے لیے اتنا اچھا بر تلاش کیا، دھوم دھام سے تمہیں بیاہا اور تم دونوں بہنیں ندیدوں، مفلسوں کی طرح ہر دوسرے دن ان کے دروازے پر جا پہنچتی ہو جیسے تمہیں شوہر کے گھر کچھ کھانے پینے کو ہی نہ ملتا ہو۔ تم دونوں آرام طلب

ہوئی پکائی ہنڈیا چٹ کرجانے کی لت لگ گئی ہے تمہیں۔ وہ جو تمہارے لیے کچن میں گھنٹوں کھڑی رہ کر طرح طرح کے کھانے پکاتی ہیں کیا انہیں کوئی انعام ملتا ہے اس کا؟ انہیں آرام اچھا نہیں لگتا کیا؟ انہیں اور کوئی کام نہیں ہے جو وہ ہر وقت تمہاری تواضع میں جتی رہتی ہیں‘ محنت کرتی ہیں۔ کبھی تم بھی ایک دن کچن کی گرمی میں کھڑی ہوکر ان سب کی دعوت کا اہتمام کرو تب تمہیں احساس ہوگا کہ محنت کرکے کھانا کتنا مشکل ہے۔

دوسروں کا ظرف‘ صبر اور برداشت آزمائے جانے سے آپ کا اپنا ظرف کتنا چھوٹا ہے‘ یہ پتا چلتا ہے۔ تم دونوں میکے کے معاملے میں بہت زیادہ خوش نصیب ہو اور سسرال بھی اچھا ملا تھا اگر تم طریقے سلیقے سے شوہر کا گھر سنبھالتیں تو تمہارے شوہروں کو اپنی ذمہ داری اور خودداری سے لاپروانہ ہونا پڑتا۔ ابھی بھی وقت ہے سدھر جاؤ جو کچھ عشنا نے کہا ہے اسے تسلیم کرو اپنی غلطی مان کر اسے سدھارو یہی بہتر ہے اگر دلوں میں عزت بچانی ہے۔“ حمنٰی کو اس کا ضمیر آئینہ دکھا رہا تھا‘ اسے اس کی اور کنزٰی کی خودغرضی اور آرام طلبی کے سارے قصے یاد دلا رہا تھا اور وہ حقیقتاً شرمسار ہو رہی تھی۔ جانتے بوجھتے اپنی اس عادت‘ عمل کو نظرانداز کرتی رہی تھی‘ آج پتا چلا تھا کہ وہ میکے ماں باپ‘ بھائیوں‘ بہن کی محبت میں نہیں جایا کرتی تھی وہ تو ان سے اپنی خدمتیں کرانے‘ اپنے شوہر کے سامنے خود کو برتر ثابت کرنے اور گھر میں کوکنگ سے بچنے کے لیے میکے جایا کرتی تھی‘ اسے اپنے اس رویے اور عمل پر شرمندگی محسوس ہو رہی تھی اور تو اور اس کے شوہر ولید نے بھی گھر آکر حمنٰی سے کہہ دیا تھا۔

”آج تو عشنا نے کمال کردیا میں تو ہمیشہ سے اس کا فین رہا ہوں۔ وہ اپنی بات اور دوسرے کو اس کی غلطی کا احساس دلانا بخوبی جانتی ہے‘ اگر تم سمجھو تو آج نوفل اور عشنا نے تم بہنوں کے ہی نہیں‘ بہنوئیوں کے منہ پر بھی طمانچہ رسید کیا ہے۔ میں کہتا تھا نا کہ روز روز میکے مت جایا کرو ساتھ میں مجھے اور بچوں کو بھی مت گھسیٹا کرو‘ کبھی امی ابو اور عشنا کے لیے‘ بھائی کے بچوں کے لیے بھی کچھ خرید کر لے جایا کرو مگر نہ جی تم نے کوئی معقول بات مانی ہی نہیں شوہر کی۔ اپنا پیسہ بچتا تھا نا‘ بچالیا پیسہ؟ کل کی لڑکی نے آج تمہیں بھری محفل میں جتادیا کہ تم تو اپنی عزت بھی نہیں بچاپائیں یہ سب کرکے۔ اس نے ایک ہی جھٹکے میں تم بہنوں کو زمین بوس کردیا۔ دکھادیا کہ اپنوں کے گھر کیسے آیا جاتا ہے اور کب کب آیا جاتا ہے اور تو اور ہمارے بچوں کی بات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ وہ بھی اس ڈھٹائی کو محسوس کرتے ہیں مگر تمہیں تو گھر کی دال چھوڑ کر باہر کے مرغ مسلم کھانے کا شوق ہے۔ اللہ نے سب کچھ دیا ہے تمہیں لیکن نیت میں پتا نہیں ندیدہ پن کیوں بھرا ہے؟ تم دونوں بہنوں کے علاوہ یہ ندیدہ پن میں نے تمہارے گھر کے کسی فرد میں نہیں دیکھا۔ وہ نوفل بھی معقول انسان ہے سسرال میں بیٹھ کر اگر کچھ کھایا بھی ہوگا تو شرمسار نہیں ہوا ہوگا کہ خالی ہاتھ نہیں آیا تھا‘ بھر بھر کے سوغات دے گیا اور تم ہو مجھے ہی ذلیل کرایا نا آخر جب میں کہتا تھا کہ پھل کیک لے جاؤ‘ مٹھائی‘ بڑا لے چلو امی کی طرف تم فوراً منع کردیتی تھیں کہ کیا ضرورت ہے امی کے گھر ہوگا سب کچھ تو کیا تمہارے گھر میں یہ سب نہیں ملتا جو تم اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے میکے جاتی ہو؟ میں گھر میں کچھ کھانے کو نہیں لاتا تنگ رکھتا ہوں تمہیں؟ کام چوری اور مفت خوری کی عادت پڑگئی ہے تم بہنوں کو ایک عشنا ہی کام والی بچی تھی۔ تم بہنیں مہمانوں کی طرح کھاپی رہی تھیں حسب معمول اور حسب عادت اور عشنا ماں اور بھابی کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹا رہی تھی‘ اس کی شادی کو تو بمشکل دو ماہ ہوئے ہیں پھر بھی نخرے نہیں دکھا رہی تھی۔ تمہاری شادی کو دس برس بیت گئے تم نئی نویلی دلہن کی طرح کام کاج سے ہاتھ کھینچے بیٹھی رہتی ہو‘ حد ہے بھئی‘ سیکھو اپنی بہن عشنا سے ہی کچھ سیکھ لو۔ تم بہنوں کی نااہلی‘ کاہلی اور کم عقلی نے ہم دامادوں کو بھی ذلیل کروادیا اپنے سسرال میں‘ مجھے انکل آنٹی سے دلی ہمدردی ہے کہ انہیں کنزٰی اور حمنٰی جیسی بیٹیاں ملیں۔“ ولید کی باتوں نے تو جیسے حمنٰی کو زندہ زمین میں گاڑھ دیا تھا۔ وہ کہتا نہیں تھا مگر دل میں کتنی باتیں‘ کتنے گلے شکوے بھرے بیٹھا تھا۔ آج لاوا ابل پڑا تو حمنٰی کو خود سے شرم آنے لگی‘ اس کی تن آسانی اور کاہلی نے‘ بے حسی اور خودغرضی نے آج یہ دن دکھایا تھا‘ اس نے نماز پڑھ کر روتے ہوئے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ امی ابو کی صحت‘ سلامتی اور خوشیوں کی دعائیں مانگیں‘ بھائیوں کی ترقی‘ خوش حالی اور صحت کے لیے دعا کی اور رمضان المبارک کی برکتوں‘ رحمتوں سے ان کا دامن بھرنے کی درخواست کی۔ نماز کے بعد میکے امی کو فون کرکے اپنے اس غیر ذمہ دارانہ رویے کی معافی بھی مانگی تھی۔

اُدھر عشنا نے اللہ تعالیٰ سے اپنی سوچ و خیال پر معافی طلب کی تھی کہ وہ اپنے شوہر کی رنگت کی وجہ سے اس سے نفرت کررہی تھی‘ اس پر اپنے ماں باپ پر غصہ کررہی تھی۔ دنیا میں

آپ کو چاہنے والا آپ کا احساس کرنے والا جیون ساتھی بہت بڑی نعمت ہے یہ حقیقت اس نے دل سے تسلیم کرلی تھی۔

جوں جوں ماہ رمضان اختتام کی جانب بڑھ رہا تھا عشنا کا دل نوفل کی طرف جھک رہا تھا۔ وہ اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی کی دعائیں مانگا کرتی' شوہر اور ساس کا خیال رکھتی۔ سحری' افطاری بہت شوق ومحبت سے تیار کرتی کہ ساس اسے دل سے دعائیں دیتیں۔ رخشندہ بیگم اس کے منہ سے نوفل کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سننے سے خوفزدہ تھیں مگر وہ بھی حیران تھیں کہ عشنا اب نوفل کے بارے میں ان سے گلہ نہیں کرتی کہ کیسا کالا دلہا ڈھونڈا اس کے لیے وہ خوش تھی اور اس کی وجہ سے کنزیٰ' حمنیٰ بھی بدل گئی تھیں۔

ماہ رمضان کی برکتوں سے ان کی تینوں بیٹیوں کو اپنی اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا تھا اور وہ مثبت طرز عمل کے ساتھ اپنی زندگی شروع کرچکی تھیں۔ اس مسرت پر سجدہ شکر بجالائیں' ماہ رمضان اپنی تمام تر رحمتوں' برکتوں کو اہل اسلام پر نچھاور کرتا ہوا رخصت ہوگیا تھا۔

شوال کا چاند نظر آ گیا تھا' تمام گھروں میں حسب توفیق و استطاعت عید کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں' عشنا نے عید کے پہلے روز اپنے پورے میکے کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا تھا جن میں امی ابو بھائی بھابی' بچوں کے علاوہ حمنیٰ اور کنزیٰ بھی اپنی اپنی فیملی کے ساتھ مدعو تھیں اور ان سب کی خاطر مدارت کے لیے چاند رات تک عشنا نے سارا انتظام واہتمام فائنل بھی کرلیا تھا۔ میکے کی عید ملن پارٹی کا آئیڈیا نوفل کا تھا' اس نے دعوت کی تیاری میں عشنا کا ہاتھ بھی بٹایا تھا' سب کے دلوں سے پرانی رنجشیں' شکایتیں ڈھل گئی تھیں جب ہی سب نے خوشی خوشی عشنا کی دعوت قبول کرلی تھی سب سے مراد کنزیٰ اور حمنیٰ۔

عشنا بہت خوش تھی اور شکر گزار بھی تھی نوفل کی جس کی وجہ سے یہ ممکن ہورہا تھا۔ وہ بڑے دل کا مالک تھا' اس کی خوبیاں دھیرے دھیرے عشنا پر عیاں ہورہی تھیں اور اس کی محبت میں ڈوب رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کررہی تھی کہ اس نے اسے اتنا اچھا شریک حیات عطا کیا۔

آج عید کا دن تھا عشنا نے ساس کی فرمائش پر اپنا شادی کا جوڑا زیب تن کیا تھا' دلہن کے روپ میں سجی سنوری وہ دل موہ رہی تھی۔ نوفل عید کی نماز ادا کرکے لوٹا تو اس کا یہ رنگ روپ دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔

''ماشاء اللہ...... چشم بددور...... آپ اتنی حسین لگ رہی ہیں کہ ہمارا دل چاہ رہا ہے کہ آپ سے دوبارہ نکاح پڑھوالیں۔''
نوفل نے اس کے پاس آ کر محبت پاش نظروں سے اپنی پہلی عید کی دلہن کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرمیلے پن سے ہنس دی۔

''عید مبارک ہو۔'' عشنا نے سفید کرتے شلوار میں ملبوس خوشبوؤں سے مہکتے نوفل زبیر کو محبت سے دیکھتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ مبارک باد دی۔

''آپ کو بھی بہت بہت عید مبارک۔''

''خیر مبارک' میری عیدی کہاں ہے؟'' عشنا بولی۔

''یہاں ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے بیڈ روم میں لے آیا اور ہار' پھول' گجروں سے بھری ایک خوب صورت طشتری اسے پیش کرتے ہوئے بولا۔

''لیجیے بیگم صاحبہ...... یہ ہے آپ کی عیدی۔''

''واؤ کیا بادشاہوں والا انداز ہے سوغات پیش کرنے کا مگر میں تو ملکہ نہیں ہوں۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''آپ ملکہ ہیں کیونکہ آپ ہمارے دل پر راج کرتی ہیں۔'' نوفل نے بہت چاہت سے اسے اس کا مقام بتاتے ہوئے اسے اس کی ہی نظروں میں معتبر کردیا۔

''شکریہ صاحب عالم...... یہ گجرے ہمیں پہنا دیجیے۔'' عشنا نے شرمیلے انداز سے مسکراتے ہوئے کہا تو نوفل نے طشتری ٹیبل پر رکھی اور اس میں سے گجرے اٹھا کر عشنا کے سفید نازک حنائی ہاتھوں میں پہنا دیئے' اس کے ہاتھوں کا حسن دو آتشہ ہوگیا تھا۔

''اور ہماری عیدی؟'' نوفل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ کو کیا چاہیے' عیدی میں؟''

''آپ کی ایک خوب صورت سی مسکراہٹ۔''

''بس......'' وہ حیران ہوئی۔

''جی اگر آپ ہمارے پیار کی گہرائی اور سچائی کو محسوس کریں تو بس آپ کی ایک مسکراہٹ ہی ہمارے لیے بہت ہے۔'' نوفل نے اس کے رخسار پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا تو وہ شرما کر ہنس دی اور پھر شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے دل کا قرار لوٹتی اسے شیر خرمہ پیش کرنے لگی۔ اس کے ساتھ وہ بھی ''حقیقی عید'' کی خوشی محسوس کررہا تھا۔

قسط نمبر 21

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سفینہ آفاق شاہ کی محبت کے سنگ زندگی کے نئے سفر پر گامزن ہوجاتی ہے وہ فائز کو بھلا کران خوشیوں کو خوش آمدید کہتی ہے ایسے میں عشو بیگم اسریٰ کے خوب کان بھرتی ہیں اور انہیں بتاتی ہیں کہ شادی کی پہلی رات ہی آفاق شاہ اور سفینہ کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی تھی یہ سن کر اسریٰ شاک کڈرہ جاتی ہیں، عشو بیگم روشنی کو بھی سفینہ سے دور رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جب ہی سفینہ چاہ کر بھی اس سے فرینک نہیں ہو پاتی۔ فائز کو آفاق شاہ انڈسٹریز میں اپنے دوست کی توسط سے جاب مل جاتی ہے اور بطور منیجر وہ وہاں اپنا عہدہ سنبھالتا ہے پورے آفس میں سب اسے رومیو کے نام سے جانتے ہیں اس کے دوست نے اس کی محبت کی داستان سے واقفیت کی بنا پر اس کے لیے یہ نام تجویز کیا تھا آفاق شاہ بھی اس کے کام سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے ہمراہ اپنے گھر تک آتا ہے جہاں روشنی اپنے بھائی کے ساتھ ایک اسمارٹ سے بندے کو دیکھ کر کافی متاثر نظر آتی ہے۔ مومل اپنے جاگیردارانہ بیک گراؤنڈ کی بدولت نبیل کو خوف زدہ کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ شرمیلا سے دور رہے لیکن اس کی یہ حرکتیں نبیل کے دل میں چھپی محبت کو مزید ہوا دیتی ہیں ایسے میں وہ شرمیلا کے پاس جاکر اس سے شادی کی بات کرتا ہے شرمیلا مومل کی تمام باتوں کا ذکر کرتے نبیل جیسے شخص کو اپنا لائف پارٹنر نہیں بنانا چاہتی جب ہی وہ غصہ میں نبیل سے اپنی نفرت کا اظہار کرتی اس قصے کو ختم کردینے کی بات کرتی ہے، نبیل جو پہلے ہی مومل کے رویے سے عاجز ہوتا ہے شرمیلا کا یہ ہتک آمیز رویہ اسے مشتعل کردیتا ہے اور وہ اسے زبردستی ایک غیر تعمیر شدہ علاقے میں لاکر ایک کمرے میں بند کردیتا ہے شرمیلا اس صورتحال پر خوفزدہ ہوجاتی ہے اور اس کی منت سماجت کرتی ہے مگر نبیل اب گھاٹے کا سودا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا وہ نکاح کے تمام انتظامات کا بندوبست کرتا ہے اور دوسری طرف شرمیلا کو اپنے انتخاب پر شرمندگی محسوس ہوتی ہے کہ اس نے کبھی اس شخص کو محبت کے لیے چنا تھا لیکن نبیل کا مکروہ چہرہ، بہت جلد سامنے آجاتا ہے وہ آخری کوشش کے طور پر نبیل کو دھکا دے کر فرار ہونے کی کوشش کرتی ہے ایسے میں نبیل مغلظات بکتا اس کے فرار کی تمام راہیں مسدود کردیتا ہے شرمیلا اس کے آہنی شکنجے میں بے بس ہوجاتی ہے ایسے میں اچانک مومل کی موجودگی شرمیلا کے لیے سائبان کا کام کرتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

''تم نے...... ایسا کیوں کیا؟'' مومل اُسے گھورتی ہوئی، غصے سے چلائی۔

''اس کا جواب تم اپنے آپ سے مانگو......'' نبیل بھی ضبط کھو بیٹھا اتنی زور سے چلایا کہ در و دیوار گونج اٹھے۔

''خیر ایک نہ ایک دن اس حرکت کا جواب تمہیں دینا پڑے گا......'' اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے شوہر کو ڈرانا چاہا۔

بکواس بند کرو...... اور چلی جاؤ یہاں سے۔'' وہ حلق کے بل چیخا۔

''فی الحال میں نہیں۔ شرمیلا جارہی ہے......'' مومل یوں چلائی کہ اس کے چہرے اور گردن کی رگیں پھول گئیں۔

''شرمیلا کہیں نہیں جائے گی......'' وہ غراتا ہوا آگے بڑھا۔

''اللہ کا واسطہ مومل مجھے اس درندے سے بچالیں۔'' وہ اونچی آواز میں روتے ہوئے التجائیں کرنے لگی۔

''شرمیلا...... اب تمہیں میرے عتاب سے کوئی نہیں بچا سکتا...... چپ چاپ جاکر بیٹھ جاؤ......'' نبیل غرایا۔

''نہیں...... مجھے یہاں نہیں رہنا، مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔'' شرمیلا نے مومل کا بازو پکڑ کر التجا کی۔

"میرے ہوتے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" موحل نے اسے تسلی دی اور نبیل کو گھورا۔
"تم...... باہر جاکر گاڑی میں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔" موحل نے پاس پڑا دوپٹہ اسے تھمایا اور باہر جانے کا اشارہ کیا۔
"یہ...... کہیں نہیں جاسکتی۔" نبیل جو بے حد جھنجلا رہا تھا۔ اس کے اندر کا وحشی پن جاگ اٹھا۔ وہ تیزی سے شرمیلا کے راستے میں آ گیا۔
"نہیں...... نہیں...... مجھے جانے دو...... پلیز......" شرمیلا نے روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔
"وقت بھی انسان کو کس موڑ تک لے آتا ہے۔" موحل نے چونک کر آنسو بہاتی لڑکی کو دیکھا، جس کا رکھ رکھاؤ اور تنتنا اس کے ذہن میں ابھی بھی تازہ تھا۔
"تم میں ہمت ہے تو یہاں سے جا کر دکھاؤ۔" نبیل نے دانت کچکچا کر دھمکایا۔
"میں نے اسے بچانے کا فیصلہ کیا ہے...... تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" موحل نے انگلی اٹھا کر نبیل کو وارننگ دی۔
"تم...... میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی...... آئی سمجھ؟" نبیل نے بیوی کو پیچھے دھکیلا۔
"میں نہیں چاہتی تھی کہ یہ سب ہو...... مگر......" شوہر کے تنے ہوئے عضلات والے چہرے پر نگاہ ڈالی اور پھر فیصلہ کن انداز میں ہاتھ میں تھاما فون ملایا۔
"تم...... کس سے بات کر رہی ہو؟" وہ تھوڑا گھبرایا مگر موحل نے اس پر توجہ نہ دی۔
"کریم بخش ذرا اندر آنا......" اس نے فون پر اپنے محافظوں کو بلایا اور نبیل کا دم خم دھرا کا دھرا رہ گیا۔
"حاضر...... مالکن۔" دو لمبے چوڑے اسلحہ بردار تھوڑی ہی دیر میں اندر داخل ہوئے اور نبیل کو دھکیل کر دیوار سے لگا دیا۔ اس کا جوش و خروش ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ شرمیلا پہلے ششدر رہ گئی۔ پھر حالات کے اتنے تیزی سے پلٹا کھانے پر بے یقینی سے پلکیں جھپکنے لگ گئی۔
"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" نبیل نے موحل کی طرف دیکھا۔
"شکر کرو کہ میں اپنے ساتھ پولیس نہیں لائی۔" اس نے دھمکایا تو نبیل کو حقیقت کا احساس ہوا کہ وہ اغوا کے جرم میں گرفتار بھی ہوسکتا تھا۔
"میں تمہارا مزید تماشہ بنانے کے حق میں نہیں ہوں...... اس لیے اب بیچ میں نہ آنا۔" بیوی کی سرگوشی پر وہ ایسا ہو گیا جیسے کمرے میں موجود نہ ہو۔
"حکم......" ان لمبے چوڑے مردوں نے ہاتھ باندھ کر موحل کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔
"بی بی کو عزت و احترام سے ان کے گھر چھوڑ آؤ......" موحل کا انداز مرعوب کرنے والا تھا، اس نے محافظوں کو کچھ اور بھی ہدایت دی۔
"چلیں......" وہ شرمیلا کو اپنے حفاظتی گھیرے میں لے کر کھڑے ہو گئے۔
"شکریہ...... میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکتی۔" شرمیلا نے تشکر و ممنونیت سے موحل کی طرف دیکھا۔
"یہ باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں...... اس وقت رات کے ایک بجنے والے ہیں تم جلدی سے گھر چلی جاؤ۔ مجھے اندازہ ہے کہ وہاں سب لوگ کافی پریشان ہو رہے ہوں گے۔" موحل نے نرمی سے کہا تو گھر والوں کا سوچ کر اس کے پیروں میں بھی بجلی بھر گئی۔
"بی بی...... ہم چلتے ہیں۔" وہ دونوں موحل کے سامنے جا کر ادب سے جھکے۔
"اللہ رکھا...... آپ کی خبر گیری کے لیے باہر رکے گا۔" نبیل کو وارننگ دیتی نگاہوں سے دیکھا اور باہر نکل گئے۔
"میں یہ احسان کبھی بھی نہیں اتار سکتی۔" شرمیلا نے جاتے جاتے پلٹ کر ایک بار پھر موحل کو مشکور نگاہوں سے دیکھا اور تیزی سے اس قید خانے سے باہر نکل گئی۔
"اب...... ہم بھی نکلیں یہاں سے؟" موحل نے شوہر کو کچا چبا جانے والی نگاہوں سے دیکھ کر دروازے کی جانب اشارہ کیا،

BAKE
PARLOR
صرف بیک پارلر کیچپ
دے مزہ اور بچت۔۔۔
اب بیک پارلر کیچپ
چلی گارلک ساس کے
1 کلو پاؤچ پر 25
اور ½ کلو پاؤچ
Chilli Garlic
Sauce
STARCREST

نبیل تیز تنفس کے ساتھ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکلا تھا۔

❁……❁……❁

آفاق شاہ کروٹ بدل کر نجانے کب سو گیا تھا مگر سفینہ کو ایک عجیب سا احساس اپنے گھیرے میں لیے رہا، اسے نیند ہی نہیں آرہی تھی، وہ کروٹیں بدلنے لگی۔ چند ثانیے کے لیے چت لیٹ کر چھت کی ڈیزائننگ کو گھورا پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی ایک بے چینی سی پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی، کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں سے گلاس بھر کر پانی پیا۔ یوں لگا جیسے کب کی پیاسی تھی اور پیاس تھی کے بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی یکے بعد دیگرے کئی گلاس پینے بعد جب کہیں جا کر گلا تر ہوا۔ چہل قدمی نے تھکا دیا تو بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی اور سوتے ہوئے شوہر کے نقوش دل میں اتارنے لگی۔ شاہ سوتے ہوئے بہت پُرسکون لگ رہا تھا۔

''دن بھر اتنا کام کرتے ہیں کہ تھک کر بستر پر لیٹتے ہی سو جاتے ہیں۔'' شاہ کو گہری نیند میں دیکھا تو اسے رشک آیا۔

''دن بھر کی بھاگ دوڑ اور شام کو گاڑی کی خرابی نے تکان میں اضافہ کر دیا۔'' سفینہ نے آفاق کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو انگلی سے سنوارا۔

''بھلا ہو……ان کے مینجر کا جس نے وقت پر گھر پہنچا دیا۔'' سوچتے سوچتے اس کے خیالوں کی رو نئے مینجر رومیو کی جانب مڑ گئی۔

''کیا……کوئی مرد اتنا باوفا بھی ہو سکتا ہے، جو ایک لڑکی کی محبت میں تاعمر کے لیے خوشیوں سے منہ موڑ لے۔'' وہ لمبے بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹتے ہوئے بڑبڑائی۔

''مجھے تو مرد سے ایسی وفا کی امید نہیں۔'' انداز تمسخرانہ ہوا۔

''میرے سامنے تو فائز کی بے وفائی کی زندہ مثال موجود ہے۔'' شادی شدہ زندگی کی یہ پہلی رات تھی، جب اسے ماضی کی یادوں نے پکارا، گیلی آنکھیں۔ نہ جانے کب بند ہوئیں، اسے پتا نہیں چلا مگر سونے کی وجہ سے خیالات کی یلغار سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

❁……❁……❁

گاڑی کو گھر کی جانب رواں دواں دیکھ کر بھی شرمیلا بے یقینی کی کیفیت سے باہر نہ آسکی۔ وہ جیسے ہی گاڑی سے اتری، بتول نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور دبے قدموں نیچے جانے کا ارادہ کیا۔

کئی گھنٹوں پہلے شرمیلا کا میسج آیا تھا کے وہ سہیلی کی طرف ہے دیر سے لوٹے گی مگر وہ ماں تھیں، ان کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہے اس سے پہلے شرمیلا کہیں بھی جاتی ہمیشہ انہیں پہلے سے بتاتی تھی مگر یوں کسی کے یہاں جانا اور پھر سہیلی کا نام بھی نہیں لکھا۔ بتول نے گھبرا کر چھوٹی بیٹی سے اس کے موبائل پر کال ملوائی مگر لائن کاٹ دی گئی پھر بار بار فون کرنے پر سوئچ آف ہو گیا۔ ان کا دل اس قدر گھبرایا کہ مصلہ بچھا کر بیٹھ گئیں اور بیٹی کی سلامتی کے لیے دعا مانگنے لگیں۔ چھوٹی بیٹیوں کو کھانا کھلا کر سلا دیا تھا کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو خود گلی کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے چہرہ ٹکائے بیٹھ گئیں۔ ایک بڑی سی گاڑی گلی میں داخل ہوئی تو وہ چوکنا ہوئیں۔ گاڑی ان کے گھر کے آگے آکر رکی اور ایک لمبے چوڑے مرد نے آگے سے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا تو بتول کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ خستہ حال، بکھرے بالوں والی لڑکی جو پچھلے دروازے سے لڑکھڑاتی ہوئی نکلی وہ کوئی اور نہیں، ان کی بیٹی شرمیلا تھی۔ بتول نے بھاگتے ہوئے زینہ عبور کیا اور کسی کے دیکھ لینے سے قبل جلدی سے دروازہ کھول کر اسے اندر کھینچ لیا۔ ماں کا مہرباں وجود سامنے دیکھ کر اس کا ضبط جواب دے گیا وہ بلکنے لگی اور آغوش مادر میں سما گئی مگر بتول نے اس کا منہ سختی سے بند کر دیا۔ دھیرے سے دروازے کی چٹخنی چڑھائی اور ہانپتی کانپتی اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اوپر کی جانب لے کر بڑھ گئیں۔ یہ دیکھے بناء کے صحن میں ایک سایہ ان دونوں ماں بیٹی پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

کمرے میں جانے کے بعد شرمیلا نے ایک نظر آئینے پہ ڈالی۔ بے رونق تھکا ہوا چہرہ، سوجا گال، متورم آنکھیں، پپڑی زدہ ہونٹ، الجھے بال ان چوبیس گھنٹوں نے جیسے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی اور شخصیت پر ایسے گہرے نشان چھوڑے تھے جو

شاید اب تا عمر ہلکے نہ پڑتے۔

''شرمیلا دوا لے لو۔'' بتول نے اسے آئینے کے سامنے کھڑے دیکھا تو پیچھے سے پکارا۔

''اماں...... میں نے سچ مچ میں کچھ نہیں کیا۔'' اس نے مڑ کر ماں کے ہاتھ تھام لیے اور روتے ہوئے اپنے ہونٹ اُن کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔

''بس...... میری بچی میں تمہیں اسی دن کے لیے روکتی تھی مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔'' بتول نے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکال کر تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''وہ...... مجھے دھوکے سے لے گیا تھا مگر میں اپنی جان اور عزت بچالائی ہوں......'' وہ جانے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی۔

''اب...... تم ایسا کرو دودھ کے ساتھ یہ دوا کھا کر لیٹ جاؤ۔'' بتول اس موضوع سے بچنا چاہ رہی تھی، اس لیے اسے بستر پر لٹایا۔

''آپ...... میرے پاس بیٹھ جائیں...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے بچوں کی طرح ماں کا دامن تھاما۔

''اچھا...... چلو...... ٹھیک ہے۔'' بتول نے بیٹی کا سر اپنی گود میں رکھ کر لٹایا اور سوچوں میں گم ہوگئیں۔ شرمیلا کا اغوا کوئی چھوٹا واقعہ نہ تھا مگر شور مچانے یا قانون سے مدد لینے میں ان کی مزید بدنامی ہوجاتی، اس لیے اس بات پر پردہ ڈال کر انہوں نے منہ بند رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ماں کی گود میں لیٹتے ہی شرمیلا کی تھکی ہوئی آنکھیں بند ہونے لگیں ایک سکون اطمینان اور آسودگی اس کے وجود میں پھیلتی گئی۔ بتول نے دھیرے سے انگلیاں اس کے بالوں میں پھیریں تو ایک ٹھنڈک اور تازگی کا روح پرور احساس اس کے وجود میں پھیلتا چلا گیا۔

اچانک بتول کی آنکھوں سے نکلنے والی نمی اس نے اپنی پیشانی پر محسوس کی اور آنکھیں کھل گئیں۔ بتول کو روتا دیکھ کر اس کا دل جیسے کانپنے لگا۔ ماں کے آنسو جیسے دل پر گرنے لگے۔ اس کا صبر اور ضبط جواب دے گیا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور اضطرابی انداز میں ماں کے گلے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر یوں رونے لگی کہ بتول کا کلیجہ بھی پھٹنے لگا' وہ بھی بیٹی کی آہ زاری میں شامل ہوگئیں۔ ماں کی رونے کی آواز سن کر شرمیلا کی چھوٹی بہنیں بھی اندر آگئیں اور پھر چھوٹا سا گھرانا آنسوؤں کے سمندر میں بہہ گیا۔

❀......❀......❀

''عاصم میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔'' فائز دھیرے سے بولا وہ خاص طور پر اس کے گھر شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔

''کس بات کا بھائی؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''تم نے ایسے کڑے وقت میں میرا ساتھ دیا جب اپنے بھی پرائے ہوگئے ہیں۔'' ایک دکھی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

''چھوڑو یار میرے اختیار میں کچھ نہیں جو بھی کرتا ہے...... اللہ کرتا ہے۔'' اس نے عاجزی سے جواب دیا۔

''بے شک...... وہ ہی مشکلوں میں آسانی فراہم کرنے والا ہے مگر میں پھر بھی تمہارا احسان مند ہوں۔'' اس نے انکساری سے دوست کا ہاتھ تھاما۔

''میرے بھائی...... انسان صرف وسیلہ بنتا ہے میں نہیں تو کوئی اور سہی۔'' عاصم نے متانت سے کہا۔

''پھر بھی یار اس نوکری کی وجہ سے پاپا کے علاج میں جتنی آسانی ہوگئی تمہیں اس کا اندازہ نہیں۔'' فائز کا لہجہ خوشی سے بھرپور تھا۔

''چھوڑو یار...... غیروں والی بات نہ کرو۔'' عاصم نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے کہا۔

''تمہیں...... اندازہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں کی کتنی مشکلیں آسان ہوگئی ہیں۔''

''یار کیوں شرمندہ کررہا ہے...... دعا دینی ہے تو شاہ کو دو جو اپنے ورکرز کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔'' عاصم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''مگران تک بھی تو میں تمہاری وجہ سے پہنچا۔ ممی بھی تمہیں بہت دعائیں دے رہی تھیں۔''

''اب یہ بتاؤ انکل کی طبیعت کیسی ہے؟'' عاصم نے بات بدلی۔

''ٹھیک ہیں اللہ کا شکر ہے...... بڑے اسپتال میں دکھانے کی وجہ سے پہلے کے مقابلے میں کافی ریکوری ہوئی ہے۔'' اس کے چہرے پر دبا دبا جوش نظر آیا۔

''اسی بات پر چلو......'' عاصم نے اس کو گھسیٹا۔

''کہاں......؟'' فائز کا انداز سوالیہ تھا۔

''بھابی تو تمہاری میکے گئی ہوئی ہیں...... آؤ باہر سے چائے پی کر آتے ہیں۔'' عاصم نے بائیک اسٹارٹ کی اور فائز کو پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اور تھوڑی دیر بعد دونوں دوست ایک ہوٹل پر ہنستے مسکراتے آمنے سامنے بیٹھے چائے نوش فرما رہے تھے۔

❀......❀......❀

''جاہل عورت...... تمہاری مڈل کلاس ذہنیت کبھی نہیں بدل سکتی......'' گھر پہنچتے ہی وہ دھاڑا۔

''تم نے اپنا احتساب کیا ہے؟'' مومل کے اندر کچھ ٹوٹا۔ اس کی شکوہ کناں نظریں نبیل پر جم گئیں۔

''تم...... کب تک میری پہرہ داری کرو گی۔'' غلطی ماننے کی جگہ وہ الٹا اس پر چڑھ دوڑا۔

''کیا بے وفائی آپ کی فطرت کا خاصہ ہے؟'' مومل نے پوچھا۔

''مرد کو بے وفائی پر عورت ہی اکساتی ہے۔'' وہ دانت کچکچا کر بولا۔

''اچھا...... بہانہ ہے۔ ویسے ایک شرمیلا ہی ہے یا صائمہ، نائمہ بھی دل میں چھپا رکھی ہیں۔'' اس نے چوٹ کی۔

''میں...... تمہیں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔'' سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ خود بھی سلگ گیا۔

''صفائی تو دینی پڑے گی...... ورنہ یہ بات شہر سے گاؤں تک پہنچ جائے گی۔'' مومل نے آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

''سچ سننے کا حوصلہ ہے؟'' اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ در آئی۔

''حوصلہ کو نہ للکارو......'' اس نے بھی طنزیہ نگاہوں سے دیکھا، مصنوعی محبت کا خول چٹخنے لگا۔ دہری شخصیت کی پرتیں کھلنے لگیں۔

''میں شرمیلا کو بھلا دیتا اگر تم ہر وقت میرے سامنے اس کا ذکر نکال کر میری جان عذاب نہ کرتی۔'' نبیل نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''جاؤ...... جاؤ...... یہ سب تمہاری فطرت کا تقاضا ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''اب تم جو بھی سمجھو......'' وہ بڑے اطمینان سے سگریٹ کا کش لینے لگا، خوف کا لمحہ گزر چکا تھا۔ اب وہ خود کو کافی ریلکس محسوس کر رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ ایک پہ قناعت مشکل ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ استہزائیہ ہوا۔

''اب جو ہونا تھا ہو گیا...... اس بات کو لے کر کب تک بحث کرتی رہو گی۔'' وہ زچ ہوا۔

''تمہیں...... سچ مچ میرا ذرا سا بھی خیال نہیں۔'' مومل کے اندر کی عورت ہمکی۔

''مومل...... جان سچی محبت تو میں صرف تم سے ہی کرتا ہوں...... وہ تو میرا انتقام تھا۔'' بیوی کو نرم پڑتا دیکھ کر منانے کی کوشش کی۔

''اس بات کا اندازہ تو پچھلے چوبیس گھنٹوں میں مجھے اچھی طرح ہو گیا...... وہ تو اچھا ہوا کہ میں نے اپنے ایک ملازم کو تمہاری نگرانی پر لگایا ہوا تھا، اس نے مجھے جیسے ہی ساری بات بتائی میں گاؤں سے چلی آئی، ورنہ تم تو مجھے سوکن کا تحفہ دے چکے ہوتے۔'' وہ ایک دم سسکی۔

''یہ سب تو صرف میں نے شرمیلا سے بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔ میں سچ مچ اس سے شادی تھوڑی کرتا۔'' اس نے بڑے

مزے سے بہانہ گھڑا تو موحل کے سارے وجود میں بھانبڑ جل اٹھے۔
''ایک بات بتاؤ...... یوں ڈال ڈال پہ منڈلانے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟'' وہ تھکے لہجے میں بولی۔
''ایک بار سب بھلا دو...... میری خاطر۔'' نبیل نے درخواست کی۔
''ٹھیک ہے تم عہد کرو کے صرف میرے ہو جاؤ گے۔'' اس کا اصرار بڑھا۔
''تم...... آزاد پنچھی کو قیدی بنانا چاہتی ہو تو یہ ناممکن ہے۔'' وہ چڑا، موحل بھی اس کی سوئی ہوئی محبت کو جگانے میں ناکام رہی۔
''تمہیں میرے مزاج کو سمجھتے ہوئے خود کو ایڈجسٹ کرنا پڑے گا۔'' بے گانگی سے کہتا وہ اجنبیت کی حدیں پار کرنے لگا۔
''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم کبھی نہیں بدلو گے۔'' وہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی۔
''مجھے بدلنے کی جگہ خود کو بدل ڈالو...... اسی میں ہماری شادی شدہ زندگی کی بقاء ہے۔'' اس کے لب انگارے برسانے لگے تو موحل کی روح چھلنی ہوگئی۔ اسے یوں لگا جیسے تنہائی اور اکیلے پن کی چھاپ مقدر پر لگا دی گئی ہو۔

❀......❀......❀

''دلہن بیگم تو ابھی تک اٹھی نہیں...... آپ ہی بتا دیں کہ ناشتے میں کیا بناؤں۔'' عشو بیگم نے جان بوجھ کر ڈرامہ شروع کیا حالانکہ سفینہ نے انہیں رات میں ہی بتا دیا تھا کہ صبح سب کے لیے پراٹھے اور روشنی کے لیے دلیہ پکایا جائے گا۔
''کیا...... مطلب اتنی دیر ہوگئی ہے اور سفینہ اور آفو ابھی تک سو رہے ہیں؟'' اسریٰ نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔
''جی...... اب بتائیں میں کیا کروں؟'' وہ معصومیت سے بولی۔
''کچھ بھی پکا لو...... اب تم اتنی بچی بھی نہیں ہو اتنے سالوں سے اس گھر میں ہو یہاں کے لوگوں کی پسند ناپسند سے واقف تو ہو۔'' اسریٰ نے جل کر کہا، انہیں صبح کی چائے پینے کی عادت تھی، ابھی تک وہ بھی نہیں ملی تھی تو سر دکھنے لگا تھا۔ اس لیے مزاج میں چڑچڑاہٹ پیدا ہوئی۔
''جی...... اچھا......'' عائشہ بیگم نے فرماں برداری سے سر ہلایا اور لاؤنج میں داخل ہوتی روشنی کی طرف دیکھا۔
''مجھے دیر ہو رہی ہے جلدی سے ناشتہ لگا دیں۔'' روشنی تیار ہو کر میز پر آئی تھی۔ عائشہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولی۔
''تم لیٹ جا رہی ہو؟'' اسریٰ نے تعجب کا اظہار کیا۔
''جی...... میری کلاسز لیٹ ہوں گی۔'' روشنی نے جاگرز کے لیس باندھتے ہوئے سر ہلایا۔
''آپ...... ابھی تک کھڑی ہیں جا کر ناشتہ لگائیں۔'' روشنی بڑبڑائی۔
''ہاں...... میری بچی، میں ابھی دلیہ لاتی ہوں۔'' جان کر جتانے والے انداز میں کہا۔
''دلیہ...... مگر مجھے تو پراٹھا کھانا تھا۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔
''وہ تو...... تمہاری بھابی نے منع کیا ہے۔'' عائشہ بیگم نے آگ لگائی۔
''اب...... کیا اپنے ہی گھر میں مجھے کھانے پینے سے بھی روکا جائے گا۔'' روشنی نے پیر پٹخ کر خالہ کو دیکھا اور فائل اٹھا کر دروازے کی جانب چل دی۔
''روشنی...... سنو...... بیٹا دودھ پی لو۔'' اسریٰ نے گھبرا کر پیچھے سے آواز دی مگر وہ ان سنی کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اسریٰ نے سر تھام لیا۔
''یہ بہو بیگم اچھا نہیں کر رہی ہیں۔'' عائشہ بیگم کو موقع مل گیا تھا اسریٰ کو سفینہ کے خلاف کرنے کا۔
''اچھا...... تم جاؤ میرے لیے چائے لے کر آؤ۔'' ساری باتیں سننے کے بعد ان کے سر کا درد مزید بڑھ گیا۔ چائے کی شدید طلب محسوس ہوئی تو عائشہ بیگم کو وہاں سے کچن میں بھیجا۔
''لگ گیا تو تیر ورنہ تکا۔'' عائشہ بیگم مسکراتی ہوئی اٹھی اور پھرتی سے چائے کا کپ لا کر سامنے رکھ دیا مگر اسریٰ کی سوچ کا ارتکاز نہ ٹوٹا۔ عائشہ بیگم کی یہ پہلی کامیابی تھی وہ خوشی سے جھوم اٹھی، اسے امید تھی کہ اب خالہ بھانجے میں زوردار مکالمہ ہوگا۔ مگر

ان کا دروازہ تو ابھی تک بند تھا۔ عائشہ بیگم کا بس چلتا تو جا کر زور زور سے دستک دے کر سفینہ کو باہر نکال کر اسریٰ کے حضور پیش کرتی مگر صبر سے ان دونوں کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔
اسریٰ گرما گرم چائے گھونٹ گھونٹ پینے لگیں۔ شکنوں کا جال ہنوز اُن کی پیشانی پر جوں کا توں موجود تھا وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھیں لاؤنج میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ انہیں سفینہ سے اس غیر ذمہ داری کی امید نہ تھی۔

❁......❁......❁

سائرہ بانو پکانے کے لیے سبزی لینے نکلی تو بازار میں ایک پرانی محلے دار سے سامنا ہو گیا انہوں نے کنی کترا کر نکلنے کا سوچا۔
''اے.....لو..... بھابی تم تو غیروں کی طرح منہ موڑ کر چلی جا رہی ہو۔'' صفیہ چھاپہ مارنے والے انداز میں قریب پہنچ کر چلائیں۔
''کون.....صفیہ.....تم.....معاف کرنا میں نے دیکھا نہیں۔'' ان کے انجان بن کر صفائی دینے پر صفیہ کے ہونٹوں پر جلا دینے والی مسکراہٹ ابھری۔ خان ہاؤس کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے وہ یقیناً دیورانی جٹھانی کی چپقلش سے باخوبی آگاہ تھی جب ہی چسکے لیتے ہوئے ان کے دل میں آگ لگانے کی تیاری شروع کی اور بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سائرہ بیگم کا ہاتھ گرم جوشی سے تھام کر روکا۔
''چلو.....کوئی بات نہیں' دھوپ ایسی ہے کہ آنکھوں کو چندھیائے دے رہی ہے۔'' صفیہ نے سورج کی طرف دیکھتے ہوئے چادر سے ماتھے کا پسینہ پونچھا۔
''یہ بات تو سچ ہے گرمی نے مت ماری ہوئی ہے۔'' وہ جواب دینے کے بعد جانے کے لیے پر تولنے لگیں مگر صفیہ کی گرفت مضبوط نکلی۔
''ویسے بھابی گھر میں سب خیریت ہے، جلال بھائی کی طبیعت کیسی ہے؟'' صفیہ نے پہلے حال احوال پوچھا مطلب کی بات نکالی۔
''اللہ کا کرم ہے۔'' سائرہ بیگم اس کی شر پسندی سے آگاہ تھی اس لیے زیادہ منہ نہ لگایا۔
''ویسے.....ایک بات ہے قسمت ہو تو سفینہ جیسی۔'' صفیہ نے آنکھیں مٹکائیں۔
''ہوں.....'' مختصر جواب آیا۔
''واہ بھئی.....واہ ریحانہ نے اپنی سفینہ کے لیے کیسا اعلیٰ خاندان ڈھونڈا کے شہر بھر میں واہ واہ ہو رہی ہے۔'' وہ جلانے پر تل گئی۔
''ہونہہ.....'' سائرہ بیگم نے بے دلی سے ادھر دیکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔
''جہیز کے نام پر لڑکے والوں نے ایک چھلا بھی نہیں لیا مگر دلہن بنی سفی کو ہیرے موتی سے لاد دیا.....'' صفیہ کے بتانے پر سائرہ بیگم کے وجود میں تناؤ کی لہر اٹھی۔
''پوری تقریب میں آپ لوگ نظر نہ آئے اب ایسی بھی کیا ناراضگی۔'' اس سے پہلے کے وہ مزید کچھ بولتی، سائرہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کر خاموش کرایا۔
''اچھا.....صفیہ مجھے ذرا دیر ہو رہی ہے' بعد میں ملتے ہیں۔'' سائرہ نے پیچھا چھڑاتے ہوئے اجازت طلب کی۔
''ہاں.....بھئی جائیں روکا کس نے ہے۔'' صفیہ طنز سے ہنسی۔
''مگر ایک بات تو بتائیں؟'' اس کے بولنے پر سائرہ بیگم کے بڑھتے قدم تھم گئے۔
''اب تمہاری کون سی بات ادھوری رہ گئی؟'' سائرہ بیگم کی طنزیہ نگاہوں نے صفیہ کے چہرے کا طواف کیا۔
''فائز میاں کے سر پر سہرا کب سجا رہی ہیں؟'' وہ کھلکھلائی۔
''ان شاء اللہ.....بہت جلد۔'' سائرہ بیگم نے مسکرا کر جواب دیا۔
''سچی بات ہے.....وہ بھی بھلا کب تک سفینہ کا سوگ منائے گا۔'' صفیہ نے ہاتھ ہلاتے ہوئے اتنی معصومیت سے کہا کہ

سائرہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی جی چاہا کے اس عورت کو بیچ سڑک پر منہ بھر بھر کے کوسنے دیں مگر تماشہ کھڑا کرنا کچھ مناسب نہ لگا، اس لیے دانت کچکچاتے ہوئے اپنے گھر کی راہ لی۔

❁......❁......❁

رات گئے تک جاگنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ صبح سفینہ کی ٹائم پر آنکھ نہ کھل سکی۔ آفاق شاہ کی پیار بھری سرگوشی سے اس کے سوئے ہوئے اعصاب یک لخت بیدار ہوئے۔

"پرنسز...... بہت دیر ہوگئی ہے۔" آفاق نے انگلی سے چہرے کے سائیڈ میں جھولتی لٹ کو کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے دھیرے سے ہوش دلایا۔ اس نے خمار آلود نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔

"مجھے آفس جانا ہے...... ناشتہ چاہیے۔" محبت بھرے انداز پر اس کی مندی مندی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔

"جان سنبھل کر اترو نا......" سفینہ عجلت میں بیڈ سے اترنے لگی تو پاؤں چادر میں الجھا، لڑکھڑائی تو آفاق نے اپنے توانا بازوؤں میں لے کر سہارا دیا۔ اس کا چہرہ ایک دم گلابی ہوگیا۔ اسے پیچھے کرتے ہوئے شرمیلی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیل گئی۔

"سوچتا ہوں بیوی کو شرمانے سے فرصت نہیں تو میں ناشتے پانی کے بغیر ہی چلا جاؤں۔" آفاق نے شرارتی انداز میں بیوی کے شرماتے وجود کو دیکھا اور دوسری نگاہ وال کلاک پر ڈالی جہاں سوئیاں گیارہ کا ہندسہ عبور کرچکی تھیں۔

"آپ باہر چلیں میں منہ دھوکر آتی ہوں۔" اس نے تیزی سے واش روم کی جانب بڑھتے ہوئے ہدایت دی۔

❁......❁......❁

گرمی کی شدت اس پر صفیہ کی لن ترانیاں۔ گھر میں داخل ہوتے ہی تھیلا ٹیبل پر پٹخا اور فریج سے یخ ٹھنڈا پانی نکال کر پیا مگر وہ بھی اُن کے اندر بھڑکتی آگ کو بجھا نہیں پایا۔ سفینہ کی خوش حالی کا سن کر ایک نئی وحشت نے انہیں گھیر لیا تھا۔ وہ بے کلی کے گہرے احساس تلے دب کر ماں سے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کمرے میں چلی آئیں۔ دلشاد بانو چشمہ لگائے اخبار میں کوئی خبر پڑھنے میں مگن تھیں۔

"اب...... اس عمر میں خبروں کا ایسا چسکہ اچھا نہیں۔" سائرہ بیگم نے ماں کی محویت دیکھ کر ماتھے پر بل ڈال کر طنز کیا۔

"اوں...... ہوں یہ دیکھ۔" سائرہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دلشاد بانو نے انگلی سے اخبار کی ایک خبر پر اشارہ کیا۔

"ایسا کیا چھپ گیا؟" وہ جھنجھلا اٹھیں اور اخبار چھین کر خبر پڑھنے لگی، ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا جعلی بابا کی گرفتاری کی خبر بمعہ تصویر کے ساتھ نمایاں جگہ پر لگی ہوئی تھی۔

"اے...... کیا لکھا ہے ذرا پڑھ تو......" دلشاد نے صرف تصویر ہی دیکھی تھی پڑھنا تو آتا نہیں تھا، اب بیٹی سے تفصیل جاننے کی فکر ہوئی۔

"خبر میں لکھا ہے کے شہر کے مضافات میں ایک آستانے پر چھاپہ، جعلی عامل بابا اپنے چیلوں کے ساتھ گرفتار۔" سائرہ نے باآواز بلند سرخی پڑھی۔

"ہائے...... ناس پیٹا منحوس مارا...... آخر اپنے انجام کو پہنچا میرے کتنے پیسے لوٹ لیے پھر بھی آج تک شکیل اور اس کی بیوی نرما پاکستان لوٹ کر نہیں آئے۔" دلشاد نے ہاتھ ملتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"اماں...... ایک منٹ میں تفصیل تو پڑھوں، یہاں لکھا ہے یہ عامل ڈھونگی بابا لوگوں کی ضیف الاعتقادی سے کھیلتے ہوئے اللہ کے نام پر امیر و غریب شہریوں کو لوٹتا تھا، ایک اخباری نمائندے نے اس لٹیرے کو بلاآخر بے نقاب کیا۔ بابا نے گھروں میں کام کرنے والی ماسیوں کے ساتھ باقاعدہ ایک نیٹ ورک قائم کر رکھا تھا، جو خواتین کو بے وقوف بنا کر تعویذ گنڈوں کی طرف راغب کرتیں اور آستانے پر لے جاتیں اس کے بعد لوگوں کے گھر تک رسائی حاصل کرکے انہیں بلیک میل کیا جاتا۔ عامل بابا اپنے پورے گروہ کے ساتھ پولیس حراست میں ہے۔ وہ پولیس والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے اپنے جرم سے انکار کررہا ہے۔ مگر پولیس کے پاس اس کے خلاف ٹھوس ثبوت ہیں۔ پولیس اہلکاروں نے اُسے نمائندے کے ساتھ جا کر رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا۔" وہ پوری تفصیل دہراتی چلی گئیں اور دلشاد بانو خاموشی سے بیٹھی سب سنتے ہوئے ماضی میں کھوگئیں جب وہ

خود بابا کے ڈیرے پر جا کر بے وقوف بن گئی تھیں۔
''جعل ساز...... دھوکے باز کتنا کچھ لوٹا مجھ سے اور میرا ایک کام بھی سیدھا نہ ہوسکا۔'' سائرہ بیگم نے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اخبار کو توڑ مروڑ دیا۔ ''میرا بس چلے تو ایسے جعلسازوں کو پھانسی چڑھوادوں۔'' سائرہ بیگم نے دانت کچکچا کر کہا۔
''وہ...... کم بخت رانی بھی اس سے ملی ہوئی تھی...... میں نے اس پر کتنا بھروسا کیا تھا۔'' دلشاد بانو بھی غیض وغضب کا شکار ہوتے ہوئے بولیں۔
''ہاں...... اسی نے تو یہ گل کھلایا تھا۔'' سائرہ نے زیرلب گالی دی۔
''کیا ہوا...... یہ صبح صبح کس کی شامت آئی ہے۔'' فائز اندر داخل ہوا تو ماں اور نانی کو غصے میں دیکھ کر پوچھا، جواب میں سائرہ بیگم نے اسے اخبار پیش کیا۔ فائز نے اخبار کی شکنیں دور کرتے ہوئے پوری خبر پڑھ ڈالی۔
''خس کم جہاں پاک۔'' وہ بولتا ہوا اٹھ گیا۔

✿......✿......✿

آفاق مسکراتا ہوا باہر نکلا تو اسریٰ سامنے ہی ناشتے کی ٹیبل پر چائے پیتی دکھائی دیں۔
''آپ جاگ رہی ہیں۔'' وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔
''ہاں تو کیا دن چڑھے تک سوتی رہتی۔'' وہ کچھ تلخ ہوئیں۔
''کیا ہوا...... خیریت تو ہے۔'' آفاق شاہ نے پاس رکھی چیئر پر بیٹھنے کے بعد تشویش سے پوچھا۔
''ہاں...... سب خیریت ہے...... یہ بتاؤ تمہاری بیگم کہاں ہیں؟'' وہ کچھ ناراض ناراض سی نظر آئیں۔
''وہ...... بس...... آرہی ہے۔'' اس نے خالہ کے بدلتے تیور کو بغور دیکھا اور پھر لاؤنج کے دروازے پر کھڑی عائشہ بیگم کو جس کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔
''دن کے گیارہ بج چکے ہیں اور شاہ ہاؤس میں ناشتے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔'' اسریٰ نے منہ بنا کر بھانجے کو دیکھا۔
''وہ...... رات کو سفینہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے گھبرا کر بہانہ گھڑا۔
''تو بہو بیگم بتا دیتی...... میں خود کچن میں جا کر کھڑی ہوجاتی۔'' اسریٰ کا غصہ کم نہ ہوا۔
''عشو...... اماں...... آپ نے ناشتہ کیوں نہیں تیار کیا؟'' خالہ کو تو جواب دینا مشکل تھا اس لیے عائشہ بیگم کی جانب منہ کر کے اس کا لہجہ تھوڑا سخت ہوا۔
''اب...... ہمیں...... کیا پتا کہ مالکن نے آج ناشتے پر کیا پکوانا تھا۔'' آگ لگانے کے بعد وہ معصومیت سے مکر گئی۔
''شاہ...... یہ اِس گھر کی روایت تو نہیں رہی کے بہو بیٹیاں دن چڑھے تک سوتی رہیں۔ ویسے سفینہ کی طبیعت کچھ زیادہ خراب نہیں رہنے لگی ہے، ایک بار جا کر اس کا ٹھیک طریقے سے چیک اپ کرادو۔'' اسریٰ کے انداز بتا رہے تھے کے وہ بھانجے کے بہانے میں نہیں آئی۔
''اگر ایک دن ناشتہ لیٹ ہوگیا تو ایسی کون سی قیامت آگئی۔'' وہ ایک دم زچ ہو کر تیز انداز میں بولا تو اسریٰ کو برا لگا۔
''بیٹا جی...... قیامت تو نہیں آئی مگر روشنی خالی پیٹ گھر سے نکل گئی اور مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی۔'' سفینہ بالوں کو ہاتھوں سے درست کرتی لاؤنج میں داخل ہوئی تو اسریٰ کے الفاظ اس کے کانوں میں پڑے اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔
''اچھا...... تو آپ لوگوں نے اسے روکا کیوں نہیں۔'' آفاق کو بہن کے خالی پیٹ جانے کا افسوس ہوا۔
''روکا تھا مگر تمہاری بیوی نے اس کے کھانے پینے پر پابندی لگائی ہوئی ہے...... وہ ناراض ہو کر چلی گئی۔'' اسریٰ کا انداز سوالیہ ہوا۔
''سفی نے میرے کہنے پر روشنی کا ڈائٹ پلان بنایا ہے اور پراٹھا اور فرائیڈ چیزوں پر پابندی لگائی ہے تاکہ اس کا وزن کم کرایا جاسکے۔'' آفاق نے سہولت سے بتایا تو بات اسریٰ کی سمجھ میں آگئی۔

''ایسا تھا تب بھی سنی کو روشنی کو خود سے سمجھا بجھا کر ناشتہ کرانا چاہیے، اس کی برسوں پرانی عادتیں چٹکی بجاتے ختم نہیں ہوں گی۔'' اسریٰ نے ایک اور اعتراض اٹھایا تو آفاق نے خاموشی اختیار کرلی۔ وہ سمجھ گیا کہ اسریٰ کا دماغ خراب کرنے میں عشو بیگم کا ہاتھ ہے۔ سفینہ جب لاؤنج میں داخل ہوئی تو سب نے اس کے سلام کا جواب بے دلی سے دیا۔ ماحول میں خاموشی اور سوگواریت سی ٹپک رہی تھی آفاق کے چہرے کے عضلات تنے ہوئے تھے اور اسریٰ بھی چپ چپ تھیں۔ عاشبہ بیگم البتہ سفینہ کے ساتھ جلدی جلدی ناشتے کی تیاری میں لگ گئی۔ سفینہ نے ناشتہ لگانے کے بعد سب کو ٹیبل پر آنے کا کہا تو آفاق بہت دیر ایک ہی پوزیشن اور ایک ہی زاویے سے بیٹھا پرسوچ انداز میں کچھ سوچتا رہا اُس کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں اور چہرہ سپاٹ تھا کسی قسم کے جذبات واحساسات سے عاری۔ وہ اٹھا اور ناشتہ کیے بناء ہی آفس چلا گیا۔ اسریٰ نے بھی بے دلی سے دو ایک نوالہ لیا اور اٹھ گئیں۔ سفینہ کو اس ماحول سے وحشت ہونے لگی۔ عاشبہ بیگم البتہ مزے لے کر ناشتہ کرنے میں جت گئی۔

❁......❁......❁

''السلام علیکم!'' شرمیلا زینہ اترتی ہوئی نیچے آئی، بتول نے اس دن کے بعد سے اس کے کوچنگ جانے پر بھی پابندی لگادی تھی، وہ گھر میں بند پریشان ہوگئی تھی۔ اسے صبح صبح فائز کا خیال آیا۔ سوچا اس سے کسی نئی جاب کے سلسلے میں بات کرے۔ وہ یہ سب سوچتی ہوئی نیچے اتر آئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' سائرہ بیگم جو تخت پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں شرمیلا کی آواز پر نظریں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا اور دوبارہ ساری توجہ سبزی کاٹنے کی طرف مبذول کردی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے بلاوجہ حال احوال پوچھا۔

''ہوں...... ٹھیک ہوں۔'' سائرہ بیگم کے روکھے انداز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ اس کا دل بجھ گیا۔

''کیسے آنا ہوا؟'' اس کی خاموشی پر کچھ دیر بعد سائرہ بیگم نے سر اٹھا کر سرسری انداز میں پوچھا۔

''یہ سائرہ خالہ اتنی روڈ کیوں ہوگئیں؟ آج سے پہلے تو انہوں نے کبھی مجھ سے اس طرح بات نہیں کی۔'' شرمیلا نے پریشانی سے سوچا۔

''وہ فائز کہاں ہیں؟'' شرمیلا نے بجھے بجھے لہجے میں پوچھا۔

''اب فائز کی یاد کیسے آگئی؟'' انہوں نے لفظوں کے تیر برسائے۔

شرمیلا سائرہ بیگم کے اکھڑ انداز سے ازحد پریشان ہوئی۔

''تم نے بتایا نہیں...... کیا کوئی کام تھا۔'' سائرہ بیگم نے آلو پر چھری چلاتے ہوئے اُس کے سپید پڑتے چہرے پر نگاہ ڈال کر سفاکی سے پوچھا۔

''جی...... وہ ایک کتاب کا پوچھنا تھا۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

''اوہ...... اچھا...... وہ دفتر جاچکا ہے۔'' سائرہ نے سانس اندر کھینچ کر بتایا۔

''میں...... شام میں اس سے مل لوں گی۔'' شرمیلا نے واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔

''ویسے یہ رات کے ایک بجے لڑکیوں کا یوں مسٹنڈوں کے ساتھ گاڑی سے اترنا ہمارے جیسے شریف لوگوں کے گھر کی بدنامی کا باعث بن سکتا ہے۔ آئندہ خیال رکھنا یہ نہ ہو کے ہمیں نئے کرائے دار ڈھونڈنے پڑجائیں۔'' سائرہ بیگم نے صاف اور دوٹوک لہجے میں اسے جتادیا کے وہ اسے اس رات دیکھ چکی ہیں۔ شرمیلا کے بڑھتے قدم تھم گئے اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر روتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگتی اوپر چلی گئی۔ جبکہ سائرہ بیگم کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

❁......❁......❁

''بھئی واہ...... بھابی بہت اچھے ٹائم پر چائے لائی ہیں بڑی طلب محسوس ہورہی تھی۔'' روشنی نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''روشنی...... یہ چائے تمہارے لیے نہیں ہے۔'' سفینہ نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ واپس لے لیا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو دلہن؟'' سفینہ کے اس عمل پر اسریٰ بیگم بولیں۔

''اصل میں میں نے روشنی کے لیے گرین ٹی بنائی ہے۔'' سفینہ نے ٹرے میں سے دوسرا کپ اٹھا کر اسے تھمایا۔

''مجھے گرین ٹی پسند نہیں۔'' روشنی کا منہ نام سنتے ہی کڑوا ہو گیا۔

''تم پی کر تو دیکھو...... اچھی لگے گی۔'' سفینہ نے بڑی محبت سے اصرار کیا تو وہ خاموشی سے منہ بنا کر گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارنے لگی۔

''آپ چائے لیں......'' سفینہ نے اسریٰ کی جانب کپ بڑھایا تو انہوں نے چپ چاپ تھام لیا۔ وہ جانتی تھی کہ روشنی کے کھانے پینے پر پابندی لگانے سے وہ سب کی نظروں میں بری بن رہی ہے مگر اس کے لیے یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ شوہر کی ایماء پر ایسا کر رہی ہے۔

''یہ لو میری بچی میں تمہاری پسند کی موٹی بالائی والی دودھ پتی پکا لائی ہوں...... تم چھوڑو اس گرین ٹی کو۔'' عائشہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح کہا اور دوڑ کر کچن سے چائے پکا لائی اور اس کے سامنے کپ رکھتے ہوئے محبت جتائی۔

''بہت ہی بد مزا......'' روشنی نے گرین ٹی والا کپ عشو بیگم کو تھمایا اور اس کے منہ سے نکلا۔ سفینہ کا چہرہ اتر گیا۔

اسریٰ بیگم نے بھانجی کو گھورا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ دیا۔ سفینہ افسردہ سی وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ روشنی کو کیسے سدھارے، اس کی ہر کوشش کے بیچ میں عائشہ بیگم آ جاتی۔ وہ اس کی کوئی ترکیب کارگر ہونے نہ دیتی۔ پہلے سفینہ نے سوچا کہ شاہ سے مدد لے پھر اس نے اکیلے ہی اس معرکے کو حل کرنے کا سوچا۔ دل میں ٹھان لیا کہ اب گھی نکالنے کے لیے انگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی۔ اس سے پہلے اسے شاہ کے لیے آفس لنچ بھی بھجوانا تھا۔ ان کا یوں خالی پیٹ چلا جانا اس پر بہت بھاری پڑا تھا۔

❁......❁......❁

بتول چپ چاپ بیٹھی ایک ٹک دیوار کو گھور رہی تھیں۔ انھیں اپنی بڑی بیٹی سے زیادہ اب باقی چھوٹی والیوں کی فکر ستانے لگی تھی۔ شرمیلا جب سے نیچے سے روتی ہوئی اوپر آئی اور اس نے سائرہ بیگم کی دھمکی حرف بحرف دہرائی تو بتول کا دل بیٹھ گیا، وہ ایک کی وجہ سے سب کو مشکل میں نہیں ڈال سکتی تھیں۔ ابھی تو اس بارے میں صرف نیچے والوں کو خبر ہوئی ہے۔ کل کو آس پڑوس میں بات نکلی تو وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔

''اب کیا کریں؟'' بس یہ ہی فکر انھیں کھائے جا رہی تھی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے چھوٹی والی کا ہاتھ تھاما اور اپنی رشتے کی بہن اور بچپن کی سہیلی کے گھر چل دیں۔

''میں اکیلی بیوہ عورت کہاں سے اپنی بیٹی کے لیے بر تلاش کروں؟'' وہ بہتے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ زینب نے ان کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو بولیں۔

''بتول...... تم اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو وہ سب کی بگڑی بنانے والا ہے۔''

''ماشاءاللہ سے شرمیلا چوبیس کی ہونے والی ہے۔ بچی نہیں رہی۔'' بتول نے بہانہ بنایا، اصل بات بتا نہیں سکتی تھیں۔

''ارے میں خود تم سے اسی بارے میں بات کرنے والی تھی۔''

''ہیں زینب۔'' اُن کے چہرے کا رنگ کھل گیا۔

''ہاں...... شرمیلا کے لیے ایک رشتہ ہے تو...... مگر......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

''کون ہے زینب کہاں رہتا ہے؟'' وہ تفصیل جاننے کے لیے بے چین ہوئیں۔

''بتاتی ہوں تم چھری تلے دم تو لو۔'' زینب مسکرائی۔

''شکر ہے مالک...... کوئی اسباب تو بنا۔'' بتول نے آسمان کی طرف دیکھ کر دل میں سوچا۔

''لڑکا بہت ہی شریف گھرانے کا ہے۔ اس کی بازار میں اپنی کپڑوں کی دکان ہے۔ دو بھائی دو بہنوں میں وہ سب سے بڑا ہے۔'' زینب نے تفصیل بتائی۔

''اچھا...... اچھا' تو کیا سب ساتھ رہتے ہیں؟'' بتول نے سر ہلا کر پوچھا۔

''باقی سب کی تو شادی ہوگئی ہے مگر...... الطاف......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی کرنا چاہتا ہے...... اس کے دو بچے بھی ہیں۔'' زینب نے نگاہیں چراتے ہوئے تفصیل بتائی۔

''ہیں...... زینب یہ کیا کہہ رہی ہو...... دوسری شادی......؟'' سب سننے کے بعد بتول پر سکتہ طاری ہوگیا۔

''ہاں بتول...... حالات ہی ایسے ہوگئے ہیں کنوارے لڑکے ٹرک بھر کر جہیز مانگتے ہیں...... میں تمہارے حالات سے آگاہ ہوں...... اسی لیے یہ بات سوچی ہے۔ الطاف کو کچھ نہیں چاہیے۔ بس تم ہاں کردو۔ شرمیلا اپنے گھر میں خوش رہے گی۔'' زینب نے سہیلی کا ہاتھ دبا کر کچھ سمجھانا چاہا۔ بتول بیگم کی آنکھوں میں دوبارہ آنسو آ گئے۔

❁......❁......❁

''اوئے کہاں کھوئے ہوئے ہو رومیو۔'' عاصم اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ارے کہیں نہیں...... تم بتاؤ کل پورا دن دکھائی نہیں دیئے۔'' فائز نے چونک کر دوست کو دیکھا۔

''ارے یار بس...... کچھ پینڈنگ کام جمع ہوگیا تھا وہ نمٹا رہا تھا۔ مجھے خود بھی تجھ سے ملنا تھا۔''

''اللہ خیر؟'' فائز مسکرایا۔

''ذرا تیرے کان کھینچنے ہیں۔'' عاصم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

''اب بندہ ناچیز سے کیا خطا ہوئی؟'' وہ شرارتی ہوا۔

''یار...... میں چاہتا ہوں کہ اب تو خود کو سنبھال لے...... جو کچھ ہو چکا ہے اسے بدلا تو نہیں جاسکتا۔'' عاصم اس کا بازو تھام کر ٹہلنے لگا۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا ہی ہوگا۔'' فائز نے اثبات میں سر ہلایا۔

''پتا ہے...... تیری وجہ سے آنٹی کس قدر پریشان ہیں۔'' وہ نرمی سے سمجھانے لگا۔

''جانتا ہوں...... مگر میں کیا کروں...... سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پاتا۔'' اس نے بے اختیار ہو کر دوست کو دیکھا۔

''اپنے آپ کو سمجھاؤ...... ایک لڑکی کی خاطر جوگ کب تک؟'' عاصم نے دوست کے تاثرات جانچے، وہ سائرہ بیگم کے کہنے پر اسے سمجھانے آیا تھا۔

''ایک بات بتاؤ...... جب محبت چند دنوں میں نہیں ہوئی تو اسے دو دن میں کیسے ختم کیا جاسکتا ہے؟'' اس کا بے بس لہجہ عاصم کے دل پر اثر کر گیا۔

''میاں...... ایک بات یاد رکھنا اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔'' عاصم نے مدبرانہ انداز میں اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

''یہاں...... معاملہ صرف محبت کا نہیں بہت سارے مسئلے رشتوں کی ڈوری میں الجھ گئے ہیں، انہیں سلجھانے میں وقت تو لگے گا۔'' فائز نے لب بھینچ کر جواب دیا۔ وہ کھل کر اپنی ماں کے غلط رویے تو دوست سے بیان نہیں کرسکتا تھا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت ہے' لیکن دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا' نا جانے کتنی منگنیاں ٹوٹ جاتی ہیں، لڑکیاں اپنے محبوب کو دھوکا دے کر کسی دوسرے کے ساتھ ڈولی چڑھ جاتی ہیں دنیا ایک پر ختم تو نہیں ہوتی۔ جو بے وفائی کی چوٹ کھاتے ہیں۔ وہ بھی تو زندہ رہتے ہیں؟'' عاصم کا انداز سوالیہ ہوا۔

''تم نے ٹھیک کہا میرے دوست مگر ایک بات کہوں۔ وہ میری زندگی تھی۔ اس کے بغیر جینا...... مشکل لگتا ہے۔ تمہیں زندہ رہنے اور جینے کا فرق تو پتا ہے نا۔ بس یہ سمجھ لو میں زندہ ہوں۔'' فائز کے درد بھرے انداز پر عاصم کا دل بھی دکھا۔

''اب تم سب کچھ بھلادو اور زندگی کی نئی شروعات کرو، وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا کیا پتا اس بار خوشیاں تمہارا نصیب بنیں۔'' اس نے مسکرا کر دوست کو سمجھایا۔

''میرے لیے فی الحال یہ سب مشکل ہے...... وہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔ اس پر میری دُنیا ختم ہوجاتی ہے۔'' اس کا انداز دو ٹوک تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے دفتر کے کوریڈور تک آ گئے تھے۔ اتنے میں محافظ نے گلاس ڈور کھولا اور آفاق شاہ اندر داخل ہوا۔ وہ گھر کے ماحول سے کوفت زدہ ہوکر بغیر ناشتے کے آ گیا تھا۔

''اوہ...... باس آ گئے۔'' عاصم بڑبڑایا۔

''السلام علیکم...... شاہ۔'' ان دونوں کی آواز نے آفاق شاہ کے خیالات کے تسلسل کو توڑا۔

''وعلیکم السلام...... عاصم آپ نے رپورٹ تیار کرلی؟'' شاہ نے بڑے پروفیشنل لہجے میں پوچھا۔

''شاہ...... وہ تو شام کو دینی تھی......'' عاصم اس کے سخت انداز پر گڑبڑایا۔ نظریں اُٹھا کر سامنے کھڑے شاہ کو دیکھا، اس کے تنے ہوئے عضلات نے اُن کو جیسے پتھر کا کردیا۔

''اس...... وقت...... آپ دونوں یہاں کھڑے کیا مکھیاں مار رہے ہیں۔ جائیں اور جا کر کام ختم کریں۔'' آفس میں پہلی بار آفاق شاہ کا غصے سے بھرا گونجدار لہجہ سنا گیا۔ وہ دونوں خفیف سے ہوگئے۔ ان کی حالت دیکھ کر شاہ کو احساس ہوا کہ اس نے بلاوجہ اپنی ذاتی فرسٹریشن ان دونوں پر اتاردی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ سچویشن کو کیسے ہینڈل کرے، بہتر یہ لگا کے وہاں سے ہٹ جائے۔ اس لیے کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے چلتا اپنے کیبن کی طرف بڑھا، چپراسی نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔ فائز کی نگاہیں اس کی چوڑی پشت پر جم گئیں۔ جانے کیوں شاہ کو دیکھ کر اسے شناسائی کا احساس ہونے لگتا تھا۔

❁......❁......❁

''واؤ...... تم تو بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' سفینہ نے روشنی کو سراہتی نگاہوں سے دیکھا۔

''یہ...... سب...... آپ کی مرہون منت ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ عائشہ بیگم نند بھاوج کی محبت پر جل بھن کر کباب ہوگئی۔

آج روشنی کی ایک سہیلی کی سالگرہ تھی۔ وہ کافی کنفیوز ہورہی تھی کہ کیا پہنا جائے اور کیسے تیار ہو۔ اس نے عائشہ سے پوچھا تو وہ ''جو تم کو اچھا لگے پہن لو کہہ کر جان چھڑا گئی'' پاس بیٹھی سفینہ نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی خدمات پیش کردیں۔ وارڈروب سے وہ سوٹ نکالا جو وہ پچھلے ہفتے روشنی کے لیے خرید کر لائی تھی۔ روشنی نیا سوٹ دیکھ کر خوش ہوگئی۔ سفینہ نے اسے اصرار کرکے خود اسے تیار کیا۔ سیاہ سرخ کامبینشن کے جدید اسٹائل کے کرتا شلوار میں وہ کافی کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔

''واہ...... تمہاری تو اردو بھی کافی سدھر گئی ہے......'' اسریٰ نے شرارتی انداز میں بھانجی کو جتایا۔

''تھینک یو...... یہ بھی ان کا کمال ہے۔'' وہ چہکی۔

''ویسے...... واقعی میں بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' اسریٰ نے بھی سراہا تو روشنی نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ اسے بھی اپنا آپ اچھا لگا۔

''کیا میں ایسی بن سکتی ہوں کہ کوئی مجھے بھی چاہے۔'' اچانک نگاہوں میں رومیو کی شبیہ ابھری۔

روشنی گھبرا کر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی ڈر لگا کے کہیں اس کی کیفیت سے کوئی حال دل نہ جان جائے۔ وہ کیسے بتاتی کے جب سے اس نے بھائی کے مینجر کو دیکھا تھا وہ دن رات اس کے خیالوں میں رہتی ہے۔

''ویسے...... سیاہ رنگ روشنی کے لیے منحوس تھا اسی لیے اس کی مرحومہ ماں نے نہیں پہنایا اور پھر میں نے بھی کبھی پہننے نہ دیا۔'' عشو بیگم نے سب کو اتنا خوش دیکھا تو اپنے شاطرانہ دماغ سے ایک نئی بات نکالی۔

''مجھے...... اس بات کا پہلے سے علم نہ تھا۔'' ڈر کے مارے صفائی دینے کے بعد سفینہ اپنی جگہ چُپ کی چُپ رہ گئی۔

''سچ میں عائشہ بیگم...... آپ اس لیے مجھے بلیک کلر پہننے نہیں دیتی تھیں؟'' روشنی نے گھبرا کر پوچھا۔

''میری بہن اتنی تنگ نگاہ نہیں تھی کہ رنگوں سے اچھی اور بری قسمت کا شگن لیتی۔'' اسریٰ نے عائشہ بیگم کے کچھ کہنے سے پہلے ٹوک دیا۔

''ٹھیک ہے پھر تو میں نگین کی برتھ ڈے پر یہ سوٹ پہن کر جاسکتی ہوں...... نا۔'' روشنی نے خالہ کی بات پر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کرتے کا دامن ٹھیک کیا۔

''ہاں میری بچی...... تم بے فکر ہوکر جاؤ۔'' اسریٰ نے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما۔

''میں تو ایک بات بتارہی تھی۔'' اسریٰ کی حمایت پر عائشہ بیگم جیسے شرمندہ سی ہوگئی۔

''اس کی ایمبرائڈری بھی کتنی یونیک سی ہے۔'' روشنی نے خوش ہوکر گلے کی کڑھائی پر انگلیاں پھیریں۔

''خیر وہ تو ہے ہی لیکن سفینہ کی مہارت نے تمہارے سوٹ کو چار چاند لگادیے ہیں۔'' اسریٰ نے دل کھول کر تعریف کی، وہ ایک دم سرخ ہوگئی۔

''روشنی بی بی کی سہیلیاں باہر گاڑی میں بلارہی ہیں۔'' اس سے پہلے کے عائشہ بیگم مزید کوئی زہر اُگلتی ملازم نے کمرے کے دروازے پر دستک دینے کے بعد اطلاع دی۔

''بالکل...... بالکل ہم بالکل تیار ہیں۔'' روشنی نے انتہائی خوشدلی سے کہتے ہوئے مسکرا کر باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

''روشنی...... جان یہ گفٹ تو لے جاؤ میں نے اسے پیک کردیا تھا۔'' سفینہ نے جلدی سے ایک شاپر اسے تھمایا۔

''او...... تھینکس بھابی میں تو بالکل بھول گئی تھی۔ اچھا ہوا آپ نے یاد رکھا۔'' روشنی بے اختیار اسے گلے لگاتے ہوئے بولی۔

''بہو...... تم نے یہ بہت اچھا کیا ورنہ یہ اول جلول لڑکی بھول کر خالی ہاتھ ہی چل دیتی۔'' اسریٰ کے چہرے سے اطمینان اور خوشی جھلکی۔

''نہیں...... نہیں...... یہ تو کچھ بھی نہیں۔'' سفینہ نے گھبرا کر باہر نکلتی روشنی کو دیکھا کے کہیں اس کا موڈ نہ خراب ہوجائے مگر وہ خالہ کی بات پر مسکرا رہی تھی۔

''سفینہ...... تمہاری وجہ سے روشنی میں جو مثبت بدلاؤ آیا ہے بیٹا وہ قابل تحسین ہے۔'' اسریٰ نے بھانجی کے جانے کے بعد سفینہ کا ہاتھ تھام کر بے اختیار کہا۔

''روشنی میرے لیے چھوٹی بہنوں کی طرح ہے...... آپ فکر نہ کریں۔ اب سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' اس نے عشو بیگم کو جتاتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے ہوتے ہوئے کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔'' عشو بیگم نے دل ہی دل میں خار کھاتے ہوئے جواب دیا۔

''شکر ہے...... اس نے لڑکیوں کے انداز میں بولنا تو سیکھا۔'' وہ سرشاری ہوکر ہنسی تو سفینہ بھی متانت سے مسکرادی۔

''اس عورت کی بھی کوئی کل سیدھی نہیں...... کتنی مشکل سے سفینہ کے خلاف کیا تھا...... آج پھر اس سے گھلی ملی جارہی ہے۔'' عائشہ بیگم اپنی جگہ ساکت کھڑی اسریٰ کے بدلتے رنگ دیکھنے لگی۔

❁......❁......❁

وہ سالگرہ سے واپس لوٹی تو بہت دیر تک آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بار بار رومیو کے بارے میں سوچتی رہی۔

''تو کیا مجھے ان سے محبت ہوگئی ہے۔ جو اس دن کے بعد سے انہیں بھول ہی نہیں پارہی۔'' اس نے آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر سوچا۔ کرتا شلوار میں سلیقے سے دوپٹا لیے چھوٹے بالوں کو کیچر میں مقید کیے وہ ایک مکمل مشرقی لڑکی لگ رہی تھی۔ ''تو کیا میں لاشعوری طور پر خود کو ایسا بنانا چاہتی ہوں کہ وہ مجھے دیکھ کر انکار نہ کرسکیں؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

''کیا میں واقعی رومیو کو چاہنے لگی ہوں؟'' اس نے آہستہ سے آئینے میں ابھرتے اپنے عکس سے سوال کیا اور ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ گئی، صبح آنکھ ہی نہیں کھل پائی تو اس نے کالج کی چھٹی کرلی۔ کچھ دیر تک بستر پر لیٹ کر ٹائم گزارتی رہی لیٹنا مشکل لگا تو بوریت بھگانے کو کچن میں چلی آئی۔

''تم...... اٹھ گئی جان۔'' سفینہ جو کاموں میں الجھی ہوئی تھی مسکرا کر نند کا استقبال کیا۔

''جی...... آنکھ تو کھل گئی تھی بس میں سستی میں لیٹی ہوئی تھی۔'' روشنی نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''ارے بیٹا...... آج خیر تو ہے تم کچن میں؟'' عائشہ بیگم نے روشنی کو دیکھا تو وہاں سے چلتا کرنے کی ٹھانی مگر شومئی قسمت کے پیچھے سے اسریٰ بھی کچن میں داخل ہوئیں اور اسے اٹھلا کر بھابی کے قریب باتیں بناتا دیکھا تو اسریٰ بیگم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم کچن میں دلچسپی ہی سہی۔

''یا اللہ...... یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں کہیں سورج مغرب سے تو نہیں نکلا۔'' وہ مسکرا کر بولیں تو سفینہ بھی ہنس دی۔

''لو آج میں آ گئی تو ایسے بولتی ہیں اور اگر نہیں آتی تو سلیقہ مند بنانے پر تلی رہتی ہیں۔'' اس نے خاصہ برا مانتے ہوئے کہا۔

''روشنی...... بیٹا...... آپ کمرے میں چلو میں ناشتہ لاتی ہوں۔'' عائشہ بیگم نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے وہاں سے بھگانا چاہا۔

''اب آ ہی گئی ہو تو بھابی سے کچھ سیکھ لو اور عائشہ...... تم میرے ساتھ ذرا مارکیٹ تک چلو۔'' اسریٰ کی ہدایات پر عائشہ بیگم منہ بناتی ہوئی ان کے پیچھے چل دیں۔

''ناشتے میں کیا لو گی؟'' سفینہ نے مستعدی سے پوچھا۔

''میں...... ڈائریکٹ لنچ ہی کر لوں گی۔'' اس نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔

''چلو...... ٹھیک ہے۔'' سفینہ مسکرائی۔

''ویسے...... آج کیا پکا رہی ہیں۔'' اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اصل میں چند دنوں سے میرا وزن اتنا بڑھ گیا ہے کہ کپڑے ٹائٹ ہو رہے ہیں...... اس لیے میں نے سوچا کہ لنچ میں صرف سوپ اور سیلڈ کھاؤں۔'' سفینہ کے دماغ میں ایک ترکیب آئی تو اس نے جلدی سے کہا۔

''اچھا...... مگر...... آپ تو کہیں سے بھی موٹی نہیں لگتی۔'' وہ مشکوک انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''ایسے پتا نہیں چلتا...... مگر احتیاط نہ کی جائے تو انسان کا ویٹ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ کم کرنا مشکل ہونے لگتا ہے۔'' اس نے روشنی کی برین واشنگ شروع کی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' روشنی نے چور نگاہوں سے خود کو دیکھا۔

''لائیں میں بھی آپ کی ہیلپ کرتی ہوں۔'' اس نے نجانے کس موڈ میں آفر کی۔

''اگر تم ہیلپ ہی کرنا چاہتی ہو تو ایسا کرو...... سلاد دھو کر کاٹ لو۔'' اس نے جان بوجھ کر اس کے سامنے بند گوبھی، گاجر اور کھیرا رکھ دیئے۔

''ٹھیک ہے میں بناتی ہوں۔'' روشنی کو دلچسپی محسوس ہوئی اور کھیرا ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی۔ سفینہ نے سوپ پکاتے پکاتے سلاد کی افادیت پر ایک دلچسپ لیکچر بھی دے ڈالا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لنچ ٹائم پر روشنی نے چکن بریانی کھانے کی جگہ سفینہ کے ساتھ بیٹھ کر پہلے مزیدار پمپکن سوپ پیا، اس کے بعد سلاد سے پیٹ بھرا۔ اسے ہلکا پھلکا لنچ کر کے بہت مزہ آیا۔ اسریٰ کو مسکرا کر بتایا کے اب وہ روزانہ بھابی والا پرہیزی کھانا کھائے گی، اپنی کامیابی پر سفینہ کے لبوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ اس نے پہلے مرحلے میں اس کی بول چال ٹھیک کی۔ اب دھیرے دھیرے وزن کم کرنا تھا۔

❁ ❁ ❁

آج بہت دنوں کے بعد وہ میکے آئی تو ماں کو بٹھا کر خود کچن میں گھس گئی اور چائے کے ساتھ کٹلس اور فرائز تیار کر کے لے آئی۔

''واہ...... واہ...... ہماری شہزادی چائے لائی ہے لوگوں جگہ دو۔'' بہزاد خان بیٹی کو دیکھ کر ہانک لگائی۔

''ابو...... پی کر بتائیں کیسی ہے؟'' اس نے چائے کی ٹرے ماں کو تھمائی اور باپ کو مسکرا کر دیکھا۔

''ہماری بیٹی کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔'' وہ پیار سے بولے۔

''چلو ذرا جگہ عنایت کرو۔'' وہ سنبل کو کہنی مار کر بولی اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ثوبیہ نے فرائز کھانے کے ساتھ ساتھ چائے کا سپ لیا اور انگوٹھا اٹھا کر داد دی۔ میکے آ کر وہ واپس اپنے جوبن پر آ گئی تھی دل بھر کر فرائیڈ چیزیں کھائیں۔ ویسے پرہیزی

کھانے کھا کھا کراس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ ہوا تھا سب ہی نے یہ بات محسوس کی اور حسن کا راز بھی پوچھ ڈالا جواب میں وہ ہنس دی۔ بہزاد نماز کے لیے اٹھ گئے تو وہ تینوں مل کر گپ شپ میں مگن ہوگئیں۔

''تمہاری نند کا کیا حال ہے؟ کچھ بدلی یا ویسے کی ویسی ہے۔'' ریحانہ کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

''امی...... ایسے نہ کہیں...... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روشنی اب پہلے جیسی نہیں رہی۔'' سفینہ نے محبت سے اس کا ذکر کیا تو انہیں سنبھلنا پڑا۔

''اچھا...... مجھے تو وہ لڑکی کم لڑکا زیادہ لگتی ہے۔'' سنبل نے کٹلس کو کیچپ میں ڈبو کر چٹخارا بھرتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... وہ ایسی نہیں رہی اب۔ گھر کے کام کاج میں بھی دلچسپی لینے لگی ہے۔'' سفینہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے نند کا دفاع کیا۔

''ہوں...... یہ تو اچھی بات ہے...... لڑکی ذات ہے دوسرے گھر بھی جانا ہے۔ اچھا ہوا۔ اسے تمہاری وجہ سے کمپنی مل گئی۔'' ریحانہ نے بیٹی کو مسکرا کر دیکھا۔

''جی...... امی...... میں بھی اسے دھیرے دھیرے بدلنا چاہتی ہوں۔'' سفینہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''اچھی بات ہے کہ وہ زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزارے۔ اگر تمہاری کوشش ایسے ہی جاری رہی تو تم دیکھنا وہ ایک دن مکمل طور پر مشرقی لڑکی میں تبدیل ہوجائے گی۔'' ریحانہ نے بیٹی کو سراہا۔

''مشرقی لڑکی کا تو پتا نہیں مگر روشنی اب مجھے کاپی کرنے لگی ہے، میری طرح اٹھنا بیٹھنا، میرے جیسے کپڑے پہننا یہاں تک کے بولنے کا انداز بھی میرے جیسا ہوگیا ہے۔'' سفینہ نے خوش دلی سے بتایا۔

''اچھا...... تو آپ کو جلن ہوتی ہے کیا؟'' ثوبیہ نے شرارت سے آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔

''نہیں...... مجھے تو اچھا لگتا ہے...... دراصل وہ معصوم سی لڑکی محبت کو ترسی ہوئی ہے۔ میری ذرا سی توجہ اسے میری طرف راغب کررہی ہے۔'' روشنی نے مسکرا کر تفصیل بتائی۔

''گڈ...... سفی...... کیپ اٹ اپ......'' سنبل نے انگوٹھا لہرایا۔

''ہاں...... مگر کبھی کبھی عشو بیگم میری ساری محنت پر پانی پھیر دیتی ہیں۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''وہ کیسے؟'' ریحانہ فکر مند ہوئیں۔

''ایسا لگتا ہے کہ روشنی کو میرے خلاف بھڑکاتی رہتی ہیں...... تب ہی وہ ایک دم اجنبی بن جاتی ہے۔'' وہ لب کاٹتے ہوئے بولی۔

''ویسے...... سفی بچ کے رہنا۔ وہ کافی خرانٹ اور چالاک عورت دکھائی دیتی ہیں۔'' ثوبیہ نے مسکرا کر تبصرہ کیا۔

''اوں...... ہوں۔'' ریحانہ نے انہیں برائی کرنے سے باز رکھا۔

''ایک کام کیوں نہیں کرتی' روشنی کو ان کی صحبت سے دور کردو......'' سنبل نے مشورہ دیا۔

''ہاں...... آئیڈیا تو اچھا ہے...... مگر کیسے؟'' سفینہ نے ناک چڑھائی۔

''یہ سوچنا اب آپ کا کام ہے۔'' سنبل ہنسی تو سفینہ کا ذہن اسی طرف لگ گیا اور ایک شاندار ترکیب اس کے دماغ میں آ گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

''بڑی امی...... بڑی امی......!'' صحن سے آواز آئی تو اشعر فاروق نے کڑوا سا منہ بنایا اور جان بوجھ کر سوتا بن گیا آج پہلی چھٹی تھی اور صبح ہی یہ آفت نازل ہوگئی اب سارا دن کر کرا ہو جانا ہے۔ اس نے پھر آواز لگائی مگر جواب ندارد تھا تب وہ صحن سے اندر برآمدے میں آ گئی۔ بڑی امی چاشت کے نفل ادا کر رہی تھیں وہ دیکھ کر خود شرمندہ سی ہوگئی اور وہیں موڑھے پر بیٹھ کر ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے لگی۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ کر جائے نماز تہہ کرتی مڑیں تو میرب کو منتظر پایا۔

''بڑی امی مما آج بازار جا رہی ہیں آپ نے کچھ منگوانا ہے تو بتا دیں۔ آپ نے صفائی وغیرہ کر لی منع بھی کیا ہے ناں میں نے کہ آپ مت کیا کریں۔ میں ابھی کر دیتی۔'' حسب عادت وہ بول رہی تھی اسی بولنے کی رفتار سے اشعر جلتا تھا۔

''بچے میں نے نہیں کی صغریٰ آئی ہے وہ کر گئی۔'' انہوں نے سہولت سے بتایا۔

''ہوگئیں اس مہارانی کی چھٹیاں ختم۔'' بڑی امی گھٹنوں کے درد کے باعث گھر کے کام کاج سے لاچار تھیں بیٹی ایک تھی وہ شادی شدہ اور بیٹا بھی اکلوتا تھا نیوی میں حال ہی میں اس کی نوکری لگی تھی گھر کی صاف صفائی کے لیے ماسی رکھی ہوئی تھی مگر کئی دن سے وہ بھی غائب تھی۔

''اس کے بیٹے کو ٹائیفائڈ ہوا تھا اس لیے نہ آ سکی۔'' بڑی امی نے اسے بتایا اور وہ نرم دل مخلص سادہ مزاج لڑکی فوراً پسیج گئی۔

''ہائے بے چاری...... بڑی امی وہ تو اتنی غریب ہے کیسے کر پائی ہوگی دوائی وغیرہ آپ نے پوچھا اس سے۔''

''ادھار لیا تھا قسمت کی ماری نے آج میں نے ایڈوانس تنخواہ دے دی ہے اللہ سب مسلمانوں پر رحم کرے میرا مالک ہر انسان کو رزق عطا کرے، بے بہا......!''

''آمین۔'' اس نے صدق دل سے آمین کہا کمرے میں لیٹا اشعر کلس رہا تھا۔

''یہ دونوں تائی بھتیجی ایک جیسی ہیں انہیں کوئی بھی آرام سے غربت اور لاچاری کے نام پر الو بنا سکتا ہے۔ امی تو تھیں ہی اب یہ نئی مدر ٹریسا ہمارے خاندان میں پیدا ہوگئی۔''

''کیا پکائیں گی آج۔''

''ارے ہاں تمہیں بتانا یاد نہیں رہا رات اشعر آ گیا ہے جو بھی پکانا اس سے پوچھ لینا۔''

''ہائے سچ بڑی امی کیسا ہے وہ کچھ موٹا ہوا یا ویسا ہی ہے مزاج پر اچھا اثر پڑا یا سڑیل ہے پہلے کی طرح۔'' وہ پھر اسٹارٹ ہوگئی بڑی امی بمشکل ہنسی روک پائیں۔

''میں نے نیوی میں اپلائی کیا تھا میڈم ڈبلیو ڈبلیو ای میں نہیں۔'' اب کی بار وہ سہہ نہ سکا اور اٹھ کر عین سامنے آ گیا۔

''اور سڑیل ہوں میں......''

''ہاں تو کوئی شک ہے اس میں۔'' اس نے بتیسی کی نمائش کی۔ ''ہائے ویسے اشعر تم کتنے ڈیشنگ ہوگئے ہو ناں ان تین چار ماہ میں۔'' اس نے رشک بھری نظروں سے خوبرو کزن کو دیکھا۔

''تمہاری ہائے اب پڑ گئی ہے ناں۔ اب جانے کب بیمار پڑ جاؤں۔'' اس نے دانت کچکچائے۔

''بڑی امی دیکھ رہی ہیں آپ ایک تو میں اس کی تعریف کر رہی ہوں اور یہ خواہ مخواہ اترا رہا ہے۔''

''ہاں جی ایسے ہی تو کرتے ہیں تعریف۔'' وہ جی جان سے جلا۔

''اچھا چھوڑو، جلدی بتاؤ آج کیا کھاؤ گے۔''

''نا بابا ناں ابھی میرا اتنا برا وقت نہیں شروع ہوا کہ میں تمہارے ہاتھ کا پکا کھاؤں امی آپ پکا دیں گی تو کھا لوں گا ورنہ پھر گھر کے اور وہاں کے کھانے میں کیا فرق ہوگا۔''

''تم ضرورت سے زیادہ انسلٹ کر رہے ہو میری۔'' اسے غصہ آیا۔

''اور ریئلی تمہیں بے عزتی محسوس ہوتی ہے۔'' اس نے چڑانے والے انداز میں کہا۔

''بس بڑی امی، اب میں تبھی آؤں گی جب یہ شخص چھٹیاں گزار کر چلا جائے گا۔'' وہ پیر پٹختی تیزی سے چل دی اور

وہ پیچھے خوش دلی سے مسکرا دیا۔

"جان چھوٹی دو تین دن کے لیے۔"

□......□......□

ان دونوں کا بیر بچپن سے تھا میرب کو اپنا یہ کزن جہاں سارے جہاں سے اچھا لگتا تھا وہ اتنا ہی اس سے چڑتا تھا۔ اسے ہمیشہ میرب کی ساری خامیاں نظر آتی بلکہ اسے تو میرب کی خوبیاں بھی خامیاں لگا کرتی تھیں۔ میرب بہت نرم دل لڑکی تھی کسی کی ذراسی تکلیف بھی وہ برداشت نہیں کرتی تھی اکثر اسکول میں اس کے کلاس فیلوز اس کی نرم دلی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے اور بعد میں اس کا مذاق اڑاتے۔ اشعر اکثر جلتا تھا اس کی ان عادتوں سے۔

"میرب بی بی یہ خدائی فوج دار بننے کا زمانہ نہیں ہے آج کل لوگ اس نیک دلی کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تم مستقبل قریب میں شدید نقصان اٹھانے والی ہو اپنی اس عادت کے باعث۔" اور وہ ہمیشہ ہی اس کی باتیں ایک کان سے سنتی اور دوسرے کان سے اڑا دیتی۔ بولنا اس کی ہابی تھا شاید وہ خاموش رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ جبکہ اشعر کو زیادہ بولنا سخت ناپسند تھا۔

ان تمام تر برائیوں کے باوجود وہ جانتا تھا کہ اس کی امی کا میرب ہارون کے بنا لمحہ بھر کا گزارا نہیں ہے خاص کر جب سے آپی کی شادی ہوئی تھی اس کے بعد سے امی بالکل تنہا ہو کر رہ گئی تھیں اور میرب ہارون نے ان کی اس تنہائی کو ختم کیا تھا۔ وہ اپنی مصروفیت کے باوجود دن کا بیشتر حصہ بڑی امی کے پاس گزارتی تھی۔ ان کے تمام کام سمیٹتی تھی حتیٰ کہ کھانا تک پکا کر آتی تھی اشعر فاروق جانتا تھا کہ وہ ان کے گھر کے لیے کس قدر اہم ہے مگر پھر بھی میرب ہارون کو جھیلنا اس کے بس سے باہر تھا۔ نوکری کے بعد وہ پہلی بار چھٹی پر آیا تھا اور اپنی چھٹیاں خوش گوار گزارنا چاہتا تھا مگر ہائے رے قسمت صبح سویرے ہی وہ بلا نازل ہوگئی تھی۔

اندازہ تھا اسے کہ اب امی کا موڈ بھی خاصا اداس رہے گا' اس کی باتیں ان کا دل لگا رکھتی تھیں اور یہ بھی پتا تھا کہ وہ اب تب تک نہیں آئے گی جب تک خود اشعر اسے لے کر نہیں آئے گا۔ کوئی پہلی بار تھوڑی نہ ہوا تھا' اکثر ہی وہ اسے یوں ہی ذلیل کر دیتا تھا وہ خفا ہو جاتی تو امی بھی روٹھ جاتیں تب لاچار

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے میرب چڑیل کی منتیں کرنی پڑتیں اور وہ بھی پھر خوب نخرے دکھاتی 'بھاؤ کھاتی تھی۔ اب بھی سارا دن جیسے تیسے گزر گیا شام تک امی بالکل چپ ہو گئیں انہیں عادت جو تھی اس ریڈیو اسٹیشن کو سننے کی جو نان اسٹاپ چلتا تھا۔

''امی میں ذرا چاچو سے مل آؤں۔''

''بھلا ہو تمہیں یاد تو آیا کہ کوئی ہے تمہارا۔'' ان کا انداز صاف خفگی ظاہر کر رہا تھا وہ سر کھجاتا باہر نکلا' بالکل ساتھ والا تو گھر تھا۔ وہ دروازے پر دستک دیتا حسب معمول اندر داخل ہوا تو صحن میں ہی تخت پر چاچو اور چاچی بیٹھے تھے۔

''السلام علیکم!'' اس نے ادب سے سلام کیا' انہوں نے بہت پیار سے گلے لگایا چاچی نے ماتھا چوما۔

''جیتے رہو کب آئے۔''

''فجر کے وقت ہی پہنچا تھا چاچی۔'' چاچی نے اپنے پاس ہی اس کے لیے جگہ بنائی وہ بیٹھ گیا۔

''اچھا...... سویرے میرب گئی تو تھی اس نے ذکر نہیں کیا۔'' انہوں نے حیرانی سے کہا۔

''میں سو رہا تھا ناں اسے پتا نہیں چلا ہوگا۔''

کتنا مکار انسان تھا اس کے منہ پر جھوٹ بول رہا تھا میرب جل کر رہ گئی۔ وہ ابھی کچن سے نکلی تھی اسے بیٹھا دیکھا تو وہیں سے مڑنے لگی۔

''کیا کھاؤ گے بچے' بتاؤ۔''

''ارے نہیں چاچو...... کچھ نہیں کھانا۔''

''کیوں نہیں کھانا میرب پکوڑے بنا رہی ہے تمہارے چاچو کا دل کر رہا تھا ساتھ پودینے اور سبز مرچ کی چٹنی ہے ٹھہرو میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' چاچو چاچی اس سے بہت محبت کرتے تھے' اسے بھی سب سے پیار تھا ماسوائے میرب ہارون کے جس کا ذکر ہی اس کا حلق کڑوا کر دیتا تھا۔

چاچی اٹھنے لگی کہ وہ خود ہی لے آئی اور لٹھ مار انداز میں سلام کیا تھا' جانتا تھا کہ وہ بے ادب نہیں مگر اس وقت اسے اشعر فاروق سے سخت ناراضگی تھی۔ عجیب نا ہنجار لڑکی تھی خود ہی خفا ہوتی اور امید بھی لگا لیتی کہ وہ منانے آئے گا جانتی جو تھی اس کی مجبوری' امی نے بھی اس کا بائیکاٹ کر دینا تھا۔

''چاچی ریحاب نظر نہیں آ رہی ہے۔'' اس نے میرب سے چھوٹی بہن کا پوچھا جس سے اس کی خوب بنتی تھی۔

''آج کل فارغ ہے ناں جب تک ایڈمیشن نہیں ہوتے' بی ایس سی کے تو سلائی سیکھنے جاتی ہے۔'' چاچی نے بتایا۔

''اسے بھی کچھ سکھا دیں' بس باتیں بنانے میں ایکسپرٹ ہے محترمہ......'' منہ پھلائی میرب پر شرارتی نگاہ ڈال کر وہ معصوم بنا چاچی سے کہہ رہا تھا۔ وہ بھی سمجھتی تھیں کہ اسے چڑا رہا ہے۔

''تمہارا تو کچھ نہیں جاتا میرے بولنے سے' بڈھی روح ہے تم میں۔ ہر وقت میرے پیچھے پڑے رہتے ہو' پرانے زمانے کے لوگوں کی طرح۔'' اس نے بھی بھڑاس نکالی۔

''لڑکیاں کام کاج کرتی اچھی لگتی ہیں' سسرال میں صرف باتیں کام نہیں آتیں سلیقہ بھی دیکھتے ہیں۔'' وہ مزید چڑانے لگا۔

''بے فکر رہو' میری بچی سر فخر سے بلند ہی کرے گی سب آتا ہے۔'' چاچی کو شاید اس کے موڈ کا اندازہ ہو گیا تھا وہ ہنس دیا۔

''کہاں چاچی' پکوڑے دیکھیں کتنے بے ذائقہ ہیں' نمک ہی نمک بھرا ہے۔''

''ہاں تب ہی تو پلیٹ صاف بھی کر گئے' پیٹو کہیں کے۔'' وہ کلس کر بولی۔

''میرب بیٹا' وہ مذاق کر رہا ہے۔'' چاچو کو مداخلت کرنی پڑی۔

''بابا یہ یوں ہی مجھے ذلیل کرتا ہے سب کے سامنے میں اتنی ہی بری ہوں ناں۔'' اس نے لہجے میں نمی سموئی۔

''بے شک تم سے برا کوئی ہو سکتا ہے بھلا۔''

''ہے ناں...... اشعر فاروق...... سڑیل۔'' وہ چیخی اور آنسو صاف کرتی اندر بھاگ گئی۔ وہ ہنسا تو چاچی اور چاچو بھی مسکراہٹ چھپا نہ سکے۔

''تم دونوں کبھی بڑے نہ ہونا' بچپن چلا گیا مگر لڑائی ختم نہ ہوئی۔'' چاچی نے کہا۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھ کر گھر آ گیا۔

☐......☐......☐

واقعی وہ اگلے دن بھی نہیں آئی صغریٰ کام کر کے چلی گئی۔ دوپہر ہو چکی تھی امی اس کی فرمائش پر کریلے گوشت پکا رہی تھیں۔

''میرب تو میرے آنگن کی کوئل ہے' کل سے میرا آنگن سونا پڑا ہے۔''

"امی کتنا سکون ہے ماحول میں' فضا بھی خوشگوار ہے۔ جانے آپ کو چلتے پھرتے ریڈیو اسٹیشن میں کیا اچھا لگتا ہے۔ انتہائی نانہجار اور بدزبان لڑکی ہے وہ......"

"چپ کر......" امی نے لتاڑا۔

"تو نے ہی ناراض کیا ہے اسے اب تو ہی جا کر منا کر لائے گا۔ ارے تیرا کیا ہے' چار پانچ دن کی چھٹی پر آیا ہے چلا جائے گا۔ وہ بچی ہی میری تنہائی کا آسرا ہے' جس دن سے کالج چھوڑا ہے دن رات میرے ساتھ رہتی ہے اتنا خیال رکھتی ہے اور ایک تُو ہے کہ......"

"اتنا عادی نہ بنائیں کل کو سسرال چلی جائے گی تو پھر کیا کریں گی آپ؟" اس نے سیانا بننے کی کوشش کی۔

"مجھے نہ سکھا' جا کے لے کر آ اسے جب کی تب دیکھیں گے۔" انہیں جیسے پروا ہی نہیں تھی۔

"میں نے نہیں دیکھنے اس کے نخرے میں ریحاب کو لے کر آ رہا ہوں' وہ آپ کی ہیلپ کرا دے گی۔" اس نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا تھا اور محض دو منٹ بعد وہ واقعی ریحاب کے ساتھ آیا تھا۔

"بڑی امی لائیں میں پکا دیتی ہوں' آپ اتنی گرمی میں کیوں کھڑی ہیں۔" انہوں نے چاہت سے بھتیجی کو دیکھا۔ بیٹیاں اللہ پاک نے عفت کو دونوں ہی اچھی دی تھیں بڑوں کا ادب لحاظ کرنے والی' وہ بھی سکون کی متلاشی تھیں فوراً ہی باہر آ گئیں۔

"میرب کہاں ہے کل سے۔" حالانکہ انہیں علم تھا اشعر کی وجہ سے وہ بائیکاٹ کر گئی تھی پھر بھی طفل تسلی ہی سہی۔

"بڑی امی صبح ماموں آئے تھے اسے ساتھ لے گئے ہیں' ممانی جان نے بازار جانا تھا اور آپ کو تو علم ہے وہ کتنی چہیتی ہے ماموں مامی کی' ساری شاپنگ اس کی پسند سے کریں گی ممانی جان۔"

"ارے وہ ہے ہی اتنی پیاری۔" انہوں نے غصے بھری نظر اپنے سپوت پر ڈالی۔ ریحاب نے سالن پکا دیا تھا' روٹیاں پکا کر وہ چلی گئی کیونکہ اس نے گھر میں بھی دوپہر کا کھانا پکانا تھا۔

"بچیوں کا سکھ ہی الگ ہے یہ بے چاریاں کون سا راتوں کو اٹھ کر کھاتی ہیں' بس میرا رب ہر لڑکی کا نصیب اچھا کرے۔" کھانا کھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔

"میرے نصیب میں تو جانے بہو کا سکھ بھی لکھا ہے یا یوں

ہی گزر جاؤں گی۔"

"لو جی! اب یہ نیا ایشو! اچھا خاصا گھر کا نظام چل رہا ہے صفائی ماسی کرجاتی' کھانا میرب پکا جاتی ہے' آپ کو کیوں بہو کی یاد ستانے لگی۔"

"عمر بھر تو نہیں یہ نظام چلے گا۔ ماشاء اللہ تعلیم مکمل کرچکی ہے میرب' اس کے ماموں زور ڈال رہے ہیں رشتے کے لیے کبھی بھی بات طے ہوجائے گی۔"

"اتنے اچھے نصیب نہیں ہمارے' اتنی جلدی نہیں ٹلنے والی ہے وہ بلا۔" وہ غیر سنجیدہ تھا۔

"بیٹیاں چڑیا کی طرح دانہ چن کر پھر سے اڑ جاتی ہیں بیٹا' ان کا پتا بھی نہیں چلتا۔ میرب بھی کل کو چلی جائے گی یہ سوچتی ہوں تو دل ہولنے لگتا ہے' کیا بنے گا میرا اکیلی کا تو تو سال چھ مہینوں میں کہیں ایک چکر لگایا کرے گا۔" وہ اب تک بات کو مذاق میں ٹال رہا تھا مگر امی تو بہت سنجیدہ تھیں' کہہ تو سچ رہی تھیں۔ آپی کا کب پتا چلا تھا چٹ منگنی پٹ بیاہ اور اب گجرانوالہ سے سالوں بعد چکر لگاتیں' وہ امی کو کیا کہتا اب...... انہوں نے الٹا اس کے ہی پیچھے پڑ جانا تھا سو خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

□......□......□

"میرا بس چلے ناں تو عمر بھر تمہاری شکل نہ دیکھوں مگر ہائے مجبوری...... میری امی کا تمہارے بنا گزارہ نہیں......" اگلی شام جب میرب چھت پر ڈھلے ہوئے کپڑے سمیٹنے آئی تھی تب وہ بھی اپنی چھت پر براجمان تھا' اسے دیکھتے ہی لپک کر آیا۔

"اب یہ خوامخواہ کے نخرے بند کرو اور شرافت سے گھر آجاؤ' امی کل سے سینکڑوں بار تمہارے نام کی مالا جپ چکی ہیں اور موصوفہ کا اترانا ہی ختم نہیں ہورہا۔" اچھی بات اس کے منہ سے سننے کی حسرت تو شاید میرب کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہوجائے گی مگر بعض دفعہ اس کی باتیں سیدھی دل پر اثر کرجاتی تھیں۔

"اشعر کیا واقعی میں اتنی بری ہوں۔" نخرے تو وہ کرتی تھی مذاق الٹی سیدھی باتیں مگر آج جانے اس کے لہجے اور جملے کیوں یک دم اشعر فاروق کے لب ساکن کرگئے کئی لمحے وہ بول ہی نہ پایا۔

"کہتے ہیں بعض دفعہ انسان کی قدر اس کے جانے کے بعد ہوتی ہے' شاید تمہیں بھی میرے جانے کے بعد میرے نہ ہونے کا احساس ہو' میری کمی محسوس ہو۔" وہ نہایت سنجیدگی سے بولی۔

"لیکن اب تم جاؤ گی کہاں محترمہ میرب ہارون؟" اس نے معصومیت سے آنکھیں پھیلائیں' توقع تھی کہ جذباتی اداکاری ہوگی کہ مرجاؤں گی تب قدر کرو گے۔

"اپنے سسرال اور کہاں۔" مسکراہٹ کو لبوں میں دبا کر بولی اور اس کے گھورنے پر کھل کے ہنس دی۔

"مطلب محترمہ آپ کی ناراضگی اب ختم' شرافت سے نیچے اترو اور گھر آجاؤ۔" اس نے تڑی لگائی اور وہ منہ کے زاویے بگاڑنے لگی اور ساتھ ساتھ کپڑے تہہ کرنے لگی۔

"بائی داوے' کیا واقعی تمہاری سسرال والی بات جلد متوقع ہے۔ امی بھی دوپہر کچھ ایسا ہی ذکر کررہی تھیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے اشعر فاروق تمہیں' بلکہ اچھا ہی ہے ناں کم از کم تم چھٹیوں پر آؤ گے تو تمہیں میری شکل تو نہیں دیکھنے کو ملے گی۔" وہ سوچ رہا تھا کوئی بے تکا جواب ملے گا مگر اتنا سنجیدہ اور تلخ لہجہ اسے حیران کرگیا وہ عجیب خالی نگاہوں سے میرب کو دیکھتا رہ گیا اور میرب کپڑے سمیٹ کر سیڑھیاں بھی اتر گئی تھی۔ وہ رات تک منتظر رہا کہ شاید وہ آئے اور اشعر اس سے پوچھے مگر کیا پوچھے گا؟ اس نے سچ ہی تو کہا تھا۔

"اشعر...... عائشہ سے بات ہی کرادے میری' کتنے دن بیت گئے بات نہیں ہوئی۔ میرب تو تیسرے دن ہی پیکیج کروا کے میری گھنٹہ بھر بات کرادیتی تھی' تجھ سے بھی اور عائشہ سے بھی۔" وہ چارپائی پر لیٹا خود سے ہی الجھ رہا تھا جب امی نے کہا۔ اس نے خاموشی سے آپی کا نمبر ڈائل کرکے امی کو فون تھمادیا اور خود کروٹ لے کر سونے کی تگ ودو کرنے لگا۔

صبح وہ آئی تو نارمل موڈ میں تھی اشعر بھی اپنی الجھن بھول چکا تھا' آج پھر صغریٰ غائب تھی سو پہلے گھر بھر کی صفائی کی اور اب اس نے کپڑے دھونے کے لیے مشین لگائی تھی' ساتھ ساتھ وہ امی سے باتیں بھی کررہی تھی۔

"کل صغریٰ آجائے گی تو خود دھولے گی کپڑے میرب تو رہنے دے۔"

"بڑی امی اس بے چاری کے بیٹے کی طبیعت جانے کیسی ہو میں کیا کروں گی سارا دن' کوئی بات نہیں۔"

"بی بی وہ یہ تمام کام کرنے کے ہی پیسے لیتی ہے۔" حسب معمول اشعر چڑ گیا اس کی عادت سے۔

"انسانیت بھی کوئی شے ہے اشعر فاروق...... چار پیسے اگر چلے بھی گئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کریم اس کی مدد فرمائے اس کے بیٹے کو شفا دے پھر اس نے ہی کرنا ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ کر اسے لاجواب کر گئی تھی۔

"بڑی امی کیا پکانا ہے؟" دو گھنٹے لگے ہوں گے اسے کپڑے دھونے میں اب وہ دوپہر کے لیے کھانے کی تیاری میں تھی۔

"اُف او ابھی تو گیارہ بجے ہیں' ابھی رہنے دے۔" امی دیکھ رہی تھیں وہ صبح سے مسلسل لگی ہوئی ہے۔

"ارے نہیں بڑی امی...... ایک بجے ممانی نے آنا ہے' ہم نے بازار جانا ہے۔"

"غضب خدا کا' ابھی کل پرسوں تو تم بازار گئی تھیں۔" اشعر ٹوکے بنا نہ رہ سکا مگر اس نے شاید اشعر کی بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ جانے وہ محسوس کر رہا تھا یا واقعی میرب جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

"میرب کوئی خاص تیاری چل رہی ہے۔" بڑی امی نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ سر ہلا گئی۔

"اللہ نصیب اچھے کرے میری بچی تیرے' ماشاء اللہ ہونہار بچہ ہے کاشف' اللہ خوشیاں دکھائے۔" وہ صدق دل سے دعائیں دینے لگیں جبکہ وہ ہونق بنا صرف انہیں سن رہا تھا۔

"کوئی مجھے بھی بتانا پسند فرمائے گا کہ کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا ملے گا تجھے بتا کر' کاش تو دل کی آواز سن سکتا۔" امی کے لہجے میں عجیب سی ہوک تھی۔

"کاش بڑی امی آپ کا بیٹا واقعی کسی کے دل کو پڑھ سکتا مگر اسے تو نفرت ہے میری صورت اور میرا وجود سے' وہ ایک پل کو یہاں برداشت نہیں کرتا' تو......" شاید پیاز زیادہ جھل والی تھی' آنکھوں سے پانی تیزی سے بہنے لگا تو وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

"امی آپ پلیز صاف الفاظ میں بتا دیں ناں۔"

"میرب کے ماموں نے اسے اپنے بیٹے کے لیے مانگا ہے شاید وہ جلد بات پکی کر جائیں۔"

"ہائے رئیلی...... یعنی بہت جلد ہماری اس چڑیل کے سائے سے جان چھوٹنے والی ہے۔" جان بوجھ کر وہ تیز آواز میں بولا تھا مگر نوٹس نہ کر سکا کہ اس کی بات کا دکھ میرب سے کہیں زیادہ اس کی اپنی ماں کو ہوا تھا جن کی برسوں کی خواہش ماتم کرنے لگی صرف اشعر کے برے رویے کی وجہ سے۔

❀......❀......❀

وہ غیر سنجیدگی سے بات کو لیتا رہا اور اس کی چھٹی ختم ہونے سے صرف ایک دن پہلے میرب کے ماموں باقاعدہ رشتہ لے کر آئے تھے۔ چاچو نے اسے اور امی کو بھی بلایا تھا چونکہ بات تو تقریباً طے پا چکی تھی محض رسماً ہی وہ آئے تھے۔ سو خاندان کے چیدہ چیدہ افراد میں میرب کی بات طے پا گئی تھی۔ بات تو خوشی کی تھی اور ہر شخص خوش تھا بھی مگر اسے یہ خوشی میرب اور امی کے چہرے پر کہیں نہ ملی حتیٰ کہ امی گھر آ کر بھی چپ چپ سی تھیں اور عشاء کی نماز ادا کرتے ہی بنا کوئی بات کیے سو گئیں۔

اس نے بھی صبح جلدی نکلنا تھا سو وہ بھی سو گیا اور صبح سویرے ہی نکل گیا' یہاں آ کر وہ ہی روٹین لائف تھی مگر پہلے وہ شام میں بہت انجوائے کرتا تھا مگر اس دفعہ جب سے لوٹا تھا امی اور میرب کے چہرے کی سوگواری اس کے ذہن سے محو نہیں ہو رہی تھی۔ پہلے واقعی امی ہر تیسرے روز اسے کال کر لیتی تھیں امی کے پاس موبائل نہ تھا۔ میرب ان کی بات کرا دیتی تھی لیکن اس بار ہفتہ بیت گیا' امی کا فون نہ آیا۔ بہت انتظار کے بعد اس نے خود فون کیا تھا' اس کا خیال تھا میرب کو پہلے کچھ تنگ کرے گا اس کا خون جلائے گا مگر جھٹکا تب لگا جب کال امی نے ریسیو کی۔

"کیسا ہے میرا بچہ؟"

"میں تو ٹھیک ہوں لگتا ہے آپ مجھے بھول گئی ہیں۔ کتنے دن ہو گئے تھے آپ سے بات ہوئے۔"

"بس میرب ہی بات کرواتی ہے اور ہفتے بھر سے تو میری بچی بخار میں پڑی ہے' جانے کیسا بخار ہے موا جان ہی نہیں چھوڑ رہا آدھی رہ گئی میری میرب......"

"تو میڈیسن نہیں لی۔"

"لی کیوں نہیں' روز لاتے ہیں خیر آج تو کچھ آرام ہے میرے پاس ہی لیٹی تھی' ابھی سوئی ہے۔"

"کوئی بات نہیں آرام کرنے دیں' آپ اپنا سنائیں گھٹنوں کا درد کیسا ہے؟"

"یہ درد تو میرا بچہ' جان لے کر ہی جانے والا ہے' جتنی رہ گئی ہے کٹ جائے گی۔"

"امی آپ پھر شروع ہوگئیں۔" وہ خفگی سے بولا۔
"کیا کروں اشعر...... کس سے کہوں پھر اب تک تو یہ بچی میرا کردیتی ہے اس کی شادی کے بعد کون کرے گا۔ کاش تو وہ سمجھ سکتا جو میں نے ہمیشہ کہنا چاہا مگر اب کیا فائدہ جب وقت گزر گیا۔" امی کے لہجے میں یاسیت تھی۔
"کیوں الجھا رہی ہیں' کیا بات ہے۔"
"حاصل وصول کچھ ہونا نہیں بچے پھر فائدہ' چھوڑو تو یہ بتا دن کیسے گزر رہے ہیں۔" امی نے بات پلٹی اور اسے ازحد الجھا گئیں۔
"کیا کہنا چاہتی تھیں امی مجھ سے۔ انہوں نے کبھی بھی کوئی بات نہیں کی پھر آخر کیوں تھی ان کے لہجے میں مایوسی۔" اسے پھر سے امی کی خاموشی اور اترا چہرہ یاد آنے لگا ساتھ ہی میرب بھی یعنی جب سے وہ آیا تھا میرب کو اسی دن سے بخار تھا' اسے ایسا کیوں لگ رہا تھا جیسے میرب خوش نہیں۔

❀......❀......❀

وقت کتنی تیزی سے گزر رہا تھا اسے گھر سے آئے مہینوں بیت گئے اس کی اب بھی امی سے بات ہوتی تھی مگر اس دن کے بعد ان کے لہجے میں اسے پھر وہ یاسیت نہ ملی۔ میرب بھی پہلے کی طرح بات کرتی تھی ایس ایم ایس اکثر کردیتی تھی کبھی آن لائن ہوتو فیس بک پر چیٹ ہوجاتی۔ وہ اپنی سیلفی بنا کر اکثر بھیج دیتا پھر وہ اس پر امی کے کمنٹ لازمی لکھتی کہ "کمزور ہورہے ہو' خود پر توجہ دو' کھانا وقت پر کھایا کرو۔ فرصت ملے تو نائی کے پاس ہوآنا وغیرہ......" جس پر وہ جی بھر کے ہنستا تھا۔
کئی دن سے وہ بے حد اداس تھا امی سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔ گھر کی یاد بھی آرہی تھی اور کیا عجب کہانی تھی ناں کہ یاد امی کی ہو یا گھر کی ہر یاد سے جڑی اس چڑیل کی یاد بھی وابستہ تھی۔
اسے بچپن سے جوانی تک وہ بے فکر دن اب شدت سے یاد آتے جب وہ صرف من پسند زندگی جیتے تھے۔ کیسے لڑا کرتے تھے وہ دونوں ان کی تو ہمیشہ سے دوستی چلی آئی تھی۔ ہاں یہ سچ ہے میرب ہارون اکثر ہار مان لیتی تھی' وہ کبھی سنجیدگی سے اس سے خفا ہوئی ہی نہیں۔ وہ روٹھتی تھی مگر پورے یقین کے ساتھ کہ وہ بڑی امی کی ڈانٹ سن کر اگلے پل ہی آئے گا اسے منانے' اس کے منانے کے زعم پر خفا ہوتی تھی وہ۔ کتنی چھوٹی چھوٹی خواہشیں تھیں اس کی بھی' بس ہر دم اسے دوسروں کا خیال رہتا تھا۔ چاہے کسی سے رشتہ ہو یا نہ ہو۔ اسے ہر انسان کا خیال رہتا' تکلیف میں تو وہ ایک جانور کو بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔
اسے یاد تھا جب بچپن میں وہ درختوں پر چڑھتا تھا اور چڑیوں کے گھونسلے چھیڑتا تو وہ کتنا منع کرتی تھی ایک دن ایک چڑیا کا بچہ نیچے گر گیا وہ کتنا روئی تھی اسے کتنا برا بھلا کہا تھا جب تک اشعر نے اسے واپس اوپر نہیں رکھا وہ مسلسل روتی رہی۔
تکلیف میں تو وہ اسے بھی نہیں دیکھ سکتی تھی' اسے اگر ہلکا سا سر درد بھی ہوتا تو امی سے زیادہ وہ فکر مند ہوجاتی تھی۔ اسے بخار چڑھ جاتا تو کالج سے چھٹی کرلیتی کہ اشعر ٹھیک ہوگا پھر جاؤں گی ورنہ وہاں بھی اس کی فکر رہے گا۔ اُف کتنی یادیں تھیں...... کیسی عجیب لڑکی تھی' اتنا خیال کرتی تھی۔ آج واقعی اسے میرب ہارون بھی شدت سے یاد آرہی تھی' تب ہی تو اس نے اسے ایس ایم ایس کیا تھا آئی مس یو سوچ......اور شام میں جب وہ موبائل چیک کررہا تھا تو اسے اپنے میسج کا ریپلائی ملا تھا۔

ہمیں اب کھو کے کہتا ہے
مجھے تم یاد آتے ہو
کسی کا ہو کے کہتا ہے
مجھے تم یاد آتے ہو
سمندر تھا تو زور و شور سے لہریں بہاتا تھا
اب قطرہ ہو کے کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
بیان کرتے تھے جو حال دل
تو یوں مسکراتا تھا
وہی اب رو کے کہتا ہے
مجھے تم یاد آتے ہو

"اوہو محترمہ منگنی کے بعد شاعرہ بن گئی ہیں۔" وہ پڑھ کر انجوائے کرنے لگا۔
"بڑا اچھا ذوق ہے میرب چڑیل تمہارا تو' یہ خوبی تو نئی ہے۔" اس نے فرصت سے جواب دیا اور جھٹ ریپلائی ملا۔
"تم نے ہمیشہ صرف میری خامیاں ہی نوٹس کی ہیں اشعر فاروق' تمہارے نزدیک تو میری ذات سراپا خامی ہے بھلا پھر خوبیاں کہاں نظر آئیں گی۔"
"اچھا طنز ہے' چلو اس بار آؤں گا تو تمہاری خوبیوں پر غور و خوض کریں گے۔" یقیناً وہ مذاق کررہا تھا۔
"جب تک آؤ گے میں جاچکی ہوں گی۔" اس نے لکھ بھیجا۔
"کہاں؟"

''عید کے چوتھے دن کی تاریخ طے پائی ہے میرے سسرال جانے کی..... تم تو عید پر آ نہیں رہے ہوناں۔''

''کیا.....؟'' وہ شاک تھا امی نے ذکر نہیں کیا' نہ چاچو نے بتایا۔''اتنی جلدی.....''

''تم شکرانے کے نفل ضرور ادا کرنا' میرے جاتے تمہارے گھر کا ماحول پُرسکون ہوجائے گا اور تمہاری دیرینہ خواہش میری شکل نہ دیکھنے کی بھی پوری ہوجائے گی۔'' وہ اسے چڑا رہی تھی۔

''شٹ اپ' سچ بتاؤ میرب.....''

''بڑی امی سے پوچھ لینا' وہ کل واپس آجائیں گی گجرانوالہ سے۔'' اب وہ سنجیدہ تھی' اشعر نے اس کے میسج کے جواب میں کال کی تھی۔

''بی سیریس عید کے بعد تاریخ طے ہوئی ہے۔''

''ہاں' کاشف کی چھٹیاں ختم ہوجائیں گی ناں پھر۔''

''کب آرہا ہے وہ؟'' کاشف (یعنی میرب کا منگیتر) آؤٹ آف کنٹری جاب کرتا تھا۔

''پندرہویں روزے تک آجائے گا۔'' اس کے لہجے میں کوئی تاثر نہ ملا تھا' کسی شرماہٹ کا یا خوشی کا عجیب انداز میں وہ اسے جواب دے رہی تھی۔

''افسوس تم ناں آسکو گے' تمہاری زندگی کی سب سے بڑی مصیبت ٹلنے پر۔'' وہ شاید مذاق کررہی تھی' اشعر جواب تک نہ دے سکا۔

''امی اور آپی صبح آجائیں گی۔''

''ہوں.....'' یک دم ہی ان کے بیچ جیسے لفظ ختم ہوگئے تھے۔

''او کے پھر بات ہوگی اللہ حافظ۔'' میرب نے کال ڈسکنیکٹ کردی۔

ادھوری باتیں جو کر گئے ہو
میرے ہی دل میں اتر گئے ہو
کسی کی چاہت کا یہ اثر ہے
کہ ریزہ ریزہ بکھر گئے ہو
تمہی تو ہو جو ہمارے دل کی
حدوں کو چھو کر گزر گئے ہو

میرب نے باتیں ادھوری چھوڑ دی تھیں' کال کاٹ دی تھی۔کیوں.....؟

☐......☐......☐

عائشہ آپی کو اللہ پاک نے کئی سال کے بعد اولاد کی نعمت سے نوازا تھا تو بڑی امی اور مما دونوں ملنے گئی تھیں اور انہیں ساتھ ہی لے آئیں۔ گول مٹول سرخ گلاب جیسا بیٹا تھا آپی کا' اتنا پیارا کہ میرب دن بھر اسے اٹھائے نہ تھکتی تھی آپی ہی اسے ڈانٹنے لگ جاتیں۔

''میری عادتیں نہ بگاڑو لڑکی' مجھے سسرال میں اسے اکیلے سنبھالنا ہے' تم تو اسے گود کا عادی بنادوگی' اسے گود کی لت پڑگئی تو پھر ٹکنا محال کردے گا۔''

''اس نے تو میری بھی عادتیں بگاڑ دی ہیں اور اب خود سسرال سدھارنے کی تیاری کررہی ہے' بھلا میں کیسے رہوں گی اس کے بغیر۔'' بڑی امی بہت اداس تھیں جب سے اس کی تاریخ طے ہوئی تھی۔

''اُف او بڑی امی..... آپ خود مجھے رونے کے لیے مجبور کرتی ہیں اور پھر کہتی ہیں نہ رو۔'' میرب ننھے روحان کو لٹا کر بڑی امی کے پاس آبیٹھی۔

''میری ہی قسمت خراب ہے بچے ورنہ سوچا تو کچھ اور ہی تھا۔'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری تھی' میرب جانتی تھی ان کی خواہشات ان کی سوچیں کیا تھیں۔ اس نے بھی تو صرف یہ خواب سجائے تھے صرف ایک خواہش کی تھی اشعر فاروق کی سنگت میں عمر بتانے کی۔ وہ تو سمجھتی تھی اشعر صرف اسے تنگ کرتا ہے ستاتا ہے مگر وہ حقیقتاً اس سے چڑتا تھا۔ یہ بہت بعد میں پتا چلا' جب تک اس کی آنکھوں نے اشعر فاروق کے سپنے سجالیے تھے۔ وہ بڑی امی کے پاس سے اٹھ کر گھر چلی آئی۔

''عائشہ' اشعر نے میری بچی کی آنکھوں سے خواب ہی چھین کر توڑ ڈالے۔ کیا میں نہیں جانتی کہ میرب کے من میں کیا ہے؟ میرے دل میں بھی تو یہ خواہش رہی ہمیشہ کہ میرب یہیں اس آنگن میں رہے عمر بھر۔''

''امی..... آپ اشعر سے ایک بار بات تو کرتیں۔'' عائشہ کو بھی ملال ساتھا اتنی پیاری سی میرب کے جانے کا۔

''کچھ فائدہ نہیں تھا بچے..... جانے اسے کیوں اللہ واسطے کا بیر ہے اس بچی سے۔ ہم تو سمجھے تھے بچپن گزر جائے گا سب ٹھیک ہوجائے گا مگر میرب کے لیے اس کے دل میں عداوت عمر کے ساتھ جیسے بڑھتی جارہی ہے۔ میں اگر کوئی بات

کرتی اور وہ میری خاطر مان بھی لیتا مگر تمام زندگی میرب کے ساتھ ناروا سلوک رکھتا۔ یہ مجھے گوارہ نہیں تھا' اب کم از کم ماموں ممانی قدر کریں گے اتنا چاہتے ہیں وہ میرب کو۔"

"ہوں' ماشاء اللہ لڑکا بھی پیارا ہے میرب کی اور اس کی جوڑی اچھی لگے گی۔" عائشہ نے رائے دی۔

"اللہ رب العزت بچی کے بخت روشن رکھے' ہمیشہ میری بچی خوشیوں میں کھیلے' آمین۔" میرب سے ان کی محبت مثالی تھی عائشہ نے دل میں آمین کہا تھا مگر نظروں کے سامنے ماں کا ویران اور اترا چہرہ تھا۔

□......□......□

رئیس بھائی رمضان سے صرف دو دن پہلے عائشہ کو لینے آ گئے تھے' میرب کو دلی دکھ ہوا تھا۔

"پلیز رئیس بھائی آپی کو کچھ دن اور چھوڑ دیں۔"

"او کے رکھ لو پھر یہ مت کہنا کہ میری شادی پر کیوں نہیں آئے۔" رئیس بھائی بھی کھلاڑی تھے' اس کی کمزوری پکڑ لی وہ چپ کر گئی۔

"عید کے دوسرے دن آپ نے یہاں ہونا ہے۔"

"ان شاء اللہ۔" عائشہ آپی وعدہ کر کے چلی گئیں ان مختصر سے دنوں میں وہ کتنے کام کروا گئی تھیں' مما کے ساتھ شادی کی تیاریوں کے' مما کو بھی حوصلہ سا ہو چلا تھا مگر ان کے جانے کے بعد پھر ان کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔

"بھلا یار رمضان میں کیسے ہوگا اتنے کام پڑے ہیں' میں تو گھن چکر بن کر رہ گئی ہوں۔" وہ جٹھانی کے پاس بیٹھی اپنے مسائل بیان کر رہی تھی۔ بڑی امی گھٹنوں کے درد کی وجہ سے لاچار تھیں وہ تو ان کے گھر بھی بہت کم جا پاتی تھیں۔

"عفت اللہ کی ذات کرم کرنے والی ہے' سب ہو جائے گا دیکھنا۔"

"بے شک آپا وہ کریم ہے مگر ہم انسان تو بہت کمزور ہیں اتنی گرمی ہے۔ گرمیوں کے روزے آپ کو علم ہے ناں پھر کاموں کا ڈھیر' میرب کو دیکھا ہے جب سے تاریخ طے ہوئی ہے آدھی رہ گئی ہے گھل گھل کر اور اب روزہ تو آپ کو پتا ہے ایک بھی قضا نہیں کرتی' کیا بنے گا اس لڑکی کا۔"

"یہ تو قدرتی بات ہے عفت' ماں باپ کا آنگن بہن بھائیوں کا پیار' اتنا کچھ چھوڑ کر جانا وہ دوسرے ملک چلی جائے گی میں تو سوچتی ہوں تو دم نکلتا ہے۔" بڑی امی رو پڑیں تو مما کی آنکھیں بھی جھلمل ہو گئیں' اتنی مصروفیت میں انہوں نے تو یہ بات اگنور ہی کر دی تھی ان کی پیاری راج دلاری صرف بیاہ کر دوسرے گھر ہی نہیں جا رہی بلکہ دوسرے دیس سدھار رہی ہے۔ آج آپا کو تڑپتا دیکھا تو جیسے ان کا دل بند ہونے لگا۔

"اتنی دور چلی جائے گی میری میرب......"

"اللہ خوشیاں دے' ہمیشہ سکھی رکھے پھر یہ فاصلے بھی بے معنی ہو جاتے ہیں عفت' بچی اپنے گھر میں سکھی ہو تو ماں باپ کو ان کی جدائی بھی برداشت ہو جاتی ہے۔ دیکھ ناں عائشہ سالوں بعد آتی ہے مگر الحمدللہ خوش ہے' سب سہہ لیتی ہوں۔" وہ خود ہی مما کو حوصلہ دینے لگیں' حقیقت تو یہ تھی ان سب کے لیے میرب کا اتنا دور جانا بہت کٹھن مرحلہ تھا۔

"سچ کہا آپا...... میں تو جیسے مصروفیت میں بات سوچ ہی نہ پا رہی تھی مگر میرب تو دن رات یہی سوچتی ہوگی ناں جبھی تو وہ آدھی رہ گئی۔" مما کو اب رہ رہ کر یہ احساس ہو رہا تھا کہ بچی کا اچھا مستقبل ہر ماں باپ کی اولین خواہش ہوتی ہے انہوں نے بھی اپنی بیٹی کے لیے اچھا مستقبل سوچا تھا مگر اب جیسے جیسے دن قریب آ رہے تھے ان کی نیند بھی اڑ رہی تھیں۔

□......□......□

اس کی آمد قطعی غیر متوقع تھی کیونکہ اسے چھٹیاں ہی نہیں مل رہی تھیں مگر وہ یوں اچانک آیا تو امی کو بھی شدید حیرت ہوئی دو دن پہلے جب اس نے فون کیا تو ذکر تو نہ کیا تھا لیکن حیرت کے ساتھ اتنے مہینوں بعد بیٹے کو دیکھنے کی خوشی بھی قابل دید تھی۔ انہوں نے کتنی دیر تک اسے خود سے لگائے رکھا ماتھا چوما تو آنکھیں نم ہو گئیں۔

"کیسی نوکری ہے بیٹا' یہ امید بھی نہیں ہوتی کہ دم آخر ہوا تو تمہارا چہرہ دیکھ بھی پاؤں گی یا نہیں۔"

"امی......" وہ دہل سا گیا۔ امی کو ہو کیا گیا تھا ایسی باتیں کرنے لگی تھیں' پرسوں فون پر کتنا رو رہی تھیں۔ کیا واقعی آج کے دور میں کوئی اتنی محبت کر سکتا ہے کسی سے جتنی اس کی امی میرب سے کرتی تھیں۔ جیسے جیسے اس کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے وہ کمزور پڑتی جا رہی تھیں۔

"پلیز امی ایسی باتیں مت کیا کریں اور روئیں بھی مت' روزے کی حالت میں نہیں رونا چاہیے۔" اس نے امی کے چہرے سے آنسو صاف کیے۔

"تیرا روزہ ہے بچے؟" سفر میں تھا شاید نہ رکھ پایا ہو اسی

خیال سے پوچھا۔

"الحمدللہ...... آپ جانتی ہیں ناں میں روزہ نہیں چھوڑتا۔"

"رب کریم اجر دے چل آرام کرلے۔" انہوں نے سر تھپکا۔ وہ بھی نہا کر فریش ہوکر لیٹا تو ایسا سویا کہ عصر کے بھی کافی دیر بعد آنکھ کھلی۔

"بڑی امی کچھ لوگوں کو روزہ اتنا لگتا ہے وہ سو کر ہی روزہ پورا کرتے ہیں۔" افطاری سے گھنٹہ پہلے اٹھ کر وہ باہر آیا تو امی کے ساتھ میرب شام کی افطاری تیار کررہی تھی' اسے دیکھ کر چوٹ کی لیکن اچنبھے کی بات تھی کہ وہ قطعی نہیں چڑا بلکہ کھل کے مسکرادیا تھا۔

"ہاں بھائی ہم میں اتنی ہمت تو نہیں کہ روزہ رکھ کر بھی ریڈیو اسٹیشن کی طرح چوبیس گھنٹے چل سکیں۔"

"دیکھا ناں لڑکیاں کتنی باہمت ہوتی ہیں۔" اس کے ہاتھ بھی تیزی سے چل رہے تھے اور زبان بھی۔

"مس میرب ہارون تم نے شادی کی خوشی میں ڈائٹنگ شروع کردی ہے کیا' چھپکلی بن گئی ہو۔" اسے میرب ازحد ویک لگ رہی تھی۔

"جی نہیں یہ قدرتی ہے' تم کہاں سمجھ سکو گے۔" اس نے آہ بھری۔

"یار...... بات صاف کیا کرو' یہ ادھوری باتیں مجھے الجھا دیتی ہیں۔" اشعر امی کے پاس چارپائی پر آ بیٹھا۔

"ڈونٹ وری' بہت جلد تمہاری الجھنیں سلجھنے والی ہیں۔ اتنی دور چلی جاؤں گی کہ برسوں ترسو گے میری چاندسی صورت کو۔"

"کتنی دور...... ارے یار میں نے بھی اسی شہر میں عمر گزاری ہے یہ دس منٹ کی ڈرائیو پر سسرال کھڑا ہے تمہارا۔" اس نے اثر نہیں لیا' میرب بھی پھیکا سا مسکرادی۔

"میں آتی ہوں بڑی امی......" وہ کہہ کر دروازہ کراس کر گئی۔

"نہ دل دکھایا کر اس کا' دور چلی جائے گی تو پھر اس کی باتیں یاد آئیں گی۔ کاشف اسے ساتھ لے جائے گا دبئی۔" امی نے بات مکمل کی تھی کئی لمحے تو جیسے وہ ساکت ہی رہ گیا۔

کاشف ملک سے باہر جاب کرتا تھا یہ اسے پتا تھا مگر میرب کو بھی ساتھ لے جائے گا یہ علم نہیں تھا۔ اس کے سامنے جیسے ساری الجھنیں کھل گئیں امی کا رونا' میرب کا سوگوار چہرہ' اس کی چہرے کی اداسی۔ ظاہر ہے سسرال تو ایک شہر میں بھی ہو تو لڑکی کے دل میں ماں باپ اپنے بہن بھائی اس گھر سے جڑی ہر یاد جہاں اس نے عمر بسر کی تھی گڑ جاتے ہیں۔ یہاں تو بات اپنا دیس چھوڑنے کی تھی بے شک جدید دور اور سوشل میڈیا نے فاصلے کم کردیئے تھے مگر انسان سے انسان کی محبت کا نعم البدل تو کچھ بھی نہ تھا۔

"اسی لیے تو ادھ موئی ہوگئی ہے لڑکی...... کہتی نہیں ہے مگر دل میں تو ہے ناں اس کے۔" امی بول رہی تھیں مگر وہ جانے کہاں گم تھا کہ اسے امی کی آواز بھی سنائی نہ دے رہی تھی۔ حتیٰ کہ افطاری کا وقت ہوگیا امی نے زور سے آواز دی تو وہ جیسے گہری نیند سے جاگا تھا مگر اس سے کچھ کھایا نہ گیا۔

□......□......□

"سنا ہے آج پندرہواں روزہ ہے۔" شدید گرمی تھی صبح سے' مگر اب ایک دم ہی قدرت مہربان ہوئی تھی' یکایک ہی تیز ہوا چلی گرد سی اڑی مگر کچھ دیر بعد ہلکی بوندا باندی شروع ہوئی اور اب موسم بے حد خوشگوار تھا' وہ سب صحن میں ہی بیٹھے تھے۔

"سنا کیسا یقیناً آج پندرہواں روزہ ہے۔" اس نے لفظوں پر زور دیا۔

"اوہو آج کسی خاص ہستی کی آمد متوقع تھی ناں ریحاب...... شاید لوگ بھول گئے ہیں۔" وہ اب ریحاب سے مخاطب تھا نگاہوں کے زاویے میں وہ ہی تھی۔

"اچھا کاشف بھائی کا پوچھ رہے ہیں' وہ نہیں آرہے ابھی' عید سے ہفتہ پہلے آئیں گے۔"

"اوہ......" اس نے لب سکیڑتے ہوئے کہا۔

"ریحاب...... آج تو افطاری میں پکوڑے' سموسے اسپیشل ہونے چاہئیں۔" میرب پکوڑوں کا مصالحہ تیار کررہی تھی' یک دم رک گئی۔

"مثلاً کیسے اسپیشلی اشعر فاروق تم ناں عین وقت پر کام بگاڑنے کے ماہر ہو' جب سے کہنا تھا۔"

"ہوسکتا ہے میری اس عادت کا تمہیں کوئی فائدہ ہوجائے کبھی۔"

"ناممکن بھلا تم میرے فائدے کے لیے کیوں سوچنے لگے' اچھا جلدی بکو کیسے ہوں۔"

"اب تم اتنی محنت سے سامان تیار کرچکی ہو بنالو بس۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"فروٹ چاٹ ذرا اسپیشل کرلینا۔"

"یہ تم اپنی چہیتی سے بنوالو۔" اس نے ریحاب کی طرف اشارہ کردیا اور خود تیزی سے ہاتھ چلانے لگی۔ دن اتنے کم رہ گئے تھے چاچو نے آ کر کہا تھا کہ بھائی اب جب تک شادی ہے آپ ہماری طرف مہمان ہیں سو آج کل افطاری بھی چاچو کی طرف ہوتی تھی۔

"آدھے روزے گزر گئے اور پتا بھی نہ چلا' بیس دن رہ گئے ہیں صرف۔" عید سے زیادہ گھر میں شادی کے چرچے تھے' چاچی کا تو دن رات ایک ہو رہا تھا' ریحاب بھی بے چاری گھن چکر بن کر رہ گئی تھی۔

"روز سوچ لیتی ہوں آپا کہ آج سے میرب سے گھر کا کام بند کرادوں' مہمان ہے مگر مجھے اور ریحاب کو تو ذرا وقت نہیں ملتا اور کچن پھر بھی میرب کو ہی سنبھالنا پڑ رہا ہے۔"

"اچھا ہے' چاچی ایکسپرٹ ہوکر جائے گی' دبئی والے سیاں جی بھی عش عش کریں گے پردیس میں اتنا اچھا کھانا کھا کر۔"

"بچے لڑکیوں کی قسمت میں تو عمر بھر ہی کچن لکھا ہوتا ہے۔ یہ ہی چند دن تو ہیں جو وہ آرام کرے گی پھر ظاہر ہے کھانا پکانا ہی کرنا ہے۔"

"ابھی سے پرایا کررہی ہیں یہ پندرہ بیس دن تو سکون سے گزار لینے دیں مجھے۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"یاد کرکر کے روئیں گے پھر سب کہیں گے کہ تھی کوئی میرب۔" اس نے سوں سوں کرتے ہوئے کہا۔

"میرب بی بی ٹیکنالوجی بہت ترقی کرگئی ہے اب ہزاروں میل کے فاصلے بھی ختم ہوگئے ہیں روز بات کرلیا کریں گے۔" اس نے گویا تسلی دی۔

"باتیں ہی کرسکتے ہیں' شکل دیکھ سکتے ہیں اشعر فاروق مگر میرے ہاتھ کا کھانا نہیں مل سکتا مگر تمہیں تو میرے ہاتھ کا کھانا بھی پسند نہیں' تم تو شکر ادا کرو گے مگر یاد رکھنا بڑی امی کو اگر تمہاری وجہ سے ذرا بھی تکلیف ہوئی ناں تو بہت برا ہوگا تمہارے ساتھ' شرافت سے انہیں ایک اچھی سی بہو لادینا' جلد ہی۔"

"ابھی گئی نہیں ہو تو اتنی فرمائشیں اور دھمکیاں' جا کر کیا کرو گی۔" اس نے سر پیٹا۔

"کیا کرسکتا ہے ایک بے بس انسان' صرف زبان ہلاسکتا ہے یوں بھی تم سے کوئی بات منوانے کی خواہش تو حسرتوں کی قبر میں دفن ہی ہوچلی ہے۔" وہ جیسے بڑبڑا رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ وہ اس کی بڑبڑاہٹ سننے کچن کے دروازے پر کھڑا تھا' اس کی پیٹھ پر نظریں جمائے۔

"میرب تم خوش نہیں ہو اس رشتے سے۔" غیر متوقع لہجہ بالکل انوکھا سوال' وہ حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر پلٹی تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا۔"

"تمہارے چہرے پر وہ خوشی مجھے نظر نہیں آتی جو شادی کے چند دن پہلے لڑکی کے چہرے پر ہوتی ہے جیسے عائشہ آپی کے چہرے پر تھی جو انہیں سارے جہاں سے خوب صورت بناتی تھی مگر تمہارے چہرے پر ایسا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

"فضول کی قیاس آرائی مت کرو۔" وہ باہر نکلنے لگی تو اس کی آواز نے قدم روک دیئے۔

"نہیں میرب...... یہ قیاس نہیں میرا تجزیہ ہے جو درست ہے سو فیصد مان بھی لیا کرو۔ دور جانے پر دکھ ہونا فطری ہے مگر شادی کی خوشیاں' انوکھے جذبے' وہ سپنے جو ہر لڑکی کی آنکھوں میں سجے نظر آتے ہیں' وہ کہیں نہیں ہیں۔"

"یو نو اشعر فاروق بعض سوال اپنی اہمیت کھودیتے ہیں کیونکہ ان سوالوں کے پوچھنے کا ٹائم گزر چکا ہوتا ہے' تمہارے سوال کا وقت بھی ختم ہوچکا۔" اس نے اشعر کے چہرے پر کچھ لمحے نظر جمائی تھی پھر جب اس کا چہرہ دھندلانے لگا تو نگاہیں جھکالیں اور بمشکل آنسوؤں کو روک سکی۔

"بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔" میرب کے دل سے ہوک نکلی تھی جسے اس نے زبان نہیں دی تھی اور کچھ لفظوں کو اگر زبان نہ ملے تو وہ زیادہ اثر کرتے ہیں جیسے اشعر فاروق کو اس پل بھر نگاہ میں ہزاروں سوال مل گئے تھے جو آج تک اس نے سوچے نہ تھے۔ اسے بھی میرب کی آنکھوں میں نظر نہ آیا جو آج شام اس نے دیکھا تھا' بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔ کیا تھا میرب کے چہرے پر اس کی آنکھوں میں کہ وہ سوبھی نہ پارہا تھا۔

"کاش تو وہ سمجھ سکتا اشعر جو میں نے ہمیشہ تجھے کہنا چاہا' مگر اب کیا فائدہ' وقت ہی گزر گیا۔" کئی ماہ پہلے امی نے یہ لفظ کہے تھے۔

"تمہارے سوال کا وقت بھی ختم ہوچکا۔" میرب نے آج

یہ بات کہی۔

"تم سے کوئی بات منوانے کی خواہش تو حسرتوں کی قبر میں دفن ہو چلی ہے۔" کیسا دل پر نقش کر گیا تھا میرب کا انداز۔

"کیوں کروٹیں بدل رہا ہے' نیند نہیں آرہی۔" امی شاید اس کی بے کلی دیکھ رہی تھیں یعنی امی بھی جاگ رہی تھیں۔

"آپ بھی نہیں سوئیں۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

"پتا نہیں اشعر میں آنکھیں بند کرتی ہوں تو یہ خوف میری جان نکال دیتا ہے کہ میرب اتنی دور چلی جائے گی مجھ سے اور میں آنکھیں کھول دیتی ہوں' عادت جو نہیں ہے اس کے بنا رہنے کی' خیر آہستہ آہستہ ہو جائے گی۔"

"امی چاچو کو بھی یہ ہی رشتہ ملا تھا بس' شہر میں قلت پڑ گئی تھی لڑکوں کی جو پردیس میں بیٹی کو بیاہ رہے ہیں۔"

"دوش چاچو کا نہیں ہے بچے..... دوش تو قسمت کا ہے میرب کے نصیب میں ہی یہ لڑکا تھا ورنہ کتنی دعائیں کیں میں نے' مگر مستجاب نہ ہوئیں۔"

"آپ نے کیا دعائیں کیں؟"

"کہ میرے آنگن کی یہ بلبل ہمیشہ میرے آنگن میں ہی چہکتی رہے۔ ہر پل میرے من سے یہ صدا نکلتی تھی مگر مقدر بھی تو ایک حقیقت ہے ناں۔" امی بھی اٹھ بیٹھی تھیں اور دھیرے دھیرے اب چارپائی سے نیچے اترنے کی کوشش میں تھیں۔

"طاق راتیں شروع ہو گئی ہیں' اللہ کے حضور اپنے بچوں کی خوشیوں کی دعائیں ہی کرلوں۔" یعنی وہ وضو کی غرض سے اٹھ رہی تھیں۔

"طاق راتوں میں مانگی دعائیں رد نہیں ہوتیں' یوں تو اس کی ذات کبھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتی بس مانگنے والی کی نیت نیک ہو مگر رمضان کریم کی ان طاق راتوں کو جو فضیلت حاصل ہے اس کا نعم البدل نہیں ہے۔" وہ جاتے جاتے کہہ رہی تھیں۔

"میرے آنگن کی یہ بلبل میرے آنگن میں ہمیشہ چہکتی رہے۔" یعنی امی میرب کو بہو بنانا چاہتی تھیں۔

کئی بار اسے لگا کہ امی اس سے کچھ کہنا چاہتی تھیں وہ بات میرب کے نام سے شروع کرتیں اور اشعر چڑ جاتا تو ان کی بات دل ہی میں رہ جاتی' امی مجھ سے یہ کہنا چاہتی تھیں۔ آخری بار اس کی جب عائشہ آپی سے بات ہوئی تھی تو ان کے لہجے میں اسے ملال ملا تھا۔

"تمہارے حوالے سے گھر میں جو بھی لڑکی آئے وہ میرب کا نعم البدل نہیں ہو سکتی' اس گھر کے در و دیوار کو بھی میرب سے انسیت ہے۔ اشعر صرف امی کو ہی نہیں' ظاہر ہے وہ تو میرب کے جانے پر سب سے زیادہ دکھی ہوں گی' کیا جاتا اگر گھر کی بات گھر میں ہی طے ہو جاتی۔" ساری پہیلیاں کھل گئیں۔

"بہت جلد تمہاری ساری الجھنیں سلجھ جائیں گی اشعر فاروق......" میرب کہیں پاس ہی بولی تھی۔

کیا صرف در و دیوار عادی تھے اس کے' خود اشعر فاروق کی ہر یاد سے اس کا نام جڑا تھا۔ بچپن سے اب تک کی ہر بات' جب بھی یاد آتی ساتھ میرب ہارون کی ذات بھی ہوتی۔ جو لڑکی بچپن سے اس کی ذات سے اس طرح جوڑ دی تھی قدرت نے کہ وہ لاکھ نہ چاہنے کے باوجود اسے سوچتا تھا تو کیوں پھر اس کے وجود سے انکاری رہا۔

وہ خار کھاتا تھا مگر اس کے بن گزارہ نہیں تھا' اسے چڑاتا تھا پھر منانے بھی جاتا وجہ بے شک کوئی بھی ہو یہ تو طے تھا ناں اس کا وجود اس گھر کے لیے لازم و ملزوم تھا۔ اس کی نان اسٹاپ چلتی زبان اور ہنسی کے جلترنگ اس گھر میں رچ بس چکے تھے بھلا میرب کیسے دور جا سکتی تھی۔ اس نے تو آج سوچا تھا تو جیسے دل ویران ہوتا محسوس ہوا' اس کے جانے کا سوچ کر' تب ہی سے تو بے کلی سی تھی مگر اب بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ سچ ہی تو کہہ رہی تھی وہ' وقت گزر چکا تھا تم نے خود اپنے ہاتھوں وقت گنوا دیا تھا اشعر فاروق۔ کاش امی آپ نے صرف ایک بار ہی سہی مجھ سے کہا ہوتا شاید یہ ادراک پہلے آ گہی مجھ پر تب ہی کھل جاتی اور اگر اب تک نہ کھلا تھی تو اب بھی آپ نہ کھلتی۔ یہ درد کا احساس نہ ہوتا جو اب رگ و جان میں ہے۔

"طاق راتوں میں مانگی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔" امی کی بات ذہن کے پردے پر گونجی۔

دعائیں اگر سچے دل سے کی جائیں تو مقدر بھی بدل دیتی ہیں۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ اسے میرب کی آنکھوں اور چہرے کے ملال کا جواب مل گیا تھا' کیا میرب نے بھی دعاؤں میں مجھے نہیں مانگا ہوگا۔

"نیند نہیں آرہی تو نفل پڑھ لے دل کو سکون مل جائے گا' بے شک دل کا سکون اس کے ذکر میں پنہاں ہے۔" جائے

نماز پڑھاتی امی کی آواز نے سے خیالوں سے نکالا تھا۔
"جی امی۔" اس نے گہری سانس خارج کی اور وضو کرنے اٹھ گیا۔

□......□......□

آ گہی سکون چھین لیتی ہے اور اس کے بھی دن بے کل ہوگئے تھے۔ من میں ہلچل اتنی تھی کہ خود ہی تنہا اپنے آپ سے الجھتا رہتا' امی بھی اس کی از حد خاموشی نوٹ کر رہی تھیں۔
"بڑی امی آ جائیں ناں۔" ریحاب کی آواز تھی' وہ بھی چونک گیا۔ افطاری کے بعد چاچو اور چاچی میرب کے سسرال گئے تھے اور اب تقریباً گیارہ بجنے کو آئے تھے' وہ دونوں بہنیں گھر میں اکیلی تھیں جبھی امی کو بلا رہی تھیں۔
"اللہ رحم کرے خاصی دیر لگ گئی ہے۔" امی گھٹنوں پر ہاتھ دھر کر اٹھیں اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتیں چلی گئیں۔ آج چھبیسواں روزہ بھی ختم ہو چکا تھا اور کاشف اب تک نہیں آیا تھا' شادی کی تمام تیاریاں ہو چکی تھیں اور وہ ہر چوتھے دن فون کر دیتا کہ چھٹی نہیں منظور ہو رہی کل تک آ جاؤں گا۔ ہارون چاچو فکر مند تھے اور اسی سلسلے میں بات کرنے گئے تھے۔
میرب تراویح کے بعد دعا مانگ رہی تھی' لیمن کلر کے دوپٹے کے ہالے میں اس کا پرنور چہرہ دمک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ٹپکتے آنسو گواہ تھے کہ وہ کتنی شدت سے سچائی سے دعائیں مانگ رہی تھی۔
"بڑی امی آپ نے نماز ادا کرلی؟"
"ہاں چاند...... ابھی فارغ ہوئی تھی کہ ریحاب کی آواز آ گئی' تم نے فون نہیں کیا۔"
"کئی بار کیا بڑی امی' بابا نمبر بزی کر دیتے ہیں۔"
"تم پریشان نہ ہو اللہ کرم کرے گا۔" انہوں نے ریحاب کو تسلی دی۔ دعا کے بعد وہ بھی بڑی امی کے پاس آ بیٹھی تقریباً بارہ بجے مما بابا آئے تھے بے حد شانت اور خاموش بسا اوقات ضرورت سے زیادہ خاموشی میں بھی طوفان پنہاں ہوتا ہے اور میرب کو جانے کیوں اس طوفان کے آنے کا اندیشہ کئی دن سے تھا' اس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔
"کافی دیر لگا دی ہارون...... خیریت تو تھی ناں؟"
"جی بھابی بس خیریت ہی ہے۔" بڑی امی چپ کر گئیں حالانکہ عفت کے چہرے کی اڑتی ہوائیاں وہ دیکھ رہی تھیں' اس وقت وہ بھی گھر آ گئیں مگر صبح جب وہ فجر کے بعد سونے لگیں تو عفت خود آ گئی۔
"مجھے رات سے لگ رہا ہے عفت کوئی پریشانی ہے' مگر رات پوچھنا نامناسب لگا۔" چاچی کی چپ ان کے بہنے والے آنسوؤں نے توڑی۔
"آپا کاشف کی ٹال مٹول پر مجھے فکر سی ہوئی کہ آخر اسے چھٹی کیوں نہیں مل رہی۔ یہاں کارڈ تقسیم کر دیئے ہم نے' ہماری عزت کا سوال تھا۔ ساری برادری میں علم ہے کہ بچی کا نکاح ہے عید کے بعد' میں نے بھیا اور بھابی سے کئی بار بات کی وہ بھی فکر مند ہیں کاشف کے رویے سے۔ رات انہوں نے فون کر کے بلایا تھا وہاں جا کر......" یک دم وہ تیزی سے رونے لگیں الفاظ تک ادا نہ کر پائیں' امی نے اٹھ کر انہیں حوصلہ دیا' خود سے لگایا۔ انہونی ہونے کا احساس تو انہیں رات ہی ہو گیا تھا۔
"کاشف نے وہاں شادی کی ہوئی ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں میں پھر بھی یہ شادی کروں تو ٹھیک ہے میں شادی کر لوں گا مگر میرب پاکستان میں رہے گی کیونکہ اس کی پہلی بیوی اس کی اجازت نہیں دے رہی آپا میری بچی کے تو نصیب ہی پھوٹ گئے' اب جب صرف ہفتہ بھر رہ گیا ہے تو کاشف نے یہ اطلاع دی ہے۔ کیا بنے گا آپا میری بچی کا؟ خاندان برادری میں ہزاروں باتیں بنیں گی' لڑکے کو کیا فرق پڑے گا میری میرب......!" بڑی امی اپنے آنسو بھی نہ روک سکیں' انہوں نے دیورانی کو خود سے لگا لیا۔
"کیسے ہمت کروں آپا...... میرب کو کیسے بتاؤں کہ......"
"ہارون نے کیا سوچا۔"
"سوچنا کیسا آپا...... ہم کیوں اپنی بچی کو عمر بھر کے لیے سولی پر لٹکائیں' ہم رات جواب دے کر آ گئے ہیں مگر اب خاندان برادری کو کیسے فیس کریں وہ تو رات سے نڈھال ہو گئے ہیں بی پی بہت ہائی ہے' بچیوں کو بتانے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔"
"ہارون کہاں ہے؟"
"لیٹے ہوئے تھے گھر میں ہی ہیں۔"
"روزے سے ہے؟"
"میں نے انہیں اٹھایا نہیں تھا' آپا ان کا بی پی بہت ہائی ہے۔" انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "ریگولر میڈیسن تو دی ہیں مگر ذرا بھی فرق نہیں پڑا اور ڈاکٹر کے پاس

جانے کو مان نہیں رہے۔"

"تم ہمت کرو عفت...... اللہ کرم کرنے والا ہے ہر کام میں اس کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔" انہوں نے دیورانی کو سمجھایا۔"میں اشعر سے کہتی ہوں وہ خود لے جائے گا اپنے چاچو کو دوا دلوانے۔" انہوں نے اشعر کو جگایا اور چاچو کی طبیعت کا بتایا' زبردستی وہ انہیں ہسپتال لے گیا' ان کا بی پی بہت زیادہ ہائی تھا بمشکل شام تک کنٹرول ہوا تھا۔ انہوں نے چاچو کو ایڈمٹ کرلیا تھا۔ اشعر ان کے پاس ہی تھا رات گئے جب چاچو سنبھلے تو اشعر کو بھی تسلی ہوئی۔

"بہتر ہوگا آپ صبح تک انہیں یہیں رہنے دیں لیکن اگر آپ لے کر جانا چاہتے ہیں تو نو پرابلم ویسے اب یہ نارمل ہیں' مگر ذہنی دباؤ سے دور رکھیں۔" وہ چاچو کو ان کی ضد پر گھر لے آیا تھا مگر اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر بات کیا ہوئی کہ ان کی یہ کنڈیشن ہوگئی۔ چاچو تو میڈیسن اور انجکشن کے زیر اثر تھے پُرسکون سو گئے مگر وہ بہت زیادہ اپ سیٹ تھا' چاچی کا اترا چہرہ بھی اس کی نگاہوں میں تھا۔

"امی کوئی بات ہوئی ہے؟" وہ گھر آ کر بھی سکون نہیں پارہا تھا' آخر امی سے پوچھ بیٹھا جو خود بھی جانے کن سوچوں میں گم تھیں' چونک گئیں۔

"کیسی بات؟" انہوں نے الٹا سوال پوچھ ڈالا۔

"چاچو کی اچانک سے اتنی طبیعت خراب ہوئی ہے' پرسوں شام تک وہ بالکل ٹھیک تھے خوش تھے پھر یکا یک اتنا بی پی بڑھ جانا۔ ڈاکٹرز نے بھی مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ ہی باور کرایا جیسے چاچو کو کوئی ذہنی ٹینشن ہو۔" وہ امی کو دیکھ رہا تھا ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر نظر تھی جو اس کے لفظوں کے ساتھ ساتھ بدل رہے تھے۔ اس کے خاموش ہوتے ہی ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"اشعر انسان ہر مشکل ہر مصیبت سہہ لیتا ہے زندگی بھر محنت کر کے بھی نہیں تھکتا' نہیں ٹوٹتا مگر اولاد کا دکھ انسان کو توڑ دیتا ہے۔ لڑکیاں اللہ پاک کی رحمت ہوتی ہیں مگر ان کے نصیبوں سے ہر انسان ڈرتا ہے' ہارون کو بھی بیٹی کے دکھ نے توڑ دیا۔" وہ خاموشی سے بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولی تھیں۔ اشعر کچھ نہ سمجھ پایا' میرب کے اتنے دور جانے پر سب ہی دکھی تھے مگر اس فرض کی ادائیگی کو لے کر اس نے چاچو کو بہت مطمئن بھی پایا تھا۔

"کچھ دن رہ گئے ہیں شادی میں' کارڈ تقسیم ہوگئے سب کچھ ہوگیا اور اب آ کر...... کاشف نے بتایا کہ وہ پہلے ہی شادی کر چکا ہے۔"

"کیا......؟"

"وہ کہتا ہے میں میرب سے نکاح کرنے کو تیار ہوں مگر میرب کو ساتھ نہیں رکھ سکتا' وہ یہیں رہے گی اس کی پہلی بیوی کبھی نہیں مانے گی۔"

"چاچو کو چاہیے صاف انکار کردیں' کیا کمی ہے میرب میں جو وہ کاشف کی دوسری بیوی بنے' منع کیوں نہیں کیا چاچو چاچی نے۔" وہ یک دم بھڑکا۔

"منع کر آئے ہیں اشعر...... میں آگے آنے والے حالات سے خوف زدہ ہوں' برادری کو کیسے قائل کریں گے۔ اپنے معاشرے کا علم ہے ناں مرد کی ہر خطا معاف اور لڑکی بے گناہ ہوتے ہوئے بھی الزامات کی زد میں آ جاتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ سب یہ مان لیں جو سچ ہے' سجن کے بھیس میں چھپے دشمن کب نکل کر باہر آ جائیں' کچھ پتا نہیں چلتا۔ بچی پر تو عمر بھر کے لیے داغ لگ گیا۔"

"کیسی باتیں کررہی ہیں امی آپ' آپ سب کو تو شکر ادا کرنا چاہیے اللہ پاک کا کہ ابھی میرب اپنے گھر میں ہی ہے سچائی پہلے ہی سامنے آ گئی۔ خدانخواستہ بعد میں پتا چلتا تو عمر بھر کے لیے روگ لگ جاتا۔ آپ ایسی باتیں کررہی ہیں بلکہ آپ کو چاچو چاچی کو سمجھانا چاہیے کہ یہ افسوس کا نہیں شکر ادا کرنے کا وقت ہے کہ اس ذات پاک نے ہمیں بچالیا' الٹا اتنی مایوسی والی باتیں کررہی ہیں۔"

"اشعر تیری ہر بات سے میں متفق ہوں مگر جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ تجھے دکھائی نہیں دے رہا۔"

"امی......" اس نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر چپ کرگیا۔ فی الوقت شاید امی کو کچھ بھی وہ سمجھا نہ پائے' صبح خود چاچو چاچی سے بات کروں گا وہ مصمم ارادہ کر کے کچھ مطمئن ہوا تھا۔

☐......☐......☐

"مجھے امی نے رات بتایا ہے۔" وہ چاچو کے پاس بیٹھا تھا وہ ان دنوں بالکل ٹوٹ گئے تھے۔

"بات دکھ کی ضرور ہے مگر یہ بھی کرم ہے اللہ پاک کا نکاح سے پہلے ہی تمام حقیقت پتا چل گئی۔ آپ اتنا کیوں پریشان ہو رہے ہیں' صد شکر کہ ابھی تو میرب اپنے گھر پر ہی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو شاید رب نے کوئی بہترین حل سوچا ہو
تو ہمیں......" وہ مزید بول نہ سکے رب کی حکمت پر یقین تھا مگر
ٹی کے باپ تھے' کمزور پڑ گئے۔
"یقیناً وہ بہترین عطا کرنے والا ہے چاچو...... دوش
یرب کی قسمت کا نہیں ہے پلیز آپ لوگ بار بار یہ مت کہیں
کہ اس کے مقدر خراب ہیں' یہ رب کی رضا ہے۔"
"اشعر آج اٹھائیسواں روزہ ہے' عید کے فوراً بعد مہمان
نا شروع ہو جائیں گے' کیا بتائیں گے ہم کیسے لوگوں کو سمجھا
ئیں گے۔ مجھ میں تو ہمت نہیں کہ سب کو بتا سکوں' بہت برا
کیا بھیا بھابی نے میرے ساتھ' میری ہی بچی ملی تھی انہیں۔ وہ
کیسے لاعلم ہو سکتے ہیں بھلا کہ ان کے بیٹے نے شادی کر لی
ہے۔ ہمیں دھوکہ دیتے رہے' جھوٹ بولتے رہے اور میں
پنے بھائی پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی رہی۔ ایک بار بھی
کاشف کے بارے میں جاننے کی سعی نہ کی کہ وہ کیوں تین
سال سے نہیں آیا۔ بیٹی اچھے اور مضبوط مستقبل کے لالچ میں
سب اگنور کرتی رہی' اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو ہزاروں میل دور
بھیجنے پر راضی ہو گئی۔ سب میری وجہ سے ہوا ہے' میں ہوں ذمہ
دار اپنی بچی کی۔" چاچی بے تحاشہ رو رہی تھیں مگر چاچو نے چپ
سادھ رکھی تھی۔ اس نے بہت کوشش کی چاچی کو بھی تسلیاں
یں مگر شاید وہ کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔
میرب کے چہرے پر سکوت تھا' گہرا سکوت۔ اس نے
قطعی ری ایکٹ نہیں کیا تھا وہ معمول کے مطابق ہی تھی بلکہ
اس وقت گھر میں وہ ہی تھی جو اسے باہمت دکھائی دے رہی
تھی۔ امی نے عائشہ آپی کو فون کیا اور وہ بھی رات تک پہنچ گئی
تھیں۔ کہاں تو عید اور شادی کی خوشیاں تھیں اور اب یک دم
ی ماتم سا چھا گیا تھا۔
"کل آخری روزہ ہے۔" امی جانے کن سوچوں میں
گھری ہوئی تھی۔
"چاچو چاچی کتنے خوش تھے کتنے دل سے ساری تیاریاں
کر رہے تھے' سب سے ان کی محبت جڑی تھی۔" عائشہ تو مہینے
بھر پہلے ہی گئی تھی کتنی زوروں پر تیاریاں ہو رہی تھیں چاچی
کے ساتھ آدھے کام تو اپنے ہاتھوں کروا گئی تھی۔
"کتنا بے بس ہے انسان' سوچتا کیا ہے اور ہو کیا جاتا
ہے۔ امی کے تو آنسو نہیں رکتے تھے انہیں میرب سگی اولاد سے
زیادہ عزیز تھی وہ تو اس کی متوقع جدائی پر نڈھال تھیں اور اب
تو......"
"خالہ یہ ٹھیک ہے سب تقدیر کے کھیل ہیں جو کچھ ہوا اس
میں کسی کا دوش نہیں' افسوس ہے کہ کاشف کو یہ ہی بات پہلے
بتا دینی چاہیے تھی کم از کم تاریخ طے ہونے سے پہلے بھی بتا دیتا
تو شاید ہارون چاچو کو اتنا گہرا صدمہ نہ لگتا اور اب جبکہ کل سے
مہمان تک آنا شروع ہو جائیں گے' وہ اب تک کسی کو بھی
حقیقت نہیں بتا پا رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے اس صورت حال کو اب
بھی ہم سنبھال سکتے ہیں۔" رئیس کافی دیر سے خاموش بیٹھا
سوچ رہا تھا' اسے ایک ہی حل سجھائی دیا تھا مگر وہ صرف اپنی
سوچ کا اظہار کر سکتا تھا ان میں سے کسی کو مجبور نہیں کر سکتا تھا۔
"جو کاتب تقدیر نے لکھا ہے وہ ہی ہمیں ملتا ہے۔ خالہ
جان میرب کے نصیب میں کاشف تھا ہی نہیں ورنہ شاید ہمیں
نکاح سے پہلے سچ پتا نہ چلتا جو اتنے عرصے سے وہ بتا نہیں پا رہا
تھا اب بھی تو چھپا سکتا تھا ناں لیکن اللہ کی رضا شامل تھی۔ یہ
سب ایسے ہی ہونا تھا صرف خاندان برادری کی باتوں کے
خوف کی وجہ سے بچی کی زندگی کو جہنم نہیں بنا سکتے تھے۔ جو ہوا
سو ہوا' اللہ پاک نے آپ کو بھی موقع دیا ہے' شاید آپ کی
دعائیں مستجاب ہوں گی' بے شک وہ ہر فیصلہ کرنے والا ہے
یقیناً آپ نے اس طرح ہرگز نہیں چاہا ہوگا کہ میرب یا چاچو کو
یوں دکھ ہو لیکن ہر سیاہ رات کے بعد روشن سویرا ضرور نکلتا ہے۔
تاریخ جو طے ہے وہ ہی رہے' کاشف نہ سہی آپ اپنے اشعر
کے لیے بھی تو برسوں سے یہ خواہش دل میں لیے بیٹھی تھیں۔
اب وقت ہے کہ آپ چاچو چاچی کو نا صرف اس صدمے سے
باہر نکالیں بلکہ گھر میں جو یہ فضا سوگوار ہے اسے پھر سے
شہنائیوں میں بدل دیں۔" کافی لمبی تمہید باندھی تھی رئیس نے
مگر بات جو کی وہ امی پر روشنی کے در وا کر گئی۔ وہ اتنے دن سے
نڈھال تھیں بچی کے دکھ کو لے کر ان کی سوچ یہاں تک کیوں
نہیں آئی؟ شاید اشعر کی وجہ سے کیونکہ وہ کبھی نہیں مانے گا۔
"اللہ تمہیں دراز عمر عطا کرے بچے...... بات تو تمہاری
بہت اچھی ہے مگر اشعر......"
"امی اب اشعر سے آپ کو خود بات کرنی ہے' جس
خواہش برسوں دل میں دبائے بیٹھی تھیں' وہ شاید یوں ہی پوری
ہونی تھی۔ اللہ پاک نے ہمیں رستہ دکھایا ہے۔" عائشہ نے بھی
زبان کھولی' وہ شش و پنج میں تھیں۔ اشعر اپنی مرضی کا مالک تھا'
وہ اسے ہرگز مجبور نہیں کر سکتی تھیں مگر اس وقت وہ خود اپنے چاچو

کو لے کر بہت اپ سیٹ تھا۔ ان کی میڈیسن وغیرہ کا خود خیال رکھ رہا تھا' ابھی وہ انہیں دوائی دینے ہی گیا تھا' جب لوٹا تو تین نفوس کے باوجود گھر میں خاموشی تھی۔ یہ سکوت یہ خاموشی چاچو کی طرف بھی اور یہی یہاں۔

''کاش میں سب کچھ پہلے کی طرح کرسکتا' عائشہ آپی دونوں گھروں میں جو جمود جو سوگواریت ہے' اس سے میرا دم گھٹنے لگا ہے۔'' وہ آپی کے برابر بیٹھتا ہوا بے حد اداس لہجے میں بولا تھا۔ رئیس نے امی کی طرف دیکھا' جن کے چہرے پر امید کی کرن بھی تھی اور مایوسی کے سائے بھی کیونکہ اشعر سے زور زبردستی سے بات منوانے کے حق میں کبھی بھی نہ تھیں۔ وہ شاید بولنے کے لیے لفظ تلاش کر رہی تھیں یا شاید خود کو بات کرنے کا حوصلہ......

''اشعر اگر تم چاہو تو یہ جمود یہ سناٹا پھر سے شہنائیوں میں بدل سکتا ہے۔ کاشف کا جتنا ظرف تھا اس نے وہ کیا اگر وہ چاہتا اپنی پھوپو کا خیال کر کے پہلے ہی انکار کرسکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کے باعث اس کی پھوپو صدمے سے دوچار ہیں مگر تم اپنے چاچو چاچی کو اس دکھ' اس مشکل سے نکال سکتے ہو۔'' امی کا انتظار کر کے رئیس کو خود بولنا پڑا۔

''ہاں اشعر...... ہمارے گھروں کی یہ مشکل کا حل صرف تیرے اقرار پر ہے بچے' تیرے چاچو کو یہی دکھ ہے ناں اس نے ساری تیاریاں کرلیں' مہمان آنا شروع ہوگئے تو وہ کیا جواب دیں گے' کیا کہیں گے۔'' امی کو بھی حوصلہ ہوا۔

''اشعر اگر اس وقت ہم اپنوں کا احساس نہیں کریں گے تو اپنے ہونے کا کیا فائدہ' کیا پتا رب نے ہمارے دلوں میں پوشیدہ خواہش پڑھ لی ہو۔ ہمیں رستہ دکھایا ہو' اگر تم راضی ہو تو ہم اسی تاریخ پر نکاح کردیتے ہیں تیرا اور میرب کا۔ بچے اللہ پاک کی یہی رضا تھی' تب ہی تو شادی سے صرف چھ دن پہلے کاشف نے زبان کھولی بچے...... کاشف کے نصیب میں نہیں تھی وہ تب ہی یہ ہوا کیونکہ رب نے اسے شاید تیرے نصیب میں لکھ دیا تھا۔'' وہ جو سر جھکائے سن رہا تھا امی کی آخری بات پر چونکا اور انہیں دیکھنے لگا۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں اشعر...... امی نے کتنی شدت سے دعائیں کیں' ہمارے تو گھر کے در و دیوار بھی شاید یہی دعا کرتے تھے میرب ہمیشہ اسی گھر میں رہے۔ اب فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے' ہم تجھے مجبور نہیں کرسکتے مگر حالات کو سدھارنے

کا بس یہی طریقہ ہے۔ ہم نے اباجی کو بہت پہلے کھو دیا تھا اشعر یہ چاچو ہی تھے جنہوں نے سرد وگرم رویوں اور لوگوں کی نظروں سے ہمیں بچا کر رکھا اور آج ان کی حالت دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا۔ اللہ پاک چاچو کا سایہ ہمارے سروں پر تاقیامت قائم رکھے انہیں صحت دے۔'' محبت تو وہ بھی کرتا تھا چاچو چاچی سے مگر آپی ان سے زیادہ اٹیچ تھیں، وہ رو پڑیں۔

''آپی آپ لوگوں کو لگتا ہے اب بھی میرے اقرار کی گنجائش ہے جو فیصلہ خود رب نے کردیا ہے میری کیا بساط...... شادی مقررہ تاریخ پر ہی ہوگی اور اسی طرح دھوم دھام سے ہوگی جیسے چاچو کی خواہش تھی۔ آپ لوگ جا کر ان سے بات کرلیں۔'' شاید کسی کے وہم وگمان تک میں نہ تھا کہ اشعر فاروق یہ جواب دے گا جسے بچپن سے ہی میرب ہارون سے بیر رہا مگر انہیں تو کیا اسے بھی علم نہ ہوسکا کہ یہ بیر کب پیار میں تبدیل ہوگیا۔

''امی سچ کہتی ہیں طاق راتوں میں مانگی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔'' اس نے تمام طاق راتوں میں جاگ کر میرب کی خوشیاں مانگی تھیں، یہ علم نہ تھا کہ میرب کی خوشی کیا ہے؟

آج پتا چل گیا تھا۔ اس کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی جبکہ باقی گھر والے یوں بھاگے تھے چاچو کے گھر جیسے ابھی نکاح کرلائیں گے۔

□......□......□

اس کا اقرار تو جیسے جادو کی چھڑی تھی کاش اسے پہلے پتا ہوتا تو وہ اتنے دن سب کو تکلیف میں نہ رکھتا۔ آج چاندرات تھی مگر چاندرات زیادہ گھر میں بری کا شور مچا ہوا تھا۔ آپی صبح سے میرب اور ریحاب کے ساتھ بازار نکلیں تو افطاری سے دس منٹ پہلے لوٹیں اور روزہ افطار کرتے ہی پھر سے جانے کی تیاری میں تھیں۔

''ابھی بھی کچھ باقی رہ گیا ہے، صبح سے تو تم گئی ہوئی تھیں۔''

''ہاں تم تو گھر بیٹھے باتیں بنا رہے ہو ناں، ایک دن میں بری بنانا کوئی آسان کام ہے۔'' وہ شروع ہوگئیں۔

''ہر چیز ریڈی میڈ لینی ہے تو اچھی طرح دیکھ بھال کرلیں گے ناں۔ عید کے بعد تو بازار ہفتے بعد کھلیں گے۔''

''اب وہ دور نہیں رہا آپی، اب بازار کھل جاتے ہیں تم خوامخواہ ٹینشن لے رہی ہیں، روحان کو بھی دیکھ لیں۔''

''وہ اپنی نانی امی کے پاس خوش ہے تو فکر نہ کر۔''

''چلیں آپی۔'' ریحاب بھی تیار کھڑی تھی۔

چاندرات تھی ظاہر ہے ہر طرف گہما گہمی تھی، من چلے لڑکوں نے پٹاخوں سے محلہ سر پر اٹھا رکھا تھا۔ آسمان پر رنگ برنگی روشنیاں بکھری ہوئی تھیں، وہ بھی انجوائے کرنے چھت پر آ گیا تھا مگر چاچو کی طرف چھت پر سایہ سا دیکھا تو چونک گیا۔ دیوار کے پاس جا کر دیکھا تو محترمہ میرب ہارون تشریف فرما تھیں۔ اس نے شاید مغرب کی نماز بھی یہیں ادا کی تھی اور اب تک وہ جائے نماز پر بیٹھی دعا ہی مانگ رہی تھی، اشعر حسب عادت دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

''اب ایسا بھی کیا مانگ رہی ہو تم کہ دعائیں ختم نہیں ہو رہیں؟'' اس کی آواز پر وہ بری طرح چونکی، چہرے پر پھیلے قطرے دوپٹے سے صاف کیے اور جائے نماز تہہ کرکے تخت پر رکھ دی۔

''وہ تو اتنا کریم رب ہے اشعر فاروق کہ بن مانگے ہی نواز دیتا ہے۔ مانگنے کی نوبت نہیں آتی، میں تو اس کا شکر ادا کررہی تھی کہ......''

''ہوں کہ اس نے مجھ سا ڈیشنگ بندہ تمہیں بن مانگے دے دیا۔'' اشعر نے اس کے منہ سے بات چھین کر اپنی مرضی سے مکمل کی۔

''خام خیالی ہے تمہاری ڈیشنگ...... نیوی میں جا کر بھی تم پر ذرہ برابر فرق نہیں پڑا ویسے ہی سڑیل ہو۔'' کتنے دن سے وہ اس لب ولہجہ کو ترس گیا تھا، اس نے تو میرب سے اس کا مزاج تک چھین لیا تھا۔

''اتنی شدت سے مجھے چاہتی تھیں میرب تم کہ اللہ پاک نے تمہاری دعائیں مستجاب کردیں۔'' کتنی سنجیدگی سے اسے نگاہوں میں سمو کر کہا تھا۔

''جاگ جاؤ اشعر فاروق......'' اس نے ہاتھ لہرایا تو مسکرا دیا۔

''آگہی نے مجھ پر سارے در وا کردیئے ہیں میرب، مجھے پتا ہے جو تمہارے من میں ہے، جو تمہاری آنکھوں میں صاف نظر آتا ہے۔ تم تو کبھی اپنی آنکھوں سے بھی وہ تمام سپنے نہ چھپا سکیں۔ وہ تو میں ہی عقل کا اندھا تھا جو مجھے دکھائی نہ دیا اور جب سب صاف صاف نظر آیا تو تم کو ہزاروں میل دور کھڑا پایا پھر بس میں نے اپنے رب سے اپنے دل کا سکون تمہاری بے

پناہ خوشیاں مانگی تھیں اور دیکھو تمہاری ساری خوشیاں مجھ سے وابستہ تھیں تب ہی تو اس رب کریم نے یہ سب کیا۔ میں تو خود شکر گزار ہوں اس کا جس نے میری دعائیں قبول کیں حالانکہ میں بھٹکا ہوا انسان بہت دیر سے لوٹا تھا' پھر بھی......'' اشعر فاروق کے چہرے پر رقم سچائی نے اس کے چہرے کو بہت خوب صورت بنا رکھا تھا۔

''اب تم لاکھ چھپاؤ' تم اسی سڑیل کو مانگا کرتی تھیں رب سے۔'' یک دم پھر وہ پرانی ٹون میں آ گیا اور میرب جو یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی بُری طرح جھینپ گئی۔

''اشعر...... بچپن سے ہی اللہ پاک نے تمہارا خیال دل میں ایسا ڈالا کہ میں نکال ہی نہ سکی پھر بڑی امی کی محبت' ان کا مجھ سے لگاؤ' انیچ منٹ...... مجھے لگا کہ شاید تم بھی مجھے اوپر اوپر سے چڑاتے ہو مگر مجھ پر جب یہ کھلا کہ تم واقعی میرے وجود سے نفرت کرتے ہو تو میں پیچھے ہٹ گئی۔ مما نے جب کاشف کے لیے پوچھا تو میرے ہاتھوں میں امید کی کوئی کرن تک نہ تھی بس دعائیں تھیں جو ہر لمحہ مانگی تھیں۔ میں نے امی کو رضا مندی دے دی لیکن الحمدللہ آج میری دعاؤں کے طفیل ہی اس نے تمہارے دل میں میرا خیال ڈالا۔''

''تم ہمیشہ ہی میری ذات سے جڑی رہی ہو میرب...... میں تمہیں لاکھ برا بھلا کہتا' تمہارے وجود سے انکار کرتا رہا مگر یہ بھی سچ ہے کہ بچپن سے لڑکپن اور اب تک کی میری ہر یاد سے تم جڑی ہے۔ وہ یاد خوشی کے لمحوں کی ہو یا دکھ کے' تمہارا وجود ان یادوں میں لازم و ملزوم ہے۔ جب گھر سے دور ہوا تو گھر کی' امی کی یاد آئی اور کتنا عجیب تعلق تھا ناں کہ جب بھی امی کو اپنے گھر کو یاد کیا' تمہیں ان یادوں میں ہمراہ پایا پھر بھلا تمہیں مجھ سے میرے گھر سے کون الگ کر سکتا تھا۔''

''سچ تو کہہ رہے تھے رئیس بھائی' تم کاشف کا نصیب کبھی تھیں ہی نہیں تم تو میرا نصیب تھیں پھر بھلا تم کہیں اور کیسے جا سکتی تھیں۔''

''وہ جو کرتا ہے ناں ہمارے بھلے کے لیے ہی کرتا ہے' میرا ایمان ہے وہ کبھی اپنے بندوں کی دعائیں رد نہیں کرتا۔'' وہ مسکرا دی۔

''ہر چاندرات کو میں تم سے لڑتی ہوں کہ تم میرے لیے کچھ بھی نہیں لاتے اور مجھے یقین ہے اس بار بھی تم کچھ نہیں لائے ہو گے۔'' وہ اپنی پرانی جون میں آ گئی' اشعر نے ماتھا پیٹا مگر اگلے پل جیسے یاد آ گیا۔

''ارے واہ...... پورے کا پورا بندہ تمہیں سونپ دیا میری امی نے ابھی بھی تم ناشکری ہو' قدر کرو میری۔''

''کتنے کنجوس ہو ناں تم۔'' اس نے چڑایا اور وہ بے عزتی سہہ نہ سکا۔

''صرف دو منٹ رکو' ہلنا مت اچھا۔'' اسے وارن کرتا وہ نیچے بھاگا اور جب لوٹا تو اس کے ہاتھ خالی نہیں تھے۔

''تم ہر چاندرات کو ان رنگ برنگی چوڑیوں کے لیے ہی مر رہی ہوتی ہو ناں' میں اسی لیے یہ آج پہلے ہی لے آیا تھا تاکہ تمہارے طعنے نہ سننے پڑیں۔'' اشعر نے ڈھیروں چوڑیوں کا بنڈل اس کے ہاتھوں میں تھمایا۔ وہ مسکرا دی ہر چاندرات پر وہ اس کے پیچھے پڑ جاتی تھی' مجھے چوڑیاں دلوا اور مہندی دلوا کر لاؤ اور وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا کرتا تھا۔

''سارا حساب کتاب لگتا ہے آج ہی پورا کر دیا ہے۔'' اتنی ساری چوڑیاں دیکھ کر وہ بولی۔

''مگر تم ابھی بھی کچھ بھول گئے ہو؟''

''نہیں بھولا شاپنگ بیگ کھول کر دیکھ لو۔'' وہ یقین سے بولا تھا' میرب نے دیکھا واقعی کون مہندی بھی موجود تھی۔

''تھینک یو اشعر......''

''کیا کریں میڈم...... اب تو زندگی بھر یہ ڈیوٹی نبھانی ہے سوچا ابھی سے ہی آغاز کر دوں۔ اب خوش ہو ناں؟'' اس نے دوپٹے کے ہالے میں لپٹا جگمگاتا چہرہ نگاہوں سے دل میں اتارا۔

''بہت خوش ہوں' یہ پہلی چاندرات ہے جس پر میں واقعی خوش ہوں۔''

''ان شاء اللہ اب ہر آنے والی چاندرات اور عید ہماری یوں ہی خوشیوں سے بھری ہو گی۔'' اس نے یقین سے میرب کا مسکراتا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کہا۔ میرب نے بھی دل کی تمام صداقتوں سے آمین اور ان شاء اللہ کہا۔

ندا حسنین

سفید بالوں والی بڑھیا اپنے یخ بستہ پر پھیلائے سمندر کنارے بستے روشنیوں کے شہر پر وقتاً فوقتاً منتر پھونکے جا رہی تھی۔ وہ منتر جس سے سرد برفیلی ہوائیں جھونکوں کی صورت نکلتی شہر بھر کو اپنے حصار میں لے لیتیں۔ شہر کے باسی ٹھٹھرتے کپکپاتے اپنے اپنے گھروں میں قید ہو چکے تھے۔ شہر کراچی میں ان دنوں شدید سردی کا راج تھا مگر کچھ دنوں سے موسم نے اعتدال برتا تھا' سلونی شام خوشگوار جھونکوں کی چادر اوڑھے مسکراتی پھر رہی تھی۔ شہر کے باسی سرمئی شام سے لطف اندوز ہونے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

وہ ساڑھی کا پلو سیٹ کرتی ایک طائرانہ نگاہ اپنے دلکش سراپے پر ڈالتی آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ نیلی ساڑھی میں وہ بے انتہا پُرکشش لگ رہی تھی' ان کی شادی کو کچھ ہی دن گزرے تھے آج انہیں شادی کے سلسلے میں کی گئی دعوت میں جانا تھا۔ وہ ابھی پلٹی ہی تھی کہ زوار اسی پل شاور لے کر باتھ روم سے باہر نکلا' حریم پر نگاہ گئی تو اس کی جانب بڑھتا اس کے مدمقابل آ کھڑا ہوا۔

"کیسا لگ رہا ہوں میں؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا پوچھ رہا تھا' بلیک کلر کی شرٹ میں ملبوس' گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ حریم کو دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

"بالکل ویسے ہی جیسے روز لگتے ہیں۔" وہ لاکھ خوبرو سہی مگر ستائش پر پہلا حق اس کا ہی تھا۔ حریم نے دل میں سوچتے ہوئے ایک ادا سے کہا۔

"بہت خوش قسمت ہو تم اے نادان لڑکی......" زوار نے ایک نظر حریم کو جیولری کی جانب بڑھتے دیکھ کر کہا۔

"وہ کیوں؟" حریم نے جھمکے اٹھا کر کان میں پہنے۔

"مجھ سے جو شادی ہو گئی تمہاری' اتنے خوب صورت انسان سے جس لڑکی کی شادی ہو گی وہ خوش قسمت ہی ہو گی۔" زوار بڑے مزے سے بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔

"اُف...... خوش فہمی آپ کی۔" زوار کی بات سن کر یوں کہا جیسے ناک سے مکھی اڑائی ہو۔

"بریڈپٹ' ٹام کروز سے کم نہیں میری شخصیت۔" زوار پرفیوم کا دھواں دھار اسپرے خود پر کرتا گویا ہوا۔

"حد ہے' کوئی حل نہیں آپ کا۔" حریم نفی میں سر ہلاتی پرفیوم اٹھانے سنگھار میز کی جانب بڑھی تھی کہ اچانک زوار نے اسے کلائی سے تھام کر ایک جھٹکے سے خود سے نزدیک کیا' اس اچانک افتاد پر حریم سٹپٹا گئی۔

"کوئی ریاضی کا سوال نہیں ہوں میں جو میرا کوئی حل ہوگا۔" زوار گمبھیر لہجے میں بولا' حریم بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

"تو پھر کون ہیں آپ؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"تمہارا شوہر۔" ایک رعب سے کہتے ہوئے زوار نے اپنے پاکٹ سے موبائل نکالا اور سیلفی لینے لگا' تصویر انتہائی دلکش آئی تھی' زوار کیمرے کی جانب جبکہ حریم زوار کی جانب دیکھتے مسکرا رہی تھی۔

"ویسے کیسا لگا تمہیں اتنے خوب صورت آدمی کے ساتھ تصویر بنانا۔" وہ موبائل واپس پاکٹ میں رکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"خوب صورت آدمی...... کون خوب صورت آدمی؟" حریم نے اِدھر اُدھر دیکھتے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہارا شوہر اور کون۔" زوار نے خفگی سے منہ پھلا کر کہا تو حریم کا زندگی سے بھرپور قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

❀......❀......❀

حریم اور زوار کی شادی مکمل طور پر ارینجڈ تھی' حریم فطرتاً سلجھی ہوئی خوش اخلاق لڑکی تھی۔ سسرال میں بہت جلد اس نے اپنا معتبر مقام بنا لیا تھا جبکہ زوار محنتی' خیال رکھنے والا انسان تھا گو کہ ان کی شادی ارینجڈ تھی اور شادی سے قبل وہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی ملے بھی نہ تھے مگر پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے کی دھڑکن بن چکے تھے۔ مشہور زمانہ کہاوت نکاح کے بول میں بڑی طاقت ہوتی ہے' ان دونوں پر سچ صادق آئی تھی' وہ دونوں محبت کی ان دیکھی مگر مضبوط ڈور میں بندھ چکے تھے۔

مگر جوں جوں دن گزرتے گئے زوار کی شخصیت و مزاج کے بھید حریم پر کھلنے لگے' وہ محنتی' خیال رکھنے والا شخص اپنے اندر ایک من موجی' ضدی بچہ چھپائے رکھتا تھا جو ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتا تھا۔ اپنی بات منوا کر خوش ہوتا' روٹھنا منانا' نخرے کرنا' نخرے اٹھانا' ایک بڑی انوکھی عادت زوار کی تھی کہ اپنی تعریف بذات خود کرنا اسے بے حد پسند تھا۔ حریم کو اپنا یہ بے انتہا محبت

کرنے والا سادہ دل شوہر بے حد عزیز ہوتا جارہا تھا۔
زوار نے کچھ عرصہ قبل اپنے کاروبار کا آغاز کیا تھا اور اس وقت وہ جی جان سے اپنے کاروبار کی ساکھ بنانے میں مصروف تھا۔ کاروبار کو ترقی کے منازل کی جانب گامزن کرنا ہی اس کی اولین ترجیح تھی اور اس مصروفیت کے بناء پر وہ ہزار خواہش کے باوجود حریم کو وہ ٹائم نہیں دے پارہا تھا جو ان دونوں کی خواہش بھی تھی اور حریم کا حق بھی۔ حریم یوں تو اس کی کاروباری مصروفیات کی اہمیت کو بخوبی سمجھتی تھی کیونکہ اسی پر ان کا روشن مستقبل منحصر تھا مگر کبھی کبھی فطری خواہشات سے مجبور ہوکر وہ معصوم سی لڑکی زوار سے روٹھ جاتی تھی۔ دوسرے نئے شادی شدہ جوڑوں کی طرح اس کا دل بھی چاہتا تھا وہ اور زوار کہیں گھومیں پھریں ایک ساتھ قیمتی وقت بتائیں مگر فی الحال ایسا مشکل تھا۔ سوضبط کرتے کرتے وہ کبھی کبھی چڑچڑی ہوجاتی تھی اور ایسے ہی اس دن وہ چڑی بیٹھی تھی جب جذب کے عالم میں زوار نے اس سے پوچھا۔
"تمہیں میرے گھر والے کیسے لگے؟"
"بہت ہی اچھے۔" حریم نے پوری سچائی سے جواب دیا' یہ حقیقت تھی کہ زوار کے گھر والے بے حد محبت کرنے والے ثابت ہوئے تھے۔ ساس' سسر' نند' دیور' دیورانی سب ہی پُرخلوص اور مل جل کر رہنے والے تھے۔
"اور میں تمہیں کیسا لگا؟" بڑی چاہت کے ساتھ پوچھا۔
"بہت ہی بُرے بورنگ....." حریم نے چڑ کر منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔
"فکر نہ کرو' کچھ دن بعد بہت اچھا ہوجاؤں گا۔" زوار واپس اپنی جون میں لوٹا مسکراتا ہوا کہنے لگا۔ حریم نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا' ناراضگی کی تیز آنچ آہستہ آہستہ مدھم پڑنے لگی' محبت پاش نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگی زوار اسے یوں دیکھتا پاکر اس کے قریب ہوا اور سرگوشی کے سے انداز میں کہنے لگا۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہو' کیا کبھی دیکھا نہیں اتنا خوب صورت آدمی۔" حریم سٹپٹا گئی' ایک چپت زوار کے کشادہ سینے پر لگائی اور بڑبڑاتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھنے لگی۔
"کوئی حل نہیں آپ کا۔"
"میں کوئی ریاضی کا سوال نہیں۔" اس کی بڑبڑاہٹ کا جواب اس کی سماعت میں سرگوشی کی صورت گونجا۔ حریم نے اس کی شرارت سمجھتے ہوئے کشن اٹھا کر سر پر دے مارا' اگلے ہی پل وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیے تھے۔

❀......❀......❀

"فکر نہ کرو' کچھ دن بعد بہت اچھا ہوجاؤں گا۔"
دن گزرتے گئے مگر اس ایک جملے میں حریم الجھ کر رہ گئی۔ خوب صورت لمحات میں کہا گیا یہ ایک جملہ اسے آنے والے حسین دنوں کی امید دلاتا تھا۔ رمضان کے بابرکت مہینے میں کچھ ہی دن رہ گئے تھے۔ حریم کے ماموں زاد بھائی کے گھر شادی کی دعوت تھی۔ محفل کشت زعفران بنی ہوئی تھی' سلیم بھائی بہت ہی خوش اخلاق اور زندہ دل انسان تھے۔ کھانے کے بعد خوش گپیوں کی محفل سجی۔
"چلو بھئی آج ایک کھیل کھیلتے ہیں' سب کی بیگمات سے کہتے ہیں کہ اپنے اپنے شوہروں کی تعریف کریں۔" باتوں باتوں میں سلیم بھائی نے ایک پھلجڑی چھوڑی۔
"بس کردیں سلیم..... اتنا مشکل کام کون کرپائے گا۔" سب سے پہلے سلیم بھائی کی بیگم سلمٰی بولیں۔
"ارے واہ ہماری تعریف کرنا مشکل کام ہے کیا تمہارے لیے' اگر مشکل ہے تو مشکل ہی سہی۔" سلیم بھائی نے آج ٹھان ہی لی تھی' اپنی بیگم سے تعریف کروانے کی۔

"بھئی بھابی...... آج تو آپ مشکل میں پھنس ہی گئیں، سلیم بھائی تعریف کیے بناء تو نہیں چھوڑیں گے آپ کو۔" زوار نے بھی ہنستے ہوئے لقمہ دیا۔

"اچھا چلیں کوشش کرتی ہوں۔" سلمٰی بھابی نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔

"ارے بیگم...... گلوکاری نہیں کروا رہے آپ سے جو گلا صاف کررہی ہیں، اپنی تعریف کروانی ہے، بھئی تعریف......" سلیم بھائی تعریف سننے کو کچھ زیادہ ہی بے تاب ہوئے جارہے تھے۔

"ارے جناب آج تو میں آپ کی ایسی تعریف کروں گی کہ برسوں یاد رکھیں گے آپ۔" سلمٰی نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دھمکاتے ہوئے کہا۔

"بُو...... بُو...... سازش کی بُو آرہی ہے بھئی۔" سلیم بھائی کی شوخی اپنے عروج پر تھی، زوار اور حریم ہنس دیے۔

"تو جناب میرے میاں جی کی بات ہی نرالی ہے۔" سلمٰی نے تعریف کا آغاز کیا اور سلیم بھائی گردن اکڑا کر بیٹھ گئے جبکہ زوار اور حریم ہمہ تن گوش ہوئے۔

"بظاہر تو میرے میاں بڑے ہی خوش گفتار، خوش اخلاق خوش لباس نظر آتے ہیں مگر ان کے اندر ایک چھوٹا سا نانا پاٹیکر چھپا بیٹھا ہے۔" سلمٰی نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"کیا...... واقعی؟" زوار اور حریم نے چونک کر سلیم بھائی کو دیکھا، سلیم بھائی گڑبڑا گئے۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو بیگم......" سلیم بھائی کے لبوں سے پھسلا۔

"آپ ہی نے کہا تھا میری تعریف کرو، تو کررہی ہوں۔" سلمٰی نے کندھے اچکاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"کریں...... کریں...... سلمٰی آپی مزہ آرہا ہے۔" حریم نے مزے لیتے ہوئے کہا۔ سلیم بھائی نے پہلے حریم اور پھر اپنی بیگم کو گھورا مگر دونوں ہی ان کی جانب متوجہ نہ تھیں، زوار اس ساری صورت حال پر لب بھینچے مسکراہٹ دبائے بیٹھا رہا۔

"ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی۔" سلمٰی نے دماغ پر زور ڈالتے سلسلہ کلام جوڑنا چاہا۔

"نانا پاٹیکر چھپا ہوا ہے۔" زوار نے لقمہ دیا۔

"گھر میں داخل ہوتے ہی میرے فواد خان جیسے خوش لباس میاں یکایک سلمان خان کا روپ دھار کر قمیص اتار پھینکتے ہیں۔ شاہ رخ خان جیسی میٹھی میٹھی باتیں کرنے والی زبان یکایک سنی دیول کی طرح دھاڑنا شروع ہوجاتی ہے اور عامر خان جیسی خوش اخلاقی نانا پاٹیکر کا روپ دھار کر گھر میں ہلڑ مچا دیتی ہے اگر من پسند کھانا نہ پکا ہو تو وہ شور مچاتے ہیں کہ الامان......"

"بیگم...... دیکھو یہ تم اب زیادہ بول گئی ہو۔" سلیم بھائی سٹپٹا کر بولے حریم اور زوار بے اختیار مسکرائے۔

"اور اگر کہیں جانے کو کہہ دو، مارکیٹ تو جیب خالی اور سر درد کا بہانہ ہمیشہ سرفہرست رہتا ہے۔" سلمٰی نے سلیم بھائی کے احتجاج کے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بیگم...... اب خاموش ہوجاؤ ورنہ میں دھرنا دوں گا۔" سلیم بھائی نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی۔

"میاں جی...... آپ پر بھی میرے دھرنوں اور احتجاج کا اثر ہوا ہے؟ جانے دیں میاں صاحب، آپ کے ان دھرنوں کو میں بالکل خاطر میں نہیں لاؤں گی۔" سلمٰی بھی آج سلیم بھائی کو بھگو بھگو کر طعنے مار رہی تھیں۔

"ایسے میاں جی نہ کہو، خوامخواہ بے عزتی کا احساس ہوتا ہے۔" سلیم بھائی نے بڑی بے چارگی سے منہ لٹکا کر کہا۔

"جائیں صاحب میں نے آپ کو معاف کیا۔" ہر محبت شوہر کی طرح سلمٰی کے اندر بھی سلیم بھائی کے لیے محبت جاگ اٹھی۔ ان کی اس کھٹی میٹھی نوک جھونک پر حریم اور زوار مسلسل ہنستے مسکراتے رہے۔

"اب باری حریم کی، چلو چلو حریم...... تم اپنے میاں کے بارے میں ہمیں بتاؤ۔" توپوں کا رخ حریم کی جانب ہوا اور وہ آستینیں چڑھاتے میدان میں اتری، ایک شوخ نگاہ زوار پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے بولنا شروع ہوئی۔

"میرے شوہر ایک عظیم خوش فہمی کا شکار ہیں۔"

"اچھا کیسی خوش فہمی؟" سب نے چونک کر پوچھا، زوار نے اچنبھے سے حریم کو دیکھا مگر وہ اپنی لے میں مگن تھی۔

"انہیں خوش فہمی ہے کہ وہ ٹام کروز، بریڈ پٹ جیسے خوبرو اور اسمارٹ ہیں یعنی بے حد خوب صورت آدمی ہیں۔" حریم نے بلی تھیلے سے باہر نکالی اور سلیم بھائی اور سلمٰی کا قہقہہ کمرے میں بلند ہوا، زوار خجل سا سر کھجاتا ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"ارے تمہاری شادی کو ابھی کچھ ہی ماہ ہوئے ہیں اور اتنی جلدی تمہیں پتا بھی چل گیا۔" سلمٰی نے ہنستے ہنستے پوچھا۔

"ارے سلمٰی باجی پتا کیسے نہ چلتا، ذرا جوان کے چہرے مبارک پر نگاہ پڑی، ٹھاہ کرکے جواب ملتا۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو

دیکھا نہیں کیا خوب صورت آدمی۔" حریم نے مزے سے نقل اتارتے ہوئے کہا اور سلیم بھائی پھر قہقہے لگاتے لوٹ پوٹ ہونے لگے کچھ دیر قبل ہونے والی متواتر بے عزتیوں پر ہونے والی شرمندگی کا احساس زائل ہونے لگا۔

"بھئی میرے میاں تو یہ سوچتے نہیں کہ سامنے والا آپ کو دیکھ کیوں رہا ہے وہ بھلا غصے سے گھور رہا ہو مگر یہ اسی خوش فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ لوگ انہیں ان کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر گھور رہے ہیں۔" حریم اپنی بات کے اختتام پر کھلکھلا کر ہنسی' سلیم بھائی نے بھی اس کی ہنسی کا بھرپور ساتھ دیا۔ تسلمیٰ نے کچھ کہنے کی غرض سے زوار کو دیکھا تو چونک گئیں' صاف نظر آرہا تھا کہ حریم کا اس طرح مذاق بنانا زوار کو پسند نہیں آرہا' انہوں نے فوراً موضوع گفتگو بدل ڈالا۔ واپسی پر تمام راستے حریم آج کی دعوت پر بلا تکان بولتی چلی گئی' زوار کی طرف سے جامد خاموشی کا احساس اسے کافی دیر بعد ہوا۔

"کیا ہوا...... آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟" بالآخر وہ پوچھ بیٹھی۔

"تم نے کچھ کہنے کے قابل چھوڑا کہاں۔" وہ سنجیدگی سے بنا اس کی جانب دیکھے بولا۔

"کیا مطلب...... میں نے کیا کیا ہے؟" حریم نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے رشتہ داروں کے سامنے میرا اچھا خاصا مذاق بنانے کے بعد بھی تمہیں پتا نہ چلا کہ تم نے کیا کیا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہا تھا' حریم چپ سی رہ گئی۔

"وہ سب کچھ تو میں نے مذاق میں کہا تھا۔" بہت مشکل سے کچھ دیر بعد وہ اتنا کہہ پائی۔

"حریم میری یہ معصوم بے ضرر سی شرارت صرف تمہارے ساتھ تھی' جس نے اچھا خاصا آج مذاق بنا کر رکھ دیا۔ اب میرا دل بھی نہیں چاہے گا تم سے ہنسی مذاق کرنے کا۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا' حریم شرمندہ سی چپ رہ گئی۔ ہزار خواہش کے باوجود اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا' باقی کا تمام راستہ خاموشی سے طے ہوا۔ گھر آ کر بھی حریم نے کافی بار بات کرنے کی کوشش کی مگر زوار نے کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

یہاں تک کہ رمضان کے بابرکت ماہ کی بھی آمد ہوگئی' یہ دن وہ زبیر کے کاروبار کے لیے بے حد اہم تھے۔ عبادت کے ساتھ ساتھ وہ اپنی کاروباری مصروفیات میں مزید مصروف ہوگیا۔ پشیمانی میں گھری حریم کو اب اندازہ ہو رہا تھا کہ زوار کو منانا کتنا مشکل کام ہے' اس بارے میں وہ کسی سے ذکر کر بھی نہیں سکتی تھی۔ جانتی تھی کہ معاملہ ایسا ہے کہ گھوم پھر کر بات اس پر آئے گی' اس دن افطاری کے لیے فروٹ چاٹ بنا رہی تھی تب ہی اس کی ساس نے پوچھا۔

"بیٹا...... تم دونوں کے بیچ کوئی کھٹ پٹ ہوئی ہے؟"

"نہیں امی' ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا' خوف تھا کہ حقیقت بتانے پر اس کی ہی نہ کلاس ہو جائے۔

"دیکھو بیٹا...... تم مجھے اپنی ماں سمجھو' میں زوار کی ہی نہیں تمہاری بھی ماں ہوں' تمہارا اترا اترا چہرہ اور زوار کا روٹھا روٹھا انداز مجھے بہت کچھ سمجھا رہا ہے۔" ماں جی نے جتاتے ہوئے پوچھا تو اسے بتاتے ہی بنی' ماں جی اس کی ساری بات سن کر مسکرائیں۔

"بیٹا آج تمہیں بتاتی ہوں' زوار یوں تو بہت بڑے دل کا مالک ہے مگر جب اس کا دل دکھتا ہے تب وہ آسانی سے معاف نہیں کرتا۔ بچپن سے اس کی یہی عادت ہے جب مجھ سے ناراض ہوتا تو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے مجھے اسے منانے کے لیے مگر پیار اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ تم ہمت نہ ہارنا' نرمی سے بات کرتی رہنا وہ سختی سے بات کرے تم نرمی ہی اختیار رکھنا۔ مان جائے گا' زیادہ دن ناراض نہیں رہے گا۔" ماں جی اس کا سر تھپک کر وظیفہ پڑھنے میں مگن ہوگئیں' حریم کو لگا کہ اسے نسخہ کیمیا مل گیا' اتنے دنوں کی کوشش کے بعد بھی ملنے والی بے رخی نے اب اس کا دل بھی مقدر کر دیا تھا مگر آج ماں نے جیسے پھر سے اسے راستہ دکھایا' اس کی ہمت بندھائی۔

"کاش میں پہلے ہی بات کر لیتی ماں جی سے۔" اس نے دل میں سوچا اور مسکرا کر ماں جی کو دیکھا' جواب میں وہ بھی خلوص سے مسکرا دیں۔

❀......❀......❀

رات جب زوار تراویح پڑھ کر گھر میں داخل ہوا تو ماں جی نے اسے آلیا' بارہا استفسار پر اسے ماں جی کو ساری رام کتھا سنانی پڑی' ماں جی نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا اور سمجھانا شروع ہوئیں۔

"میرے بیٹے...... تم نے کئی بار بھی پیار محبت اور بھی ہنسی مذاق میں حریم کی ہمارے سامنے کتنی بار کھنچائی کی' اس نے تو درگزر کیا...... تو بیٹا تیرا ظرف کب سے اتنا چھوٹا ہوگیا جو اتنے دنوں سے اپنی نئی نویلی دلہن کے لیے بغض پال بیٹھا ہے۔"

"ماں جی میں جو بھی کہتا ہوں اپنے گھر میں کہتا ہوں' باہر تو

کچھ نہیں کہتا اس کے بارے میں۔" زوار نے جواز پیش کیا' ماں جی ہنس دیں۔

"تو آج بھی بالکل بچہ ہے زوار....." ماں جی کے یوں کہنے پر وہ پھر سے بولا۔

"اس نے اپنے رشتہ داروں کے گھر جا کر بے عزتی کی میری۔"

"بیٹا..... ذرا ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ نہ بنایا کر' تجھے دکھ ہے کہ اس نے اپنے رشتہ داروں کے سامنے تیرا مذاق بنایا۔ تُو بھی تو ہمارے سامنے اس کا مذاق بناتا ہے' ہم بھی تو تیرے رشتہ دار ہوئے نا بچے' دلوں کو ذرا ذرا سی بات پر میلا نہ کیا کر' ابھی دن ہی کتنے ہوئے۔ باتوں کو درگزر کیا کر' تبھی خوشی خوشی آگے بڑھ سکے گا۔"

ماں جی نے بات مکمل کرکے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ زوار ان کی بات سمجھتے کمرے سے باہر آگیا' سامنے حریم زینی سے باتیں کر رہی تھی' اس پر ایک نگاہ ڈال کر وہ اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔

❀.....❀.....❀

سلمیٰ باجی کا آج فون آیا تھا' حریم کو ان سے بات کرکے ہمیشہ ہی بے حد خوشی ہوتی تھی' وہ بے حد سمجھ دار اور سلجھی ہوئی خاتون تھیں۔

"حریم اس دن مجھے محسوس ہوا کہ اس مذاق پر زوار کو کافی برا لگا تھا۔" باتوں باتوں میں انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"سلمیٰ باجی انہیں تو اتنا برا لگا ہے کہ اس دن سے مجھ سے ناراض ہیں۔" حریم افسردگی سے گویا ہوئی۔

"ھونہہ..... تم نے منانے کی کوشش نہیں کی؟" سلمیٰ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"تب سے منانے کی ہی کوشش کر رہی ہوں۔" حریم اپنی کوششوں کے متعلق سلمیٰ کو آگاہ کرنے لگی۔

"کتنے جتن کیے میں نے ان کی من پسند ڈشز پکائیں' بالکل بچوں کی طرح خیال رکھا۔ کڑوے کسیلے جملوں کا محبت سے جواب دیا مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سلمیٰ باجی' آپ بہت خوش قسمت ہیں جو سلیم بھائی جیسا شوہر آپ کو ملا۔" وہ آخر میں دلگیر انداز میں شکوہ کر رہی تھی۔

"ایسی بات نہیں حریم..... بیوی کو شوہر کے مزاج کو سمجھ کر چلنا پڑتا ہے' تم مجھے کتنے عرصے سے جانتی ہو' کیا کبھی تم نے دیکھا میں نے کبھی پیٹھ پیچھے یا سلیم کے سامنے ان کے حوالے یا ان کی عادتوں کے حوالے سے محفل میں کوئی بات کی ہو۔" سلمیٰ کے سوال پر حریم بے اختیار نفی میں سر ہلا گئی۔

"میں نے کبھی نہیں کی' اس دن پہلی بار میں ان کے اکسانے پر بات کی' وہ بھی کیوں کی۔ سلیم اور میں چاہتے تھے کہ زوار ہمارے درمیان خود کو اجنبی محسوس نہ کرے' میں نے بھی جتنی باتیں کیں اپنی حدود کو جان کر کیں۔ میں جانتی ہوں سلیم کس حد تک مذاق برداشت کرسکتے ہیں' ہمارے ساتھ کو آٹھ سال ہوگئے ہیں' ہم ایک دوسرے کے مزاج آشنا بن چکے ہیں' سمجھتے ہیں ایک دوسرے کو مگر تم دونوں کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں' بمشکل آٹھ ہفتے۔ ابھی تم دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہے' میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ تم دوسرے شادی شدہ جوڑوں کے طرز عمل کو نہ اپناؤ بلکہ ایک دوسرے کو سمجھو اور دوسروں کے لیے مثال بنو۔" ڈھکے چھپے لفظوں میں سلمیٰ نے بہت پتے کی بات حریم کو بتائی تھی۔ وہ اپنی نادانی جان گئی تھی ویسے بھی اب رمضان المبارک کا مہینہ اختتام پذیر تھا' اسے اب کسی بھی طرح پہل کرکے اپنے روٹھے میاں جی کو منانا تھا مگر اگلے چند دن زوار کے بے پناہ مصروف گزرے۔ حریم کو بات کرنے کا موقع نہ مل سکا' یہاں تک کہ شوال کا چاند نظر آگیا۔ وہ مبارک باد دینے کی غرض سے کمرے میں آئی' زوار سنجیدگی سے ٹی وی دیکھنے میں مگن تھا وہ اس کے نزدیک بیٹھتی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر محبت پاش نظروں سے دیکھتے پوچھنے لگی۔

"کب تک ناراض رہیں گے' اب ناراضگی ختم بھی کردیں۔"

جواب میں جامد خاموشی رہی۔ "مجھ سے غلطی ہوگئی تھی' اب معاف بھی کردیں پلیز۔" وہ ساری انا پرے رکھ کر گزارش کر رہی تھی۔

"ابھی مجھے تنگ نہ کرو' باہر جاؤ کمرے سے۔" زوار نے نہایت کٹھور پن سے جواب دیا۔

"جب تک آپ نہیں مانیں گے' نہیں جاؤں گی۔" وہ بھی نروٹھے پن سے بولی۔

"زہر لگ رہی ہو اس وقت تم اور تمہاری باتیں۔" وہ تنفر سے بولا' حریم کو چپ لگ گئی۔

"اگر اتنی زہر لگ رہی ہوں تو کھا کر مرجائیں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور تیزی سے بولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں جھلملا رہے تھے' اتفاق سے ماں جی نے حریم کو بھیگی آنکھوں سے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا' انہوں نے تاسف بھری نگاہ زوار پر ڈالی' زوار منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔

حریم کی وہ چاند رات جو انتہائی خوب صورت ہونی چاہیے تھی انتہائی روکھی پھیکی ثابت ہوئی نہ تو اس نے اپنے ہاتھوں میں مہندی لگوائی نہ ہی چوڑیاں پہنیں۔ وہ رات گئے تک کمرے میں بھی نہ

آئی زوار آنکھ بند کیے کب سے اس کا منتظر رہا مگر وہ نہ آئی۔ صبح جانے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتہ نہ چلا مگر جب صبح نماز عید کے لیے آنکھ کھلی وہ تب بھی کمرے میں نظر نہ آئی زوار کو پشیمانی نے گھیر لیا۔ ناراضگی تو وہ کب کی بھلا چکا تھا مگر اسے تنگ کرنے کے چکر میں کافی بدلحاظ ہوگیا' عید کی نماز کے بعد وہ گھر آیا تب اس کی ایک جھلک دیکھنے کو پورے گھر میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا بلآخر وہ اسے کچن میں ماں جی کے ساتھ پُر اہتمام ناشتے میں مدد کرتی ملگجے سے حلیے میں نظر آ ہی گئی۔ وہ نئی نویلی دلہن تھی' اس کی ساتھی تھی' اس گھر میں اس کی پہلی عید تھی' اسے اس حلیے میں تو نہیں ہونا چاہیے تھا' اس کے دل کو پچھتاوے نے آن گھیرا وہ سویوں کی ٹرے اٹھائے اس کے سامنے سے گزر گئی مگر نگاہِ غلط بھی اس پر نہ ڈالی۔

"بیٹا جب منانے کے باوجود ناراضگی بلاوجہ بڑھتی چلی جائے تو وہ ناراضگی نہیں رہتی بلکہ زیادتی بن جاتی ہے۔ حریم نے تو نادانی کی تھی مگر تم نے بہت زیادتی کی ہے اور اب اس کا مداوا بھی تم خود کرو گے۔" ماں جی اسے احساس دلا کر چلی گئیں اور وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔

مہمانوں کی آمد نے عید کے خوب صورت دن کو مزید رونق بخش دی تھی' ابھی ابھی وہ لوگ مہمانوں سے فارغ ہوئے تھے حریم زینی کے ساتھ بیٹھی آج کے دن کی مصروفیات پر بات کر رہی تھی' تب ہی ماں جی کمرے میں داخل ہو کر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"حریم بیٹا..... زوار شام میں باہر چلنے کے لیے کہہ رہا ہے' جاؤ تیار ہو جاؤ۔" ماں جی نے اس کے سر پر یوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ وہ نفی میں سر نہ ہلا سکی اسے اٹھتے ہی بنی۔

عصر سے قبل وہ دونوں گھر سے نکلے' گاڑی میں بیٹھتے ہی زوار نے حریم کو دیکھا مگر وہ منہ پھیر گئی۔ زوار نے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کی' راستے بھر میں کئی دفعہ اس نے نگاہ التفات حریم پر نچھاور کی مگر وہاں سے کوئی رسپانس نہ ملا۔ کچھ دیر کی ڈرائیو کے بعد وہ دور دریا پر موجود تھے۔ زوار نے گاڑی پارک کی اور حریم کو ساتھ لیے کیماؤنڈ میں داخل ہوگیا۔

کھلا نیلا سمندر' ٹھنڈی نمکین ہوائیں اور کنارے سے لگے خوب صورت جہاز' حریم حیرانگی سے اس حسین منظر کو دیکھتی چلی گئی۔ زوار اس کا ہاتھ تھامے ایک سفید رنگ کی فاسٹ بوٹ لے آیا' عصر اور مغرب کا درمیانی وقت تھا' سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ بوٹ تیز رفتاری سے ٹھہرے سمندر کی وسعت میں پانی کو چیرتی آگے بڑھ رہی تھی' نمکین ہوائیں اس کے بالوں سے اٹھکھیلیاں کر رہی تھیں۔ وہ خاموش بیٹھی پانی کی سطح پر سفر کر رہی تھی' نیلے پانی کا عکس اس کی اداس آنکھوں میں جھلملا رہا تھا۔

"بہت سے انمول لمحات ضائع کرنے کا مرتکب ہوا پھر بھی معافی کا خواستگار ہوں۔" حریم نے گہری نگاہوں سے اسے ایک نظر دیکھا اور اس کے ہاتھ ہٹا کر منہ پھیر لیا۔

"حریم آئی ایم سوری..... پلیز مان جاؤ۔" وہ اب منمنانے لگا۔ "میں جانتا ہوں' میں نے زیادتی کی ہے' میں یہ بھی جانتا ہوں تم بہت اچھی ہو مجھے معاف کر دو گی۔" وہ امید باندھے کہہ رہا تھا' حریم خاموشی سے سمندر کو تکتی رہی' اس نے ایک بار اس کا چہرہ تھام کر اپنی جانب گھمایا۔ سمندر نہ جانے کب اٹھ کر اس کے نین کٹوروں میں جا سمایا تھا' وہ یک ٹک اسے تکتا رہا' سورج غروب ہو رہا تھا۔ آسمان پر ہلکی ہلکی لالی تیرنے لگی تھی' وہ منظر نہایت حسین تھا' زوار کو حریم بھی اس پل اس منظر کا حصہ معلوم ہو رہی تھی' اداس اداس سی' دلکش دلکش سی۔

"میں اچھی کہاں ہوں' میں تو زہر لگتی ہوں۔" بلآخر اس کے جامد لبوں سے شکوہ پھوٹ ہی پڑا۔

"ہاہاہا....." نمکین فضاؤں میں زوار کا قہقہہ گونجا۔

"تم نے کہا تھا زہر لگتی ہوں تو کھا کر مر جاؤ۔" زوار نے مسکراتے ہوئے کہا اور حریم کے ہاتھوں کو دھیرے سے چوما۔ حریم نے سٹپٹا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑا لیا۔

"دیکھو تم زہر ہوتیں تو تمہیں چکھ کر میں مر جاتا' مگر میں تو پھر سے جی اٹھا۔ تم تو امرت ہو' میری زندگی' میری خوشی تم ہی تو ہو۔" وہ گمبھیر لہجے میں کہتا چلا گیا' حریم اس کی اس اظہار محبت پر مسکرا اٹھی۔ ناراضگی ہوا میں بھاپ بن کر اڑ گئی' آسمان گہرا نیلا ہوتا چلا گیا' کناروں پر موجود روشنیوں سے جگمگاتی سنہری عمارتیں اس منظر کے حسن میں چار چاند لگا رہی تھیں۔ وہ روشنیوں کے شہر سے پرے' نیلے سمندر کی بانہوں میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ لہریں دربان کی صورت ان کی بوٹ کے دونوں جانب ہاتھ باندھے مسکراتی انہیں دیکھ رہی تھیں' فضاؤں میں محبت گھلنے لگی تھی' ان کی زندگی کے خوب صورت لمحوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

"عید پر تمہاری شادی طے کردی گئی ہے۔" صالحہ بیگم نے اسے اطلاع دی تو وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی تھی۔ اگرچہ یہ بھی ایک نہ یقین کرنے والی بات تھی، جہاں زیست نے دو مرتبہ اس کی شادی کو التوا میں ڈالے رکھا تھا اب عید کے موقع پر شادی کی اطلاع بھی اسے ایک مذاق ہی لگ رہی تھی۔ ارسل اس کا کزن بھی تھا اور منگیتر بھی۔

یہ منگنی خالصتاً بڑوں کی پسند کے مطابق تھی مگر بچوں سے ان کی منشا کی سند ضرور حاصل کرلی گئی تھی۔ ارسل نے تو باقاعدہ اس کے نام پر اپنی امی کو عندیہ دیا تھا، یوں چچی جان اس کے لیے رشتہ لے کر آئی تھیں۔

"مگر ابھی تو رضیہ پڑھ رہی ہے ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟" سلمیٰ بیگم معترض ہوئیں اور بات ایک لحاظ سے ٹھیک بھی تھی۔ سارا خاندان کو اطلاع ہوجاتی اور پھر خاندان بھر کی نگاہیں ارسل اور رضیہ کے رشتے پر ٹک جاتیں۔ مگر جب صالحہ بیگم نے دلیل سے قائل کیا تو سب کو منطق سمجھ آگئی تھی۔

☾ ..... ☆ ..... ☾
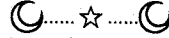
ارسل اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرون ملک جارہا تھا اور ہر ماں کی طرح صالحہ بیگم بھی یہی روایتی سوچ رکھتی تھیں کہ بیٹے کو باندھ دیں تاکہ پیروں میں من چاہی زنجیر انہیں وقت آنے پر واپس کھینچ لائے۔

"اب ہاں بھی کردو ناں بھابی، یوں بھی رضیہ اب اتنی بھی بچی نہیں ہے ایف اے میں تو ہے۔ دو سال تک آجائے گا ارسل تو ہم دھوم دھام سے شادی کردیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ ارسل وہاں جا کر میموں کے چکر میں پھنس جائے۔" سلمیٰ بیگم نے طوعاً و کرہاً اس رشتے پر ہاں کردی تھی۔ کہتے ہیں جب ماں کا دل راضی نہ ہو مکمل تو اس بات میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوجاتی ہے۔ ماں کا دل آنے والے اندیشوں سے نہ صرف دہل سا جاتا ہے بلکہ اسے آنے والے مصائب کے قدموں کی چاپ بھی سنائی دے جاتی ہے۔

بے حد دھوم دھام سے منگنی کی رسم ادا کی گئی اور خوب خوشیاں منائی گئیں، پھر جب رضیہ کے چہرے پر ارسل کے نام کی لالی چھانے لگی تو سلمیٰ بیگم بھی مطمئن سی ہوگئی تھیں۔ ارسل کے اب بار بار چکر لگنے لگے تھے اور سلمیٰ بیگم نے کبھی ارسل کے آنے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ یہ ایک مکمل مذہبی گھرانہ ضرور تھا مگر یہاں اتنی پابندی بھی نہیں تھی کہ سلام تک نہ کیا جاسکے۔ اس لیے جب ارسل آتا رضیہ چائے تیار کرکے بمعہ لوازمات مسکراتے ہوئے ٹرے ٹیبل پر رکھ دیتی۔ ارسل کی دھیمی سی لو دیتی نگاہوں کی زد میں رضیہ شرما سی جاتی تھی۔

اتنا ہی ان دونوں کے لیے کافی تھا کہ وہ ایک دوسرے کی نگاہوں میں اپنا عکس تلاشتے اور کھوجتے رہتے تھے۔ مستقبل کے سنہرے خواب میٹھی سی اٹھتی دل میں کسک اور ان دیکھی راہوں پر قدم سے قدم ملا کر چلنے کی طویل راہ گزر، جو عنقریب ان دونوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ دینے والی تھی۔ جس دن ارسل نے جانا تھا، رضیہ نے رو رو کر اپنا برا حال کرلیا تھا۔ متورم چہرہ، سوجی آنکھیں، دل کی عکاس تھیں۔ ارسل نے خاص طور پر جانے سے پہلے رضیہ سے ملنے کی تائی اماں سے فرمائش کی تھی۔ ارسل نے جوں ہی رضیہ کا اداس چہرہ دیکھا تو اسے لگا جیسے اس کے دل پر گھونسہ سا لگا ہو، رضیہ نے ایک نظر ارسل کو دیکھا شکوہ کناں آنکھوں میں درد کا جہاں آباد تھا۔ کرب و اذیت کے کتنے دریا وہ عبور کر آئی تھی۔ ارسل یک ٹک اس کے مغموم چہرے پر لکھی تحریر پڑھتا رہا، کہنے کو جیسے اب کچھ تھا ہی نہیں...... اپنے پیاروں کی جدائی کا غم سوہانِ روح ہوا کرتا ہے اور ارسل سے اس کا نازک رشتہ متقاضی تھا کہ ارسل اس سے کوئی عہد و پیماں کرنے کوئی ایسا لفظ جو اس کے رستے زخموں پر مرہم رکھ دے، ارسل نجانے خلاؤں میں دیکھ کر کیا سوچ رہا تھا، پھر خرد کی دنیا میں لوٹ آیا اور گلا کھنکھارتے ہوئے بولا۔

"رضیہ میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کروں گا، محض اتنا کہوں گا کہ مجھ سے بڑی دو بہنوں کی ذمہ داری بھی ابا کے ساتھ مجھے ہی بانٹنی ہے، رخشی آپا اور زویا آپا کے رشتے طے ہیں، میں چاہتا ہوں تعلیم کے بہانے جو مجھے یہ موقع ملا ہے اسے گنواؤں نہیں بلکہ اتنا کما کر واپس لوٹوں کہ ابا کے چہرے پر چمک ہو، اماں کا چہرہ سرخرو ہو اور میں ان سے نظر سے نظر ملا کر بات کرنے کے قابل ہوں اور رہی بات ہمارے اس نئے رشتے کی تو یہ رشتہ ضرور نیا ہے مگر ہم دونوں ایک ہی خون ہیں، یہ رشتہ ہمیں باندھے رکھے گا۔ میں جانتا

ہوں میرے حوالے سے دنیا تمہیں طعنہ وتشنیع نہیں دے مگر تائی اماں ضرور دیں گی‘ تم تب حوصلہ اور ضبط نہ کھونا‘ جب بھی تمہیں لگے کہ ضبط کا بندھن اب ٹوٹنے والا ہے تم مجھے یاد کرلینا اور ہاں کال بھی کرنا۔‘‘ رضیہ کی تمام حسیات کان بن گئی تھیں۔ اس کا ایک ایک لفظ اس کے کان ضرور سن رہا تھا مگر دل پر بھی رقم ہورہا تھا۔

پھر ارسل اسے روتا ہوا چھوڑ گیا تھا۔ شروع شروع میں وہ بے انتہا روئی‘ ارسل سے بچپن کا ناطہ تھا اور پھر دونوں نے اکٹھے شعور کی منزل پر قدم رکھا تھا‘ سب نے ہی ارسل کی کمی کو محسوس کیا تھا۔ شروع میں تو ایک تواتر سے ارسل کا فون آتا رہا‘ سلمٰی بیگم مطمئن تھیں‘ پھر وقت کو پہیہ لگ گیا‘ رضیہ کا گریجویشن بھی مکمل ہوگیا مگر ارسل نہ آیا۔ رخشی آپا اور زویا آپا کی شادیاں بھی ہوگئیں۔ خاص کر زویا آپا کی شادی پر تو اس کا دل بے انتہا تیز دھڑکنے اور ان گنت خواب بننے لگا تھا اس کی شادی کی تاریخ رخشی آپا اور چچی خود لینے آئی تھیں۔

’’اب نہ رویا کرو آرہا ہے اپنا ارسل‘ اس کی اور تمہاری شادی میں اپنی زویا کے ساتھ ہی کردوں گی۔‘‘ صالحہ بیگم نے اس کا بڑھ کر ماتھا چوما اور وہ بری طرح شرما گئی تھی۔

گھر بھر میں شادی کا ذکر ہونے لگا اور وہ پھر سے جیسے زندہ ہوگئی تھی۔ ارسل کو اتنے سالوں بعد دیکھنا کیسا لگے گا‘ مگر قدرت کی ستم ظریفی کہ ارسل نہ آسکا۔ بقول اس کے کہ اس کا ویزا نہیں لگ سکا اور یوں زویا تو رخصت ہوکر پیا دیس چلی گئی مگر رضیہ ماں کے سینے پر مونگ دلتی ہوئی وہیں ماں کی دہلیز پر بیٹھی رہ گئی۔ پھر ایک شام ارسل کا فون آیا۔ وہ رضیہ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

’’دیکھو رضیہ خفا نہ ہونا میں جلد آجاؤں گا۔‘‘ ارسل پشیمان سا تھا۔

’’جی یہ تو میں پچھلے چار سال سے سن رہی ہوں۔‘‘ اس نے افسردگی سے کہا مگر ارسل کو اس کا کہنا سراسر طنز ہی لگا تھا۔

’’اب اگر نہیں آسکا تو کیا تم مجھے طعنے دو گی۔‘‘ ارسل کو اس کا کہنا سخت ناگوار خاطر گزرا تھا شاید جبھی روکھے سے انداز میں بول گیا۔

’’کیا اپنی آپا کا سوچنے کی بجائے خود دلہا بن جاتا اور ساری عمر میری آپا کو طعنے ملتے کہ جہیز نہیں لائی‘ ڈھنگ کا کھانا نہیں تھا‘ فرنیچر عمدہ نہ تھا اور بہت سی باتیں جو میری آپا کے لیے اذیت کا باعث بن جاتیں‘ اس لیے بجائے خود غرض بن کر سوچنے کے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ساری رقم بھیج دیتا ہوں‘ میں تو اگلے سال بھی آہی سکتا ہوں شادی کے لیے۔‘‘ ارسل کاش یہ وضاحت نہ کرتا تو رضیہ کو اتنا دردنہ ملتا۔

اور جو طعنے اس کا مقدر بن گئے اس کا کیا‘ اٹھتے بیٹھتے ہر کسی کی نگاہوں میں لٹا ترحم‘ تمسخرانہ نگاہیں‘ ذومعنی جملے ارسل نے لحظہ بھر کے لیے اس کی بابت نہ سوچا۔ جو طعنے اس کی بہن کو ابھی ملے بھی نہ تھے اور شاید ملتے بھی نہ۔ کیونکہ صالحہ بیگم نے تنکا تنکا آشیانہ بنانے کے مترادف ایک عرصہ دراز سے زویا کا جہیز بنانا شروع کردیا تھا۔ یہ بات مردوں کو نہیں بتائی جاتی یہ تو عورتوں کے کام ہوتے ہیں کہ خاموشی سے رقم کا جتھا جوڑ کر بیٹیوں کے لیے جہیز کی غرض سے چیزیں بنائی جاتی ہیں اور پھر صالحہ بیگم کوئی غیر نہ تھیں کہ اسے معلوم ہی نہ ہوتا کہ صالحہ بیگم نے زویا آپا کی شادی کے لیے سب کچھ تیار کررکھا ہے‘ ارسل نے دور پردیس میں بیٹھے ازخود ساری باتیں تراش لی تھیں‘ اب ارسل کے فون پر سارے جواز ساری دلیلیں بے کار تھیں۔ گیا ہوا وقت تو اب نہیں لوٹنے والا تھا۔ رضیہ نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور آنسوؤں کو دباتی اپنے کمرے میں آکر بستر پر ڈھے گئی۔

مائے نی میں کینوں اکھاں

سنتے سنتے وہ کب نیند کی آغوش میں چلی گئی‘ اسے معلوم ہی نہ ہوسکا تھا۔ جب سلمٰی بیگم نے کمرے میں جھانکا تو وہ نیم پلکوں

کے پرے کسی گہرے خواب کی زد میں تھی۔ انہوں نے تاسف سے اپنی بیٹی کو دیکھا اور خاموشی سے ریکارڈر بند کیا اور کمرے سے دبے قدموں نکل گئیں۔

صبح اس کی آنکھ قدرے دیر سے کھلی تھی۔ وہ جب تک کچن میں آئی فریدہ بھابی سب کو ناشتہ کروا چکی تھیں۔ تیوریوں پر بل لیے وہ خاصے آف موڈ میں تھیں۔ اس پر ایک خشمگیں نگاہ ڈالی اور برا سا منہ بنایا۔

”کچھ رنگ ڈھنگ ہی بدل لو اپنے۔ بیاہ تو ہوتا نہیں تمہارا کہ ہمارے سر سے یہ بوجھ ٹلے اور ارسل تو جیسے وہاں جا کر بھول ہی گیا اور تم ہو کہ گھر کے کاموں میں سرے سے دلچسپی ہی مفقود ہے۔“ اسے بھابی کا انداز ایک آنکھ نہ بھایا۔

”ارسل کا اس سارے معاملے میں تعلق؟“ رضیہ نے سخت خفگی سے پوچھا۔

”کیوں نہیں ہے اس سارے معاملے سے ارسل کا تعلق، وہی تو ہے فساد کی جڑ اس کے خوابوں سے فرصت ملے تو بی بنو کچن میں جھانکیں گی ناں۔ دوپہر ہونے کو آ گئی اور نواب زادی بن کر سوئی ہوئی ہو۔“ سلمیٰ بیگم دروازے میں ایستادہ تھیں اور تعجب سے اپنی بہو کی زبان کی تیزیاں ملاحظہ کر رہی تھیں۔ رضیہ نے ضبط گریہ سے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا اور سلمیٰ بیگم تاسف سے ایک گہری نظر بہو پر ڈال کر رہ گئی تھیں۔ جہاں خفت وقتی طور پر ضرور لاڈی تھی مگر فوراً ہی خفت کی جگہ ڈھٹائی نے لے لی تھی۔

پھر گاہے بگاہے گھر میں جھگڑوں نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ موضوع بحث فقط رضیہ اور ارسل ہی ہوا کرتے تھے۔ رضیہ نے اس کے باوجود کے ارسل نے اس کا دل دکھایا تھا اور پھر خاندان بھر میں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا اس سے دلی طور پر ناراضگی نہ باندھ سکی۔ یہ بندھن تو دل کا تھا اور اصولی طور پر ناراضگی جائز بھی تھی مگر دل تھا کہ ارسل کے ہر فون کال اور اس کے ذکر پر دھڑکنے لگتا تھا مگر بظاہر وہ خفگی کا تاثر لیے رہتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اس دن کے بعد ارسل سے بات چیت ترک کر دی تھی۔ اب جبکہ رمضان کی آمد تھی اور سب رمضان کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے صالحہ آنٹی نے آ کر اس کو ایک نئی کشمکش میں ڈال دیا تھا۔ اب نئے سرے سے اس کے زخموں کو ادھیڑا جا رہا تھا۔ صالحہ بیگم نجانے سلمیٰ بیگم سے کیا کچھ کہہ کر گئی تھیں کہ وہ ایک بار پھر پورے جوش اور ولولے کے ساتھ شادی کی تیاریوں میں جت گئی تھیں۔

”اماں میرے سامنے شادی کا ذکر نہ ہی کیا کریں تو بہتر ہے۔“ ایک دن اس نے سلمیٰ بیگم کے زور دینے پر کہ وہ بازار جا کر اپنی بھابی کے ساتھ شاپنگ کر آئے اس نے سخت ناگواری کا اظہار کیا تھا۔ اس کے لہجے میں ٹوٹ کر بکھر جانے والے خوابوں کی کرچیوں کی چبھن تھی۔ ایک جلن تھی اک کسک تھی۔ وہ ماں تھیں اور اپنی بیٹی کے احساسات کو بخوبی سمجھ رہی تھیں مگر اس بار انہوں نے دل میں یہ بھی پختہ عزم کر لیا تھا کہ معاملہ آر یا پار ہوگا اس مرتبہ اگر ارسل نہ آیا یا شادی کا معاملہ دوبارہ التواع کا شکار ہوا تو وہ یہ رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے نئے سرے سے رضیہ کے لیے رشتے کی مہم کا آغاز کر دیں گی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ رضیہ کے بالوں میں چاندی اتر آئے۔ اصل میں وہ دوہرے رشتوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی تھیں۔ اگر معاملہ خاندان کا نہ ہوتا تو وہ زبردستی یہ رشتہ ختم بھی کروا دیتی مگر یہاں ان کے میاں کا زور بھی تھا اور پھر وہ اس بات سے بھی آگاہ تھیں کہ رضیہ اس رشتے کے لیے دلی آمادگی لیے بیٹھی ہے۔ اتنے طعنے اتنے تشنع اس نے یونہی نہ سن لیے تھے اس نے ارسل کی محبت پر لبیک کہہ ایک عرصہ گزار دیا تھا۔

رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی عبادات اور ذکر واذکار کی محافل میں بتدریج اضافہ ہو گیا تھا۔ ہر جانب نور کی کرنیں چھا گئی تھیں رضیہ نے بھی اپنی پوری توجہ عبادت کی جانب مائل کر دی تھی۔ اس کا زیادہ وقت گھر میں ہی گزرتا تھا۔ وہ اکثر افطاری اور سحری دونوں اوقات میں ساری ذمہ داری بخوبی نبھا رہی تھی۔ بھابی کا رویہ بھی اگرچہ نرم تو نہ ہو سکا مگر اب نئے سرے سے اس کی شادی کا ذکر اور تاریخ طے ہو جانے کے بعد بدل ضرور گیا تھا باقی از خود رضیہ نے اپنے آپ کو کاموں میں مصروف کر لیا تھا۔ وہ فراغت لفظ سے ہی چڑنے لگی تھی کیونکہ اس طرح اس کو نئے سرے سے فکروں اور سوچوں پر قابو پانا مشکل ہونے لگتا تھا اور ارسل کی یادوں پر غلبہ پانا اس قدر آسان بھی تو نہ تھا وہ اداس ضرور تھی مگر کسی سے کچھ کہتی نہ تھی ایک دو مرتبہ جب سلمیٰ بیگم نے اسے اصرار کیا کہ وہ شادی نہ سہی عید کے لیے ہی شاپنگ کر لے اس طرح ایک تو ان کی نیت یہ تھی کہ کسی بہانے وہ گھر سے باہر نکلے اور پھر وہ اسے ساتھ لے جائیں اور ایک ہی بار عروسی جوڑا اور دوسری جیولری دلوا دیں۔ مگر وہ تو اس سب میں دلچسپی نہ لیتی تھی۔

”اماں میرے پاس پہلے ہی بہت سے جوڑے رکھے ہوئے ہیں۔ عید کے دن یوں بھی سارا دن تو کچن میں کاموں کی نذر ہو جاتا ہے نہ میں کہیں آتی جاتی ہوں کوئی بھی سوٹ نکال کر پہن لوں گی آپ میری فکر کرنا چھوڑ دیں۔“ وہ آزردہ اور مضمحل سی

لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد پڑے ہلکے اس بات کا غماز تھے کہ وہ کئی راتوں سے سو بھی نہیں پائی تھی۔

"ارے میں ماں ہوں کیوں نہ کروں تمہاری فکر۔" وہ بری طرح سے تلملا سی جاتی تھیں مگر اب انہوں نے اس پر زور دینا چھوڑ دیا تھا' رات کے پچھلے پہر جب رضیہ کو سارے کاموں سے فراغت ملتی' وہ سجدے میں گر کر سارے غم اپنے رب کے حضور پیش کر دیتی تھی' اس کے لب خاموش رہتے تھے مگر آنسو ایک تواتر سے اس کے گالوں پر پھسل کر اس کے دل کے درد کی ترجمانی کر دیتے تھے۔

بھابی بھی اب ہمدرد بنی جا رہی تھیں اسے لگتا تھا کہ یہ دوغلے لوگ' فریب لفظ' جھوٹے جذبات' اور برف احساسات لیے چہرے ہیں جو وقت کی چاپ سن کر اپنے رنگ ڈھنگ بھی بدل جاتے ہیں۔

☾ ...... ☆ ...... ☾

آخری عشرے کے ساتھ ہی اس کے دل میں جیسے اتھل پتھل ہونے لگی تھی...... سب اہل خانہ بھی سرگوشیوں میں باتیں کرتے جب وہ وہاں سے گزرتی تو ایک دم خاموشی چھا جاتی تھی۔ وہ بھی ان سب کو ان کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے خاموشی سے پلٹ جاتی تھی۔ کئی بار اس نے صالحہ آنٹی کو آتے اور افطاری کے بعد جاتے دیکھا تھا۔ اس نے کبھی نہ کریدا کہ ان کی آمد کا مقصد کیا ٹھہرا' اس نے اپنے تمام معاملات ساری فکریں رب العزت کے سپرد کر دی تھیں اور خود ہر فکر سے آزاد ہو چکی تھی۔

"ارسل آ گیا۔" یہ اطلاع ایسی نہ تھی کہ وہ اس پر بھی ساکن رہ جاتی...... اس نے اچنبھے سے پلٹ کر ماں کے چہرے کو دیکھا۔ جہاں دبی دبی مسکان اور جوش تھا۔

"شام کو تم تیار رہنا......" اگلا حکم صادر ہوا۔

"وہ کس خوشی میں' امی میں نے کسی کے سامنے نہیں جانا۔" وہ دل برداشتہ ہوئی۔

اور پھر اس نے شام کو رف حلیے میں کچن میں کاموں کا انبار خود پر مسلط کر لیا' وہ ہرگز ارسل کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ ارسل سے گریزپا تھی اس لیے سارے کام نمٹاتی رہی۔

"تم یہاں اس حلیے میں کیوں ہو جاؤ کام میں کر لوں گی۔ تم تیار ہو جاؤ۔" بھابی نے اسے سرزنش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"اچھا جاتی ہوں بس یہ کباب تل لوں۔" بھابی اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھیں' سو ٹھنڈی سانس بھر کے باہر چل دی تھیں' اچانک گھر میں جیسے ہلچل سی مچ گئی تھی۔ قہقہوں اور باتوں کی ملی جلی آوازیں اس کے کانوں میں آ رہی تھیں' وہ کان لپیٹے اپنے کام میں منہمک رہی۔

"کیا سلام کرنے کا رواج نہیں ہے یہاں۔" عقب سے آ کر ارسل نے کہا تو وہ بری طرح چونکی تھی۔

ارسل محبت پاش نظروں سے اس کے کانوں کے پیچھے اڑسی ہوئی لٹوں میں چمکتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ رضیہ نے خفت سے اپنے رف حلیے کو دیکھا۔ وہ اس وقت بالکل کام والی ماسی دکھائی دے رہی تھی۔ مگر اتنے سالوں بعد بھی ارسل کو رضیہ کا حسن ویسا ہی چھا جانے والا اور اعصاب پر سوار ہونے والا ہی لگ رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا' وارفتگی لیے۔

"آپ جا کر بیٹھیں میں افطاری بھیج رہی ہوں۔" وہ نروس ہو رہی تھی۔

"اچھا مگر میں تو یہاں تم سے ملنے آیا ہوں۔" ارسل نے اطمینان سے دونوں بازو باندھتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگا لی۔

"شرم نہیں آتی روزے میں اس طرح دیکھتے ہوئے۔" وہ اتنی حواس باختہ ہوئی کہ جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔

"شرم تو آ رہی ہے کہ میں نے اتنی اچھی لڑکی کو اتنے دکھ دیے اور تمہاری آنکھوں کے نیچے پڑے ہلکے میرے دل کو کچوکے لگا رہے ہیں...... مگر اب میں آ گیا ہوں' ہر دکھ کا مداوا کرنے کے لیے' اپنی ہر غلطی کی تلافی کے لیے۔" اس کا لہجہ پرعزم تھا۔

"یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔" ارسل نے ایک پیکٹ اسے تھمایا۔ وہ شرما کر پیکٹ لیے چھت پر آ گئی تھی۔ اس نے پیکٹ کھولا' اس میں ارسل کے نام کی رنگ برنگی چوڑیاں تھیں۔ اس نے ست رنگی چوڑیاں دونوں کلائیوں میں پہن لی تھیں۔

تبھی عید کا چاند نظر آنے کا اعلان ہوا تھا۔ اس نے آسمان پر عید کے چاند کی آس میں نظریں دوڑائی تھیں مگر اسے کچھ نظر نہ آنے پر مایوسی سی ہو رہی تھی۔

"محترمہ وہاں کیا تلاش کر رہی ہیں' عید کا چاند تو یہاں ہے۔" ارسل نے عین اس کے کان کے پاس آ کر کہا...... تو اس نے سٹپٹا کر ہاتھوں سے دل تھام لیا۔

چوڑیوں کی چھنکار چہار سو پھیل گئی تھی۔ ارسل اور رضیہ اس عید پر ایک ہو گئے تھے۔

قسط نمبر 6

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

رائمہ دراج کو شزا کی شادی میں ساتھ چلنے کے لیے فورس کرتی ہے لیکن وہ زرکاش کی فیملی سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتی اس لیے انکار کردیتی ہے جبکہ رائمہ شادی میں شرکت کے لیے اپنے سسرال والوں کے ساتھ جاتی ہے۔ دوسری طرف زرکاش اپنے بہن بھائیوں کے رویے سے دل برداشتہ ہوتا دراج کے پاس آجاتا ہے اور انجانے میں اپنے بہن بھائی کے رویے کا اظہار کرتا دراج کو اندر تک سرشار کردیتا ہے۔ اسپتال میں ندا کے کزن (اظہار) کے ہمراہ انسپکٹر بھی موجود ہوتا ہے اور انسپکٹر طرح طرح کے سوال کرتا راسب کو ذہنی انتشار میں مبتلا کردیتا ہے جبکہ رجاب ہر بات سے انکاری ہوجاتی ہے اسے ان لڑکوں میں سے کسی کی بھی شکل یاد نہیں تھی راسب انسپکٹر کو رجاب کی سرجری کا بتا کر اسے مزید سوالات سے روک دیتا ہے تب اظہار راسب کو سمجھاتا ہے اور اسے انسپکٹر کے ساتھ تعاون کرنے کا کہتا ہے جبکہ دوسری طرف حاذق ان تمام معاملات سے بچ رہا ہوتا ہے تب راسب حاذق سے ملنے تایا کے گھر پہنچ جاتا ہے اور اس پر برہم ہوتا ہے جبکہ اب حاذق ندا کو قبول کرنے سے انکاری ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب عرش سے شازمہ کو گھر لے جانے کا کہتے ہیں ساتھ ہی عرش سے اس کے کام کے حوالے سے بھی پوچھتے ہیں جس پر عرش ان سے جھوٹ بولتا ہے تب ڈاکٹر اسے غلط کام سے باز رہنے اور ماں (شازمہ) کو زیادہ سے زیادہ وقت دینے کا کہتے ہیں عرش شازمہ کو گھر لے آتا ہے۔ زرکاش دراج کو اپنے فلیٹ پر لے آتا ہے اور ایک چابی اسے دے دیتا ہے تاکہ جب اس کا دل زرکاش سے ملنے کو چاہے تو وہ یہاں آسکتی تھی ساتھ ہی زرکاش اس پر اپنی پہلی محبت کا راز آشکار کردیتا ہے جس پر دراج کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کرتی بلکہ مزید اپنی محبت کا اظہار زرکاش سے کرتی ہے۔ پہلی سرجری کے بعد رجاب گھر آجاتی ہے دوسری سرجری ہفتوں بعد ہونی تھی تب رجاب ندا سے حاذق سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کرتی انہیں حیران کرجاتی ہے ندا اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے لیکن رجاب اپنی بات پر قائم رہتی ہے اس کی ضد کے آگے ہار مانتے ندا اسے کارڈلیس تھما کر کمرے سے نکل جاتی ہے رجاب حاذق کو اپنے زندہ ہونے کی بابت بتاتی اسے تمام تلخیاں بھلانے کو کہتی ہے جبکہ حاذق اسے اپنے عتاب کا نشانہ بناتا طلاق کی بات کرتا ہے۔ جس پر رجاب اسے خوف خدا کرنے کا کہتی ہے۔ دوسری طرف عرش مایوس سا اپنی مخصوص جگہ پر کھڑا ہوجاتا ہے تب وہ (لڑکی) اس کے قریب آکر اس سے مایوسی کی وجہ پوچھ کر اسے تسلی دیتی ماں (شازمہ) کا خیال رکھنے کا کہتی ہے جبکہ عرش اسے اپنے ساتھ گھر لے جانے کی بات کرتا ہے تو وہ انکار کردیتی ہے تب ہی زرق اس کو باتیں سناتا وہاں آجاتا ہے جس پر عرش اور زرق میں جھگڑا ہوجاتا ہے اور زرق وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

O...... ✿ ......O
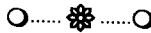
”پتہ نہیں ماما......“

”وقت آنے پر، تمہیں خود اندازہ ہوجائے گا...... جب اندازہ یقین میں بدل جائے اور دل اس کے حق میں گواہی دے تو اسے اپنانے میں دیر مت کرنا، کامیابیاں حاصل کرنے میں اسے گنوا مت دینا، وہ تمہاری زندگی میں آجائے گی تو سفر میں تنہا نہیں رہو گے، منزل پر پہنچو گے تو خوشی بانٹنے کے لیے کوئی تمہارے ساتھ ہوگا...... مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ تم صرف میری مرضی کو خود پر مسلط کرلو کہ میں اسے تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں...... وقت آنے پر پہلے اپنے دل کی بھی سننا، اس میں کوئی شک نہیں کہ تم میرے بہت فرماں بردار بیٹے ہو، بہت خدمت کی ہے تم نے اپنے باپ اور ماں کی، میں دن رات اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہارے تمام گناہوں اور غلطیوں کو معاف کردے، پاک رکھے، مجھے تمہارے ساتھ جنت میں داخل کرے، تمہیں دنیا اور آخرت

میں کامیاب وسرخرو کرے آمین۔"

"میں نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا آپ کے لیے...... کوئی خوشی تک نہیں دی مگر ماما...... آپ نے مجھے دونوں جہاں کی خوشیاں دی ہیں اور پھر آپ ہیں میرے ساتھ میری زندگی کے فیصلے کرنے کے لیے مجھے ایک ایک قدم پر آپ کی ضرورت ہے۔" اس کی نم آنکھوں اور لہجے میں کچھ تھا کہ شازمہ کے چہرے پر آزردگی پھیل گئی تھی۔ چپ چاپ وہ اسے دیکھتی رہی تھیں جوان کے گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے تھا۔ اس کے آنسوؤں کی نمی وہ اپنے دامن پر محسوس کررہی تھیں مگر بے بس تھیں۔

"ماں باپ آنکھوں سے اوجھل ہو کر بھی اپنی اولاد کے دل میں رہتے ہیں میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتیں وہ پُر شفقت لہجے میں بول رہی تھیں۔ "جانتے ہو جب تم دنیا میں آئے تھے میں نے تب سے ہی جانے کتنے ارمان اور خواب جمع کرنے شروع کردیئے تھے ان میں سے ایک خواب یہ بھی تھا کہ میں تمہارے بچوں کو اپنے گھر میں شرارتیں کرتے دیکھوں گی...... جیسے کہ تم کرتے تھے پتہ ہے تمہاری شرارتوں سے عاجز آ کر میں رو پڑتی تھی...... اور تمہارے پاپا بہت ہنستے تھے......" شازمہ مدھم لہجے میں بولتی جارہی تھیں عرش کو ان کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہورہی تھی ان کی مہربان انگلیوں کا لمس اسے دور کہیں اڑاتا ہوا لے جارہا تھا کسی اور دنیا میں کسی اور زمین پر وہ زمین سفید اور چمکتی ہوئی تھی۔ ہر تھوڑے فاصلے پر موجود درختوں کی شاخوں پر ایک ایک پتے پر سفیدی جمی ہوئی تھی بس کہیں کہیں ہریالی کی جھلک دکھائی دے سکتی تھی۔ اس سفیدی میں عجیب سی چمک تھی روشنی تھی سر اٹھا کر اس نے آسمان کو دیکھنا چاہا تھا مگر وہاں پُرنور سی روشنی نگاہوں کی حد تک جا کر دھند میں بدل گئی تھی اپنے اطراف میں بھی اسے وہی روشنی اور حدنگاہ سے آگے دھند دکھائی دی تھی اس ماحول میں عجیب سی خنکی اور مہک پھیلی تھی دھیرے دھیرے وہ آگے بڑھ رہا تھا خاموشی اور سکوت اتنا گہرا تھا کہ اسے اپنی سانسوں اور دھڑکنوں کو سننے میں کوئی دقت نہیں ہورہی تھی اس تنہائی نور میں ڈوبے ماحول اور پراسراری خاموشی میں اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا چلتے چلتے اس کی وحشت بھی بڑھنے لگی تھی تب ہی اسے ایک مانوس پکار سنائی دی تھی جس نے اس کے خوف اور وحشت کو زائل کردیا تھا ایک بار پھر اسے اپنی ماں کی آواز سنائی دے رہی تھی سمت کا تعین کرتا وہ دیوانہ وار دوڑا تھا بھاگتے بھاگتے اس کی سانسیں پھول گئی تھیں اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سفید چمکتی ہوئی دیوار آ گئی تھی روشنیوں سے منور اس دیوار کے قریب اس کے قدم رک گئے تھے اس دیوار کی اونچائی پر ایک چہرہ جھانکتا ہوا اسے دکھائی دے رہا تھا اس کی بے تابی بڑھی تھی سفید چادر میں قید وہ چہرہ اس کی ماں کا تھا وہ ان کو پکارنا چاہتا تھا کہ تب ہی اسے اپنی ماں کے برابر میں ایک اور چہرہ دکھائی دیا تھا سر اٹھائے وہ ساکت نظروں سے اپنے باپ کے مہربان چہرے کو دیکھ رہا تھا...... ماں باپ کو دیکھتے ہوئے اس کی بے تابی حد سے تجاوز کرنے لگی تھی وہ ان دونوں کے پاس اوپر جانا چاہتا تھا ہر صورت...... تیزی سے اس نے دیوار کا جائزہ لیا جو مکمل سپاٹ تھی دیوار کے ساتھ ساتھ وہ بھاگا تھا کسی راستے کسی سیڑھی کی تلاش میں مگر...... ناکام ہو کر وہ اندھا دھند بھاگتا واپس اسی مقام پر آیا تھا وہ اپنے ماں باپ کو بتانا چاہتا تھا کہ اسے ان تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا مگر کوشش کے باوجود اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی بس بے بس نظروں سے سر اٹھائے ان دونوں کے چہروں کو دیکھتا وہ بے آواز رو رہا تھا اسی کیفیت میں اسے اپنے ماں باپ کے چہرے دودھیا روشنی میں دھندلاتے ہوئے دکھائی دیئے تھے شدید خوف اور وحشت میں چیخنے کی کوشش کرتا وہ تیز روشنی میں ان کے چہرے غائب ہوتے دیکھتا رہا تھا اور اب کچھ نہیں تھا تیز روشنی تھی جو آہستہ آہستہ بڑھتی جارہی تھی اتنا کہ اس کی آنکھیں چندھیانے لگی تھیں۔

یک دم اس کی آنکھ کھلی تھی اس کی آنکھوں سے اب بھی گرم قطرے پھسل رہے تھے دھڑکن اب بھی تیز تھی سانسیں پھولی ہوئی تھیں وہی خنک سناٹا اسے اردگرد محسوس ہورہا تھا۔ دل ودماغ اسی وحشت اور خوف میں گرفتار تھا اس کا وجود پتے کی طرح لرز رہا تھا جب اس نے اپنی ماں کے گھٹنوں پر سے سر اٹھایا تھا اگلے ہی پل اس کی سانس اور دھڑکن تھم گئی تھی۔

شازمہ اب بھی بیک کراؤن سے سر ٹکائے نیم دراز تھیں ان کی آنکھیں بند تھیں ان کے چہرے پر جو چمکتی پُرنور روشنی پھیلی تھی اس سے وہ نامانوس نہیں رہا تھا۔ وحشت وخوف کے ساتھ لرزتا وہ ان کے قریب ہوا تھا۔

"ماما......" لرزتی سرگوشی میں ان کو پکارتا ہوا اس نے ان کی پیشانی کو چھوا تھا جو برف کی طرح سرد ہورہی تھی...... کوئی آہنی پھندا عرش کی گردن کو جکڑ رہا تھا ایک ٹک ان کے چہرے کو دیکھتا وہ پیچھے ہٹا تھا وہ الٹے قدموں اب پیچھے ہٹ رہا تھا اس کا چہرہ آنسوؤں

سے تر تھا..... اپنی ماں کے زندگی سے عاری چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کا خوف‘ وحشت‘ اذیت‘ جانے کس کیفیت میں ڈھل گئے تھے‘ اس کی اذیت ناک کراہیں بلند ہوتی جارہی تھیں‘ وہ یک دم ساکت ہوا تھا‘ دور کہیں سے فجر کی اذان کی آوازیں بلند ہورہی تھیں‘ وہ جان چکا تھا کہ سب کچھ گنوا کر آج وہ قلاش ہوچکا ہے‘ پلٹ کر اس نے گھٹی سسکیوں اور دھندلائی نظروں سے اپنی ماں کے ساکت وجود کو دیکھا اور بے جان قدموں کو گھسیٹتا وہ بچوں کی طرح روتا ان کی طرف بڑھا تھا‘ ان کے پیروں سے لپٹا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا‘ باہر تو بارش رک چکی تھی اب اس کے آنسوؤں میں بھیگی کراہیں خاموش درودیوار سے ٹکرا کر کمرے میں گونج رہی تھیں۔

○...... ❁ ......○

”ہوسکتا ہے کہ سب کچھ ویسا نہ ہوا ہو تا جیسا دکھائی دے رہا ہے‘ ہوسکتا ہے کہ جو غلط ہوا ہے اس کا احساس تایا جان کو ہوگیا ہو اسی لیے انہوں نے حاذق کو اپنے ساتھ یہاں لانے کی اجازت مانگی ہو۔۔۔۔“ ندا کی قیاس آرائیوں پر راسب کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

”ایسا کچھ ہوسکتا ہے نہ ہی ایسا ہونے کی امید کرسکتی ہو تم۔ تایا جان یہاں حاذق کو صرف اس لیے لارہے ہیں کہ افہام و تفہیم کے ساتھ ہمارے ساتھ اپنے تعلق پر آخری بار فاتحہ پڑھ سکیں‘ وہ سب صرف رجاب کے چہرے پر ایک سیاہ داغ لگانے کا تہیہ کرچکے ہیں‘ تایا جان دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے بیٹے نے کتنی دلیری سے میرے سامنے آ کر میری بہن کو طلاق دینے کا فیصلہ سنایا ہے‘ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں دنیا کو کہ واقعی رجاب کے دامن پر داغ لگ چکا ہے‘ اسی لیے ہم نے سر جھکا کر ان کے فیصلے کو اپنے گھر میں قبول کرلیا ہے‘ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا بیٹا ظالموں میں سے نہیں اور نہ ہی میری بہن مظلوم ہے۔۔۔۔“

”تو پھر آپ کو اللہ کا واسطہ ہے ان لوگوں کو یہاں آنے سے روک دیں۔۔۔۔“ ندا دہل کر بولیں۔ ”کل ہی رجاب کی پھر سرجری ہوئی ہے‘ وہ پہلے ہی ذہنی ابتری کا شکار ہے‘ اگر آج مزید اس کے ساتھ اللہ نہ کرے کہ کچھ غلط ہوا تو وہ برداشت نہیں کرسکے گی۔۔۔۔ کم از کم آپ تو اس پر اس کی حالت پر رحم کریں۔۔۔۔“

”میں نے اس پر رحم کیا ہوتا تو آج وہ اس طرح تباہ نہ ہوتی۔۔۔۔ اسے سامنا کرنا ہوگا‘ اسے جاننا ہوگا کہ اس کی بربادی میں اس کے اپنے بھائی کا کتنا اہم کردار رہا ہے۔۔۔۔“ راسب کے ٹوٹے لہجے پر ندا کچھ بول نہیں سکی تھیں‘ اسی لمحے کال بیل پر ندا کا دل حلق میں آنے لگا تھا کہ ایک اور قیامت ان کی دہلیز پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اپنے کمرے میں ساکت بیٹھی رجاب باآسانی راسب کی بلند آواز کو سن سکتی تھی۔

”اپنے بیٹے کی بے غیرتی اور اس کی بزدلی میں آپ اس حد تک اندھے ہوسکتے ہیں اس کا مجھے اندازہ تک نہ تھا۔ اپنے بیٹے کی طرح آپ کو بھی رجاب کی زبان پر اعتبار نہیں‘ آپ کو بھی اس کے دامن پر اپنے بیٹے کی لگائی گئی کیچڑ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔۔۔۔ رجاب کو آپ اپنے بھائی کی نہیں اپنی بیٹی کہتے رہے ہیں‘ اگر آپ کے بیٹے کے الزام میں سچائی ہے تو آپ اب تک زندہ کیسے ہیں‘ مر کیوں نہیں گئے؟ رجاب پر اعتبار کرکے آپ نے اپنے بیٹے کا گریبان کیوں نہیں پکڑا۔۔۔۔ مگر آپ ایسا کریں گے بھی کیسے۔۔۔۔؟ غلاظت میری بہن کے دامن پر نہیں آپ سب کے اندر بھری ہے‘ اس کے ساتھ فرعونیت کا برتاؤ کرکے آپ صرف اپنے بیٹے کی بزدلی کو دنیا کی نظروں سے چھپانا چاہتے ہیں۔۔۔۔“

”آپ میرے باپ کو اس طرح بے عزت نہیں کرسکتے‘ مجھے جو کرنا چاہیے میں وہی کررہا ہوں‘ اصلیت تو آپ کی بھی ہمارے سامنے آئی ہے‘ آپ جیسا انسان اسی لائق ہے کہ کوئی بھی باعزت شخص آپ سے اور آپ کی بہن سے کوئی تعلق استوار کرنے کے بجائے لعنت بھیج دے۔“ حاذق کی آواز راسب سے زیادہ بلند تھی۔

”اپنی آواز نیچی رکھو حاذق۔۔۔۔ جو مرد اپنی عزت کو پرائے مردوں کے درمیان سڑک پر چھوڑ کر بھاگتا ہے اسے اونچی آواز میں بولنے کا حق نہیں ہوتا۔۔۔۔ لعنت تم اپنی مردانگی پر بھیجو۔۔۔۔ ڈوب مرنے کے بجائے تم دل کا چور چھپائے اس کا سامنا کرنے آئے ہو جس کے سامنے تم نظر تک اٹھانے کے قابل نہیں رہے ہو۔۔۔۔“ راسب دھاڑے۔

”میں کس قابل ہوں‘ کس قابل نہیں یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔ میرے پیچھے میرے لیے رونے والے موجود ہیں‘ میری زندگی صرف میری نہیں تھی جسے میں آپ کی بہن کے لیے قربان کردیتا۔“ حاذق کی بلند آواز بھی رجاب تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

''اگر میری بہن کی جگہ تمہاری اپنی بہن ہوتی تو یقیناً تب بھی تم اسی بے غیرتی کا ثبوت دیتے جو میری بہن کو دے چکے ہو۔''

''آپ نے میرے ضبط کی ساری حدیں ختم کردی ہیں' میں آپ کی یہ سب بکواس سننے نہیں آپ لوگوں سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان چھڑانے آیا ہوں آپ نے میرا کام اور آسان کردیا ہے......''

''تم صرف سچ کا سامنا نہیں کرسکتے اس لیے سچ تمہیں بکواس لگتا ہے' مگر یہ سچ بار بار تمہارے راستے میں آئے گا کہ میری بہن پر قیامت ڈھانے والوں میں تم آگے آگے ہو' ذمہ دار ہو اس کی تباہی کے' یہ سچ کبھی تمہیں سکون نہیں لینے دے گا۔ سکون کی بھیک مانگتے پھرو گے تم......'' راسب شدید اشتعال میں کہہ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے' میں ہر چیز کا ذمہ دار ہوں' میں بزدل ہوں' میں بے غیرت ہوں تو پھر ختم کرنے دیں مجھے رجاب سے اپنے تعلق کو' کیوں واویلا مچا کر اپنی داغ لگی بہن کو میرے گلے کا طوق بنانے پر تلے ہیں۔ میں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا' سمجھے آپ......''

''جی تو چاہتا ہے کہ اسی وقت تمہاری زبان کھینچ لوں اور وہ حشر کروں تمہارا کہ دنیا عبرت حاصل کرے۔'' رکی سانسوں کے ساتھ وہ ساکت بیٹھی راسب اور حاذق کی آوازیں سن رہی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اس نے راسب کی زبان سے ایسے بھاری لفظ اور زہر میں ڈوبے نشتر نکلتے سنے تھے' حاذق کی جوابی کارروائیوں پر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی' اس سے چھٹکارا پانے کے لیے جب وہ تہمت لگا سکتا تھا' پورے خاندان میں اس کی پاک بازی پر انگلی اٹھا سکتا تھا تو آج وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے' اسے کوئی صدمہ اب نہیں ہونے والا تھا۔

بے حس و حرکت بیٹھی وہ اسے دیکھتی رہی تھی جو نیم وا دروازے کو ایک جھٹکے سے کھولتا جارحانہ قدموں سے اس کی طرف آیا تھا' اس کی شعلہ بار نظریں رجاب کے پٹیوں میں جکڑے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں' جس کا کچھ ہی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

''تمہارے بھائی جیسے جنونی اور بھونکنے والے چوپائے کے منہ لگے بغیر بھی میں اپنا نام تمہارے نام سے الگ کرسکتا ہوں مگر تم مجھے بتاؤ اب' کیا تم ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار سکو گی جسے تمہارے پاک دامن ہونے کا یقین نہ ہو......؟ جس کے دل میں رتی برابر بھی تمہارے لیے جگہ نہ ہو؟ جس کے دل میں تمہاری کوئی عزت و مقام نہ ہو؟'' بلند بھڑکتے لہجے میں وہ اس سے پوچھ رہا تھا جو بس اس کے غصے میں دہکتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''تمہارا بھائی تو اب بھی تمہیں میرے سر پر تھوپنے پر تلا ہے' مجھے اور میرے گھر والوں کو جی بھر کے ذلیل کرنے کے بعد بھی...... مگر مجھے جھوٹا کھانے اور اترن استعمال کرنے سے گھن آتی ہے' میں نہیں چاہتا کہ آدھی رات میں آنکھ کھلنے پر مجھے اپنے پہلو میں ایک ایسی عورت کا چہرہ دکھائی دے جس سے مجھے خوف اور وحشت محسوس ہو' مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہو جائے۔'' حاذق کے خونخوار سفاک لہجے پر وہ سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتی رہی' دروازے کے پاس ساکت کھڑی ندا کو لگا تھا کہ وہ حاذق کے چہرے پر تھوک دے گی مگر...... کوئی چیز ندا کو اپنے دل میں کٹتی محسوس ہوئی تھی جب انہوں نے رجاب کو حاذق کے سامنے ہاتھ جوڑتے دیکھا تھا۔

''ہمیں معاف کردیں اور جتنا جلد ممکن ہوسکے مجھے طلاق نامہ بھیج دیں۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔ حاذق کی آنکھوں میں اس کے جڑے ہاتھوں پر تحیر ابھرا تھا مگر پھر وہ مزید کچھ بھی کہے بغیر اس کے سامنے سے ہٹتا کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''رجاب...... تم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے...... وہ تو پہلے ہی تم سے جان چھڑانا چاہتا ہے پھر کیوں گرایا تم نے خود کو اس طرح......؟'' غم و غصے میں ندا نے اس کے ساکت وجود کو شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا تھا۔

''گرایا تو اس نے ہے خود کو اونچے مقام سے...... مجھے اس پر رحم آتا ہے' اسے جب پچھتاوا ہوگا تو شاید میرے جڑے ہاتھوں کو یاد کر کے اس کے پچھتاوے کی اذیت کم ہوجائے۔'' اس کے سرد لہجے نے ندا کو دنگ کردیا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ظلم کر کے پچھتائے گا کبھی؟ تمہیں لگتا ہے کہ اس کا ضمیر جاگ سکتا ہے کبھی؟'' ندا پوچھ رہی تھیں۔

''وہ اپنے ساتھ خود اپنے ہی کیے جانے والے ظلم پر تو پچھتا سکتا ہے...... اور ضمیر جاگنے میں کون سے زمانے لگتے ہیں۔'' اس

کے عجیب سے لہجے پر ندا بس گنگ نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

O...... ✿ ......O
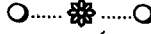
اگلے ویک اینڈ تک وہ بہت پُرجوش رہی تھی' نہ صرف خود پر بلکہ لباس سے لے کر سینڈلز تک پر اس نے خاص توجہ دی تھی' منفرد اور خوب صورت نظر آنے کے گر اس نے استعمال کرنے کا آغاز کر دیا تھا' اس کے یاد دلانے سے پہلے ہی زرکاش نے اسے گھر لے جانے کا ذکر کر دیا تھا۔ اسے گھر ڈراپ کر کے زرکاش واپس چلا گیا تھا' اسے اب رات تک ہی واپس آنا تھا' دراج کو کچھ مایوسی ہوئی تھی' اپنی نوک پلک سنوارنے اور خوش لباس نظر آنے کے لیے اس نے کافی وقت اور روپے خرچ کیے تھے مگر اس کی یہ ظاہری تبدیلی زرکاش کی نظروں میں جیسے آئی ہی نہیں تھی' خیر وہ بالکل بھی مایوس نہیں تھی کہ اس میں آنے والا چینج اتنا کوئی چونکا دینے والا بھی نہیں تھا سو اس نے زیادہ پروا بھی نہیں کی تھی۔

زرکاش سے اس نے کہہ دیا تھا کہ آج وہ کوئی اچھی ڈش اس کے لیے تیار کرے گی۔ زرکاش کے آنے تک وہ ڈنر تیار کر چکی تھی' کھانے کے دوران کوئی نقص نکال کر اس کے تاثرات سے لطف اندوز ہوتا وہ اس کا موڈ غارت کرتا رہا تھا۔

"میں نے توبہ کر لی ہے' اب آپ کے لیے اس وقت تک کچھ نہیں پکاؤں گی جب تک کوکنگ میں مہارت حاصل نہ کر لوں۔" برتن دھوتی وہ ناراضی سے اسے بھی دیکھ رہی تھی جو ٹیبل کو چمکانے میں لگا تھا۔

"بس بھی کر دیں' آپ کا چہرہ نظر آنے لگا ہے ٹیبل پر اور کتنا اس بے چاری کو صاف کریں گے۔" اس کے خشمگیں لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسا۔

"تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ مجھے صفائی کا خبط ہے۔" وہ بولا جبکہ دراج بیزاری سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

گرین ٹی کا مگ اٹھائے وہ بیڈروم میں آئی تھی جہاں بیڈ کی پائنتی کی قریب ہی زرکاش فلور کشن پر بیٹھا ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔

"تمہارا مگ کہاں ہے؟" مگ اس سے لیتے پوچھا۔

"میرا موڈ نہیں۔" جواب دیتی وہ بیڈ پر آ گئی اور تکیہ زرکاش کے عقب میں ہی رکھ کر تکیے پر کہنیاں ٹکائے نیم دراز ہو گئی تھی۔

"اب گرین ٹی میں بھی کوئی کمی' کوئی نقص نکال لیجیے گا۔" وہ خفت سے جتانے والے انداز میں بولی۔

"نہیں بھئی نقص ہوتے ہوئے بھی میں اس میں کبھی کوئی نقص نہیں نکال سکتا' گرین ٹی کی میں بہت عزت کرتا ہوں۔" اس کے کہنے پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔" گردن موڑ کر مسکراتی نظروں سے زرکاش نے اسے دیکھا جو چہرہ ہتھیلی پر ٹکائے ہنس رہی تھی۔

"زرکاش قسم سے آپ کے بال بہت خوب صورت ہیں۔" مگ سے سپ لیتا وہ مکمل ٹی وی کی سمت متوجہ تھا جب اسے دراج کی آواز سنائی دی۔

"اچھا...... پہلی بار یہ تعریف سن رہا ہوں۔" ٹی وی پر نظر جمائے وہ سرسری لہجے میں بولا۔

دراج کی انگلیاں اسے اپنے بالوں پر سرسراتی محسوس ہو رہی تھیں' چونکنے کے باوجود وہ ٹی وی کی طرف ہی متوجہ رہا تھا' کچھ دیر تک وہ یونہی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی اور پھر اس کے بیڈ کے کنارے پھیلے ہاتھ کو نامحسوس انداز میں اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا' زرکاش کی طرح وہ بھی ٹی وی کی طرف متوجہ کبھی اس کی انگلیوں میں دھیرے دھیرے اپنی نرم انگلیاں الجھاتی کبھی اس کا ہاتھ اپنے رخسار سے لگاتی' اس وقت زرکاش نظر انداز نہیں کر سکا تھا' جب دراج نے اس کے ہاتھ کی پشت اپنے ہونٹوں سے لگائی تھی' وہ مزید ضبط نہیں کر سکا تھا' دھیرے سے اپنا ہاتھ دراج کی گرفت سے نکالتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟"

"کہیں نہیں' گھر میں ہی ہوں۔ تم ٹی وی دیکھو۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سرسری انداز میں جواب دیتا دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

لاؤنج میں آ کر گہری سانس لیتا وہ صوفے پر براجمان ہو گیا' دماغ ماؤف ہو رہا تھا' صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے اس

نے آنکھیں بند کرلی تھیں آج ابھی یک دم اسے احساس ہونے لگا تھا کہ کہیں دراج کو یہاں ساتھ لاکراس نے کوئی غلطی تو نہیں کی..... دراج کو اپنے ساتھ یہاں لاتے ہوئے اس کے ذہن میں بس یہی ایک چیز تھی کہ دراج کو یہ احساس کمتری نہ ہو کہ اس کا اپنا کوئی گھر نہیں وہ بالکل صاف نیت اور خالص جذبے کے تحت ایک گھر کی اسے خوشی دینا چاہتا تھا مگر اب اسے لگ رہا تھا کہ دراج کا بے باک انداز کسی پریشانی کا سبب نہ بن جائے۔ بند آنکھوں کے ساتھ اسے اپنے قریب دراج کی موجودگی محسوس ہوئی۔

"آپ کو اچانک کیا ہوا؟" دراج کی آواز اسے سنائی دی مگر نہ اس نے جواب دیا نہ ہی آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

"چپ کیوں ہیں......؟ مجھے آپ کی خاموشی برداشت نہیں ہورہی۔" اس کے گریبان پر ہاتھ رکھتی وہ اپنا چہرہ اس کے شانے پر ٹکا گئی۔

"آپ اتنے اچھے کیوں ہیں......؟ پتہ ہے آپ سے زیادہ اچھا میرے لیے کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا......" محبت سے لبریز سرگوشی میں وہ کہہ رہی تھی۔ جس نے زرکاش کی کنپٹیوں کو سلگا دیا تھا' کرنٹ کھا کر اسے پرے ہٹاتا وہ صوفے سے اٹھ گیا جبکہ دراج دنگ نظروں سے اس کے غصیلے تاثرات کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

"ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے دراج...... یہ یورپ نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنی حدود بھولا ہوں...... کیا ہے یہ سب......؟" زرکاش کا لہجہ سخت غصیلا تھا۔

"ہر رشتے کی ایک حد ہوتی ہے تاکہ اس کا وقار اور عزت قائم رہے...... تمہارے نزدیک محبت کا مطلب یہ ہے کہ حدوں کی پروا نہ کی جائے تو مجھے معاف رکھو ایسی محبت سے' پہلے ہی میں بہت گناہ گار انسان ہوں' مجھے اور گناہ گار مت کرو۔" سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا' لب بھینچے وہ زہر خند نظروں سے بیڈروم کے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

شاور لینے کے بعد بھی وہ فوری طور پر اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا' تقریباً ایک گھنٹے بعد جب وہ بیڈروم سے نکلا تو پہلی نظر دراج پر ہی گئی تھی۔ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے وہ سسک رہی تھی مگر زرکاش نے اس کے رونے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"چلو...... میں تمہیں ہاسٹل چھوڑ آؤں' کافی وقت ہوگیا ہے۔" اس کے سرد لہجے پر دراج نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا مگر وہ اس کی شدت گریہ سے سرخ ہوتی آنکھوں سے نظر چراتا سامنے سے ہٹ گیا۔ اپنی بھیگی آنکھیں صاف کرتی وہ خاموشی سے جانے کے لیے اٹھی تھی۔ سارا راستہ وہ اپنے بار بار بہتے آنسوؤں کو صاف کرتی رہی تھی زرکاش کی خاموشی مستقل قائم رہی تھی۔

اس بار نہ زرکاش نے اسے اللہ حافظ کہا اور نہ ہی اس کے ہاسٹل کے اندر جانے کا اطمینان کیا' جیسے ہی دراج گاڑی سے اتری وہ فوراً ہی گاڑی آگے بڑھالے گیا تھا۔

"آیا بڑا پارسا کہیں کا......" دور جاتی گاڑی کو زہریلی نظروں سے گھورتی وہ چبا جانے والے انداز میں بڑبڑائی۔

سخت بگڑے موڈ میں اس نے سینڈلز اتار پھینکی تھیں اور روم فرج سے ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل نکال لی جس کی اسے سخت ضرورت تھی زرکاش کی بدولت سے روم فرج کی سہولت بھی یہاں میسر تھی۔

"میں نے بھی اگر تمہاری ماں' بہنوں اور بھائی کو اسی طرح انگاروں پر نہ لوٹایا تو میرا نام بھی دراج نہیں......" زیرلب غراتے ہوئے اس نے مزید دل کی بھڑاس نکالی۔ زبردستی کے آنسو بہا بہا کر فائدہ تو کچھ نہ ہوا البتہ اس کا سر درد سے ضرور پھٹنے لگا تھا ٹیبلٹ کھا کر اس نے اپنے لیے چائے تیار کی' چائے پینے کے دوران ہی رائمہ کی کال آ گئی تھی۔

"دراج...... تم زرکاش بھائی کے ساتھ کہاں گئی تھیں......؟ میں نے کتنی کالز بھی کی تمہیں؟" رائمہ کے سوالوں پر وہ چونکی۔

"میں ان کے ساتھ کہاں جاؤں گی...... وہ یونہی کھڑے کھڑے خیریت پتہ کرنے آئے تھے' مجھے اپنی فرینڈ کے گھر جانا تھا' وہ بیمار ہے' کالج نہیں آ سکتی اس کو ضروری نوٹس پہنچانے تھے زرکاش نے مجھے اس کے گھر ڈراپ کردیا' واپسی میں خود آ گئی۔"

"تم نے پھر زرکاش بھائی کا صرف نام لیا......" رائمہ نے ٹوکا۔

"تو وہ سن رہے ہیں کیا......؟" وہ بیزاری سے بولی۔ "آپ بتائیں' ہاسٹل کس وقت آئی تھیں؟"

"اسد کو بھیجا تھا شام میں' کل چھٹی کا دن تھا تو میں نے سوچا تمہیں گھر بلالوں۔"

"چلیں پھر کل اسد بھائی کو بھیج دیجیے گا۔" وہ بولی۔ "بجیا' ایک بات تو سمجھائیں؟"

''ہاں بولو۔'' رائمہ چونکی۔

'''' میں اپنی جس فرینڈ کے پاس آج گئی تھی دراصل وہ اپنے منگیتر سے ناراض ہوکر بیمار ہوگئی ہے کیونکہ اس کا فیانسی خیال تو اس کا بہت رکھتا ہے مگر بہت محتاط اور خشک بندہ ہے' میری فرینڈ کی نیچر اس سے مختلف ہے وہ بار بار اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے' اس سے بھی یہی توقع کرتی ہے مگر وہ شخص کیا بار بار گرم جوشی سے اس کی محبت کا جواب محبت سے دے گا جس کے جذبات بھی لمیٹڈ ہوں۔''

''تو غلطی تمہاری دوست کی ہے' اس کا فیانسی یقیناً بہت سمجھدار ہے وہ جانتا ہے کہ انگیجمنٹ کا تعلق بالکل بھی مضبوط نہیں' اس لیے حد میں رہتا ہے' تم اپنی دوست کو سمجھاؤ کہ سچی اور بے لوث محبت کا اظہار بار بار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ خود ہی اپنے آپ کو منوالیتی ہے' اسے بتاؤ کہ محبت شرم وحیا کے دائرے میں رہے تو زیادہ پُرکشش اور پُراثر رہتی ہے' ورنہ جو عورت ہمہ وقت پکے ہوئے پھل کی طرح جھولی میں گرنے کے لیے تیار رہے اس میں مرد کو کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی بلکہ بیزاری ہوجاتی ہے۔''

''ہاں...... یہ تو ٹھیک کہا آپ نے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے غائب دماغی سے بولی۔

اسے واقعی رائمہ سے متفق ہونا پڑا تھا۔ اسے اندازہ ہورہا تھا کہ زرکاش کی میچورٹی کے سامنے اسے بھی اپنی عمر سے زیادہ میچورٹی کا مظاہرہ کرنا ہوگا' کسی کو اپنا گرویدہ کرنے کے لیے گلے کا ہار بننا ضروری نہیں...... مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ آج زرکاش کے ہاتھوں ہونے والی بے عزتی کو ہضم کرجائے۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ کم از کم اگلے ویک اینڈ تک زرکاش سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا' اس بہانے وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ زرکاش کے نزدیک اس کی اہمیت اور کتنی بڑھی اور یہ بھی کہ وہ خود کہاں تک کامیاب ہوئی ہے۔

○...... ❀ ......○

روانہ ہونے سے پہلے ہی تھکنے والے تھے
ہم جو خواب سفر میں بھٹکنے والے تھے
کبھی ترس گئے پانی کی ایک بوند کو ہم
کبھی کناروں سے باہر چھلکنے والے تھے

پول سے پشت لگائے ساکت کھڑی وہ سنسان سڑک کی اس سمت یک ٹک دیکھ رہی تھی جہاں گزرے دس دنوں سے اس کے آنے کے کوئی آثار تک دکھائی نہیں دیئے تھے' جانے وہ کہاں' کس مشکل میں گم تھا' سوچ سوچ کر اس کے اعصاب تک نڈھال ہوچکے تھے' ایک انجانی سی امید اور یقین کے سہارے وہ روز یہاں اس کے انتظار میں کھڑی راہ تکتی رہتی تھی' ہر گزرتا دن اس کی بے قراری کو بڑھا رہا تھا' چھٹی حس عرش کی ماما کی طرف سے اس کے خدشات کو بڑھاتے اسے بے چین رکھتے تھے' اس کا پچھتاوا شدت اختیار کرچکا تھا اگر وہ فوری طور پر عرش کے گھر اس کی ماما سے ملنے چلی جاتی یا گھر کا پتہ ہی پوچھ لیتی تو آج یہاں بے بس کھڑی انتظار نہ کررہی ہوتی...... مگر امید کے دیے ابھی بجھے نہیں تھے' اسے یقین تھا کہیں نہ کہیں کہ عرش اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا...... اور سچ تو یہ تھا کہ عرش کو دیکھے بغیر خود اس کا گزارہ بھی نہیں تھا' ایک بے نام سا تعلق جو اس کا عرش سے بندھ چکا تھا' وہ اس کی ماما سے ملنے کے بعد اور مضبوط ہوگیا تھا۔ خشک ہوا سے بکھرتے سوکھے زرد پتوں کا شور سنتی وہ خود بھی کہیں دور اس دھند میں گم ہونے لگی تھی جہاں اس کی اداس آنکھیں جمی ہوئی تھیں...... تب ہی اس کا دل دھڑکا تھا' دور سڑک پر دھند میں ایک ہیولہ ابھرتا دکھائی دے رہا تھا' وہ جانتی تھی یہ وہم نہیں ہے' دور سے ہی اسے پہچانتے ہوئے وہ اپنی دھڑکنیں بڑھتی محسوس کررہی تھی...... ہیولہ واضح ہوتا جارہا تھا' اس کی چال سے لگتا تھا کہ جیسے وہ صدیوں پر محیط مسافتیں طے کرتا ہوا آرہا ہو...... نڈھال' خستہ حال' اذیتوں کی گرد میں اٹا' حالات سے لٹا ہوا' قافلے سے بچھڑا ہوا' منزل سے بھٹکا ہوا' وہ دنگ نظروں سے سانس روکے اس کے چہرے کو پہچاننے کی کوشش کررہی تھی جو بس ایک پل کو اس کے سامنے رکا تھا' اس کی سرخ انگارہ آنکھوں میں اذیت ناک داستان رقم تھی۔ وہ اپنے پیروں تلے زمین لرزتی محسوس کررہی تھی' دوسری جانب وہ اب پھر سر جھکائے تھکے تھکے شکستہ قدموں سے باؤنڈری کی تاریکیوں کی سمت بڑھتا چلا گیا تھا۔ چند لمحوں تک وہ ساکت نظروں سے اس کے لرزتے وجود کو دیکھتی رہی پھر خود بھی اپنی سسکیوں کو روک نہیں سکی تھی' شازمہ کا مہربان چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا تھا' عرش کی کربناک کراہوں پر اس کا دل کٹتا جارہا تھا' عرش کی اذیت کو کم

کرنے کے لیے ہر لفظ ہر تسلی بے معنی تھی۔ دھندلائی نظروں سے اسے ٹوٹتا بکھرتا دیکھنا ناقابل برداشت تھا' بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ عرش کے شانے پر رکھا تھا۔

"وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئیں...... ہمیشہ کے لیے......" وہ بھیگی ہوئی کانپتی آواز میں بمشکل بولا۔ تاریکی اتنی بھی نہیں تھی کہ وہ اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کو نہ دیکھ پاتی۔

"میرے پاس ان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں...... یہ جانتے ہوئے بھی وہ مجھ سے دور چلی گئیں...... مجھے بالکل تنہا چھوڑ گئیں...... اب میرے لیے کوئی نہیں دعا کرنے والا' میرا انتظار کرنے والا نہیں رہا' اب اگر میں مر بھی جاؤں تو میرے پیچھے کوئی رونے والا نہیں...... پہلے پاپا پھر ماما کو بھی اللہ نے مجھ سے چھین لیا...... میں بھی زندہ نہیں رہوں گا' اللہ کو مجھ پر رحم نہیں آیا تو میں بھی خود پر رحم نہیں کروں گا۔"

"ایسا مت کہو عرش...... اللہ کی رضا میں راضی ہو جاؤ وہی تمہیں صبر دے گا...... مگر ایسی مایوسی اور کفر کی بات کر کے تم ماما کے خواب ان کے ارمان خاک میں نہ ملاؤ' تمہارے ماں باپ تمہیں جینے کا مقصد دے گئے ہیں' اس کو پورا کرنا ہے تمہیں' اپنے پاپا کے نام کو آگے بڑھانا ہے تم نے......" نم لہجے میں وہ اسے یاد دلا رہی تھی۔

"سب کچھ کبھی ختم نہیں ہوتا' کچھ نہ کچھ ایسا باقی رہ جاتا ہے جس کی اہمیت کا اندازہ فوری طور پر نہیں ہوتا...... تم نے بہت ہمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا' ماما کے لیے لڑتے رہے ہر وقت سے...... اب اس طرح کمزور پڑ کر ماما کی روح کو اذیت نہ پہنچاؤ...... تم صدمے سے باہر آؤ گے تو دیکھو گے کہ ماما اپنے کتنے خواب تمہاری آنکھوں میں چھوڑ گئی ہیں' تم نے ان کو تعبیر دینی ہے اپنے پاپا کے لیے' کامیابیاں تم کو حاصل کرنی ہیں' ان کے نام کو زندہ اور روشن رکھنا ہے تمہیں...... اتنا سب کچھ تو ہے عرش......" وہ بمشکل اسے حوصلہ دے رہی تھی جو زارو قطار رو رہا تھا۔

"تم تنہا نہیں ہو' میں ہوں تمہارے ساتھ...... ہمارے درمیان انسانیت کا رشتہ تو ہے' میں نے ماما سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی' تمہاری خبر رکھوں گی' وہ تمہیں تنہا بالکل نہیں چھوڑ گئیں۔" عرش کو اپنی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر وہ مزید بولی۔ "تم اپنے ماں باپ کی بہت قیمتی نشانی ہو عرش' ان کے لیے تمہیں اپنا خیال رکھنا ہے۔" اس کے شانے کو دھیرے سے تھپتھپاتی وہ بولی۔

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لاؤں؟ انکار مت کرنا' میں نے بھی کچھ نہیں کھایا آج سارا دن' ساتھ ہی کھاتے ہیں۔"

"نہیں...... مجھے واقعی بھوک نہیں...... تم کھانا کھاؤ پہلے جا کر میں ہوں یہاں...... اب گھر واپس جاؤں گا بھی کس کے لیے۔" اپنی آنکھیں صاف کرتا بولا۔

"پھر وہی مایوسی کی بات' اچھا میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں' اب اس کے لیے انکار مت کرنا۔" اس کے قطعی لہجے پر وہ خاموشی سے اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ سوچوں میں گم اسے وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا اور وہ چائے لے کر بھی آ گئی تھی۔

"ماما کے جانے کے بعد تم وہ واحد انسان ہو جس نے مجھے حوصلہ دینے کی کوشش کی ہے' اس طرح تسلی دی ہے۔" وہ بولا۔

"میں تمہیں حوصلہ نہیں دوں گی' تمہارا غم نہیں بانٹوں گی تو اور کون یہ کرے گا...... آخر ماما نے تمہاری ذمے داری مجھ پر ڈالی ہے...... اب تمہارا بھی یہ فرض ہے کہ جیسا میں کہوں' ویسا ہی کرو' کل سے تم گیراج جاؤ گے۔ مجھے یقین ہے کہ تم دل لگا کر اپنا کام شروع کرو گے اور گیراج سے سیدھا یہاں آؤ گے' میرے سامنے کھانا کھاؤ گے' سارا دن کیسا گزرا مجھے بتا کر گھر جاؤ گے' سمجھ گئے......؟" اس کے کہنے پر عرش نے اثبات میں سر ہلایا۔

"زرق آیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں...... جائے گا کہاں آ جائے گا خوار ہو کر' تم بس اپنی فکر کرو بہت آگے جانا ہے تمہیں یہ مت بھولنا۔" اس کی تاکید پر عرش بس اسے دیکھتا رہا۔

O......❁......O

چند لمحوں تک وہ بغور اپنے ہاتھ میں پھڑ پھڑاتے کاغذ کو دیکھتی رہی تھی' ندا کی سسکیوں نے بھی اس کے سپاٹ تاثرات میں کوئی اثر نہیں ڈالا تھا' کاغذ ایک طرف رکھتی وہ کمرے میں داخل ہوتے راسب کی طرف متوجہ ہوئی' شدت ضبط سے ان کا چہرہ متغیر ہو رہا

تھا آنکھیں لبریز تھیں۔

"رجاب...... مجھے معاف کردو......"

"آغا جان' یہ مت کہیں۔" اس نے سرعت سے ان کے جڑے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"میرے لیے یہ طلاق نامہ ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے...... یہ میری زندگی کو آباد یا برباد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔"

"میں نے تمہارے لیے یہ سب نہیں چاہا تھا...... آج میں مرگیا...... ختم ہوگیا......" اسے اپنے سینے سے لگائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے مگر رجاب کی خشک آنکھیں ندا کو دہلائے جارہی تھیں' ایک قیامت اور گزر گئی تھی لیکن ایک آنسو تک ندا کو اس کی آنکھوں میں دکھائی نہیں دے رہا تھا' مگر راسب کی حالت صدمے سے غیر ہونے لگی تھی' ندا نے فوری طور پر اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کیا جو بروقت گھر پہنچ گئے تھے۔

بیڈ کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی وہ راسب کو ہی دیکھ رہی تھی جو سکون آور دواؤں کے زیر اثر سو رہے تھے' کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر ان کو چیک کرکے گئے تھے' تین دن گزرنے کے بعد اب راسب کی طبیعت قدرے سنبھل رہی تھی' آج ان کا بی پی بھی ڈاکٹر کے مطابق نارمل تھا۔ کافی دیر بعد ندا کی غیر موجودگی پر وہ کمرے سے باہر نکلی تھی' لاؤنج میں ندا فون کے پاس ہی بیٹھیں جانے کن سوچوں میں گم تھیں۔

"بھابی......" ان کے قریب پہنچ کر بھی رجاب کو متوجہ کرنا پڑا۔ "کس کا فون تھا......؟" اس کے سوال پر ندا ایک پل کو کچھ متذبذب ہوئیں مگر پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اپنے آغا جان کے سامنے غلطی سے بھی نہ ذکر کرنا...... ماہین نے فون کیا تھا۔" ایک پل کو رک کر انہوں نے رجاب کے تاثرات دیکھے مگر وہ حیران نہیں تھی' حاذق کی دونوں بھابیوں سے ندا کی بہت اچھی دوستی تھی مگر اب جبکہ دونوں طرف سے ہی تعلق ختم ہوجانے کا اعلان ہوچکا تھا تو ماہین نے کس وجہ سے فون کیا ہوگا وہ یہ جاننا چاہتی تھی۔

"وہ بتا رہی تھی کہ تایا جان کو بہت صدمہ ہوا ہے اس سب کا' تائی جان نے اپنی بہن کی بیٹی سے حاذق کی شادی طے کردی ہے اس کی مرضی بھی شامل ہے' ایک ہفتے میں شادی بھی ہوجائے گی کیونکہ حاذق کو واپس اٹلی جانا ہے بعد میں بیوی کو بھی وہاں بلالے گا...... افسوس کررہی تھی بہت' کہہ رہی تھی جب تایا جان بیٹے اور بیوی کے خلاف نہیں جاسکے تو وہ تو پھر بہو ہے اس گھر کی...... میں نے اس سے کہہ دیا کہ جو ہونا تھا وہ ہوچکا' حاذق نے ہمارے گھر کی خوشیوں کو آگ لگائی تھی وہ اس نے لگادی' ہم نے اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا' ہمارا اب اس گھر سے کوئی تعلق نہیں' میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ میں راسب کی مرضی کے خلاف اس سے بھی بات نہیں کرسکتی لہٰذا آئندہ وہ مجھے فون نہ کرے۔" بات ختم کرتے ہوئے ندا نے بغور اس کے چہرے کے بگڑے نقوش کو دیکھا تھا۔

"رجاب...... تم بے فکر رہو۔ مجھے یقین ہے کہ آگے تمہارے لیے سب اچھا ہوگا' تمہیں تمہارا اصل چہرہ واپس مل جائے گا ان شاءاللہ' راسب ہر ممکن کوشش کریں گے۔"

"نہیں بھابی...... میں اپنے اسی چہرے کے ساتھ جینا چاہتی ہوں' آپ آغا جان سے کہہ دیجیے گا کہ میں کوئی ایسی سرجری نہیں کرواؤں گی جس کے لیے ان کو اپنا سب کچھ فروخت کرنا پڑے۔" قطعی انداز میں فیصلہ سناتی وہ ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

○......❀......○

جس رات زرکاش اسے ہاسٹل ڈراپ کرگیا تھا اس کے دوسرے ہی دن زرکاش کی کال آئی تھی جو کہ دراج نے ریسیو نہیں کی تھی' اگلے تین دن بھی وہ مستقل دن رات آنے والی کالز کو اگنور کرتی رہی' بس زرکاش ہاسٹل نہیں آیا تھا ابھی تک ورنہ وہ اس سے ملنے سے بھی صاف انکار کردیتی...... زرکاش سے لاتعلق رہ کر وہ یہ بھی جتانا چاہتی تھی کہ سپورٹ کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ سر جھکا کر اس کے ہاتھوں بے عزت ہوتی رہے...... بہرحال اس کے یہ تین دن بہت اچھے اور مصروف گزرے تھے' فرینڈز کے ساتھ مختلف شاپنگ مال میں وہ بڑی فراخدلی سے اپنی شاپنگ کا شوق پورا کرتی رہی تھی' اپنی پسند کی اس نے ہر وہ چیز خریدی تھی جسے خریدنے کی پہلے بھی وہ استطاعت نہیں رکھتی تھی اور جس کے روپے وہ بے دریغ خرچ کررہی تھی فی الحال اس کی شکل کیا اس کی آواز تک بھی سننے کی روادار نہ تھی۔ آج اس کا ارادہ تھا کہ کالج سے سیدھی رائمہ کی طرف چلی جائے گی' چھٹی کے دو دن وہ رائمہ کے ساتھ گزارنا چاہتی

تھی' کالج کے باہر وہ رش سے اپنی وین کی جانب بڑھ رہی تھی جب مانوس پکار نے اس کے قدم روک لیے تھے' زرکاش کو دیکھتے ہی اس کے تاثرات سپاٹ ہوگئے تھے۔

"آجاؤ' تمہاری وین کے ڈرائیور کو بتادیا ہے میں نے کہ تم میرے ساتھ جارہی ہو۔" زرکاش نے بتایا جبکہ دراج کی نظر ایک وین جو قریب ہی کھڑی تھی اس کے پاس موجود لڑکیوں کے جمگھٹے تک گئی تھی' وہ سب بڑے اشتیاق سے زرکاش کی طرف ہی متوجہ تھیں' وہ ویل ڈریسڈ' اپنی آئیڈیل ہائٹ اور خوب صورت پرسنیلٹی کے ساتھ اس ہجوم میں زیادہ نمایاں تھا' جو سن گلاسز اس نے لگا رکھے تھے وہ اس کے چہرے پر سوٹ کررہے تھے' اردگرد سے محسوس ہوتیں معنی خیز نظروں پر وہ چاہتے ہوئے بھی انکار نہیں کرسکی تھی۔

"آپ یہاں کیوں آئے؟" فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی پیشانی پر بل ڈالے اس نے پوچھا۔

"ظاہر ہے تمہارے لیے......" زرکاش نے حیرت سے دیکھا اس کا چہرہ جانے دھوپ کی وجہ سے سرخ ہورہا تھا یا خفت سے۔

"مجھے یہاں آنا منع ہے کیا؟" اس کی ناگوار نظروں پر اس نے پوچھا' مگر دراج جواباً منہ پھیر گئی۔ "کیسا وقت گزرا کالج میں؟" کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد بالآخر زرکاش نے ہی خاموشی توڑی' مگر دراج ان سنی کیے ونڈو سے باہر پیچھے بھاگتے مناظر کی طرف متوجہ رہی۔ زرکاش چند لمحوں تک منتظر رہا پھر ڈیش بورڈ پر موجود شاپر اس کے سامنے کردیا۔

"اس میں تمہارے لیے چاکلیٹس اور جوس ہے...... لے لو تمہیں پیاس لگی ہوگی۔"

"مجھے نہیں چاہیے۔" وہ اکھڑے لہجے میں بولی۔

"دراج......" زرکاش کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

"میں کوئی ناسمجھ چھوٹی بچی نہیں ہوں جو آپ ان چیزوں سے مجھے بہلا رہے ہیں۔" وہ یک دم ہتھے سے اکھڑی۔

"گھر جاکر بات کرتے ہیں۔" اس کے بھڑکتے چہرے پر ایک نگاہ ڈالتا وہ بولا۔

"مجھے بجیا کی طرف چھوڑ دیں اور کہیں نہیں جانا مجھے......"

"ٹھیک ہے مگر پہلے تم میرے ساتھ گھر چلوگی...... اب بالکل خاموش رہو بس......" درمیان میں اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر زرکاش نے سختی سے اسے ٹوک دیا۔

بمشکل ضبط کرتی وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا گئی تھی۔ زرکاش ڈرائیونگ پر ہی توجہ مرکوز رکھنا چاہتا تھا اور دراج کے غصے کا اسے اندازہ ہوگیا تھا لہٰذا ابھی اس کو چھیڑنا مناسب نہیں تھا' وہ خاموش ہوگئی تھی زرکاش کے لیے یہی غنیمت تھا' بہرحال وہ جانتا تھا کہ کچھ زیادتی غصے میں وہ بھی کرگیا تھا' اس رات دراج کو ہاسٹل چھوڑ کے واپس آتے ہوئے اسے احساس ہوا تھا کہ سختی کے بجائے وہ نرمی سے بھی تو دراج کو سمجھا سکتا تھا' یقیناً وہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرتی...... دراج کی ناراضی نے اس کی پشیمانی کو مزید ہوا دی تھی' وہ جانتا تھا کہ دراج کی طبیعت میں بے باکی نہیں' بے ساختگی ہے' وہ اس سے اپنے جذبات چھپانے کی کوشش یا تکلف نہیں کرتی' دراج کے ہر جملے' ہر انداز میں سادگی اور بے اختیاری ہوتی تھی' وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دراج کی شکایتیں بجا ہیں کہ وہ اس کی پزیرائی اور حوصلہ افزائی نہیں کرتا' اسے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے' لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ بے حس یا جذبات سے عاری شخص ہے' کسی کی چاہت ہونا' کسی کی سوچوں پر' خوابوں پر حکومت کرنا' کسی کے دل میں بہت خاص مقام پر ہونا' کسی کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت اور آنسو دیکھنا اس کے دل پر بھی اثر کرتا تھا' بہت احتیاط اور گریز کے باوجود وہ اپنے دل کو بھی دراج کی طرف مائل ہونے سے روک نہیں سکتا تھا' اس کی زندگی میں پہلے بھی ایک عورت رہ چکی تھی مگر اتنا بڑا سچ جاننے کے باوجود بھی اسے دراج کے رویئے انداز اور جذبوں میں کوئی ردوبدل محسوس تک نہ ہوا تھا' شاید یہی سچ دراج کے لیے اہم تھا کہ اس کے آج سے ہی وہ غرض رکھتی ہے کیونکہ اس کے آج میں وہ خود تھی مگر اس سب کے باوجود اسے دراج کا والہانہ انداز' بلاجھجک قریب آنا اور چھونا کچھ بے چینی اور جھنجلاہٹ میں مبتلا کردیتا تھا' جسے وہ دراج پر ظاہر بھی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کے دل کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا مگر تھا تو وہ بھی بندہ بشر اور اپنے آپ پر اسے بہت زیادہ بھروسہ نہیں تھا' شاید اسی لیے بلاارادہ دراج کے دل کو تکلیف پہنچا گیا تھا۔

کتابیں اور بیگ ایک جھٹکے سے صوفے پر ڈالتی خود بھی ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھ گئی تھی' لاؤنج میں آتے زرکاش نے گہری

سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

''میرے بارے میں اتنا غلط سوچ کر آپ نے مجھے میری ہی نظروں سے گرادیا ہے۔'' آنسوؤں سے بھیگے چہرے کے ساتھ وہ شدید غم وغصے میں بولی۔

''اتنا ہلکا سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے؟ میں گھاس نہیں کھاتی' مجھے اپنی حدود معلوم ہیں' کتنی بار میں نے حدود توڑی ہیں؟ آج بتادیں میں آپ سے معافی مانگ لیتی ہوں آپ کو مجھ سے اس حد تک بیزاری ہے تو ختم کردیں مجھ سے ہر تعلق' میری وجہ سے آپ کو اپنے دامن پر کوئی داغ لگنے کا اندیشہ ہے تو دور ہوجائیں مجھ سے کیونکہ میرا اپنا تو کوئی کردار ہی نہیں ہے لیکن میں جو بھی ہوں آپ کی محتاج نہیں ہوں' آپ کو کوئی حق نہیں مجھے بے عزت کرنے کا' آپ کی بیزاری کوڑے کی طرح لگتی ہے مجھے' آپ تو ان سے بھی زیادہ سنگدل ہیں جن کی گالیاں اور مار میں برداشت کرتی رہی ہوں' میں اب آپ کے قریب تو کیا آپ کی نظروں کے سامنے بھی نہیں آنا چاہتی' میں اب کبھی آپ کے اس گھر میں دوبارہ نہیں آنا چاہتی۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ فیصلہ سناتی وہ دوبارہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی تھی' زرکاش جو خاموشی سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا اس کے خاموش ہونے پر چند قدم اس کی جانب بڑھا۔

''ایسا کبھی مت سوچنا کہ تم میری محتاج ہو یا میں کبھی تمہارے کردار پر شک بھی کرسکتا ہوں' جتنا بھروسہ مجھے تم پر ہے اتنا خود پر بھی نہیں' میں جانتا ہوں غلطی میری تھی' میں اپنی بات نرمی سے بھی سمجھا سکتا تھا' مجھے کوئی حق نہیں تھا تم پر غصہ کرنے کا...... اگر مجھے موقع ملتا تو پہلے ہی تم سے معافی مانگتا' آج اسی لیے تمہیں یہاں لایا ہوں' میں نے تمہارے دل کو تکلیف پہنچائی' مجھے معاف کردو' اپنی غلطی کی اب میں معافی ہی مانگ سکتا ہوں۔'' گہرے سنجیدہ لہجے میں کہتا وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا' کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا تو زرکاش اسے کہیں نظر نہیں آیا' اپنی آنکھیں خشک کرتی وہ انتظار کررہی تھی کہ زرکاش سامنے آئے گا مگر بڑھتے انتظار نے اسے چونکا دیا تھا' اسے بتائے بغیر تو زرکاش گھر سے نہیں جاسکتا تھا' ایک پل کو اس نے سوچا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھی' ڈائننگ ہال کی طرف آتے ہی اس کے قدم رکے تھے' وہ اسے وہیں ٹیبل کے گرد بیٹھا نظر آیا' دبے قدموں وہ اس کی جانب آئی۔ ٹیبل پر رکھے گلاس کے گرد ہاتھ رکھے وہ جانے کس سوچ میں گم تھا' بس ایک نظر اس نے دراج پر ڈالی جو دوسری چیئر قریب کرتی اس کی جانب رخ کیے بیٹھ گئی تھی۔

''ایم سوری۔'' اس کی مدھم آواز پر زرکاش نے اسے دیکھا۔

''کس لیے؟''

''ابھی جو میں نے اتنی بدتمیزی سے بات کی آپ سے...... مجھے اس طرح نہیں بولنا چاہیے تھا۔'' اس سے نظر ملائے بغیر وہ شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ اس لڑکی کے دل میں کتنا بغض بھرا ہے...... اور یہ بھی کہ میں کتنی بدلحاظ ہوں......''

''میں ایسا بالکل نہیں سوچ رہا۔ تمہارا غصہ نکل گیا' دل صاف ہوگیا یہ زیادہ ضروری تھا۔'' اس نے کہا۔

''مگر میں بھی تو آپ کو اپنی بات اس طرح بگڑنے کے بجائے طریقے سے سمجھاسکتی تھی' شکایت کرسکتی تھی......''

''چلو' جو غلطی مجھ سے ہوئی وہ تم سے بھی ہوگئی' غصے میں ہوجاتا ہے ایسا۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ زرکاش نے اس کی شرمندگی دور کرنی چاہی۔

''نہیں...... غلطی تو میں نے ہی کی تھی' آپ نے ٹھیک ہی غصہ کیا مجھ پر...... دراصل پہلے کبھی آپ نے اس طرح غصے کا اظہار نہیں کیا اس لیے' لیکن آپ کو حق ہے مجھ پر غصہ کرنے کا پھر آپ نے ایسا کیوں کہا کہ آپ کو حق نہیں......؟''

''تم نے یہ کیوں کہا کہ تم میری نظروں کے سامنے آنا چاہتی ہو نہ اس گھر میں...... کیا یہ تمہارا گھر نہیں؟'' وہ جواباً سوال کرگیا تھا۔

''وہ تو میں نے سب غصے میں الٹا سیدھا جانے کیا کیا بول دیا ورنہ یہ گھر بھی میرا ہے اور آپ بھی۔'' چور نظروں سے اسے دیکھتی وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپاسکی تھی جبکہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتا وہ چیئر سے اٹھ گیا تھا۔

''آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟''

''تم سے ناراض ہوکر مرنا ہے کیا مجھے...... اب جلدی سے جو فریج میں ہے وہی صبر وشکر کے ساتھ کھا کر چلنے کی کرو' مجھے آفس

پہنچنا ہے تمہارے چکر میں میرا لنچ ٹائم بھی نکل گیا۔‘‘ اس کی عجلت پر وہ بیزار ہوئی۔

’’میں بہت تھک گئی ہوں، بہت نیند آرہی ہے آپ شام میں مجھے ہاسٹل لے جایئے گا۔‘‘ وہ معصوم صورت بنائے بولی۔

’’ہرگز نہیں، فوراً اٹھو، تمہیں رائمہ کی طرف جانا تھا، جلدی کرو......‘‘ اس کی سستی پر زرکاش نے اس کی پونی ٹیل کھینچ کر اسے اٹھایا۔

’’اچھا سنیں تو......‘‘ اسے اٹھا کر وہ عجلت میں ہی جارہا تھا جب دراج نے اس کا بازو تھام کر روکا۔

’’آپ کو اتنا غصہ کیوں آیا تھا؟‘‘ اس کے سوال سے زیادہ وہ اس کی شرارتی مسکراہٹ پر چونکا تھا۔

’’ادھر آؤ، بتاؤں تمہیں۔‘‘ زرکاش نے دوبارہ اس کی پونی پکڑنا چاہی تھی مگر وہ کھلکھلا کر صفائی سے بچتی کچن میں غائب ہوگئی تھی، لاؤنج سے دراج کا بیگ اور کتابیں اٹھاتا واپس آیا تھا، تب ہی اسے دراج کی ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی، اگلے ہی پل وہ ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے میں ٹن پکڑے بوکھلائی ہوئی کچن سے نکلی۔

’’وہاں ایگزاسٹ فین کے پاس اتنی موٹی چھپکلی ہے۔‘‘ ایک تو بے تحاشا رونے سے ویسے ہی اس کا چہرہ اتر گیا تھا اور اب جس طرح اس نے ہونق انداز میں چھپکلی کی موجودگی کی اطلاع دی تھی وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا۔

’’اس چھپکلی کے تاثرات بھی تمہیں دیکھ کر ایسے ہی ہورہے ہوں گے جو اس وقت تمہارے ہیں۔‘‘ گیٹ کی سمت قدم بڑھاتا وہ بولا۔

’’زرکاش...... یورپ میں چھپکلیاں کیسی ہوتی ہیں؟‘‘ اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

’’بالکل تمہارے جیسی ہوتی ہیں۔‘‘ اس کے روانی سے دیئے جانے والے جواب پر دراج رک گئی۔

’’اب تو میں نہیں جاؤں گی۔‘‘ وہ خفت سے بولتی پیچھے ہٹی تھی کہ زرکاش نے بے ساختہ ہنستے ہوئے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کے گیٹ سے باہر پہلے اسے ہی نکالا۔

O...... ❁ ......O
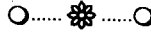
اپنی دھن میں رہتا ہوں
میں بھی تیرے جیسا ہوں
تیری گلی میں سارا دن
دکھ کے کنکر چنتا ہوں
جیون کی بھری گلی
میں جنگل کا راستہ ہوں
آتی رت کا جھونکا ہوں

’’ابھی ضرورت صرف اس چیز کی ہے کہ تم خود کو سمیٹ لو...... جو ہوچکا ہے اسے قبول کرلو، اپنے آپ کو وقت دو، سوچے سمجھے بغیر یوں اکتاہٹ اور زندگی سے بیزار ہوکر اپنے لیے فیصلے مت کرو، جب تک تم مایوسیوں کے گرداب سے خود کو باہر نہیں نکالو گے آگے بڑھنے کا راستہ نہیں ڈھونڈ پاؤ گے۔‘‘ آج پھر وہ اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی جس کے چہرے پر مایوسی اور ناامیدی کی گہری چھاپ تھی۔

’’ایسی بکھری حالت میں تم اس شہر کو چھوڑ کر کہیں بھی چلے جاؤ مزید اپنے لیے دشواریاں بڑھالو گے، پہلے تم اپنے اندر ایک نئی اور بہتر زندگی کی ابتدا کرنے کی خواہش تو بیدار کرو۔‘‘

’’بہتر زندگی......‘‘ پول سے ٹیک لگائے آسمان تکتا وہ تلخ لہجے میں بولا اور پھر اسے دیکھا۔

’’تم یقیناً مجھ پر لعنت بھیجو گی مگر یہ سچ ہے کہ میرے پاس ایسا کچھ نہیں بچا جس کے لیے میں اپنی زندگی کو بہتر بناؤں، میں یہ شہر کیا...... یہ دنیا ہی چھوڑ جانا چاہتا ہوں۔‘‘

’’تم بے شک حالات کا بہت ہمت سے مقابلہ کرتے رہے ہو کبھی ہتھیار نہیں ڈالے، کبھی پیچھے نہیں ہٹے مگر اس کے باوجود

تمہاری سوچ شاید ہمیشہ منفی رہی ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولی جبکہ عرش نے صرف اسے دیکھا تردید نہیں کی۔

"تمہاری طرح ہر انسان خود پر آنے والی مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے غلط راستے اختیار کرنا شروع کردے تو اس دنیا کا جانے کہاں تک حشر بگڑ جائے......"

"دنیا کی بات مت کرو دنیا کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون کس راستے پر جارہا ہے دنیا جیسی ہے ویسی ہی رہے گی میں نے اپنے ماں باپ کو زندگی اور موت کی کشمکش میں لڑتے دیکھا ہے ان کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا ہے ہاں...... میں نے غلط راستے اختیار کیے کیونکہ میں اپنی ماں کو اذیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا میں ان کو کسی کی خیرات پر گزارہ کرتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ میری ماں آج بھی میری کل کائنات ہے میں ان کے لیے اپنی زندگی تک بیچ سکتا ہوں۔" سرخ چہرے کے ساتھ وہ کچھ جارحانہ لہجے بولا۔

"ٹھیک ہے تم جس راستے پر بھی گئے وہ تمہارا کل تھا جو گزر چکا ہے اس میں حالات تمہیں کہیں سے کہیں لے گئے مگر اب...... تمہارا آج تمہارا آنے والا کل تمہارے ہاتھ میں ہے تم اب حالات اپنے حساب سے بدلنے کی طاقت رکھتے ہو...... تم کہتے ہو کہ تمہارے پاس ایسا کچھ نہیں بچا جس کے لیے تم اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرو...... جبکہ بارہا میں تمہیں یاددلاتی رہی ہوں کہ تمہارے پاس تمہارے ماں باپ کے قیمتی خواب ہیں ان کی خواہش ان کے ارمان امانت ہیں تمہارے پاس...... تمہیں ان کے نام کو زندہ رکھنا ہے اپنے پاپا کے گھر کو تم نے واپس حاصل کرنا ہے جو تمہارے لیے ایک جنت ہے جہاں تم نے آنکھ کھولی تھی اس جنت کو اس گھر کو تم نے ہی آباد کرنا ہے...... اور پھر تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تمہارے لیے تمہاری اپنی ذات بھی تو ہے اپنی ذات کو بھی اہمیت دو اس کا بھی تو حق ادا کرو انسان کی زندگی پر اس کا اپنا حق بھی ہوتا ہے۔"

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم مجھے میری ذات کی اہمیت بتارہی ہو......" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "کیا ہے میری ذات...... کیچڑ میں لتھڑی ہوئی سر سے پیر تک غلاظتوں میں اٹا ہوا ہوں میں گناہوں کی تاریکی میں کیسے اپنے آج اپنے کل کو روشن کرسکوں گا۔"

"وہ تمہارا کل تھا عرش...... وہ اپنی تمام تاریکیوں کے ساتھ گزر چکا ہے اب ماضی بن گیا ہے جن وجوہات کی بنا پر تم غلاظتوں میں اترنے پر مجبور ہوئے وہ وجوہات وہ مجبوریاں ختم ہوچکی ہیں آج...... مگر تم ان امیدوں کو ختم نہ ہونے دو جو جانے والوں نے تم سے واسطہ رکھی تھیں ان کے لیے تمہیں اپنی ذات کو اہمیت دینی ہوگی...... ورنہ روز آخرت کس طرح ان کا سامنا کرسکو گے......؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی جو سر جھکائے بالکل خاموش تھا۔

"عرش...... کیا تمہیں اپنے آپ سے بالکل بھی محبت نہیں؟" اس کے سوال پر عرش نے اسے دیکھا۔

"کیا تم اپنے آپ سے محبت کرتی ہو؟" اس نے جواباً سوال کیا۔

"ہاں تمام تلخیوں اور دشواریوں کے باوجود مجھے اپنے آپ سے اپنی زندگی سے محبت ہے...... اور پھر جو انسان خود سے محبت نہیں کرتا وہ کسی اور سے کیسے محبت کرسکتا ہے...... میری زندگی جیسی بھی ہے مگر میں اسے بہتر سے بہتر کرنے کا عزم رکھتی ہوں۔ کوشش کرتی بھی ہوں انسان کوششوں سے ہی تو معتبر کے سر کرتا ہے اللہ نے زندگی جیسا تحفہ مجھے دیا ہے میں اسے تاریکیوں میں گم نہیں ہونے دے سکتی مایوس ہو کر اپنی زندگی کی ناقدری نہیں کرسکتی کوئی بھی مشکل مجھے زندگی سے دستبردار ہونے پر مجبور نہیں کرسکتی میں کسی مایوسی کسی مصیبت کی زد میں آکر اپنی زندگی کو حالات کے دھارے پر نہیں چھوڑ سکتی...... کیونکہ میں خود کو کھونا نہیں چاہتی۔" اس کے مضبوط لہجے پر عرش نے بغور اس کے چہرے پر پھیلی عجیب سی روشنی کو دیکھا تھا۔

"میں بھی ایسا ہی سوچنا چاہتا ہوں...... میں جانتا ہوں اللہ کے لیے کیا مشکل کہ وہ پہاڑ جیسے گناہ بھی معاف کردے اسی لیے میں دن رات اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں...... ماما جاتے جاتے بھی میرے لیے دعائیں کرگئیں تھیں مجھے یقین ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔"

"ماما کی دعائیں تو ساری زندگی اب تمہارے ساتھ رہیں گی...... تمہیں اللہ کی رحمتوں پر یقین ہے تمہارے دل میں ندامت ہے نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تو یقیناً تمہاری توبہ بھی قبول ہوگی اور ماما کی دعائیں بھی...... بس مایوسی کو حاوی نہ ہونے دیا کرو مایوسی تو کفر ہے۔" اس کے کہنے پر عرش چند لمحوں کے لیے شاید کچھ سوچنے لگا تھا اس کی خاموشی پر وہ بھی چپ چاپ اس کی پیشانی کو دیکھتی رہی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

”میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ کچھ لمحے مزید خاموشی کی نذر کرنے کے بعد عرش نے اسے مخاطب کیا جبکہ وہ بس سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”تم جانتی ہو میری سب سے بڑی کمزوری تمہارہ جانے کا خوف ہے..... شاید اسی لیے میں تمہارے لاکھ سمجھانے اور اپنی کوششوں کے باوجود بار بار ٹوٹ جاتا ہوں......“ وہ بولا اور پھر پول سے الگ ہوتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ ”میں اپنی اس کمزوری پر فوری طور پر قابو پانے کے قابل نہیں ہوں ابھی...... میں بس یہ چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں میرے قریب کوئی اتنی اہم ہستی ہو جس کے لیے میں اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کی جدوجہد کرسکوں مجھے ایک ایسے سہارے و تعلق کی ضرورت ہے جو میرے ہم قدم ہونے کا احساس مجھے دلاتا رہے کیا میری اس جدوجہد اور کوششوں میں تم میرا ساتھ دے سکتی ہو؟“ اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا جو حیران تھی۔

”عرش...... تم جانتے ہو میں تو تمہارے ساتھ ہی ہوں پھر تم......“

”نہیں اس طرح نہیں۔“ وہ اس کی بات کاٹ گیا۔ ”بلکہ اس طرح جس طرح کہ میں چاہتا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ تم سے یہ سوال کر کے میں خود غرضی کا مرتکب ہو رہا ہوں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس لائق بھی نہیں کہ تمہارے سائے کے قریب بھی آسکوں لیکن پھر بھی میں تم سے یہ سوال کررہا ہوں کیا تم اپنی زندگی میں مجھے جگہ دے سکتی ہو......؟“ اس کی ساکت نظروں میں جھانکتا وہ پوچھ رہا تھا۔

”تم جانتی ہو یہ سب اچانک نہیں ہے اچانک کوئی بھی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔“ وہ مدھم لہجے میں نظر جھکائے بولا اور پھر دوبارہ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم جیسی اچھی لڑکی مجھ جیسے برے انسان کا انتخاب کر کے اپنے ظرف کا امتحان نہیں لینا چاہے گی اور میں کسی کو دھوکے میں رکھ کر اپنی نئی زندگی کی بنیاد نہیں رکھ سکتا...... میں اپنی زندگی کی بنیاد سچائی اور اعتبار پر رکھنا چاہتا ہوں تمہارے ساتھ مل کر......“ کچھ تھا عرش کی آنکھوں میں کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی چلی گئی۔ ”میں نے تمہیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔“

”نہیں......“ ایک پل کو اس نے عرش کی طرف دیکھا مگر پھر نگاہ چرائی گونگوں کی سی کیفیت میں اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ ”مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ مجھے تم سے کیا کہنا چاہیے۔“

”ابھی کچھ مت کہو...... پہلے اچھی طرح سوچ لو مگر کوئی بھی فیصلہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنے بارے میں سوچنا تم مجھ سے زیادہ سمجھدار ہو تمہارا جواب جو بھی ہو مگر مجھے قبول ہوگا...... اب تم گھر جاؤ میں بھی جاتا ہوں۔“ عرش کے کہنے پر وہ گم صم کیفیت میں ایک نظر اس پر ڈالتی جانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔

”سنو۔“ عرش کی پکار پر اس کے قدم رکے۔

”تم...... اگر کہو تو میں صبح آجاؤں؟“ عرش کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی اضطراب در آیا تھا جو اس سے چھپا نہیں تھا جواباً اثبات میں سر کو حرکت دے کر وہ پھر رکی نہیں تھی۔

O...... ❁ ......O
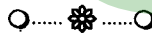
بھڑکتی آگ کی نارنجی لپٹوں کا عکس اس کی سبز پتلیوں میں جیسے جم گیا تھا بنا پلک جھپکے وہ آگ کی لپٹوں پر نظر جمائے ایک کے بعد ایک تصویر آگ کی نظر کرتی جارہی تھی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ ندا اپنی بچی کے لیے فیڈر بنانے کمرے سے نکلیں تو گیٹ کھلا دیکھ کر اس جانب آگئی تھیں اتنی رات میں صحن کے وسط میں آگ کے قریب بیٹھی رجاب کو دیکھتے ہی وہ ہول کر اس کی طرف بھاگی آئی تھیں۔

”رجاب...... تم کیا کررہی ہو یہ...... اور یہ آگ......“ رجاب کو ایک اور تصویر آگ میں پھینکتے دیکھ کر وہ چپ ہوگئی تھیں دوسری جانب رجاب ان کی موجودگی سے قطعی لاتعلق ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہی تھی...... ندا نے اسے پکارا اس کے شانے کو بھی ہلا کر متوجہ کرنا چاہا مگر اسے ان کی آواز ہی سنائی نہیں دے رہی تھی وہ اسی طرح آگ کو گھورتی تصویریں اس میں ڈالتی جارہی تھی عجیب سا خوف محسوس کرتی ندا واپس اندر گئیں اور جب دوبارہ آئیں تو ان کے ساتھ راسب بھی تھے۔ کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتے رہے جو

اردگرد سے غافل اپنے کام میں مگن تھی مگر پھر وہ خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئے۔

"رجاب...... اپنی تصویریں کیوں جلارہی ہو؟" راسب کے سوال پر آگ پر جمی اس کی ضرورت سے زیادہ کھلی آنکھوں کی ساکت پتلیوں میں حرکت تک نہ ہوئی تھی راسب کو اپنا سوال پھر دہرانا پڑا تھا۔

"یہ تصویریں جلیں گی تو راکھ ہوں گی ان میں جو چہرہ ہے وہ بھی راکھ کے ساتھ ہوا میں اڑ جائے گا...... پھر کوئی رجاب کو نہیں ڈھونڈ سکے گا وہ ہمیشہ کے لیے گم ہوجائے گی۔" آگ کو تکتی وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"رجاب گم ہوجائے گی تو اس کے آغا جان کیسے اس کے بغیر زندہ رہ سکیں گے...... وہ اسے کہاں ڈھونڈیں گے؟" ایک پل کو رک کر راسب نے پوچھا' جواباً وہ نہ کچھ بولی نہ ان کی جانب دیکھا تھا...... چند لمحوں بعد اس نے ہاتھ میں موجود بقیہ تصاویر وہیں فرش پر رکھیں اور اپنی جگہ سے اٹھ کر تیز قدموں سے برآمدے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

ندا نے اس کے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تھا' لائٹس تو دن میں بھی اس کے کمرے کی آن رہتی تھیں ایسا اب ہونے لگا تھا' ایزی چیئر پر آگے پیچھے جھولتی وہ دیوار کی طرف رخ کیے ہوئے تھی' ندا جانتی تھیں کہ دیواریں تکنا اس کا مشغلہ بنتا جارہا تھا۔ ان کے عقب میں آتے راسب نے بھی کمرے کا جائزہ لیا تھا' ان کو رجاب کے کمرے میں جانے سے روکتے ہوئے ندا ان کو دور لے گئی تھیں۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس کا مسلسل پُرسکون نظر آنا اور خاموشی کسی بھی طرح ٹھیک نہیں' یہ نارمل ردعمل نہیں ہے' وہ کئی کئی گھنٹے ایک ہی جگہ بیٹھی رہتی ہے' آواز پر آواز دو مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا' دیواریں' چھتیں تکنے کی اسے عادت بنتی جارہی ہیں' تنہائی پسند ہوتی جارہی ہے وہ...... کبھی وہ بالکل ٹھیک نظر آتی ہے اور کبھی......"

"تم کو یقین ہے کہ اس کی ذہنی کیفیت بگڑ رہی ہے؟" راسب نے پوچھا۔

"مجھے ایسا ہی لگ رہا ہے۔ جو کچھ اس پر گزر چکی ہے اور گزر رہی ہے اس میں ایسا ہونا ناممکن نہیں' غصہ' دکھ' غم' خوشی وہ کسی بھی جذبے کا اظہار نہیں کرتی' میں اسے گھر میں کسی مشین کی طرح دیکھتی ہوں...... ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے' ہمیں سب کچھ بھلا کر اسے نارمل زندگی کی طرف لانا ہے' اس کے لیے ہمیں ایک اچھے ڈاکٹر کی مدد لینی ہوگی جو اس کو جذباتی اور نفسیاتی طور پر ملنے والے شاک سے نکالے...... یہ کام میں یا آپ مہارت سے نہیں کرسکتے' رجاب کو اسی حالت میں چھوڑ دینا خطرناک ہے۔" ندا کے تشویش ناک انداز پر راسب بھی تفکرات میں گھر گئے تھے۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر رجاب بالکل نارمل نظر آرہی تھی' چائے کے سپ لیتی وہ اخبار کی ورق گردانی کررہی تھی جب راسب نے اسے مخاطب کیا۔

"رجاب' ناشتہ کرلو تو میرے پاس آنا' کچھ بات کرنی ہے تم سے۔" کرسی سے اٹھتے وہ بولے۔

"آپ بینک نہیں جارہے آغا جان...... طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں...... میں ٹھیک ہوں' بس یونہی آج بینک نہیں جارہا۔" اسے جواب دے کر وہ رکے نہیں تھے۔ سوالیہ نظروں سے اس نے ندا کو دیکھا جو خاموش رہی تھیں۔ لاؤنج کی خاموشی میں اسے راسب کے چہرے پر سوچوں کا جال دکھائی دیا تھا۔

"آغا جان......" اس کی پکار پر وہ چونکے۔ ناشتے کے بعد وہ ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"آؤ یہاں بیٹھو۔" راسب کے سنجیدہ تاثرات دیکھتی وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم سرجری کیوں نہیں کروانا چاہتیں؟ اپنے آپ کو سزا دینے سے بہتر ہے کہ تم مجھے سزا دے دو......"

"آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟ میں خود کو یا آپ کو کس چیز کی سزا دوں گی؟ میرے لیے وہ ایک حادثہ تھا' میرے زخم ٹھیک ہوجائیں' میرے لیے بس یہی کافی ہے' مجھے کسی مصنوعی سہارے کی ضرورت نہیں' میں نے حادثے کا سامنا کیا یا اس کا شکار ہوئی' کیا یہ چھپانے کے لیے سرجری کا سہارا لوں......؟ جو ہوچکا ہے میں نے اسے قبول کرلیا ہے' پھر کسی کاسمیٹکس سرجری کے ذریعے سچ کو کیوں چھپاؤں دنیا سے......؟ میں اپنے اسی سچ' اسی چہرے کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" وہ قطعی انداز میں بولی' راسب نے پہلے کبھی اسے اس طرح اپنے سامنے فیصلہ کن اور اٹل انداز میں بولتے نہیں دیکھا تھا۔ صرف ظاہر ہی نہیں باطن بھی راتوں رات

بدل چکا تھا۔

"ٹھیک ہے، کوئی تمہیں مجبور نہیں کر رہا' میں بس تمہاری رائے جاننا چاہتا تھا۔" راسب بولے۔"اب آگے کیا کرنا ہے؟ اپنی اسٹڈیز کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"آپ میرے لیے کوئی اچھا ڈینٹل کالج منتخب کرلیں' میرے چہرے کا ٹریٹمنٹ مکمل ہوجائے تو وہاں ایڈمیشن لوں گی...... کم از کم میں آپ کی یہ خواہش پوری کردوں گی کہ ڈاکٹر بن جاؤں...... ڈینٹسٹ ہی سہی۔" وہ سر جھکائے بول رہی تھی جبکہ راسب بمشکل ہی دل میں اٹھتی درد کی لہروں کو ضبط کرسکے تھے۔

"تم کو سرجن بننا تھا۔" وہ بے اختیار کہہ گئے۔

"آغا جان...... پڑھوں گی تو اب بھی میڈیسن' بس یونہی تھوڑا ارادہ چینج ہوگیا۔"

"ہاں...... یہ بالکل ٹھیک ہے رجاب' ڈینٹسٹ بھی تو ڈاکٹر ہی ہوتا ہے آپ بس رجاب کے لیے ایڈمیشن کا انتظام کریں' وقت ضائع نہ ہو اس کا ویسے بھی رجاب کے زخم بہت حد تک بہتر ہوچکے ہیں' ٹریٹمنٹ کے ساتھ ساتھ اس کی اسٹڈیز بھی شروع ہوجائیں گی تو اچھا رہے گا۔" ان دونوں کو ہی مخاطب کرتیں ندا خوش باش انداز میں بولیں تھی۔

"ٹھیک ہے، تم ڈینٹسٹ بن جاؤ گی تو مجھ سے زیادہ خوش کوئی اور نہیں ہوسکتا......" راسب بولے اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

"رجاب...... میں تمہیں بس آگے بڑھتا دیکھنا چاہتا ہوں' یہ بھی چاہتا ہوں کہ جو حالات گزرے ہیں تم ان کے زیر اثر نہ رہو اس کے لیے ہمیں ایک ایسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے جو گزرے حالات کے ساتھ تمہاری سوچ اور تمہاری کیفیت کو بھی سمجھ سکے۔ صرف تمہیں ہی نہیں مجھے بھی اچھے مشوروں کی ضرورت ہے۔" راسب بہت سنبھل کر بول رہے تھے۔

"آغا جان آپ کو یہ لگ رہا ہے کہ میں کسی ذہنی یا نفسیاتی دباؤ میں ہوں؟"

"نہیں...... تم اعصابی طور پر بھی بہت مضبوط ہو' صرف اپنی تسلی کے لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے ملیں' تم اپنی اسٹڈیز کا سلسلہ بھی شروع کررہی ہو تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ دل اور دماغ دونوں مطمئن اور پُرسکون ہوں۔" راسب کو اپنے بے ربط جملوں کا احساس تھا مگر ان کے لیے آسان نہیں تھا صاف طور پر رجاب کو سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے کے لیے کنوینس کرنا۔

"ٹھیک ہے آغا جان۔" وہ کوئی جرح کیے بغیر راسب کو راضی نامہ دیتی اٹھ گئی تھی جبکہ ندا نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔

○......❀......○
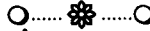
"امی...... آپ خود کو ان فکروں میں پریشان مت کریں' وہاں میرا ایک سوشل سرکل ہے شیراز کو کسی بھی قسم کا مسئلہ نہیں ہوگا' وہاں میرے اپارٹمنٹ کے اردگرد بہت اچھی فیملیز ہیں' شیراز ایک اچھے ماحول میں ان سب کے درمیان رہے گا' سب کی نظروں میں رہے گا' اس کے اچھے مستقبل کے لیے آپ کو کچھ عرصے کے لیے اسے خود سے دور کرنا ہوگا...... بلکہ ایسا کرتے ہیں کہ تین چار ماہ میں جب تک شیراز وہاں سیٹل ہوتا ہے' میں اپنے ساتھ آپ کو اس کے پاس لے جانے کا انتظام کرلوں گا' آپ کو یورپ دکھانے کا میرا خواب پورا ہوجائے گا' میں وہاں تھا تو آپ کو بلاتا ہی رہ گیا تھا۔"

"واؤ...... زبردست۔" شزا خوشی سے چہکی۔"لیکن بھائی اگر مجھے ساتھ نہیں لے گئے تو امی کو بھی نہیں جانے دوں گی۔ آپ میرا پاسپورٹ بنوائیں بس۔"

"چپ رہو تم......" صبغہ نے ناگواری سے شزا کو ٹوکا۔

"زرکاش...... مجھے اب اگر کہیں جانا ہے تو حج کے لیے ہی جانا ہے تمہارے ساتھ' بس دن رات اٹھتے بیٹھتے اللہ سے یہی دعا کرتی ہوں۔"

"بالکل امی ان شاء اللہ آپ اور میں بلکہ شزا بھی ہمارے ساتھ حج پر جائے گی۔" زرکاش نے قریب ہی بیٹھی شزا کے شانوں کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”امی...... اب آپ شیراز کے لیے پریشان ہوکر زرکاش بھائی کو ڈسٹرب نہیں کریں‘ حج پر آپ کو شیراز کے ساتھ نہیں جانا...... اسے جانے دیں‘ ہمارے کسی کام کا نہیں وہ اسے اپنے لیے ہی کچھ کرنے دیں یورپ جاکر۔“ شنزا کی بیزاری سے کہنے پر زرکاش بے ساختہ ہنسا۔

”شرم کرو اپنے ہی بھائی سے عاجز ہو۔“ صبغہ کے گھرکنے پر وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔

”امی میری گڑیا کو مت کچھ کہیں‘ یہ تو صرف آپ کی اداسی دور کرنے کے لیے ایسا کہہ رہی ہے ورنہ ہم سب کی جان ہے شیراز میں‘ ہم اسے کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں‘ یہی وقت ہے کہ وہ گھر سے نکل کر باہر کی دنیا کو سمجھے‘ آگے بڑھے‘ اس کے اندر اعتماد پیدا ہوگا‘ اسے میری طرح طویل عرصہ نہیں گزارنا وہاں‘ اسٹڈیز اور کچھ ضروری کورسز مکمل کرکے واپس یہیں آکر میرے بزنس میں شامل ہونا ہے۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہے زرکاش...... شنذرا کے بعد اب شیراز کو بھی نظروں سے دور کرنا بہت مشکل ہورہا ہے‘ اس نے کبھی ایک رات بھی گھر سے باہر نہیں گزاری‘ اس کے بغیر مجھے صبر نہیں آئے گا۔“ صبغہ آزردہ لہجے میں بولیں۔

”شنذرا کہاں آپ سے دور ہے‘ صبح‘ شام فون پر آپ کے اور میرے کان کھاتی رہتی ہے‘ اس کے گھر آپ ابھی کہیں میں لے چلتا ہوں۔ وہ دوسرے شہر میں ہے کسی دوسرے ملک میں نہیں‘ زیادہ سے زیادہ چار سال کی بات ہے امی...... آخر میرے لیے بھی تو صبر کیا تھا آپ نے۔“

”تمہاری بات الگ ہے مگر شیراز......“

”کیوں امی زرکاش بھائی کی بات الگ کیوں ہے‘ شیراز کی طرح زرکاش بھائی آپ کے بیٹے نہیں......؟“ شنزا کو ماں کی بات بری لگی تو فوراً درمیان میں بول اٹھی۔

”یہ کیا بات کی تم نے...... ماں کی محبت سب اولادوں کے لیے ایک سی ہوتی ہے۔“ صبغہ نے ناگواری سے شنزا کو دیکھا۔

”امی نے ایسا اس لیے کہا کہ شیراز ہم سب میں چھوٹا ہے‘ میرے لیے صبر کرنے پر امی مجبور تھیں لیکن شیراز کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں۔“ زرکاش کا انداز سمجھانے والا تھا۔

”جو بھی ہے آپ ہمارے لیے ہم سے دور گئے تھے جبکہ شیراز صرف اپنے لیے جائے گا اور وہ خود بھی باہر جاکر اپنی اسٹڈیز مکمل کرنا چاہتا ہے۔ بس آپ اب کہیں دور مت جایئے گا ہم سے۔“ شنزا اس کے کاندھے سے لگی قطعی انداز میں بولی۔

”زرکاش...... اب یہ سکون تو ہے مجھے کہ میں نہ سہی مگر تمہاری بہنیں ضرور تمہیں شادی کرنے پر راضی کرلیں گی‘ میری تو ایک نہیں سنتے تم۔“ صبغہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”یہ تو سچ ہے امی‘ آپ نے ان دو چڑیلوں کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے ان کے سامنے میری ڈھٹائی نہیں چلنے والی۔“ زرکاش کے کہنے پر صبغہ مسکراتے ہوئے شیراز کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”کہاں غائب تھے تم اور تمہارے پاسپورٹ کا کیا ہوا جو ری نیو کے لیے گیا تھا۔ کچھ ہی دن میں تمہارا ایڈمیشن ہونا ہے یونیورسٹی میں‘ وقت بہت کم ہے۔“ شیراز کو آتے دیکھ کر زرکاش کو یاد آیا۔

”آپ پہلے مجھے یہ بتائیں کہ آج دوپہر میں آپ دراج کو اپنی گاڑی میں ساتھ لے کر کہاں جارہے تھے؟“ شیراز نے چھوٹتے ہی سوال کیا جبکہ شنزا اور صبغہ کے تاثرات بھی یک دم بدل گئے تھے۔

”اسے کالج سے رائمہ کی طرف جانا تھا‘ میں ایک کام سے اپنے آفس سے نکلا تھا سو اسے رائمہ کی طرف ڈراپ کردیا‘ کیوں...... کیا ہوا ہے؟“ زرکاش نے حیرت سے اس کے بگڑے تاثرات پر پوچھا۔

”لیجیے...... ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات ہی نہیں۔“ شیراز نے طنزیہ لہجے میں صبغہ کو مخاطب کیا۔ ”جس کی ہم شکل نہیں دیکھنا چاہتے‘ جو ہم پر تھوکتی ہے‘ یہ اسے گاڑی میں ساتھ بٹھائے گھوم رہے ہیں...... یہ کوئی بڑی بات ہی نہیں۔“

”بات کو غلط رخ پر مت لے جاؤ شیراز...... میں اسے کالج سے رائمہ کی طرف ڈراپ کرسکتا تھا اس لیے کردیا‘ یہ کون سی قابل گرفت بات ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

"زرکاش بھائی! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اسے پسند نہیں کرتا' نہ ہمارا اس سے کوئی واسطہ ہے پھر کیوں بار بار آپ اسے اہمیت دے کر ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ آپ کے ساتھ وہ ہماری گاڑی میں بیٹھ کر اپنی اوقات بھولے......" شنزا شدید غصے میں بولتی ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

"میری رگوں میں خون کھول رہا ہے میرا بس چلتا تو اسے گاڑی سے نکال کر وہیں سڑک پر پھینک دیتا' میں اس ناگن کو اپنے گھر کے کسی فرد کے قریب نہیں دیکھ سکتا......وہ فائدہ اٹھا رہی ہے آپ کی مہربانیوں کی' اس کی خدمتوں پر معمور آپ اس کے خادم نہیں ہیں' آپ کو اپنے مقام کا خیال رکھنا چاہیے' آپ بے شک اسے بھیک دیتے رہیں لیکن اسے اپنی اور ہماری زندگی سے سوگز کے فاصلے پر رکھیں کیونکہ آپ ہم سے الگ نہیں اور وہ اچھوت ہے ہمارے لیے' آج میں نے برداشت کرلیا لیکن آئندہ نہیں کروں گا' اس کے پاس جاکر تماشہ لگوا کر اس احسان فراموش کو اس کی اوقات یاد دلاؤں گا۔" غصے میں بھڑکتے ہوئے شیراز نے کہا اور جارحانہ قدموں سے واپس چلا گیا۔ بے حد سنجیدہ چہرے کے ساتھ زرکاش نے صبغہ کو دیکھا جو سپاٹ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں' اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ ان کے قریب جا بیٹھا۔

"آپ سب جسے ناپسند کرتے ہیں اس کی اہمیت کیا مجھ سے زیادہ ہے کہ جس کی وجہ سے آپ سب مجھ سے بدگمان ہوجاتے ہیں......؟ اسے رائمہ کے گھر تک ڈراپ کر کے میں نے اس حد تک آپ سب کی دل آزاری کی ہے کہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا جائے گا......؟ شنذرا کی شادی میں دراج کو بلانے کی صرف بات کرنے پر ہی شیراز اور شنزا کتنے دن تک مجھ سے بیزار اور کھنچے کھنچے رہے تھے' میرے لیے یہ سب برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے' میں یہ سب دیکھنے کے لیے واپس نہیں آیا تھا۔" شنزا اور شیراز کے انداز نے اسے آج پھر تکلیف پہنچائی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کو خاموش نہیں کرواسکتا تھا یا بحث نہیں کرسکتا تھا' بس وہ ان دونوں سے اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھا' وہ اپنی زبان سے کوئی بھی ایسی بات نکلنے کے خدشے کے تحت آج بھی خاموش رہا تھا کہ وہ بات ان دونوں کے دل کو ٹھیس نہ پہنچادے......لیکن جو تکلیف اسے ہوئی تھی آج اس کا اظہار وہ صبغہ سے بے اختیار ہی کر گیا تھا۔

"زرکاش' وہ دونوں اس لیے ناراض ہوتے ہیں کہ وہ دونوں تم سے محبت کرتے ہیں......کیا تمہاری نظر میں اس کی اہمیت زیادہ ہے' جس نے مجھے اور تمہارے بھائی بہنوں کو ہمیشہ ٹھوکر پر رکھا......؟ سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم نے اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لی میں نے برداشت کیا لیکن ابھی جو شیراز کہہ گیا ہے' اس سب نے مجھے بھی بہت مایوس کیا ہے' تمہارے نزدیک میرے کسی حکم' کسی فیصلے کی کوئی وقعت تک نہیں۔"

"امی......میں نے ایسا کوئی کام کب کیا ہے جو......"

"مجھے تمہاری صفائیاں نہیں سننی زرکاش......" صبغہ غصے میں ہی اسے روک گئیں۔

"وہ لڑکی لاوارث نہیں ہے' اپنے باپ اور چچا کی وجہ سے تم نے اس کی جو ذمہ داری لی ہے اسے ذمہ داری تک ہی رہنے دو' صرف مدد کی حد تک تمہارا تعلق ان دونوں بہنوں سے ہونا چاہیے' بس' یہ میرا حکم ہے ورنہ مجھے خود رائمہ کے سسرال جاکر بات کرنی پڑے گی......میری اولاد نے زندگی بھر کے لیے ان بہنوں کی دیکھ ریکھ کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا......اپنے بھائی بہن کی ناراضی کی تمہیں پروا ہے تو اپنی ہمدردیوں کو قابو میں رکھو' اگر تم اپنے بھائی بہنوں کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتے تو اس سے فاصلے پر رہو جس کے قریب وہ تمہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتے ورنہ یہ بار بار کی ناراضی اور بدگمانیاں دل میں فاصلے بڑھادیں گی' عمر کے اس دور میں اپنی اولادوں کو ایک دوسرے سے منحرف اور بدگمان دیکھنا میرے لیے اذیت کا باعث ہوگا......ایک حقیقت تو باور ہوچکی ہے کہ تمہیں میری عزت وتوقیر سے بڑھ کر اپنی ذمہ داری کی پروا ہے' جس لڑکی نے تمہاری ماں کو بے عزت کیا' تمہارے بھائی بہنوں کے لیے زہر اگلا اس کا مستقبل تمہیں کس درجہ عزیز ہے۔"

"امی ایسا ہرگز نہیں' کم از کم آپ تو میرے بارے میں اس طرح نہ سوچیں......" وہ دزدیدہ نظروں سے صبغہ کو دیکھتا ہوا بولا۔

"جو ثابت ہوچکا ہے' اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت بھی کیا رہ جاتی ہے۔" صبغہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولیں۔ "میں شنذرا سے بات کروں گی وہ شیراز اور شنزا کو سمجھادے گی' میں نے تمہاری طرف داری اس معاملے میں کی تو وہ دونوں اور بگڑ جائیں گے۔" سرد لہجے میں وہ کہتیں وہاں سے جانے کے لیے اٹھ گئیں جبکہ زرکاش گہری سنجیدگی سے کسی سوچ میں تھا......فون پر آتی کال

نے اس کی سوچوں کو منتشر کردیا تھا' امان کی کال ریسیو کرتا وہ خود کو کمپوز کرنے کی کوشش میں تھا آج اسے امان کے ساتھ تصویروں کی نمائش میں جانا تھا' پروگرام پہلے سے طے نہ ہوتا تو وہ گھر سے باہر امان کے ساتھ ہی وقت گزارتا۔ اس کی پریشان کن کیفیت اور ذہنی انتشار امان سے زیادہ دیر چھپا نہیں رہ سکا تھا' اس کے پاس بھی امان کے علاوہ کوئی ایسی قریب ترین ہستی نہیں تھی جس سے وہ اپنے اتنے ذاتی معاملات پر بات کرتا۔

''تمہارے گھر میں سب کا اتنا شدید ردعمل نہ غیر متوقع ہے نہ حیران کن پھر تم اتنے ڈسٹرب کیوں نظر آرہے ہو۔'' ڈنر کے دوران امان نے کہا۔

''تمہارے بہن بھائی اس وقت بھی دراج کو ناپسند ہی کریں گے جب تم اس کے ساتھ نہیں ہوگے' ان سب کا ردعمل فطری ہے اس چیز کو خود پر سوار کرکے تم اپنے گھر والوں کے دل سے دراج کی نفرت نہیں نکال سکتے...... اس سب کو تمہیں اگنور کرتے رہنا ہوگا' کچھ احتیاط کرنی ہوگی مگر بہرحال تم دراج سے ہر تعلق توڑ تو نہیں سکتے' معاملات جیسے چل رہے ہیں چلنے دو' وقت کے ساتھ ساتھ معاملات بھی اتار چڑھاؤ آتے رہیں گے باقی تمہیں جو بہتر لگتا ہے وہ کرنے کا تمہیں حق ہے۔''

''مجھے اب اندازہ ہورہا ہے کہ اپنوں کے درمیان رہنا ان کو اپنی ذات سے راضی اور خوش رکھنا کتنا کٹھن کام ہے۔'' زرکاش نے گہری سانس لے کر کہا۔

''یہی تو سمجھنے کی تمہیں ضرورت ہے کہ تم سب کو ایک ساتھ اپنی ذات سے خوش نہیں رکھ سکتے' تمہاری فطرت ہی نہیں تمہاری سوچ اور نظریہ بھی مختلف ہے پھر یہ تضاد و تصادم کا سبب تو بنے گا ہی...... بس تم اپنے مقصد پر فوکس کرو' گھر والوں کی رائے کا احترام کرو مگر خود کو اس حد تک جذباتی طور پر کمزور نہ پڑنے دو کہ کوئی بھی تمہیں اپنے حساب سے چلنے اور سوچنے پر مجبور کردے...... تمام تلخیاں دل و دماغ سے نکال کر نارمل رہو سب کے ساتھ' سب خود بخود نارمل رہے گا' دوبارہ مجھے ایسے معاملات کے لیے پریشان نظر مت آنا' اپنی صلاحیتیں دل و دماغ اپنے بزنس اور اپنی زندگی کے لیے محفوظ رکھو' یہ رشتوں اور خاندان کی چپقلش ساری زندگی جاری رہے گی۔'' امان کے سمجھانے پر اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

○......❀......○
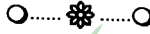
رات آہستہ آہستہ گزرتی جارہی تھی' کھڑکی سے وہ سڑک کے دوسری جانب اسے دیکھ سکتی تھی' جو پول سے پشت ٹکائے وہاں مستقل موجود تھا...... وہ حیران نہیں تھی اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ عرش جائے گا نہیں' وہیں رک کر صبح ہونے کا انتظار کرتا رہے گا......

اسے پتہ تھا کہ وہ صرف تنہائی سے گھبرا کر اس کی ہمراہی کا تمنائی نہیں ہے' یہ تو بہت خاموشی سے پنپتے کسی خوب صورت جذبے سے کشید کی ہوئی چاہت تھی...... عرش نے جو کہا وہ غیر متوقع نہیں تھا' کہیں نہ کہیں یہ اس کی بھی چاہت تھی مگر...... جانے کیوں پہلے پہل وہ عجیب کشمکش میں ڈوبی رہی' دماغ ماؤف سا تھا لیکن جیسے جیسے رات کی دھڑکنیں بڑھتی جارہی تھیں' گزرا ہوا ایک ایک لمحہ بھی اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتا جارہا تھا۔ شازمہ کا چہرہ ان کی باتیں' عرش کی مایوسی اور اس کی آنکھوں میں جھلملاتی خاموش التجائیں' یہ سب اس کے ماؤف دماغ میں سوچیں جگانے لگا تھا۔ تمام سوچیں اسے ایک ہی سمت میں لے جارہی تھیں' اس ایک سمت سے نظر چرا کر وہ جاتی بھی کہاں......؟ باقی سمتوں میں تو گھور اندھیرا تھا' نظروں کے سامنے بس یہی تو ایک راستہ کھلا تھا' ایک یہی سمت تو روشن تھی...... دھیرے سے کھڑکی سے دور ہٹتی وہ کمرے میں آگئی تھی' ملگجی روشنی میں اپنی ماں کے خوابیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے' ایک ٹک ماں کی بند آنکھوں اور ہلدی کی طرح زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ایک قطار میں بہتے چلے جارہے تھے۔

''میں جانتی ہوں امی' اگر تم اپنے حواسوں میں ہوتیں تو اس راستے کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے ہی تم میری چمڑی ادھیڑ دیتیں جس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔'' لرزتے لہجے میں وہ اپنی ماں سے مخاطب تھی۔

''میں ایک ہی نقطہ زوال پر کب تک تنہا کھڑی رہوں گی؟ میرا دم گھٹنے لگتا ہے یہ سوچ کر کہ اس زندان میں کوئی نہیں آئے گا...... تمہاری بیٹی کے لیے کوئی شہزادہ گھوڑے پر سوار ہوکر اس قفس تک نہیں آئے گا' میں بہت پہلے ہی اس خواب سے باہر آچکی ہوں' میں جس پاتال میں سانس لے رہی ہوں' وہاں ضرورت کی رشتے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں' نہ اسے مجھ سے کوئی لالچ ہے نہ

مجھے..... ہم دونوں کو اس زندگی میں ایک دوسرے کی ضرورت ہے..... نہ وہ برا تھا نہ برا ہے تم ٹھیک ہو جاؤ گی تو خود سب کچھ جان جاؤ گی۔ مجھے یہ ایک موقع مل رہا ہے عرش کی صورت میں اپنی مردہ زندگی کو زندہ بنانے کا..... میں اسے گنوانا نہیں چاہتی، میں کوئی سمجھوتا نہیں کر رہی ہوں، میں بس تھک چکی ہوں تنہا چلتے چلتے..... اور وہ میرے ساتھ چلنے کی خواہش رکھتا ہے..... اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے جو مجھے اتنا معتبر کرتا، میری اپنی نظر میں بھی..... اس کا ماضی جو بھی تھا مگر آج اس نے مجھے میرے ہونے کا احساس دلایا، میری بھٹکتی بصارتوں کو وہ ایک راستے تک لے آیا ہے..... ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر کبھی نہ کبھی تو منزل تک پہنچ ہی جائیں گے..... میرا دل کہتا ہے کہ یہ وہی در ہے، جس کے کھلنے کا مجھے انتظار تھا، اب میں اس سے منہ نہیں پھیر سکتی..... نہ میں ان سناٹوں میں بھٹک بھٹک کر گمشدہ ہونا چاہتی ہوں اور نہ عرش کو کھونا چاہتی ہوں، میں نے اسے خالی ہاتھ لوٹایا تو پھر یہاں کوئی نہیں آئے گا..... اس نے میری روح کو چھو کر اسے بیدار کیا ہے، اب مجھ پر بھی لازم ہے کہ میں اسے مایوس نہ کروں، میں اس کا ہاتھ تھام لینا چاہتی ہوں، جہاں میرا دل سجدہ ریز ہے، اب وہاں میں اپنے سر کو بھی جھکا لینا چاہتی ہوں.....'' بھیگی پلکوں کو بند کر کے اس نے بقیہ گرم قطروں کو بھی آزاد کرتے ہوئے گھٹنوں پر سر ٹکا لیا تھا۔

رات جس قدر اندیشوں اور واہموں کے درمیان مضطرب گزری تھی، اسی قدر صبح کا پھیلتا اجالا نئی امیدوں اور عزم کو تر و تازہ کر رہا تھا، خنک اور کثافتوں سے پاک فضاء میں جنگلی پھولوں کی مہک رچی بسی تھی، گھنے درخت کی ہری بھری شاخیں مدھم ہواؤں میں دھیرے دھیرے لہکتیں انوکھی سروں جیسا شور بکھیر رہی تھیں۔ آسمان اودے بادلوں سے ڈھکا ماحول کو بہت حسین بنا رہا تھا، کہیں کہیں شاخوں پر کھلے پھول آنکھوں کو بہت بھلے لگ رہے تھے، ان ہی شاخوں کے درمیان کہیں سے کوئل کی سریلی کوک دور دور تک اپنا جادو پھیلا رہی تھی، گزری رات کا اضطراب اب بھی اس کی آنکھوں میں سلگ رہا تھا مگر اب صبح کے یہ خوشگوار نظارے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے دل کے اضطراب کو بھی کم کر رہے تھے۔

ایک بار پھر اس نے زنگ آلود گیٹ کی سمت دیکھا تھا جس کے عقب میں اس کی زندگی کا بہت اہم اور قیمتی فیصلہ چھپا ہوا تھا، گزری رات اس نے حقیقتاً کانٹوں پر گزاری تھی، جانے اس سے یہ کیسا اٹوٹ تعلق استوار ہو چکا تھا کہ دل بس اس کے ساتھ کی طلب میں ضدی بچے کی طرح مچل رہا تھا، صبح ہونے تک وہ دل کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال چکا تھا کہ وہ اس سے انکار سننے کی ہمت اور حوصلہ رکھتا ہی نہیں ہے، بے شک وہ اس سے کہہ چکا تھا کہ وہ اس کا ہر جواب قبول کرے گا..... رکی سانسوں کے ساتھ وہ مکمل اس کی جانب متوجہ تھا جو سفید لباس میں دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی آ رہی تھی، جس لمحے وہ اس کے مدمقابل رکی عرش کو مکمل یقین آ گیا تھا کہ کل رات وہ بھی پلک تک نہیں جھپک سکی تھی اور شاید آنکھوں کی سرخی چھپانے کے لیے اب نظریں جھکائے رکھنا چاہتی تھی..... خوشگوار ہوا سے لہراتیں شاخوں کا مدھم شور اور کوئل کی کوکتی آواز بھی ان دونوں کے درمیان خاموشی کو نہیں توڑ سکی تھی۔ منتظر نظروں سے وہ بس سانس روکے اسے دیکھتا رہا تھا۔

''تم جو چاہتے ہو کیا اس کے بارے میں تم نے اچھی طرح سوچا سمجھا تھا؟'' کافی دیر بعد نے خاموشی کو اپنی آواز کی لرزش سے توڑا تھا۔

''میں نے کہا تھا کہ یہ سب اچانک نہیں ہے..... میں جانتا تھا کہ مجھے کبھی نہ کبھی تمہارا ساتھ زندگی بھر کے لیے مانگنا ہی ہے تو پھر ابھی کیوں نہ سب کہہ دوں..... یہ سب پہلے سے دل میں تھا، بس زبان پر اچانک آ گیا۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ بولا۔

''کیا تم صرف اس لیے مجھ سے تعلق مضبوط کرنے پر مجبور ہو کہ میرے علاوہ تمہاری زندگی میں دوسرا کوئی ایسا نہیں جو تمہارے کل اور آج سے واقف ہو، جس پر تمہیں بھروسہ ہو؟'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی۔

''تمہاری یہ بات کچھ حد تک ٹھیک ہے..... کبھی موقع ملا تو تفصیل سے میں تمہارے اس سوال کا جواب دوں گا۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''ہو سکتا ہے آگے جا کر کوئی مجھ سے بہتر اور مجھ سے زیادہ بھروسہ مند تمہاری زندگی میں آ کر تمام محرومیوں کو دور کر دے تب اگر تمہیں اپنی عجلت پر پچھتاوا ہوا تو پھر..... میں کیا کروں گی.....؟'' اس کے جھجکتے لہجے پر عرش نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

''تم تب بھی بس قیاس آرائیاں کرتی رہنا..... میں رات سے اب تک یہاں اپنے لیے تمہاری بے اعتباری اور شکوک کی حد

جاننے کے لیے نہیں رکا رہا ہوں...... مجھ سے یہ سوال کرنے سے بہتر تھا کہ تم خود سے صرف ایک سوال کرتیں کہ میں تمہارے بھروسے اور اعتبار کے لائق ہوں یا نہیں تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔" عرش کے بے حد سنجیدہ گمبھیر لہجے پر اس نے نظر اٹھائی تھی۔

"مجھے یہ سوال کرنے کی خود سے ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ رات میں نے بہت سوچا اور شاید صرف اپنے ہی بارے میں سوچا' اگر نہ سوچتی تو ان ہی ویرانیوں کا حصہ بن جاتی۔" اس کے مدھم لہجے نے عرش کو چونکایا مگر وہ خاموشی سے بس ہمہ تن گوش رہا۔

"تمہیں آگے بڑھنے کے لیے ہزاروں راستے مل سکتے ہیں مگر مجھے ایک طویل انتظار کے بعد یہ ایک راستہ ملا ہے سب کچھ بہتری کی طرف لے جانے کا۔" بولتے ہوئے اس نے عرش کو دیکھا' جس کے چہرے پر اضطراب مگر آنکھوں میں امید کے دیئے روشن تھے۔

"میں راضی ہوں اس کے لیے جو تم چاہتے ہو' وہی اب...... میں بھی چاہتی ہوں۔" اس کی مدھم ہوتی آواز نے جیسے نئی روح پھونک دی تھی ایک گہری پُرسکون سانس لے کر عرش نے آسمان پر اڑتے بادلوں کے ٹکڑوں کو دیکھا۔

"تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ تمہاری رضامندی نے مجھے آسمان پر پہنچادیا ہے۔" عرش کے لہجے اور آنکھوں میں تشکر در آیا تھا۔

"لیکن مجھے کچھ وقت چاہیے' ابھی کچھ ذمہ داریاں ہیں مجھ پر جو صرف مجھے ہی پوری کرنی ہیں۔" وہ بولی۔

"جہاں اس حد تک بھروسہ کیا ہے تو وہاں یہ یقین بھی کرو کہ تمہاری ہر ذمہ داری اب میری ذمہ داری ہے۔" عرش نے کہا۔

"تم پر بھروسہ اور یقین اپنی جگہ لیکن میں اپنی ذمہ داریاں اور پریشانیاں ساتھ لے کر تمہاری زندگی میں نہیں آنا چاہتی اس لیے مجھے وقت چاہیے۔" وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

"میرے لیے یہی بہت بڑی بات ہے کہ آج میرے حق میں فیصلہ دے کر تم نے مجھے نئے سرے سے زندہ کردیا ہے' نئی زندگی کی راہ دکھادی' تم جتنا چاہو وقت لو میں تم پر اپنے کسی فیصلے کا دباؤ ہرگز نہیں ڈالوں گا' تب تک میں بھی کوئی باعزت پیشہ اختیار کرکے خود کو تمہارے مقابل بنانے کی کوشش کرتا رہوں گا اور...... تمہارا انتظار بھی۔" عرش کے پُرعزم لہجے پر وہ چند لمحوں تک اس کے چہرے پر سچائی کی روشنی دیکھتی رہی اور پھر سر جھکالیا تھا۔

"بس ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں' بہت اصرار کے ساتھ...... مجھے یقین ہے کہ نہ تو تم میرے ذہنی توازن پر شک کروگی نہ ہی میری نیک نیتی پر۔" عرش کے متذبذب لہجے پر وہ بس سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کل ساری رات میرے دل ودماغ میں یہ سوال چبھتا رہا تھا کہ اگر تمہارا جواب انکار میں ہوا تو میں کیا کروں گا؟ لیکن اب تمہارا جواب سن کر میں پہلے سے زیادہ بے چینی اور خوف محسوس کررہا ہوں۔" عرش کے مضطرب لہجے نے اسے بھی پریشان کیا۔

"کیسی بے چینی..... کیسا خوف.....؟"

"گزرتے حالات کی پے در پے ضربوں نے اس حد تک خوف زدہ اور بے یقین کردیا ہے کہ اب میں کچھ کھونے کی ہمت نہیں رکھتا..... میں اب تمہیں کھونے کی ہمت نہیں رکھتا..... نہ ہی تمہارے کھوجانے کے اندیشوں سے باہر نکل کر پُرسکون رہ سکوں گا۔" اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتا وہ بولا۔

"کیا تم مجھے اجازت دوگی کہ میں اپنے اور تمہارے تعلق کو ایک نام دے کر اسے اتنا مضبوط کردوں کہ جس کے بعد مجھے کوئی اندیشہ یا خوف لاحق نہ ہو؟"

"تم کیا چاہتے ہو؟" وہ بمشکل پوچھ سکی تھی۔

"کورٹ میرج..... آج..... ابھی....." اس کے مدھم لہجے پر وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

O..... ❀ .....O

سرخ تروتازہ سیب کو چند لمحوں تک وہ ایک ٹک دیکھتی رہی اور پھر ٹیبل پر رکھی چھری کو اٹھا کر اس کی نوک کو سیب میں اتار دیا تھا' ایک بار پھر اس نے یہی عمل دہرایا اور پھر بار بار چھری کی نوک سیب میں اتارتے نکالتے ہوئے اس کی رفتار شدت پکڑنے لگی اس بات سے قطع نظر کہ اپنی اس جنونی کیفیت میں وہ اپنا ہاتھ بھی زخمی کرسکتی ہے۔ کچن کی طرف آتی ندا نے دنگ نظروں سے اس کے ہذیانی انداز کو دیکھا تھا۔

"رجاب..... یہ کیا کررہی ہو؟ چھوڑو چھری' تمہارا ہاتھ کٹ جائے گا۔" چیختے ہوئے ندا نے اس سے چھری چھینی اور اگلے ہی پل گنگ سی ہوگئی تھیں' جب رجاب نے پھیلی ہوئی بے تاثر آنکھوں سے انہیں دیکھا' لب بھینچے وہ چند لمحوں تک انہیں دیکھتی رہی پھر کرسی سے اٹھ گئی' حیران پریشان نظروں سے ندا اسے کچن سے نکلتا دیکھتی رہی تھیں اور پھر خود بھی راسب کی تلاش میں سرعت سے کچن سے نکلیں۔

دستک کی آواز پر اس کی ایزی چیئر ساکت ہوئی تھی' سپاٹ نظروں سے وہ اندر داخل ہوتے راسب کو دیکھتی رہی اور پھر یک دم کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی' نظریں راسب پر ہی ساکت تھیں جو پہلے ہی چونک چکے تھے۔

"تم تنہا کمرے میں کیوں بیٹھی ہو.....؟ مجھے کتنی دیر گزر گئی آفس سے گھر آئے ہوئے اور تم کہیں نظر نہیں آئیں....." اس کے بے حد سپاٹ چہرے اور نظروں سے نگاہ چراتے راسب ہلکے پھلکے انداز میں بولتے کھڑکی کی سمت گئے جبکہ وہ اسی طرح کھڑی ان پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ جواب کھڑکی سے پردے ہٹا کر کھڑکی کھولنے کے بعد اسے دیکھ رہے تھے۔

"تم مجھ سے ناراض ہو.....؟ کیا ڈاکٹر شرجیل کے پاس جانا تمہیں پسند نہیں آیا؟" راسب کے سوال پر اس کے سپاٹ چہرے پر تاثرات ابھرنے لگے تھے' ان کے چہرے سے نگاہ ہٹاتی وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"پتہ نہیں' مجھے پسند آیا یا نہیں مجھے بس یہ پتہ ہے کہ آپ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتے تھے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"رجاب..... ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس ہمارا جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم فلو اور فیور میں ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔" راسب نے جیسے سمجھایا' جبکہ وہ خاموش رہی تھی' راسب نے ایک نظر کمرے میں داخل ہوتی ندا کو دیکھا اور پھر وہ قدم بڑھاتے رجاب کے قریب آبیٹھے' ندا نے چائے کے مگ راسب اور رجاب کو تھمائے اور بغور رجاب کو دیکھتیں سائیڈ ٹیبل کے کنارے بیٹھ گئیں۔

"تمہارے آغا جان یہ گھر چھوڑنا چاہتے ہیں۔" ندا کی اطلاع پر اس نے پہلے چونک کر انہیں اور پھر راسب کو دیکھا۔

"ہاں' یہ سچ ہے' ہم جلد ہی کسی دوسرے نئے گھر میں شفٹ ہوجائیں گے..... اس کام سے فارغ ہوکر مجھے اپنا بزنس شروع کرنا ہے۔"

"مگر کیوں آغا جان؟ ہم اس گھر کو کیوں چھوڑیں گے؟ آپ کی اتنی اچھی جاب ہے پھر اچانک آپ کو بزنس میں دلچسپی کیسے

ہوگئی......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اس گھر کو چھوڑنا ضروری ہے رجاب...... جب تک یہاں سے جائیں گے نہیں' گزرے وقت کی اذیتوں سے ہم میں سے کوئی نہیں نکل سکے گا...... اور میں تم سب کو ایک نارمل اور صحت مند ماحول میں سانس لیتا دیکھنا چاہتا ہوں' ممکن ہوتا تو میں اس شہر سے ہی تم سب کو لے جاتا مگر...... یہاں ندا کے بھائی بہن ہیں' تمہاری اور رومیل کی اسٹڈیز کے لیے بھی شہر زیادہ بہتر ہے۔'' راسب گہری سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ ''اور جہاں تک بزنس کی بات ہے تو میں کافی عرصہ سے اس بارے میں سوچ رہا تھا' ندا کے بھائی کے ساتھ مل کر میں لیدر گڈز کی فیکٹری شروع کرنا چاہتا ہوں وہ تجربہ کار ہے ندا کے والد کی وفات کے بعد اس کے تینوں بھائیوں نے بہت کم عمری میں ہی اپنے والد کی فیکٹری کو کامیابی سے سنبھالا تھا' فیکٹری لگانے کے لیے مجھے زیادہ رقم کی ضرورت ہے اس لیے بھی میں اس گھر کو فروخت کرنا چاہتا ہوں' ابھی ہم یہاں سے نکل کر کسی چھوٹے گھر میں رہیں گے مگر میں جلد ہی اس قابل ہوجاؤں گا کہ تم لوگوں کے لیے ایک اچھا اور بڑا گھر خرید سکوں...... تمہیں اس سب پر کوئی اعتراض ہے تو مجھے بتاؤ' یہ گھر تمہارا بھی ہے اور تم بھی اس گھر پر حق رکھتی ہو۔''

''آغا جان آپ کو جو ٹھیک لگتا ہے آپ وہی کریں' مجھے بھلا کیوں اعتراض ہوگا۔'' اس کے جواب پر راسب نے بس اس کے سر کو تھپتھپایا۔

''کیا سوچنے لگیں رجاب؟'' اسے چپ چاپ مگ سے سپ لیتے دیکھ کر ندا نے مخاطب کیا۔

''کچھ نہیں بھابی۔'' وہ دھیرے سے بولی اور پھر راسب کو دیکھا۔

''آغا جان...... آپ پولیس اسٹیشن میں فون کر کے انسپکٹر سے بات کرلیجیے گا' مجھے ایک شخص کا اسکیچ بنوانا ہے۔'' اس کی اس بات نے راسب اور ندا دونوں کو دنگ کردیا تھا۔

''تمہیں ان لڑکوں میں سے کسی کا چہرہ یاد آ گیا ہے...... بتاؤ مجھے؟'' مکمل اس کی طرف متوجہ ہوتے راسب بے چین ہوگئے تھے۔

''نہیں آغا جان......'' اس کے انکار نے راسب کو مزید دنگ کیا۔

''تو پھر کس کا اسکیچ بنوانا ہے تمہیں رجاب؟'' ششدر بیٹھی ندا بولیں۔

''اس شخص کا جس نے فون پر آپ کو میرے بارے میں اطلاع دی تھی میرے کہنے پر۔'' اس کے کہنے پر ندا نے فوراً راسب کو دیکھا۔

''آپ کو فوراً انسپکٹر سے بات کرنی چاہیے' ہوسکتا ہے کہ پولیس اس شخص کو ڈھونڈ لے جس کا اسکیچ رجاب بنوانا چاہتی ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس شخص کے ذریعے پولیس مجرموں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائے۔'' ندا کے کہنے پر راسب نے مزید دیر نہیں کی' فون کرنے کے لیے وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

فجر کی اذان ہو رہی تھی روبینہ اسے تین چار دفعہ بازو پکڑ تے ہلا چکی تھیں اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی اور کروٹ پلٹ کے پھر سو جاتی' روبینہ اس کی نماز سے جان چھڑانے والی عادت سے بہت خوف زدہ اور فکر مند رہتی تھیں' نماز میں دعا جب کرتی تو اس کی طرف سے تو یہ بھی کرتی اور معافی بھی مانگتی تھیں' مگر اسے تو جیسے کوئی فکر نہیں تھی یا پھر وہ جان کے ایسا کرتی تھی۔

''نہریزہ بیٹا اٹھ جاؤ نماز کا وقت ختم ہو جائے گا۔'' انہوں نے درشت اور خفگی زدہ لہجے میں اسے ڈپٹ کے اٹھایا اور وہ برے برے منہ بناتی اٹھی' فجر میں تو اس سے ویسے بھی اٹھا نہیں جاتا تھا' باقی کی نمازیں امی کی لعن طعن کرنے پر پڑھ ہی لیتی تھی مگر نماز تو پوری پڑھتی لیکن دعا نہیں مانگتی تھی' اس پر بھی وہ روبینہ سے سنتی تھی اور پھر وہ جواب میں ان سے بحث ہی کرنے بیٹھ جاتی تھی۔

''دروازہ بھی بند کر دینا تمہارے بابا گئے ہیں مسجد۔'' وہ نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز بچھا رہی تھیں۔

اور وہ باہر صحن میں لگے بیسن پر کھڑی ہوگئی' وضو کیا اور ان کے ساتھ ہی جائے نماز بچھاتے نماز پڑھی اور پھر حسب معمول بغیر دعا کے ہی جائے نماز اٹھائی' روبینہ کی خشمگیں نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا جو کرن کو اٹھانے لگی تھی۔

''تم سے تو میں بعد میں بات کروں گی۔''

''امی پلیز وہی روز والا لیکچر نہیں دیا کریں دعا مانگ کر ملنا کیا ہے؟ آپ باقاعدگی سے مانگ تو رہی ہیں ہمارے حالات وہیں کے وہیں ہیں۔'' وہ ترش روی سے گویا ہوئی۔

''کفر والی باتیں نہیں کیا کرو شکر ادا کرو عزت سے ایک طرف بیٹھے ہیں دو ٹائم کھانے کو مل رہا ہے اور کیا چاہیے؟'' وہ اسے دبی دبی آواز میں ڈانٹنے ہی لگی تھیں۔

''امی آپ کیوں ان پر روز انرجی ویسٹ کرتی ہیں یہ ایسی ہی باتیں کریں گی۔''

''چپ کرو' جاؤ تم اپنی نماز پڑھو۔'' نہریزہ نے اسے غصے سے گھورا اور خود کچن میں چلی گئی' اسے ناشتہ بھی تیار کرنا تھا شعیب خان صبح ہی اپنی کتابوں کا ٹھیلہ لے کر نکل جاتے تھے انہیں دوپہر کے کھانے کے لیے رات کا بچا ہوا تھوڑا سا سالن اور دو روٹیاں دی جاتی تھیں' اتنی محنت کرتے تھے مگر حالات میں سدھار پھر بھی نہیں آ رہا تھا۔

''زیادہ الٹا سیدھا نہیں بولا کرو چپ کر کے رہا کرو' میں تو اللہ سے ڈرتی رہتی ہوں' صرف ایسی کفر والی باتوں سے۔'' وہ بھی تسبیح ختم کر کے کچن میں چلی آئی تھیں' اس نے چائے کا پانی رکھ دیا تھا۔

''روٹی پکا دوں یا رات والی باندھ دوں۔'' اس نے روبینہ کی بات کو گویا سننے کے بعد اس کے جواب میں کچھ بھی بولنے سے گریز کیا۔

''رات کی ایک روٹی ہے ایک روٹی اور پکا دو۔'' وہ سالن گرم کرنے کے لیے چولھے پر رکھنے لگیں۔

اس نے آٹا گوندھا اور روٹی پکانے لگی۔ ابھی تک فریج بھی نہیں لے سکے تھے جب سے خراب ہوا تھا' ٹھیک ہونے کے بعد بھی وہ ٹھیک نہیں ہوا اور انہوں نے پھر اسے بیچ ہی دیا اور یہی تسلی دی۔

''بیٹا دوسرا فریج لے لیں گے۔''

اور پتہ نہیں کب لیں گے' کیونکہ سال ہونے والا تھا کوئی چیز بھی فریج میں نہیں رکھ سکتے تھے نہریزہ اسی بات پر کلستی رہتی تھی' یہ نہیں تھا اس کے خواب اور خیالات بہت اونچے تھے' بس اسے یہ شکایت تھی اس کے حالات کبھی اچھے بھی ہوں گے یا نہیں' ابو کبھی ڈھنگ کی نوکری کر سکیں گے اور ان تینوں بہن بھائی کو کبھی کسی کے سامنے جانے سے جھجکنا نہ پڑے۔ اس نے کبھی محل تعمیر نہیں کیے تھے ان تینوں بہن بھائی کی تربیت ان کے ماں باپ نے بہت اچھی کی تھی' ہمیشہ یہی درس دیا اپنے انداز میں عاجزی اور انکساری رکھو' ہمیشہ نیچے کی طرف دیکھو اپنے سے کمتر کو' کبھی اپنے سے اونچے لوگوں کو دیکھ کر حسرت نہیں پالو نہ ہی حسد اور جلن رکھو۔

''جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ' تمہارے ابو آ گئے ہیں۔'' روبینہ نے اس کی سوچوں اور خیالات کو توڑا جو روٹی سینکتے ہی جا رہی تھی۔

''پکا دی ہے روٹی۔'' جلدی جلدی وہاں کی صفائی وغیرہ کی'

ناشتہ تیار کرکے اس نے ابو کے آگے ٹرے رکھ دی۔

"دعا کرو مجھے ٹھیلہ وہیں رکھنے کی جگہ مل جائے یہ روز روز کی ٹینشن ختم ہوگی۔" انہوں نے روبینہ سے کہا جو ان کا کھانا پیک کرکے لے آئی تھیں اور اسے ان کے تھیلے میں رکھنے لگی تھیں۔

"ابو آپ کوئی اور نوکری کیوں نہیں دیکھ لیتے۔" نہریزہ ان کا ٹھیلہ صاف کرکے ان کے روم میں ہی آ گئی تھی۔

"بیٹا نوکری کرنے کے زمانے گئے اور پھر نوکری کے لیے تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔" ان کا روز کا ناشتہ پاپے اور ایک کپ چائے ہوتا تھا' اس نے کبھی ابو کو کسی اور چیز سے ناشتہ کرتے دیکھا ہی نہیں تھا' شاید اس لیے کہ فضول خرچی کے وہ عادی نہیں تھے' یہاں تو ضرورت پوری کرنے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تھے فضول خرچی تو دور کی بات تھی۔ ان تینوں کو بھی ابو نے کیسی کیسی محنتیں مشقتیں کرکے پڑھایا تھا' ثمرہ میٹرک میں تھی اور اسد انٹر میں تھا۔ اس کی تو پڑھائی بی اے کے بعد ختم ہی ہوگئی تھی' کوئی اور کورس تو وہ کر ہی نہیں سکتی تھی اس کے لیے بھی پیسے کی ضرورت تھی۔

"ابو ہر جگہ تو ڈگری نہیں مانگی جاتی۔" وہ پھر ان سے وہی پرانی بحث میں الجھنے لگی۔

"صبح صبح انہیں کام پر جاتے ہوئے تنگ نہیں کیا کرو' جاؤ جاکے یہ برتن اٹھاکے لے جاؤ' ثمرہ اور اسد کو بھی اٹھاؤ' وہ لوگ بھی اسکول وکالج کے لیے جائیں گے۔" روبینہ نے اسے تھپکی دے کر اٹھایا۔

شعیب خان لب بھینچ کے رہ گئے تھے' آج پھر روبینہ نے انہیں بچالیا تھا' نہریزہ کی عادت تھی سوالات میں سے سوالات ہی نکالتی تھی اور وہ اپنے بچوں سے کب تک نظریں چراتے اب بچے بڑے ہوگئے تھے' کب تک وہ چھپاتے رہیں گے..... وہ جانے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ روبینہ نے مین گیٹ کھولا اور شعیب خان ٹھیلہ لے کے نکل گئے' نہریزہ نے افسردگی سے انہیں جاتے دیکھا۔

☆

"امی آپ نے دوائی لی۔" وہ ان کے روم میں آیا' حمیرا لیٹی ہوئی تھیں اور اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں سے دبا رہی تھیں۔

"بیٹا دوائی لی ہے پھر بھی درد بہت ہو رہا ہے۔"

"آپ نے ضرور بلڈ پریشر کی ٹیبلٹ نہیں لی ہوگی۔" وہ ان کی دوائیاں بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز سے نکالنے لگا۔

"ارے بیٹا وہ بھی لے لی ہے' تم کہاں یہ ساری دوائیاں پھیلا کے بیٹھ رہے ہو۔" انہوں نے آیان کو دوائیوں کے شاپرز سے الجھتا ہوا دیکھ کر کہا۔

"تم دوبارہ گئے شعیب کے پاس؟"

"امی دو دفعہ گیا اور بڑی مشکلوں سے ان کا پتہ نکالا ہے صدر کی طرف پرانی کتابوں کا ٹھیلہ لگاتے ہیں۔"

"آئے ہائے یہ دن بھی دیکھنے تھے' آیان میرا دل ہر وقت گھبراتا رہتا ہے کسی طرح بھی تم اسے منا کے لے آؤ۔"

"ایسے کیسے منا کے لے آؤں نکالا تم نے تھا' میرا بھائی بہت خوددار ہے' آج تک پلٹ کے نہیں آیا۔" سمیع خان انہیں اٹھتے بیٹھتے شرمندگی کے احساس میں مبتلا کرتے رہتے تھے۔ شعیب خان کو اس گھر سے گئے چوبیس سال ہوگئے تھے وہ تو اپنا سامان تک لینے نہیں آئے تھے' ان کا پورشن ایسے ہی بند پڑا تھا۔

"ابو بس کریں' امی کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔" آیان کو ذرا اچھا نہیں لگتا تھا' انہیں ذہنی ٹارچر کرنا جبکہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔

حمیرا لب کچل رہی تھیں' وہ روز اپنے ضمیر کی عدالت میں مجرموں کی طرح کھڑی ہوکے اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی مانگتی تھیں' دل ان کا اس وقت ہی مطمئن ہوگا جب شعیب خان انہیں معاف کریں گے' کیسے انہوں نے اس سے گھر سے بے دخل کیا تھا' صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک غریب لڑکی سے محبت کرتے تھے اور اس سے شادی کے خواہش مند تھے' مگر حمیرا کو تو اپنی چھوٹی بہن لانی تھی' شعیب خان کے مزاج میں اور ان کی چھوٹی بہن مہر النساء کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ سمیع خان کو تو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور اس گھر سے چلے جانے کو کہا اور یہ گھر تو ان کے ماں باپ کا تھا' انہوں نے ہی دونوں بھائیوں کو جوڑے رکھا تھا۔ شعیب خان یونیورسٹی میں آئے ہی تھے کہ ماں باپ دونوں ہی چل بسے' اور پھر ان کی ذمے داری بھائی بھاوج پر آ گئی' حمیرا اس گھر میں اپنا حکم رکھنے لگی تھیں' شعیب خان بھی بھاوج کی عزت کرتے تھے' مگر شادی کے معاملے میں ان سے اڑ گئے تھے اور گھر ہی چھوڑ دیا تھا۔

"بیٹا تم جاؤ اپنے کام پر۔" حمیرا کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ ماضی ان کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تھا۔

"جی بس نکلتا ہی ہوں' بھائی جان آفس چلے گئے ہیں؟" اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"آیان مجھے تم ایڈریس بتاؤ شعیب کہاں ہوتا ہے۔" سمیع خان بھی اضطرابی کیفیت میں رہتے تھے۔ راتوں کو نیند نہیں آتی تھی' وہ خود کو بھی برابر کا مجرم سمجھتے تھے جو انہوں نے اپنی بیوی کی مان لی ورنہ آج یہ دن نہیں دیکھنے پڑتے۔

"ان کے گھر کا ایڈریس بھی مل گیا پرانے محلے سے جہاں پہلے کرائے پر رہتے تھے۔" اس نے بتایا۔

"تم ایسا کرو مجھے بھی ساتھ لے چلنا۔"

"میں پہلے خود جاؤں گا۔" اس نے ان کے فکر مند اور افسردہ چہرے کو دیکھا جو کتنے مغموم اور رنجور لگ رہے تھے۔ وہ کتنے سالوں سے اپنے ماں و باپ کو یونہی پریشان اور خاموش دیکھ رہا تھا۔

"امی آپ پریشان نہیں ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ سب اچھا ہوگا۔" آیان نے ان دونوں کو ہی مسکرا کر یقین دلایا وہ پوری کوششوں میں تھا شعیب خان کو منا کے اپنے گھر لانا چاہتا تھا' سمیع خان اخبار کے مطالعے میں منہمک ہوگئے تھے۔ عنیزہ بھابی ان دونوں کا ناشتہ لے کے روم میں آئی تھیں' آیان تیزی سے نکل گیا تھا وہ آفس کے معاملات بھی دیکھتا تھا اور باہر کے بھی حل کررہا تھا۔

☆
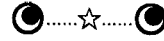
نہریزہ نے دیکھا جب سے ابو آئے تھے وہ چپ چپ تھے اور امی بھی گہری سوچ میں گم تھیں۔ اس نے اندازہ کرلیا ضرور پھر تایا ابو کے گھر سے کوئی آیا تھا' مگر جو کوئی بھی تھا وہ آج تک گھر کیوں نہیں آیا تھا...... اسے تو یہ تک امی ابو نے نہیں بتایا تھا وہ لوگ تایا ابو کی فیملی سے کیوں نہیں ملتے' وہ لوگ ان سے الگ کیوں ہوئے؟ ایسی لاتعداد ہی سوچیں اور سوالات اس کے دل و دماغ میں تھے' اکثر وہ امی سے پوچھنے کی کوشش بھی کرتی وہ اسے ڈانٹ کے چپ کرادیتی تھیں' اس نے صرف اپنے گھر میں چھوٹی خالہ کو آتے دیکھا تھا یا پھر نانا ابو کو مگر نانا ابو بھی چند سال پہلے وفات پاگئے تھے' نانی کو تو خود اس کی امی نے نہیں دیکھا تھا' خالہ کی دو بیٹیاں تھیں دونوں ہی اسد سے چھوٹی تھیں' مگر آج اسے کچھ اور ہی بات لگ رہی تھی۔ وہ ابو کے لیے چائے تیار کرکے ان کے روم میں چلی آئی۔

"ارے بیٹا چائے میں رات میں کب پیتا ہوں۔" انہوں نے نہریزہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا۔ روبینہ سمجھتی تھیں نہریزہ کو ہر بات جاننے کا تجسس رہتا تھا۔

"آپ تھکے تھکے لگ رہے ہیں' کھانا بھی آپ نے کم کھایا۔" وہ ان کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گئی۔

"تم نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟" روبینہ اسے اٹھتے بیٹھتے نماز کے لیے ٹوکتی رہتی تھیں۔ وہ پہلو بدل کے رہ گئی کیونکہ نماز اس نے پڑھی نہیں تھی۔

"آپ پڑھ تو لیتی ہیں میرے پڑھنے کے سے کیا ہوگا۔"

"بیٹا بری بات ہے' ایسی کفر والی باتیں نہیں کیا کرو' نماز تو فرض ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے انسان جو بوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔ ان کے لہجے میں حسرت اور افسردگی تھی وہ یہی سمجھتے تھے بھائی بھاوج کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے جو اتنے سالوں سے وہ کسمپرسی میں رہ رہے تھے اپنے بچوں کو پالا ان کی تربیت پر خرچہ کیسے کیسے حالات نہیں دیکھے تھے وہ تو خود توبہ کرتے رہتے تھے۔

"اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے مانگنے پر بھی وہی دے رہا ہے۔" کبھی کبھی نہریزہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی بھی تھی' فوراً ہی توبہ بھی کرتی اور معافی بھی مانگتی۔

"بیٹا کیا پتہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مانگنے کا انداز پسند آجائے' اور جو تم چاہتی ہو وہ تمہیں دے دے۔" انہوں نے نہریزہ کے بے یقینی کیفیت پر اسے سمجھایا جو اکثر ایسی ہی باتیں کرتی رہتی تھی۔ یہ سب حالات کا اثر تھا جو وہ اتنی تلخ اور روکھی ہوگئی تھی۔

"پتہ ہے ابو میں کیا چاہتی ہوں' ہمارا اچانک سے انعام نکل آئے' آپ کو ٹھیلہ نہیں لگانا پڑے آپ بھی آفس جایا کریں' ہر مہینے گھر کے کرائے اور بجلی گیس کے بل کی فکر نا کرنا پڑے سب کچھ خود سے ہوجایا کرے پر مجھے پتہ ہے ایسا ہوگا نہیں۔" وہ بول رہی تھی اور شعیب خان نے روبینہ پر نگاہ ڈالی جو بیٹی کی خواہشات سن رہی تھیں۔

"دعا اور خواہش اپنی اوقات کے مطابق مانگا کرو۔"

"امی آپ نے یہ کیا بات کی ہم غریب ہیں تو کچھ زیادہ شاہانہ زندگی نہیں مانگ سکتے' شروع سے ابو کو محنت کرتے دیکھا' آپ کو ٹیوشن پڑھاتے دیکھا' کبھی جو میں نے آپ کے چہروں پر بے فکری اور اطمینان دیکھا ہو۔"

"تم نماز پڑھ کر ہمارے اطمینان اور بے فکری کی ہی دعا مانگ لیا کرو' ہوسکتا ہے یہ دعا تمہاری قبول ہوجائے۔" شعیب خان نے گہری سوچ کے ساتھ کہا اور چائے کے سپ لینے لگے۔ نہریزہ نے چونک کر ان کے لہجے پر غور کیا' اتنا تو وہ کرہی

سکتی ہے وہ اپنے باپ کو یوں پریشان تو نہیں دیکھ سکتی وہ ایک لمحے کو چپ ہوگئی۔

"جاؤ جا کر نماز پڑھو اور ہاں ثمرہ سے بھی کہہ دینا کہ سو جائے۔" روبینہ نے اسے تھپکی دے کے اٹھایا۔

وہ سر ہلا کے رہ گئی' شعیب خان نہریزہ کی سوچوں کو سمجھتے تھے وہ ان کے لیے کتنا پریشان رہتی تھی۔

"آج پھر آیان آیا تھا۔" انہوں نے نہریزہ کے جانے کے بعد کہا۔ نہریزہ ابھی دہلیز سے زیادہ دور نہیں گئی تھی' ابو کی بات سن کے تجسس کے مارے وہ رک گئی' ذکر کسی آیان کا تھا یہ آیان ضرور تایا ابو کا ہی بیٹا ہوگا۔

"کیوں آیا تھا؟" روبینہ نے پوچھا۔

"پیسے دینے آیا تھا اور کہہ رہا تھا وہ بھائی جان اور بھابی کو لے کے آنا چاہ رہا ہے۔" وہ آہستہ اور تھکے ہوئے لہجے میں بول رہے تھے۔

"میں اس گھر کا ایک پیسہ بھی لینا نہیں چاہتا۔" وہ اسے خاصے غصے میں لگے۔

"اس جائیداد اور دولت پر آپ کا بھی حق ہے۔"

"تم کیا چاہتی ہو میں لے لوں' اتنے سال جو میں نے خودداری میں گزارے سب ختم کردوں۔" انہیں ان کی یہ بات پسند نہیں آئی۔

"میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں آپ کتنے پریشان رہتے ہیں۔"

"میں اس گھر سے ایک دھیلہ بھی نہیں لوں گا' جہاں سے تمہیں اور مجھے نکالا گیا تھا۔" وہ پھر سے سخت بن گئے جبکہ وہ خود کو لعن طعن بھی کرتے تھے' انہوں نے اپنے بھائی بھاوج کا دل دکھایا۔

"ایک طرف خود کو مجرم کہتے ہیں' دوسری طرف بھائی بھاوج سے ملنا نہیں چاہتے۔" روبینہ کو ان کی یہ باتیں کبھی سمجھ نہیں آئی تھیں۔

نہریزہ نے سب سن لیا تھا مگر اسے ابھی تک گھر سے نکلنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی تایا ابو کے گھر سے کیوں نکلے تھے۔ وہ اپنے روم میں آگئی' ثمرہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی' اسد سو رہا تھا۔

"آپی نماز پڑھ لینا ورنہ امی ناراض ہوں گی۔" ثمرہ نے سلام پھیر کے اسے دیکھا تو تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا۔

"ہاں...... ہاں پڑھ لوں گی۔" اس نے پہلی دفعہ چڑ کے جواب نہیں دیا تھا بلکہ اس کی سوچیں تو آیان نام میں الجھ گئی تھیں اس نے پہلی دفعہ ہی ابو کے منہ سے یہ نام سنا تھا ورنہ تو اس گھر میں اس نے کبھی کسی ددھیالی رشتے دار کا ذکر تک نہیں سنا تھا۔ ابو اپنے گھر والوں کی کبھی کوئی بات نہیں بتاتے تھے' وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی تھی۔

☆

اوپر کا پورشن خالی ہے' جو شعیب خان کا تھا' ان کے والد نے اپنی زندگی میں ہی گھر کے حصے بخرے کردیئے تھے' تاکہ بعد میں بھائیوں میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہو۔ شعیب خان اپنا جائز حق چھوڑ کے چلے گئے تھے۔ بزنس تک میں اپنا شیئر نہیں مانگا تھا' سب ان کے حالات سے واقف تھے مگر شعیب خان ضد کے پکے تھے انہوں نے اپنے بھائی سے آج تک تقاضا بھی نہیں کیا تھا۔

"ایسا کرتے ہیں پہلے ہم لوگ چلتے ہیں چچا جان' ہم لوگوں کو تو نہیں نکال لیں گے۔" عمیر نے کہا۔

"وہ ایسے ہیں بھی نہیں کہ ہمیں نکال لیں' میں مل چکا ہوں۔" آیان نے بتایا۔

"کیا تم مل کے بھی آگئے۔" عنیزہ بھابی نے حیرانگی سے کہا۔

"بھائی ایسا کریں پہلے مجھے ان کے گھر چھوڑ آئیں۔" عائشہ نے بھی مداخلت کی۔

"تم تو چپ رہو تمہیں کیوں' سب ہی جائیں گے پہلے کسی مناسب موقع کا تو انتظار کرو۔" آیان نے مدبرانہ انداز میں کچھ سوچ کر کہا۔

"لو اس میں مناسب موقع کی کیا بات کی سیدھی طرح بھی جایا جاسکتا ہے۔" عائشہ کو اپنے بھائی کی یہ بات کویا پسند ہی نہیں آئی' اس نے اختلاف رائے ضروری سمجھا۔

"پہلی دفعہ جانا کوئی آسان بات نہیں ہے' چچا جان کے بچے بھی ہیں' وہ پتہ نہیں ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔"

"ہوں یہ بات تو ٹھیک ہے۔" عمیر بھائی نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"تم نے ان سے کیا بات کی؟"

"بھائی جان میں نے ان سے خیر خیریت کے علاوہ زیادہ بات نہیں کی کیونکہ مجھے لگ رہا تھا وہ پبلک پلیس پر گھریلو باتیں

کرنا مناسب خیال نہیں کررہے تھے۔"
"تمہیں گھر آنے کو نہیں کہا؟" عنیزہ بھابی نے پھر استفسار کیا۔
"ایک دفعہ بھی نہیں کہا۔" آیان کو اسی بات کا تو افسوس تھا۔ وہ کہتے بھی تو کیوں' کون سا اس کے گھر والوں نے اچھا سلوک کیا تھا۔
"ہمارے چچا جان ہیں ہم تو جائیں گے۔" عائشہ کو زیادہ ہی سب سے ملنے کی بے چینی تھی اوپر کا پورشن خالی پڑا تھا۔ پورا وقت بوریت ہوتی اسکول سے آ کے کوچنگ یا پھر ٹی وی ہوتا عنیزہ بھابی بھی ایک سالہ ننھی ایشل میں مصروف رہتی تھیں وہ پورا وقت چڑچڑی رہتی تھی۔
"ابو کی اجازت کے بغیر تو ہم وہاں جا بھی نہیں سکتے۔" عمیر بھائی نے کہا۔
"ابو تو خود جانا چاہ رہے ہیں مگر کہتے ہیں چچا جان سے کوئی معقول بات ہو جائے تو اچھا ہے۔"
"ہوں۔" عمیر نے پھر سر ہلایا۔
"چچا جان کے کتنے بچے ہیں؟" عائشہ نے پھر پوچھا۔
"تین دو بیٹیاں اور ایک بیٹا' بیٹی بڑی ہے بیٹا دونوں سے چھوٹا ہے۔" آیان نے سوچ کے بتایا۔
"لو تو مسئلہ ہی حل ہوا بیٹی بڑی ہے سیدھا سیدھا تمہارا رشتہ لے کے جائیں گے۔"
"بھابی...... بھابی کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ پہلے سے ہی کچھ بھی بول دیتی ہیں۔" آیان ان کی جلد بازی کو بے وقوفی ہی کہہ سکتا تھا۔
"جب تک چچا جان کی بیٹی دیکھیں گے نہیں تو رشتہ تو ہو بھی نہیں سکتا۔"
"تم زیادہ اماں بن کے بڑ بڑ نہیں کیا کرو' کبھی پڑھائی پر بھی توجہ دیا کرو۔" آیان نے عائشہ کے سر پر چپت لگائی' وہ منہ بنا کے رہ گئی۔
"آپ تو بولنے ہی نہیں دیتے ہیں اللہ کرے آپ کی شادی چچا جان کی بیٹی سے ہو اور وہ آپ کی لگام کھینچ کے رکھے۔" یہ کہہ کر وہ بھاگ لی تھی' بھابی اور عمیر بھائی کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ آیان جھینپ کر رہ گیا تھا۔
"آیان قبولیت کا کوئی پتہ نہیں......" بھابی بھی مزے لینے لگیں۔

"میرے خیال میں' میں اٹھ ہی جاتا ہوں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔
"یار آیان صبح میٹنگ ہے تم اٹینڈ کر لینا میں دیر سے آؤں گا۔" عمیر کافی دنوں سے آفس کی مصروفیت کی وجہ سے تھکن محسوس کر رہے تھے۔ سمیع خان نے تو آفس ہی جانا چھوڑ دیا تھا' سب کچھ دونوں بھائیوں کو ہی سنبھالنا پڑ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے۔"
"چچا جان اگر آ جائیں تو اپنا بزنس سنبھالیں یار کب تک میں دیکھوں گا۔"
"کوشش کر تو رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ بھی ایک دن ہمیں معاف کر کے آ جائیں گے۔" آیان نے وثوق بھرے لہجے میں تسلی دی تھی۔ آیان دو تین دفعہ ان کے گھر سے باہر ہی چکر لگا کے آ گیا تھا' اس کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔
مگر اندر سے دل کہتا کہ چچا جان اس کے اپنے ہیں' وہ کون سا دھکے دے کر نکال دیں گے' زیادہ سے زیادہ سرد رویہ ہی ہوگا' پھر وہ آتا جاتا رہے گا تو خود ہی ٹھیک بھی ہو جائیں گے۔ وہ اپنے روم میں آ کے بہت کچھ سوچ رہا تھا' اسے ہمت کرنی تھی ابو امی کی یہ پریشانی دور کرنی تھی' امی تو خود کو مجرم ہی گردانتی تھیں اور ابو ہر وقت اپنے بھائی کو یاد کرتے رہتے تھے۔
"چل آیان تجھے ہی ہمت کرنی ہوگی' کسی کروٹ تو یہ اونٹ بٹھانا ہی ہے۔" وہ مرر کے آگے کھڑا اپنے بالوں کو برش سے سنوارنے لگا' بلیک پینٹ پر اسکائی بلیو شرٹ میں ڈیسنٹ لگ رہا تھا خاصا ذمہ دار اور سمجھدار تھا' ہر بات کو گہرائی میں جا کے سمجھنے والا' اس نے کچھ دیر امی کے روم میں ان کے پاس بیٹھ کر ان کا دل ادھر ادھر کی باتوں سے بہلایا' وہ دن بہ دن کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور اسے اپنی ماں کو شرمندگی سے باہر نکالنا تھا۔

☾......☆......☾

جب سے شعیب خان نے اس سے یہ کہا تھا کہ وہ ان کے سکون اور پریشانی کے لیے دعا کیا کرے' ان کی پریشانی ختم ہو جائے' سکون مل جائے اتنا تو وہ کر ہی سکتی ہے' اس نے فجر کی نماز ہی اتنی دیر تک پڑھی اسے خود وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور روبینہ نے اسے ہلایا تو وہ اٹھی' ناشتہ وغیرہ تیار کر دیا تھا اور خود اپنے روم میں چلی گئی تھی' اس کی آنکھ لگ گئی وہ تو اسد نے آواز دی۔
"آپی...... آپی اٹھیے میری شرٹ نہیں مل رہی۔"

"کیا ہے؟" نہریزہ نے کچھ جھنجلا کے بمشکل آنکھیں کھول کے دیکھا۔

"آپی میری شرٹ ڈھونڈ دیں دیر ہورہی ہے مجھے اسکول جانا ہے۔"

"تم سے کبھی یہ نہیں ہوتا اسکول سے آ کے یونیفارم سمیٹ کرایک جگہ رکھ دیا کرو۔" وہ پیر جھٹک کے اٹھی۔

اسد کو شرٹ ڈھونڈ کے دی اور پھر خود کچن میں چلی آئی' پورا کچن پھیلا ہوا تھا' ثمرہ بھی کالج چلی گئی تھی' روبینہ لگتا تھا اندر کمرے میں تھیں۔ اس نے کچن سمیٹا اور دوپہر کے لیے کھچڑی پکانے کے لیے چاول نکالے بارہ بج گئے تھے آج گرمی بھی زیادہ تھی اور لائٹ معمول کے مطابق ڈھائی گھنٹے کے حساب سے غائب ہوجاتی تھی' اکثر رات میں بھی ایکسٹرا چلی جاتی تھی۔

"امی آج گرمی بہت ہے۔" وہ برآمدے میں موجود پلنگ پر بیٹھی۔

"جاتی گرمی ہے اس لیے گرمی ہورہی ہے۔"

"کراچی میں کون سا سردیاں زیادہ پڑتی ہیں' گرمی ہی ہر وقت رہتی ہے۔" وہ کھچڑی دم پر رکھ کے آ گئی۔

"ہاں یہ تو ہے۔" روبینہ شعیب خان کے کرتے کے بٹن ٹانک رہی تھیں۔

اسی دوران زوردار انداز میں کسی نے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا' دونوں نے ہی حواس باختہ ہوکے دیکھا۔

"ارے بھئی کون ہے جو طوفان بدتمیزی مچا رہا ہے۔" نہریزہ اپنا پنک لان کا آنچل شانوں پہ برابر کرتی گھبرائی گھبرائی دروازے تک آئی تھی۔

"کون ہے؟" پوچھ کے ہی دروازہ کھولتی تھی۔

"میں ہوں آیان چچا جان کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔" نہریزہ کو سمجھ نہیں آیا یہ نام اس نے کل رات ہی ابو کے منہ سے سنا تھا' روبینہ بھی کرتا چھوڑ کے تیزی سے پلنگ سے اٹھیں اور دروازہ کھول دیا۔

شعیب خان گرمی سے بے حال کسی نوجوان کے سہارے کھڑے تھے۔ نہریزہ جھجک کے دروازے کی اوٹ میں ہوگئی' اس کو سمجھ نہیں آرہا تھا یہ وہی ہے یا کوئی اور......؟ شعیب خان کو وہ اپنے سہارے اندر لے آیا' آیان نے روبینہ کو سلام کیا۔ شعیب خان کو ان کے روم میں لے گیا اور نہریزہ بت بنی کھڑی تھی اس کا دل تو دھڑ دھڑ کررہا تھا ابو کی ایسی حالت دیکھ کر کل رات ہی تو وہ اسے دعا کرنے کو کہہ رہے تھے۔

"تم کچھ ٹھنڈا بنالو۔" روبینہ آداب میزبانی نبھانے میں لگ گئیں۔

"امی ٹھنڈا' فریج تک تو ہے نہیں ......" وہ بے بسی سے بولی۔

"اچھا میں باہر سے کولڈ ڈرنک لے آتی ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو جانے کی' آپ ابو کے پاس جایئے۔" اس نے ذرا برہم لہجے میں کہا۔ آیان نے سب سن لیا تھا' وہ روم سے اسی وقت ہی نکلا تھا۔

"ارے بیٹا بیٹھو میں ٹھنڈا لے کے آتی ہوں۔" روبینہ اسے سامنے دیکھ کر بولیں۔

"نہیں چچی جان ٹھنڈا رہنے دیں اس وقت چچا جان کو سنبھالیے' ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں ڈاکٹر سے ٹائم لے لیتا ہوں شام میں ان کا چیک اپ وغیرہ کروالیں گے۔"

"اس مہربانی کا شکریہ یہ زحمت آپ نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔" نہریزہ نے انتہائی خشک اور سرد رویے کا مظاہرہ کیا۔ آیان لب بھینچ کے خفیف سا ہوگیا' جبکہ روبینہ کو اس کی یہ حرکت نہایت ناگوار گزری۔

"نہریزہ کس طرح بات کررہی ہو۔" انہوں نے سرزنش کی۔

"جو جس قابل ہے اس سے اسی طرح بات کررہی ہوں۔" وہ انتہا سے زیادہ کڑوی اور تلخ ہورہی تھی۔

"چچی جان ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔" آیان بھی ذرا اس سے جھجکا نہیں بلکہ بڑے پُراعتماد انداز میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"بیٹا ایسی کوئی بات نہیں......" وہ شرمندہ ہونے لگیں۔

"امی جو بات ہے وہ واضح ہے اتنے عرصے چچا چچی کی کوئی خیر خبر نہیں لی اور آج احسان کرنے چلے آئے۔" وہ آیان پر ہی اپنا غصہ اتارنے لگی۔

"یہ آپ کی سوچ ہے اپنوں پر احسان نہیں کیے جاتے یہ الگ بات ہے اپنے اگر کھو جائیں تو انہیں اپنا احساس دلایا جاتا ہے کہ اتنے دن ہم ان سے غافل نہیں تھے' نہ ہی بھولے تھے بلکہ ہر وقت دل و دماغ میں وہ رہتے تھے۔" آیان نے اتنی گہری بات اس کے تیکھے چتون دیکھ کر واضح کی وہ پہلو بدل کے رخ

پھیر کے کھڑی ہوگئی۔

"آپ کی یہ باتیں ذرا متاثر نہیں کریں گی۔"

"آپ کو متاثر کر بھی کون رہا ہے؟" وہ پھر اندر روم میں چلا گیا۔ روبینہ نے نہریزہ کو خوب ڈانٹا وہ آنکھوں میں نمی لیے اپنے روم میں چلی گئی۔

"میں چلتا ہوں شام میں آؤں گا اور ہاں آپ کو بستر سے نہیں اٹھنا۔" اس نے شعیب خان کو ہدایت کی۔

"بیٹا آرام کرلوں گا تو ٹھیک ہوجاؤں گا ڈاکٹر کو رہنے دو۔" انہوں نے کہا۔

"آپ کی ذرا سی نہیں جائے گی' میں چھ بجے آؤں گا۔" ان سے ہاتھ ملا کے اور روبینہ کو سلام کر کے وہ نکل گیا تھا۔

نہریزہ نے جاتے ہوئے اس کی چوڑی پشت دیکھی تھی' ہینڈسم اور ڈیشنگ تھا پرفیوم کی مہک تو اسے اپنے حواسوں پر چھاتی ہوئی محسوس ہورہی تھی مگر فوراً ہی خود کو لعنت ملامت بھی کی۔

"آج تو بدتمیزی کرلی ہے آئندہ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔"

"امی آپ اور ابو نے اتنی جلدی ان سب کو معاف کردیا' آپ لوگوں کو اتنے عرصے پوچھا تک نہیں۔" وہ غصہ ہورہی تھی۔

"یہ تمہارے ابو اور ان کے بھائی کا معاملہ ہے۔"

"امی آپ وہ سب بھول رہی ہیں جو دن ابو اور آپ نے تنگی پریشانی میں گزارے تھے۔"

"ہمیں سب یاد ہے تمہارے ابو کی اپنے بھائی سے کوئی لڑائی نہیں ہے اور نہ ناراضگی۔"

"امی مجھے آپ کی یہ بات سمجھ نہیں آرہی کل تک ملے نہیں آج ان کا بیٹا آگیا تو سب بھول رہے ہیں۔" وہ زچ ہوئی۔

"تم یہ بھی تو سوچو تمہارے ابو وہاں بے ہوش ہوکر گر پڑے تھے' شکر کرو جو آیان وہاں موجود تھا اور تمہارے ابو کو بروقت سنبھال لیا یہ کم احسان ہے۔" وہ ایک دم ہی غصہ ہونے لگیں کیونکہ نہریزہ کے مزاج میں کڑواہٹ اور تلخی گھلتی جارہی تھی اور یہ فکرمندی کی بات تھی وہ تاسف بھری سانس بھر کے رہ گئیں۔

"آئندہ تم نے آیان سے یا کسی سے بھی بدتمیزی کی تو اچھا نہیں ہوگا۔" وہ اسے وارننگ دینے لگیں۔

نہریزہ لب کچلتی پیر پٹختی کچن میں جانے لگی جہاں اس نے ابو کے لیے دلیہ پکانے رکھا تھا' ابو بیمار پڑ گئے تھے یہ بہت بڑی پریشانی تھی گھر کا خرچ روز پر چلتا تھا جو ابو روز لے کے آتے تھے' اسی حساب سے گھر کے خراجات بھی چلتے تھے نہریزہ کو سب سے زیادہ تو ابو کی صحت کی فکر تھی جو اچانک خراب ہوگئی تھی۔

☾......☆......☾

آیان نے گھر میں شعیب خان کی بیماری کا بتایا تو سمیع خان سب سے زیادہ بھائی کے لیے بے چین ہوگئے۔

"ان کا پورا چیک اپ میں آج شام میں کرواؤں گا کیونکہ ان کی دل کی کیفیت اچھی نہیں ہے۔" آیان نے گہری سوچ کے ساتھ بتایا۔ اس کے ذہن میں نہریزہ کا رویہ بھی یاد آنے لگا جو ان سب سے بہت زیادہ خائف تھی۔

"ہمیں آج ہی لے چلو میرا بھائی بیمار ہے۔" حمیرا خاموش بیٹھی ہوئی تھیں' انہیں ضمیر لعن طعن کررہا تھا' ان کی وجہ سے شعیب خان ان حالوں کو پہنچے تھے۔

"ابو وہ آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔ کیونکہ ان کی بے تابی اور بے چینی اس نے دیکھ لی تھی۔

"ہاں کہو؟" سب نے ہی چونک کے آیان کے خاموش چہرے کو بغور دیکھا۔

"ابو چچا جان کی بڑی بیٹی کچھ تیکھے مزاج کی ہے۔" اس نے جواب میں اس کی باتیں اور رویہ بتایا۔

"ظاہر ہے ہم نے اس کے ماں باپ کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا تھا وہ ایسے لہجے میں بات تو کرے گی۔" حمیرا نے سننے کے بعد کچھ افسردگی سے کہا۔

"وہ آپ لوگوں کے ساتھ منفی رویہ رکھے گی۔"

"دیکھ لیں گے ہم بھی کیسا بھی رویہ رکھیں۔" عائشہ کو ان سب سے ملنے کی جلدی تھی کیونکہ اس نے تو آج تک اپنے چچا چچی اور کزن کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

"ابھی تو میں ڈاکٹر سے اپائمنٹ لے آیا ہوں' آپ سب رات میں چلیے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" حمیرا نے سر ہلایا۔

آیان کا ذہن نہریزہ میں الجھا ہوا تھا' سرخ و سپید رنگت اس پر اس کے خوبصورت نقوش وہ عام لڑکیوں سے الگ ہی تھی' لہجے میں اس کے ناراضگی اور کڑواہٹ تلخی سب کچھ تھا۔

"مجھے تو شعیب کے بچوں کا سامنا کرتے ہوئے بھی شرمندگی اور ندامت ہوگی وہ بچے بھی کیا سوچتے ہوں گے۔"
حمیرا تو باقاعدہ اپنا سر تھام کے تفکر زدہ لہجے میں بولتے ہوئے رونے لگیں۔

"امی پلیز' آپ کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کرتی ہیں' آپ بلڈ پریشر ٹیبلیٹ لینے کے بعد بھی بڑھا رہتا ہے' کیوں ایسا فضول سوچتی ہیں' چچا جان کے بچے ایسے اعلیٰ توپ چیز نہیں' جو آپ روتی رہتی ہیں۔" آیان کو اپنی امی کی صحت کی فکر بھی رہتی تھی' جو سوچ سوچ کے بلڈ پریشر اور شوگر کی مریض ہوگئی تھیں۔

"بیٹا ایسے نہیں بولو وہ بچے تو معصوم ہیں کیسے حالات میں شعیب نے انہیں پالا ہوگا' ان کا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ محروموں کی طرح رہے ہوں گے۔"

"آپ جائیں گی تو سب آپ کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور مجھے پتہ ہے چچا جان کے بچے اتنے ال مینرڈ نہیں ہوں گے جو آپ سے بدتمیزی سے بات کریں۔" عمیر بھائی نے بھی انہیں گویا تسلی اور اطمینان دلایا۔

"باقی دو کا تو مجھے پتہ نہیں ہاں ان کی بڑی صاحبزادی کی زبان خاصی لمبی ہے۔"

"لمبی زبان تو تمہاری بھی ہے کسی کو بھی کچھ بھی کہہ دیتے ہو۔" سمیع خان نے بھی گویا طنز کرکے اسے لاجواب کردیا۔

"بابا اصل میں مجھ سے رہا نہیں جاتا ہے تو میں ہر ایک کے منہ پر بول دیتا ہوں۔"

"سمجھو یہی عادت تمہاری کزن کی بھی ہوگی۔" سمیع خان نے اسے گھورا۔

"ابھی بھتیجی گھر آئی نہیں ہے حمایتی اس کے پہلے سے تیار ہوگئے۔" وہ سیل میں ٹائم دیکھ کر کھڑا ہوگیا ساڑھے پانچ بج رہے تھے اور ڈاکٹر کا ٹائم ہوگیا تھا۔

"آپ لوگ تیار رہیے گا میں فارغ ہوتے ہی آپ سب کو لینے آؤں گا۔" وہ یہ کہہ کر نکل گیا۔

آیان نے پہلے شعیب خان کا چیک اپ کروایا نہریزہ اس دوران اسے سامنے نظر نہیں آئی' اس نے سکون کا سانس لیا کیونکہ وہ بھی اپنی منہ پھٹ طبیعت کی وجہ سے مجبور تھا اگر نہریزہ نے اسے کچھ بھی الٹا سیدھا کہا تو وہ ضبط نہ کرسکے گا اور سنا دے گا' شعیب خان کو گھر ڈراپ کرکے وہ سب کو ہی ان کے گھر لے آیا تھا۔ شعیب خان کو سمیع خان نے کافی دیر گلے لگا کے رو رو کے معافیاں مانگیں اور حمیرا نے تو باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"بھابی آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔" انہوں نے حمیرا کے ہاتھوں کو تھاما۔ روبینہ خاموش سی شعیب خان کے بیڈ کے سرے پر بیٹھی ہوئی تھیں' نگاہ ان کی جھکی ہوئی تھی انہی کی وجہ سے شعیب خان کو گھر سے نکالا گیا تھا۔

"روبینہ مجھے معاف کردینا میں نے اپنے غصے اور ضد میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا' دیکھو آج میں کتنی مجبور اور بے بس ہوگئی ہوں' بیماریاں لگ گئی ہیں' مجھے معاف کردو تاکہ میں ضمیر کا بوجھ لے کے اس دنیا سے نہ جاؤں۔"

"بھابی ایسی بات نہیں کریں آپ ہماری بڑی ہیں میں نے کبھی آپ کو برا نہیں کہا' معافی کیسی بلکہ مجھے تو یہ سکون مل گیا ہے آپ نے اپنے دیور کو معاف کردیا۔" روبینہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تھے۔ برسوں بعد اپنے اپنوں سے مل گئے تھے۔ شعیب خان نے کیسے کیسے کسمپرسی کے حالات گزارے مگر کبھی روبینہ کو موردالزام نہیں ٹھہرایا۔

"بھئی یہ رونا دھونا ختم کریں' چچی جان کچھ چائے شائے تو پلوایئے۔" آیان نے اسد کے شانے پر پیار سے مسکرا کر تھپکی دی جو سمیع خان کے پاس ہی بیٹھا تھا اور ثمرہ تو عائشہ سے جڑ گئی تھی مگر وہ نظر نہیں آئی تھی ابھی تک' آیان کی متلاشی نگاہیں اسے ہی تلاش رہی تھیں۔

"میں تو بھول ہی گئی ابھی نہریزہ سے کہتی ہوں۔"

"شعیب تمہاری بڑی بیٹی تو ہم سے ملی ہی نہیں۔" سمیع خان اس کی غیر موجودگی پر ہی سمجھ گئے تھے وہ ان سب سے ملنا نہیں چاہتی۔

"روبینہ نہریزہ کو تو بلاؤ۔" شعیب خان نے ان سے کہا۔

"چچا جان آپ کی بیٹی تو بات ہی کرنے کو تیار نہیں۔" عنیزہ بھابی آخری کوشش کرکے آگئی تھیں' ننھی ایشل کو انہوں نے عمیر بھائی کی گود میں دیا۔

"ابھی آپ اسے ڈسٹرب نہیں کریں وہ خود ہی ٹھیک ہوجائے گی۔" عمیر بھائی نے ان سب کو ہی منع کردیا۔

مگر شعیب خان اور روبینہ کو شرمندگی ہو رہی تھی نہریزہ نے ان سب سے ملنے سے صاف انکار کردیا تھا اور واضح لفظوں میں اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا ان حالات میں یہ لوگ کہاں تھے جب ان کی ضرورت تھی۔ شعیب خان لب بھینچ کے رہ گئے تھے ان کی

گزشتہ دنوں سے طبیعت خراب تھی وہ کسی پر بھی عیاں نہیں کررہے تھے مگر کل تو گرمی سے انہیں چکر آئے آیان اسی وقت وہاں آیا تھا' انہیں چکراتے دیکھ کر سنبھالا اگر بروقت وہ انہیں نہیں سنبھالتا تو جانے آج کیا حالات ہوتے۔ روبینہ اس دوران چائے لے آئی تھیں' سب نے ہی خوش گپیوں میں چائے پی۔

''شعیب تم اب اپنا بوریا بستر سنبھالو اور گھر چلو تمہارا پورشن ایسے ہی خالی پڑا ہے اور اپنا بزنس بھی سنبھالو آیان ہی سب دیکھ رہا ہے۔'' سمیع خان نے ان کے کمزور ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''میں یہاں ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ جانتے تھے نہریزہ بھی بھی جانے کے لیے راضی نہیں ہوگی۔

''تمہاری ایک نہیں سنی جائے گی' اپنی حالت دیکھو گرمی بھی آگے بڑھے گی تمہاری صحت کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں۔''

''بھائی جان مجھے عادت ہوگئی ہے۔'' وہ آہستگی سے بولے۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں تمہیں یہاں سے چلنا ہے تو چلنا ہے بس۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں فیصلہ صادر کیا وہ لب بھینچ کے رہ گئے اور باقی تمام لوگ خوش ہی تھے وہ وہاں جو آجائیں گے۔

☆

''ضمیر پر بوجھ پڑا تو معافی مانگنے آگئیں ورنہ خیال تک نہیں تھا۔'' دوسرے دن وہ روبینہ پر غصہ ہورہی تھی کیونکہ سارا وقت وہ اپنے کمرے میں بند رہی تھی عنیزہ بھابی کو بھی اس نے ٹکا سا جواب دے کے روانہ کردیا تھا۔

''وہ تمہارے ابو کے بڑے ہیں اور وہاں سے تمہارے ابو خود نہیں آئے تھے انہوں نے نکالا تھا' اگر انہیں غلطی کا احساس ہوگیا ہے تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم انہیں معاف کردیں اور اللہ کی ذات کے آگے ہماری ذات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔'' وہ اس کے منفی رویے اور سوچوں سے بہت پریشان رہنے لگی تھیں۔

''کیوں اس وقت ان کا فرض نہیں تھا کہ وہ ابو کو معاف کرتے بلکہ انہوں نے ان کے جائز حقوق سے محروم کیا اور ان کا جو کچھ تھا اس پر اپنا حق سمجھ کے بیٹھے رہے۔''

''نہریزہ تم ناشکری والی باتیں کرنے لگی ہو مجھے تو اللہ سے ہروقت ڈر لگا رہتا ہے صرف تمہاری ایسی باتوں کی وجہ سے۔'' وہ بہت روہانسی ہوگئی تھیں' وہ ثمرہ اور اسد کو تو سنبھال لیتی تھیں اور وہ دونوں ان کی باتوں کو بھی سمجھتے تھے مگر نہریزہ نے ان کی بات کو جیسے سمجھنا ہی نہیں تھا۔

''نماز تم ادھوری پڑھتی ہو' دعا تک نہیں مانگتی' کم از کم اپنے لیے ہی مانگ لو تمہارا دل بدل دے۔''

''آپ پانچوں وقت دعا مانگتی تو ہیں۔'' وہ چمک کے بولی۔

''اپنی زبان بند رکھنا تمہارے تایا کے گھر سے کوئی بھی آئے تو...... سمجھیں۔''

''یہ مشکل ہے۔'' اس نے بھی ضدی اور ہٹیلے لہجے میں کہا۔ ''آپ بھی سن لیں تایا ابو کتنا ہی جانے کو بولیں میں نہیں جاؤں گی۔''

''اپنے باپ کی حالت دیکھ رہی ہو ان کی صحت اجازت نہیں دیتی جو وہ روز روز کام پر جاسکیں' ارے میں تو اللہ کا شکر ادا کررہی ہوں اس نے ہمارے دن پھیرے' تمہارے ابو کو سکون تو ملے گا۔''

''کیوں امی' ابو تو ایسے موسم کے عادی ہیں۔'' وہ جراح ہی کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''تمہارے ابو جن آسائشوں کو چھوڑ کر اس چھوٹے سے گھر میں رہے ہیں انہیں سلام کرتی ہوں' کبھی بھی انہوں نے مجھ سے مزاج نہیں بگاڑا' میرے پاس کیا تھا' کچھ نہیں صرف باپ نے شادی کے وقت چند ہزار روپے دیئے جو گھر بنانے اور سنوارنے میں ختم ہوگئے۔'' وہ اسے رک رک کر سارے حالات سے واقف کررہی تھیں۔

''پھر کیوں آپ نے ابو سے شادی کی' نہیں کرتیں۔'' اس نے رخ پھیر کر گویا طنز کیا۔

''نہریزہ...... مجھے تم پر افسوس اور دکھ ہورہا ہے تم نا اپنے باپ کو سمجھتی ہو نا مجھے جانے کیوں اتنی ہٹ دھرم ہورہی ہو۔'' وہ دکھ و کرب سے گویا ہوئیں۔

''میں صرف تایا ابو کی فیملی کی آمد سے ہٹ دھرم ہورہی ہوں۔''

''تمہاری کوئی سنے گا بھی نہیں سمجھیں' میں تمہارے باپ کو مزید دکھوں میں نہیں ڈال سکتی۔'' وہ بھی دوٹوک انداز میں کہتی اٹھ گئیں۔

''ہم وہاں جائیں گے اور ضرور جائیں گے یہ تمہارے ابو کا فیصلہ ہے۔''

''ٹھیک ہے میں یہیں رہوں گی۔''

''آپی کیوں بحث کررہی ہیں ابو کا سوچیں۔'' ثمرہ نے اس کی بحث اورلڑائی دیکھی تو وہ بھی بولے بنا نہ رہ سکی۔

''تم چپ رہو کیسے سب کے ساتھ ہنسی مذاق کررہی تھیں۔'' اس نے ثمرہ کو بھی جھڑکا۔

''آپ کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

''تمہاری بڑی بہن ہوں تمیز سے بات کرو۔'' روبینہ دونوں کی لڑائی پر سر پیٹ کے رہ گئیں۔

''آپ بڑی ہیں میں تمیز سے بات کروں اور آپ نے عنیزہ بھابی سے جیسے بہت تمیز سے بات کی تھی۔'' اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دے کراسے لاجواب کردیا۔

وہ پیر پٹخ کے بیڈ پر بیٹھ گئی اور دانت پیسنے لگی۔ روبینہ کی فکرمند اور پریشان کن نگاہیں نہریزہ کو بغور دیکھ رہی تھیں انہیں اس کی رات دن ہی فکر تھی۔ جس کا رویہ دن بہ دن بگڑتا ہی جارہا تھا۔

''ثمرہ اٹھو اس کے منہ نہیں لگو اسے تو بس بدلہ سوار ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ تاسف بھری سانس بھرنے لگیں۔

''ارے موقع ملا ہے تو ہر ایک سے ٹھیک ٹھاک بدلہ لیں' عقل ٹھکانے لگائیں۔''

''معاف کردینے میں ہی بہتری ہے اپنے لیے کیونکہ اللہ کے آگے کسی کا کب بس چلا ہے۔''

''امی سب کچھ اللہ پر نہیں چھوڑ دیا کریں اللہ نے ظالم کا ظلم سہنے کو منع کیا ہے۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''آہستہ بولو تمہارے ابو نے سن لیا تو انہیں افسوس ہوگا۔'' انہوں نے اسے شہادت کی انگلی اٹھا کے سرزنش کی۔ ''آیان سے الگ تم نے بدتمیزی کی۔''

''وہ اسی قابل ہے۔'' وہ پھر بولی۔

''امی آپ اپنا کام کریں' فضول میں اپنا دماغ کھپا رہی ہیں اس کے ساتھ۔''

''تمہیں تو بڑے گھر جانے کی خوشی ہے چاہے بے عزتی کے بعد جائیں چلے تو جائیں گے۔'' اس نے ثمرہ پر طنز کیا۔

''آپ کی سوچ کا کوئی حل نہیں ہے اور میں دعا ہی کروں گی اللہ تعالیٰ آپ کی سوچ کو بدل دے۔'' وہ دعائیہ انداز میں کہہ کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''تم سب تو مجھے کافر سمجھتے ہو۔''

''لو یہ نئی بات نکالی۔'' وہ نہریزہ کی بات پر تمسخر اڑا کے ہنسنے لگی۔

''ثمرہ اٹھ جاؤ اور روٹی پکالو پھر لائٹ چلی جائے گی تو مشکل ہوگی۔'' انہوں نے اسے اٹھایا کیونکہ نہریزہ سے اس وقت کوئی کام کہنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔

''اتنی بڑی بڑی باتیں نہیں کرو کہ کل کو خود ہی پچھتانا پڑے۔'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئیں' ثمرہ بھی کچن میں چلی گئی۔

نہریزہ کے دماغ میں تو صرف یہی چل رہا تھا تایا ابو اور تائی امی سے بدلے لے جو کچھ اس کے ابو کے ساتھ کیا' ان کی بے عزتی کی ایک ایک سے بول کے ان کی بے عزتی کرے مگر اسے تو یہ حیرانگی تھی ابو نے سب کو ہی معاف کردیا تھا مگر اس کا دل ان سے ملنے کو نہیں کرتا تھا اس نے سوچ لیا تھا وہ اس گھر سے نہیں جائے گی۔ چاہے اس کے لیے اسے ابو سے ہی کیوں نہ بات کرنی پڑے۔

''دیکھنا میں نے بھی تم سب کو ہلا کے نہ رکھ دیا تو نہریزہ نام نہیں میرا۔'' وہ مصمم ارادہ باندھ چکی تھی' کچھ تو ایسا کرے گی کہ تایا ابو کی فیملی ہل کے رہ جائے گی۔ اتنے میں عشاء کی اذان ہوگئی وہ وضو کرنے کے لیے کھڑی ہوگئی وہ ایسی باتیں سوچ کر خود بھی عجیب گھبراہٹ محسوس کررہی تھی' جانے یہ گھبراہٹ امی کا دل دکھانے پر تھی یا کسی اور بات پر مگر اس نے سوچ لیا نماز پڑھ لے ورنہ امی پھر اسے سخت سست سنانے آجائیں گی وہ باہر برآمدے میں آگئی روبینہ نے اس پر خفگی بھری نگاہ ضرور ڈالی تھی وہ خفیف سی ہوکررہ گئی تھی۔

☆

تایا ابو اور تائی امی روز ہی آتے اور ابو سے شفٹ ہونے کا کہتے اور ابو ٹال جاتے' وہ نہریزہ کے انکار سے بہت پریشان تھے' انہوں نے اس سے ضد بھی نہیں کی مگر روبینہ کو نہریزہ پر بہت غصہ تھا۔

''آپ اس کے باپ ہیں اپنا فیصلہ صادر کریں یہ کون ہوتی ہے اپنی چلانے والی۔'' روبینہ سے رہا نہیں گیا تو وہ پھٹ پڑیں۔

نہریزہ کا سر جھکا ہوا تھا' شعیب خان نے حسرت بھری نگاہ ڈالی جو ایسی لاتعلق بیٹھی تھی جیسے اس معاملے سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہو۔

''روبینہ میں اپنی بیٹی کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا' یہ نہیں جانا

چاہتی وہاں نہ جائے میں اس کے ساتھ یہاں رہ لوں گا' مگر تم لوگ جانے کی تیاری کرو۔'' نہریزہ نے چونک کے انہیں دیکھا یہ کیسی بات کررہے تھے ابو اپنے بھائی بھاوج بھی عزیز تھے اور بیٹی بھی۔

''آپ کیسی بات کررہے ہیں' آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔'' وہ تو بھڑک اٹھیں۔

''میری بیٹی نہیں جائے گی تو میں بھی نہیں جاؤں گا۔''

''ابو یہ آپ کیسی بات کررہے ہیں یہ سب بھی کیوں جارہے ہیں' ہم نہیں رہیں گے ہمیں نہیں جانا وہاں۔''

''نہریزہ تمہیں بالکل بھی اپنے ابو کا خیال نہیں کتنے کمزور ہوتے جارہے ہیں' کیوں تم اس عمر میں انہیں دکھ دیتی ہو۔''

''میں دکھ دیتی ہوں تایا ابو اور تائی امی نے انہیں کتنے دکھ دیئے وہ سب بھول گئے۔'' شعیب خان نے روبینہ کو اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔

وہ تو جھنجلا کے وہاں سے اٹھ گئیں۔ شعیب خان اس سے بات کرنے آئے تھے اس کی ضد کو تاویل دے کے توڑنا چاہتے تھے وہ اپنے بچوں کو بہتر مستقبل دینا چاہتے تھے شروع سے ان کے بچے آسائشوں کے لیے ترسے تھے اور اب قدرت مہربان ہوگئی تھی تو وہ منہ نہیں موڑنا چاہتے تھے جائیداد میں تو وہ بھی برابر کے جائز حصے دار تھے اور اپنے بچوں کو وہ سب کچھ دینا چاہ رہے تھے مگر نہریزہ نے فضول سی ضد باندھی ہوئی تھی۔

''ابو آپ میری بات سمجھئے۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''تم آرام سے بیٹھو پہلے میری باتیں سنو اور سمجھو پھر کوئی اور بات کرنا۔'' انہوں نے اسے اپنے پاس ہی بیڈ پر بیٹھنے کو کہا وہ لب کچلتی ہوئی بیٹھ گئی۔

''دیکھو بیٹا ہمارا جو بھی وقت گزرا اللہ کا شکر ہے اچھا ہی گزرا ہے' تم لوگوں کو میں نے لکھایا پڑھایا مگر تم اپنی مزید تعلیم آگے جاری نہیں رکھ سکیں صرف اس لیے کہ آگے تعلیم دلوانے کے لیے میرے پاس وسائل نہیں تھے اور رہے ثمرہ اور اسد یہ دونوں پڑھ رہے ہیں میں چاہتا ہوں یہ لوگ اور آگے اچھا پڑھیں اور تم بھی اپنی پڑھائی شروع کردینا اور وہ سب کچھ جو خرچ ہوگا میرے حصے سے' تم یہ نہیں سمجھو کہ بھائی صاحب ہم لوگوں کا خرچہ اٹھائیں گے۔'' وہ اسے بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھا رہے تھے' کیونکہ نہریزہ کی سوچ کو وہ سمجھ گئے تھے۔

''ابو میرا دل پھر بھی نہیں مانتا کہ ثمرہ یا اسد بھی وہاں رہیں۔'' وہ ان کی رضامندی پر کچھ مطمئن ہوئی کہ وہ بھی اس گھر میں جانا نہیں چاہتے۔

''ابھی کچھ عرصہ تو وہاں رہنا پڑے گا' پھر میں دوسرے مکان کا بندوبست کرلوں گا' ہم لوگ وہاں شفٹ ہوجائیں گے۔'' نہریزہ نے ان کی بات پر چونک کر سر اٹھایا کیونکہ یہ تو ابو نے بہت اچھی اور معقول بات کی تھی' اب جانے کے بارے میں سوچا جاسکتا تھا۔

''پھر ٹھیک ہے' ابو میں چلوں گی مگر اس شرط پہ کہ آپ جلد دوسرے مکان کا بندوبست کرلیں گے۔'' وہ خوش ہوئی۔

''ہاں......ہاں تم فکر نہیں کرو۔'' شعیب خان نے مسکرا کے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کیونکہ وہ ان کی بات پر بہل گئی تھی اصل بات سے وہ ابھی واقف ہی نہیں تھی کہ سمیع خان اور حمیرا نے تو فوراً ہی آیان کے لیے نہریزہ کو مانگ لیا تھا' مگر وہ ابھی چپ تھے کیونکہ جب تک نہریزہ رضامند نہیں ہوگی وہ انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتے تھے۔

''ابو میں وہاں جاؤں گی تو کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھوں گی' جنہوں نے آپ کو دکھ و تکلیف دیئے۔'' وہ سارے حساب چکانا چاہتی تھی جس کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو محرومیوں کے حوالے کیا گیا تھا۔

''بیٹا معاف کردینے میں بڑائی ہے۔'' ان کی نگاہوں میں افسردگی اور لہجے میں حسرت پنہاں تھی۔

''میرا آپ جیسا دل نہیں ہے اور مجھے ان سے کوئی انسیت اور لگاؤ بھی نہیں۔'' روبینہ نے اس کی بات چوکھٹ پر کھڑے ہوکر سنی انہیں اس کی ہٹ دھرمی اور ضد پر بہت غصہ آرہا تھا۔

''یہ تمہارے باپ کا معاملہ ہے تم کون ہوتی ہو انہیں معاف نہ کرنے والی؟'' نہریزہ نے لب بھینچ لیے۔ شعیب خان نے اشارے سے انہیں چپ رہنے کو کہا۔

''آپ اس کی باتیں مانتے رہیے یہ اگر نہیں جانا چاہتی آپ کو اس کی پروا بھی نہیں کرنی چاہیے' ہم اس کے ماں باپ ہیں ہم جانتے اور سمجھتے ہیں اس کے لیے کیا اچھا اور کیا برا ہے۔'' نہریزہ بےزاری سے اٹھ گئی کیونکہ روبینہ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہی اسے سنارہی تھیں۔

''امی آپ کو تو پتہ نہیں کیا اچھا نظر آرہا ہے ان میں۔''

''بکواس بند کرو اور زبان بند رکھو۔'' وہ ڈانٹنے لگیں۔

''روبینہ کیوں بچی کے پیچھے پڑگئی ہو میں نے سمجھا دیا ہے

وہ چلنے کو تیار ہے۔" شعیب خان نے کہا۔

"نہریزہ تم جاؤ بیٹا اپنا کام کرو۔" وہ شعیب خان کے کہنے پر تیزی سے ان کے کمرے سے نکل گئی کیونکہ روبینہ کا نزلہ اس پر گرنے والا تھا۔

"کیوں آپ بہلا رہے ہیں اسے اپنا فیصلہ سنایئے۔" وہ برہم ہوتے بیڈ پر بیٹھیں۔

"ہر کام اور وقت کے لیے موقع ہوتا ہے جب موقع ہوگا میں اسے سمجھادوں گا جیسے ابھی سمجھا دیا ہے۔"

"آپ یہ بھی تو سوچیں بھابی اور بھائی صاحب نے اس کا رشتہ آیان کے لیے مانگا ہے اور اسے جب پتہ چلے گا کتنا ہنگامہ کرے گی۔" انہیں یہ بھی ڈراوے ہولا رہے تھے۔ پہلے سے وہ اس گھر جانے کو تیار نہیں اور شادی وہ بھی اس گھر کے لڑکے سے تو کبھی کرے گی ہی نہیں۔

"روبینہ ہم کچھ عرصہ تو وہاں رہیں گے مگر نہریزہ کی شادی سے پہلے دوسرے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔" وہ کچھ سوچ کے گویا ہوئے۔

"آپ کے بھائی کبھی بھی نہیں جانے دیں گے۔"

"مگر ہمیں اس گھر سے نکلنا ہوگا صرف نہریزہ کی وجہ سے ورنہ وہ کہے گی کہ میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا ایک بات اس کی ماننی ہوگی دوسری وہ پھر خود ہی ہماری مانے گی۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ مانے گی۔" وہ بھی ماں تھیں بیٹی کی نیچر سے واقف تھیں جو شروع سے ہی الگ مزاج کی تھی ہر ایک سے محتاط انداز میں ہی ملتی تھی۔

"ابھی تو تم دماغ پر زور نہیں دو اور ہاں رشتے کی بات نہریزہ سے نہیں کرنا۔"

"ہوں۔" انہوں نے گہری سوچ کے ساتھ سر ہلایا' شعیب خان نے اسی بات پر ہی تشکر بھرا سانس لیا تھا کہ وہ مان تو گئی تھی باقی کے معاملات انہوں نے اللہ پر چھوڑ دیئے تھے جہاں اتنا کیا تھا اس نے باقی کے بھی سارے حالات ٹھیک کردے گا۔

☆

"امی آپ لوگ ذرا صبر تو کرلیتے یہ کیا کردیا وہ ویسے ہی ہم سب سے خوش نہیں ہے اور مجھے دیکھ کر تو اس نے اول روز سے برے برے منہ بنائے تھے ساری زندگی کے لیے وہ مجھے کیسے برداشت کرے گی۔" آیان فکر اور پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔

"شادی کے بعد ساری لڑکیاں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔" وہ اطمینان سے گویا ہوئیں اور وہ خوش بھی بہت تھیں اس طرح ہی شاید ازالہ ہو جائے۔

"آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"تم دماغ پر زور نہیں دو' ہم جو بہتر سمجھ رہے ہیں وہ کر رہے ہیں۔" سمیع خان نے اس کی چپ پر اس کی پشت تھپکی۔

"کیسے دماغ پر زور نہیں دوں میں خود بھی اتنی جلدی شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"یہ بولو ناں۔" حمیرا نے جھٹ کہا۔

"دیکھو برخوردار تمہارے دماغ میں اگر کچھ اور چل رہا ہے تو اسے دفعہ کرو کیونکہ اس گھر میں میری بھتیجی ہی بہو بن کر آئے گی۔"

"میں نے ایسا کب کہا کہ کوئی اور لا رہا ہوں۔" اس نے بھی جواب میں کہا۔

"پھر یہ ساری بکواس کیوں کر رہے ہو؟"

"ابو آپ بات اور سچویشن کو سمجھئے۔" وہ انہیں سمجھانے لگا۔

"ہم سب سمجھتے ہیں شعیب اور روبینہ سے ہم نے سب طے کرلیا ہے شعیب یہاں شفٹ ہو جائے تو ہی سلسلہ آگے بڑھے گا۔"

آیان ہتھیلی پر مکہ مار کے رہ گیا کیونکہ وہ نہریزہ کے رویے کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا وہ انتہا سے زیادہ ان سب سے نفرت کرتی ہے اور شادی تو وہ شاید بھول کے بھی نہیں کرے گی وہ کھسیا کر ان کے کمرے سے ہی نکل گیا۔ عمیر بھائی کی استفہامیہ نگاہیں اس پر تھیں وہ خاصا پرسوچ لگ رہا تھا۔

"ارے کیا ہوا؟"

"جی...." آیان اچھل ہی گیا۔

"آجایئے کھانا لگ گیا ہے۔" عنیزہ بھابی کی بھی اسی دوران آواز آئی۔

"بھابی میں تو کھاؤں گا نہیں۔" وہ سیدھا ہو کے بیٹھا جبکہ عمیر کی جانچتی اور تشویش بھری نگاہیں اس پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

"تمہیں ہوا کیا ہے؟"

"یار بھائی جان امی اور ابو نے یہ کیا کردیا میرا رشتہ ایک دم سے چچا جان کی بیٹی سے......"

"کیوں تمہیں نہریزہ پسند نہیں؟" وہ معنی خیزی سے مسکرائے۔ آیان نے جھینپ کے پہلو بدلا' کیونکہ عنیزہ بھابی

بھی وہاں آ گئی تھیں اور وہ بھی مسکرا رہی تھیں۔

"میری پسند کو چھوڑیے اس کی پسند میں تو کیا اس گھر کا کوئی فرد بھی یقیناً نہیں ہوگا۔"

"تم اپنی سناؤ۔" وہ اسے چھیڑنے لگیں۔

"میری کیا سنتی ہیں امی اور ابو کی سنیے اور انہیں سمجھایئے یہ بے وقوفی نہیں کریں۔"

"یار تم تو ابھی سے ڈرنے لگے۔" عمیر کا لہجہ شرارتی اور معنی خیز ہوگیا۔

"میں ڈرتا ورتا نہیں ہوں۔" وہ کاؤچ سے اٹھ گیا۔ عمیر بھائی اور عنیزہ بھابی اس سے مزے لے رہے تھے۔

"ارے میں امی اور ابو کو تو بلا لوں کھانا لگ چکا ہے۔" بھابی کو یک دم ہی یاد آیا۔

آیان نے بھی ڈائننگ ہال کا رخ کیا وہ چپ چاپ کھانا کھا کر باہر نکل گیا' شعیب خان کے گھر وہ روز ہی جا رہا تھا آج اس نے جانا کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ دل اندیشوں اور وہموں کا شکار ہوگیا تھا یہ شادی کسی طرح بھی خوش کن ثابت نہیں ہوگی' سب سے پہلے وہ خود ہی اس شادی کے لیے تیار نہیں ہوگی اور آیان کو یہی سوچ پریشان کر رہی تھی اس کا انکار آیان کی توہین ہی ہوگا' رات گئے وہ گھر میں گھسا تھا سمیع خان کی درشت اور استفہامیہ نگاہوں نے اسے خاصی ناگواری سے دیکھا تھا' وہ جز بز ہو کر راہداری میں رک گیا۔

"برخوردار کہاں سے آوارہ گردی کر کے آ رہے ہو۔"

"جی وہ......" آیان حواس باختہ ہوا۔

"یہ تمہارے آنے کا وقت ہے پونے دو بج رہے ہیں۔" راہداری میں لگے اسٹائلش سے کلاک پر نگاہ مبذول کروائی۔

"گاڑی خراب ہوگئی تھی۔" اس نے جھٹ جھوٹ کا سہارا لیا اپنے بچاؤ کے لیے۔

"تھے کہاں' شعیب کی طرف بھی نہیں تھے۔" وہ اس کا جائزہ لے رہے تھے جو تھکا تھکا بھی لگ رہا تھا۔

"ابو واقعی گاڑی خراب ہوگئی تھی۔" وہ یقین دلانے لگا' مگر لہجے میں اس کے بے زاری اور جھنجلاہٹ تھی۔

"جاؤ تم صبح بات کروں گا۔" آیان نے خلاصی ملتے ہی اپنے روم کی سمت دوڑ لگائی' ابو کی عدالت میں کھڑے ہونا ایسا لگتا تھا جیسے پھانسی کا حکم مل جائے گا۔

"شکر بچت ہوگئی...... تھینک گاڈ" اس نے تشکر بھرا سانس لیا اور بیڈ پر ڈھیر ہوگیا۔ پورا وقت اس نے صرف نہریزہ کو ہی سوچا تھا' جسے اس کی زندگی میں شامل کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا تھا۔

☾......☆......☾

سمیع خان اور حمیرا نے اتنی جلدی مچائی کہ شعیب خان اور روبینہ کو مانتے ہی بنی اور دس دن کے اندر شفٹنگ بھی ہوگئی۔ نہریزہ کی کسی نے نہیں سنی یہاں تک کہ شعیب خان نے بھی' وہ اس سے نظریں تک نہیں ملا سکے اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہی کیونکہ آیان کی نگاہیں تمسخر جواڑا رہی تھیں۔ گھر بہت خوبصورت تھا اور ان کا پورشن بھی زبردست تھا' چھ کمرے اور اس پر ضرورت کی ہر چیز جو نہریزہ ثمرہ اور اسد نے خواب تک میں بھی نہیں دیکھیں تھیں۔

"آپی میرا کمرہ اتنا خوبصورت ہے اور تو اور آپی بیڈ اتنا آرام دہ ہے کہ کیا بتاؤں۔" ثمرہ تو یہاں آنے سے بہت خوش تھی۔

"میرا کمرہ تو آیان بھائی نے ڈیکوریٹ کروایا ہے۔" اسد نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

اور وہ دانت پیس رہی تھی۔ اسے یہاں آنے کی رتی برابر بھی خوشی نہیں تھی' روبینہ نے تو اسے اچھی خاصی جھاڑ پلائی تھی ورنہ تو اس کی زبان چلے ہی جا رہی تھی۔

"تم لوگوں کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کے غصے کا اظہار کیا۔

"تم تو ہو ناشکری کبھی نماز پڑھ کے دعا تک نہیں مانگی ناشکری اولاد اللہ نے بن مانگے سب دے دیا اسی کا ہی شکر ادا کرلو۔" روبینہ نے نہایت ناگواری سے سرزنش کی۔

ہال کمرے میں وہ لوگ بیٹھے تھے فرنیچر تک اعلیٰ ترین تھا جو سیٹ انہوں نے خود ہی کرلیا تھا' نہریزہ نے گھر کی ڈیکوریشن میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔

"جانے کیوں ہر وقت ان کا منہ ہی بنا رہتا ہے۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو تم تو خوش ہو اور ہوتی رہو۔" وہ ثمرہ کو ڈپٹ کے خود پاؤں پٹخ کے چیئر پر بیٹھ گئی۔

"ارے بھئی روبینہ چائے ہی پلا دو۔" شعیب خان ہاتھ میں اخبار لیے وہیں کاؤچ پر بیٹھ گئے ان کی جانچتی نگاہیں منہ پھلائے نہریزہ پر بھی تھیں جس نے یہاں آ کے کسی کام تک کو ہاتھ نہیں لگایا تھا' کسی چیز کو بھی چھونا اپنی توہین سمجھ رہی تھی۔

"چائے کا اپنی لاڈلی سے کہیے میں بہت تھک گئی ہوں کام

میں اس نے ذرا بھی ہاتھ نہیں بٹوایا میرا۔" وہ ساتھ ہی شکوہ بھی کرنے لگیں۔

"ابو آپی نے تو قسم کھائی ہوئی ہے اس گھر کی کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگانے کی۔" اسد کو بھی اپنی بہن کی اس بے رخی اور سرد مہری پر افسوس ہورہا تھا۔

نہریزہ نے پہلو بدلا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

"اسلام علیکم۔" عائشہ کی چہکتی مسکراتی آواز آئی وہ سب ہی چونکے۔

"وعلیکم السلام!" شعیب خان اور روبینہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"امی ابو اوپر آرہے ہیں ساز وسامان کے ساتھ۔" اس کی نگاہوں اور آواز میں شرارت تھی اس نے معنی خیزی سے نہریزہ کو بھی دیکھا جو ناگواری سے منہ بنا کر اندر چلی گئی۔

"نہریزہ باجی تو ہم سب سے ناراض ہیں۔" وہ کچھ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"تمہارے گھر آجائیں گی تو ساری ناراضگی ختم ہوجائے گی۔" ثمرہ نے گویا اسے یقین دلایا۔

"بھائی صاحب اور بھابی ابھی آرہے ہیں؟"

"جی چچی جان اور ہاں نہریزہ باجی کو امی انگوٹھی بھی پہنائیں گی۔" اس نے مزید تفصیل بتائی۔

شعیب خان نے پہلو بدلا کیونکہ انہوں نے نہریزہ سے ابھی تک ذکر ہی نہیں کیا تھا اچانک سب پتہ چلے گا تو نجانے اس کا ردعمل کیا ہو؟ سمیع خان، حمیرا اور عنیزہ بھابی بھی ایشل کو اٹھائے چلی آئی تھیں، عمیر بھائی کے ہاتھ میں ڈبے اور دیگر سامان تھا آیان نہیں تھا۔

"شعیب ہمیں تو جلدی ہے بلاؤ ہماری بیٹی کو۔" حمیرا بڑے صوفے پر ہی بیٹھ گئیں۔ عمیر بھائی نے سارا سامان سینٹرل ٹیبل پر رکھ دیا عنیزہ بھابی سے ایشل کو اسد نے گود میں لے لیا۔

شعیب خان نے روبینہ کی طرف دیکھا جو تذبذب کا شکار تھیں، اچانک سے اسے بلا کے لائیں گی تو جانے ان سے کہیں بدتمیزی ہی نہ کردے۔

"ایسا کریں نہریزہ بیٹی کے کمرے میں ہی چل کے رسم کرلیتے ہیں۔" سمیع خان جیسے ساری سچویشن سمجھ رہے تھے ان کی بھتیجی ناراض تھی اسے منانا بھی تو تھا۔

"میں بلاتی ہوں آپ لوگ بیٹھیے۔" روبینہ نے جھٹ کہا۔

اتنے میں نہریزہ خود ہی چلی آئی وہ پانی پینے آئی تھی ان سب کو یوں سامنے دیکھ کر گڑبڑا سی گئی سلام وہ کیا کرتی عنیزہ بھابی نے اس کی کلائی پکڑی اور حمیرا کے ساتھ ہی صوفے پر بٹھادیا۔ وہ ہکابکا سی ان سب کو حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ عنیزہ بھابی نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھائی، حمیرا نے اس کا منہ میٹھا کروایا وہ تو سکتے کی سی کیفیت میں تھی اس کے ہاتھ کی انگلی میں خوبصورت سی ہیرے کی انگوٹھی بھی پہنادی گئی تھی۔ مبارک سلامت کا شور ہوا اور وہ جھٹکے سے اٹھی اور سیدھی اندر اپنے روم میں بند ہوگئی۔

شعیب خان اور روبینہ جز بز سے ان کے سامنے تھے۔

"تھوڑا ناراض ہے بعد میں ٹھیک ہوجائے گی۔" حمیرا کے لہجے میں یقین تھا وہ مطمئن تھیں اور مسکرا بھی رہی تھیں۔

"بھابی ہم نے ابھی تک اسے بتایا نہیں تھا۔"

"شعیب کوئی بات نہیں تم اسے بتاتے تو شاید وہ انکار کردیتی ابھی اس نے کوئی بھی لفظ انکار میں نہیں نکالا۔" شعیب خان اپنی بھابی کی بات پر مطمئن تو نہیں البتہ بے چین ضرور ہوگئے تھے ان کا دل گھبرانے لگا تھا۔

"شعیب......شعیب......" سمیع خان نے ان کی حالت دیکھ لی تھی۔ وہ عجیب بے ہوشی کی سی کیفیت میں ہونے لگے روبینہ تو دھک سے رہ گئیں سب ہی ان کے پاس آگئے۔

نیچے سے آیان بھی آگیا، عمیر بھائی ڈاکٹر کو لینے چلے گئے تھے۔ آیان نے انہیں ان کے روم میں لی جاکر لٹایا۔ ثمرہ اور اسد دونوں ہی رونے والی صورت لیے کھڑے تھے حمیرا نے دونوں کو چپ کرایا۔

"ٹھیک ہوجائیں گے تم پریشان نہیں ہو۔"

ڈاکٹر آگئے تھے، ان کا بلڈ پریشر چیک کیا، دل کی دھڑکن بڑھی ہوئی تھی ذہنی دباؤ کا شکار بتایا تھا۔

"انہیں آرام کرنے دیں، کوئی ٹینشن نہیں دیں۔" ڈاکٹر دوائیوں کے ساتھ ہدایت بھی دے رہے تھے۔

"سب سے بڑی ٹینشن تو ان کی بیٹی ہے۔" آیان نے سلگ کے سوچا۔

وہ روم سے نکل کے آگئی تھی اور شعیب خان کے سرہانے بیٹھ گئی تھی۔ آیان نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا جس کے چہرے سے بخوبی اندازہ ہورہا تھا وہ تپی ہوئی ہے۔

"چچا جان آپ کو تو خوش ہونا چاہیے تھا الٹا فکر شروع کردی۔" عمیر بھائی مسکرا کے بولے۔ نہریزہ نے پہلو بدلا اور وہاں سے اٹھ گئی' سب نے ہی اس کی اس حرکت کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"چچا جان کو اسی طرح ٹینشن دیتی رہوگی۔" اس نے راہداری میں ہی روک لیا۔ نہریزہ نے خاصی ناگواری سے دانت پیسے اور انگوٹھی اتار کے اس کے اوپر اچھال دی۔

"مجھے یہ رشتہ قطعی قبول نہیں' جنہوں نے میرے باپ کو دل کا مریض بنادیا ان سے میں رشتہ جوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔" زہرخند لہجے میں بولتی وہ آیان کو تپا گئی۔

"دل کا مریض ہم نے نہیں تم بنارہی ہو۔" وہ سلگ کر بولا' مسٹرڈ پرنٹڈ لینن کے کپڑوں میں اس کی شہابی رنگت غصے سے تمتمارہی تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ دھاڑی۔ اندر سب لوگ موجود تھے' ان دونوں کی مڈبھیڑ کا کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔

"سنو تم زیادہ اکڑ نہیں دکھاؤ۔"

"میرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کرسکتا۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے تم سے شادی کا وہ تو امی اور ابو کی ضد ہے۔"

"یہ ضد نہیں بلکہ ازالہ کرنا چاہتے ہیں' میرے ابو کو محرومیوں کے حوالے جو کیا ہے اس کا بدلہ اتار رہے ہیں۔"

"تم اپنی گھٹیا سوچ اپنے پاس ہی رکھو۔" آیان نے خونخوار لہجے میں اس کی بات کی نفی کی جو تنازہر سب کے لیے اپنے دل و دماغ میں جمع کرکے رکھے ہوئے تھی۔

"میری گھٹیا سوچ ہے تو اپنے گھر والوں کو منع کریں مجھ سے رشتہ کرنے کی غلطی نہیں کریں۔"

"ہاں منع کردوں گا۔" وہ بھی تیز لہجے میں گویا ہوا۔ "لیکن ایک بات یاد رکھنا زیادہ اکڑ اللہ کو بھی پسند نہیں ہے' وہ اوندھے منہ بھی تمہیں گراسکتا ہے۔" نہریزہ نے دانت پیسے آگے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا اور وہاں سے چلی گئی۔

آیان کو اس کی سوچ اور باتوں پر دلی افسوس ہورہا تھا جو صرف بدلے کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ بڑوں کا یہ فیصلہ کہیں اس کی زندگی ہی خراب نہ کردے' وہ اگر انکار بھی کرے گا تو شعیب خان کو دکھ ہوگا اور وہ انہیں اپنی ذات سے کوئی دکھ و تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا اور پھر امی کی شدید خواہش تھی نہریزہ ہی اس گھر کی بہو بنے مگر نہریزہ ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی اسے تو سب سے نفرت تھی۔ ابو نے اسے سمجھادیا تھا نہریزہ اس سے کتنا بھی غلط رویہ رکھے مگر جواب میں اسے کوئی ردعمل نہیں دکھانا...... چپ رہ کر برداشت کرنا ہوگا' ایک نہ ایک دن وہ ٹھیک ہوجائے گی۔

"کیا بات ہے تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" عنیزہ بھابی کچن میں چائے بنانے جارہی تھیں اسے ہال کمرے میں گم صم کھڑے دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"آپ کی ہونے والی دیورانی صاحبہ گولے بارود برسا کر گئی ہیں۔" اس نے طنز کے ساتھ بتایا۔

"ظاہر ہے اسے اچانک سے رشتے کا پتہ چلا ہے تو کوئی تو ری ایکشن دکھائے گی۔" وہ ہنسی۔

"مجھے اس وقت چچا جان کی طبیعت کی فکر ہے...... جوان کی بیٹی کو تو ذرا نہیں ہے۔" اس نے نہریزہ کے بیڈروم کے دروازے کو دیکھا۔

"وقت کے ساتھ سنبھل جائے گی تمہیں تحمل اور صبر سے کام لینا ہوگا۔"

"اونہہ...... وہ تو پہلے ہی اپنی تضحیک پر سلگ رہا تھا بس چلتا تو نہریزہ کے دو طمانچے رسید کردیتا جو بے تکان اور فضول بول کے گئی تھی۔

"چچا جان کی دوائیاں لینے جارہا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گیا مگر اس کا دل و دماغ الجھ کے رہ گیا تھا' آخر ہوگا تو کیا ہوگا؟

☾......☆......☾

اس کی ایک ہی رٹ اور ضد تھی آیان سے شادی نہیں کرے گی اور اس گھر کے کسی شخص سے بھی وہ بات تک کرنے کی روادار نہیں تھی۔

"نہریزہ اپنے ابو کی حالت کا خیال کرلو صرف تمہاری فکر میں ان کی یہ حالت ہے وہ یہی کہے جارہے ہیں اس رشتے سے منع کردیں گے صرف تمہاری خوشی کے لیے مگر یہ بھی تو سوچو بعد میں وہ کتنا پریشان ہوں گے تمہارے انکار سے' انہیں اتنے عرصے بعد خوشیاں ملی ہیں اور تم انہیں فکر و پریشانیوں میں مبتلا کررہی ہو۔"

"میں کررہی ہوں امی ان سب نے پہلے سے ہی مبتلا کیا ہوا تھا' مجھے کیوں کہہ رہی ہیں؟" وہ روہانسی ہوگئی۔

''انہوں نے معافی مانگ لی ہے تو کیا تمہارے ابو معاف نہیں کرتے۔'' انہوں نے اس کی ضد اور اکڑ پر بغور دیکھا جوٹس سے مس نہیں ہورہی تھی۔

''ابو نے اتنی جلدی کیسے معاف کردیا۔''

''حالات کے تقاضے تھے۔'' شعیب خان اٹھ کے آ گئے تو وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔

''میں کوئی زبردستی نہیں کروں گا تم نہیں چاہتی تو میں بھابی اور بھائی صاحب سے معذرت کرلیتا ہوں۔'' ان کے لہجے اور آواز میں افسردگی اور تھکاوٹ تھی۔ نہریزہ نے چونک کے سر اٹھایا وہ کتنے رنجور اور دل گرفتہ بھی لگ رہے تھے۔

''سارے فیصلے اس کے ہاتھ میں دے دیں۔'' روبینہ کو غصہ ہی آ گیا۔

''روبینہ تم چپ تو رہو۔'' انہوں نے ڈانٹا۔

''نہریزہ بولو میں انکار کردوں؟'' نہریزہ کی حالت ایسی ہورہی تھی کہ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

''مگر اس نے انکار کیا تو ساری زندگی میں اس سے بات نہیں کروں گی۔'' روبینہ غصے میں کہہ کر اپنا اٹل فیصلہ سنا کے چلی گئی۔

نہریزہ متوحش سی ہوگئی ایسی سزا تو وہ ساری زندگی برداشت نہیں کرسکے گی۔

''کیا بےوقوفوں والی بات کرتی ہو۔'' شعیب خان نے بھی تیز لہجے میں انہیں سرزنش کی۔

''میں صحیح کہہ رہی ہوں اسے نہ باپ کا احساس ہے اور نہ ہی کسی اور رشتے کا' اسے تو صرف اپنی پڑی ہے۔'' نہریزہ نے زور زور سے رونا شروع کردیا اس کا دل ہی نہیں مان رہا تھا اس رشتے کو کیسے قبول کرے۔

''تم نے رلادیا اسے۔'' شعیب خان نے اسے اپنے شانے سے لگایا اور وہ ان کی شفقت اور محبت پر پھوٹ پھوٹ کے رودی' کوئی بھی اسے نہیں سمجھ رہا تھا یا پھر اس کے اندر ضد اور انا ایسے پنجے گاڑ کے بیٹھے تھے جو اسے کچھ بھی مثبت سوچنے ہی نہیں دے رہی تھی۔

''ابو مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ روبینہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا کیونکہ یک دم اس کا مثبت فیصلہ انہیں خوش کرگیا تھا۔

''بیٹا تم پر زبردستی نہیں ہے۔'' انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا۔

''ارے زبردستی تو آپ کررہے ہیں اس کے ساتھ' جب وہ رضامند ہے تو ٹھیک ہے کیوں اسے متزلزل کررہے ہیں۔'' روبینہ نے شعیب خان کو گویا ٹوکا۔ نہریزہ کو اس وقت اپنی ماں خودغرض لگ رہی تھی' جنہیں اس کی تو ذرا مطلق پروا نہ تھی۔

''ابو زبردستی راضی ہوں یا کسی اور وجہ سے' میں نے کہہ دیا ہے میں تیار ہوں اور پلیز مجھ سے مزید اس پر کوئی بات نہ کی جائے۔'' شعیب خان نے افسردہ اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا جو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے روئے جارہی تھی انہوں نے روبینہ کو بھی گھورا جو خود منہ پھیرے بیٹھی تھیں۔

اس نے رضامندی کیا دی ثمرہ اور اسد تو خوشی سے اچھلنے لگے اور عائشہ کو بھی بلا لیا مگر نہریزہ نے ان سب کا بائیکاٹ کردیا تھا۔

''چچی جان نہریزہ باجی تو اندر ہی بند ہیں۔'' عائشہ اس سے ملنا چاہ رہی تھی جو کسی سے ملنا تو کیا دیکھنا تک نہیں چاہتی تھی۔

''سر میں درد تھا میں نے کہا آرام کرلو کیونکہ ثمرہ اور اسد نے اتنا او دھم مچایا ہوا تھا۔'' انہوں نے گویا عذر پیش کیا۔

''ارے تمہارے گھر آ جائے گی تم جتنا دل کرے باتیں کرنا۔'' ثمرہ نے بھی ہنس کے کہا تاکہ اس کی اداسی کم ہوجائے۔

''ہوں یہ ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہوگئی۔

حمیرا نے رات میں ہی آ کر شادی کی تاریخ فکس کرلی۔ تین مہینے بعد رمضان تھے وہ اس سے پہلے ہی شادی کرنا چاہ رہی تھیں۔

''بھابی آپ نے اتنی جلدی کیوں رکھ لی ان پچیس دنوں میں تیاری کیسے ہوگی۔'' روبینہ تو گھبرا ہی گئیں۔

''تمہیں تیاری کرنے کی ضرورت نہیں گھر کی بات ہے سارا کچھ میں کروں گی کوئی ضرورت نہیں ہے جہیز وغیرہ کے چکر میں پڑنے کی۔'' انہوں نے تو صاف منع کردیا۔

روبینہ ہنسنے لگیں۔

''ساری تیاری میں نہریزہ کی پسند سے کروں گی۔'' وہ بہت خوش تھیں۔

''بھابی آپ اپنی پسند سے کیجیے گا نہریزہ ساری زندگی اپنی ہی پسند کا پہنے گی۔'' روبینہ نے جھٹ کہا کیونکہ نہریزہ کے مزاج کو جانتی تھیں حمیرا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

شادی کی تیاریوں کا ٹاپک چھیڑا تھا تو عنیزہ بھابی نے یہ خبر آیان کو دے دی تھی۔

☆......☆......☆

دونوں گھرانوں میں تیاریاں شروع ہوگئی تھیں، حمیرا اور روبینہ ساتھ ہی نکل جاتی تھیں کبھی عنیزہ بھابی روبینہ کے ساتھ جاتی تھیں، لگتا تھا دونوں گھرانوں میں برقی رو دوڑ گئی ہو۔ شعیب خان کی بھی طبیعت پہلے سے بہتر ہوگئی تھی انہوں نے اپنا آفس بھی جوائن کرلیا تھا، مگر آیان کو انہوں نے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا، کافی عرصے بعد وہ اپنی سیٹ پر بیٹھے تھے انہیں انجانی خوشی کا احساس ہورہا تھا، اسعد کو اپنی پڑھائی مکمل کرنے میں ٹائم لگتا اس لیے انہوں نے آفس کی ذمے داری آیان پر ہی ڈال دی تھی۔ عمیر بھائی سمیع خان کے آفس کو سنبھالے ہوئے تھے۔

"بھابی گرم گرم چائے ملے گی، سچ بہت درد ہورہا ہے سر میں۔" پورا دن آفس میں اتنا بزی رہا کہ کھانے اور آرام تک کا ہوش نہیں رہا تھا۔

عنیزہ بھابی اپنی اور نہریزہ کی شاپنگ کی کئی چیزیں پھیلائے بیٹھی تھیں ہر چیز مہنگی ترین اور اعلیٰ قسم کی تھی۔ حمیرا بغور ساری چیزوں کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔

"بھابی پلیز چائے۔" وہ انہیں اسی طرح چیزوں میں منہمک دیکھ کر ذرا غصیلے انداز میں بولا۔

"ارے یہ ابھی خود تھکی ہوئی آئی ہے صابرہ سے کہو وہ چائے پکادے ہم لوگ بھی پئیں گے۔" حمیرا نے کہا۔

"امی پلیز اس کے ہاتھ کی چائے تو میں قطعی نہیں پیوں گا جوشاندہ بناتی ہے۔" وہ چڑ کے اٹھنے لگا۔

"اچھا......اچھا منہ کیوں بگاڑتے ہو یہ چیزیں دیکھو نہریزہ شادی، ولیمے کا ڈریس۔" عنیزہ بھابی نے اس کا بازو پکڑا جو بدمزہ ہوکر اٹھ رہا تھا۔

"میں دیکھ کر کیا کروں گا۔" وہ لاتعلقی اور سرد مہری ہی دکھانے لگا۔

"آیان مجھے تو تمہاری طرف سے فکر ہے کہیں بعد میں تم بچی کے ساتھ الٹی سیدھی بات نہ کرو۔"

"سب کو اس بچی کی ہی فکر ہے اپنے اس چھ فٹ کے بچے کی ذرا فکر نہیں جو رات دن کام کرکر کے کتنا تھکا اور کمزور ہورہا ہے۔" وہ خاصا چڑا ہوا اور جھنجلایا ہوا تھا کیونکہ نہریزہ کا رویہ اسے اور ہی چڑ چڑا کررہا تھا۔

"تمہاری بھی فکر ہے۔" حمیرا نے اس کی بے زاری کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔

"امی میرے خیال میں اس کے لیے چائے لے آؤں۔" بھابی کو اس کی صورت پر ترس آنے لگا۔

"تم تو بیٹھ جاؤ آرام سے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہیں لاؤنج میں بیٹھ گیا کارپٹ پر صوفوں اور کاؤچ پر سارا سامان بکھرا پڑا تھا، اس نے اچٹتی نگاہ سرخ لہنگے پر ڈالی جو موتی ستاروں اور نگینوں سے جھلملا رہا تھا۔

"اچھا لگ رہا ہے۔" حمیرا نے اس کی چوری پکڑی اور معنی خیزی سے مسکرا کے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ......آپ لائی ہیں آپ کو اچھا لگ رہا ہوگا۔"

"عجیب سڑیل مزاج ہوگیا ہے۔"

"امی آپ اتنی بیمار شیمار تھیں نہریزہ کے آنے سے لگتا ہے آپ تو بھول ہی گئیں اپنی بیماری۔"

"بدتمیز ماں پر طنز کررہا ہے اگر میں خوشی میں اٹھ کر بیٹھ گئی ہوں، بیماری میری دور چلی گئی ہے تو بری لگ رہی ہوں۔" وہ برا مان گئیں۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ خجل ہوا۔

"خوب مطلب سمجھتی ہوں، تمہیں چڑ ہورہی ہے تمہارے ماں باپ نے زبردستی یہ رشتہ کردیا ورنہ تم نے تو اپنی پسند سے کرنی تھی۔"

"امی نے یہ بھی ٹھیک کہا۔" عائشہ نے بھی گویا تائید کی۔ جو ابھی ابھی شعیب خان کے پورشن سے آئی تھی اس کا زیادہ قیام ان کی طرف ہی ہوتا۔

"تم چپ کرو۔" اس نے عائشہ پر کشن اچھالا۔ عنیزہ بھابی نے چائے پکادی تھی صابرہ ٹرالی میں لوازمات بھی سجائے لے آئی۔

"شکر ہے بھابی آپ کو میرے کھانے کا بھی خیال آیا۔" اس نے نمکو اور سینڈوچ دیکھ کر خوشی سے کہا اور سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

"صابرہ تم بھابی سے چائے پکانا سیکھ لو۔"

"اسے کیوں کہتے ہو تمہاری بیگم آرہی ہے نا اس سے روز اپنی مرضی سے پکوانا۔" بھابی نے شرارتی لہجے میں معنی خیزی سے کہا اور ہنسنے لگیں۔

"وہ کوئی اس کی ملازمہ بن کے نہیں آرہی ہے۔" حمیرا نے

جھٹ کہا۔ وہ سینڈوچ پلیٹ میں رکھ کے غصے سے کھڑا ہوگیا اور پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"اسے تو سیدھی بات بھی الٹی لگتی ہے۔"

"امی آپ نے بھی تو انہیں کھانے کے دوران سنانا شروع کردیا۔" عائشہ کو اپنے بھائی کا خیال آنے لگا۔ عنیزہ بھابی بھی لب بھینچ کے رہ گئیں۔

"بھابی میں دے آتی ہوں چائے۔" عائشہ نے چائے کا کپ اٹھایا اور سینڈوچ بھی پلیٹ میں رکھے اور لے گئی۔ حمیرا کو بھی احساس ہوا انہوں نے اسے کچھ زیادہ ہی سنا دیا تھا ویسے ہی وہ چڑا ہوا تھا۔

☆

مہندی مایوں وغیرہ کے بعد شادی کا دن بھی آن پہنچا' وہ مہنگے اور مشہور ترین پارلر سے تیار ہوئی تھی' قیمتی ڈریس میں کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی اپنا آپ کئی دفعہ قدآدم آئینے میں دیکھ کر حیران تھی اتنی خوبصورت وہ بھی لگ سکتی ہے اور اس کی شادی ایسے شاندار طریقے سے ہوگی اس نے تو یہ کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ نکاح کے وقت آنسو اس کے رخسار پر لڑھکنے لگے کتنا مشکل مرحلہ تھا اس نے آیان کو قبول کرلیا تھا مگر اس کے ہونٹوں پر چپ کی مہر ثبت تھی۔ اصلی پھولوں سے جدید طرز پر سجایا گیا اسٹیج منفرد اور نمایاں تھا مووی اور تصویروں میں اس کے پوز قید کیے جارہے تھے۔

عائشہ تو اپنی پنک میکسی میں اس کے دائیں بائیں گھوم رہی تھی' خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی آیان نے تیکھے چتون اور تنقیدی نگاہوں سے دیکھا جو چہرے پر تناؤ رکھے ہوئے تھی' کسی کی جانب بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ روبینہ کو اس کی چپ سے گھبراہٹ ہورہی تھی جس نے بات کرنا ہی بند کردی تھی' ثمرہ اس کے کان میں مسلسل کچھ کہہ رہی تھی مگر اس میں تو جیسے جنبش ہی نہیں ہورہی تھی۔

ڈنر ہوا اور پھر رخصتی کا لمحہ آگیا' شعیب خان نے اسے گلے لگاتے ڈھیروں دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا جبکہ وہ ایک پورشن سے دوسرے پورشن میں ہی جارہی تھی۔ پھر بھی بیٹی کی جدائی پر وہ افسردہ سے ہوگئے تھے۔ اسے سیدھے آیان کے سجے سجائے بیڈروم میں لاکے بٹھادیا گیا تھا' تھکن سے برا حال تھا طائرانہ نگاہ بیڈروم پر ڈالی ہر جگہ مختلف اقسام کے پھول ہی پھول تھے' بھینی بھینی مسحور کن خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی ایک طرف ٹرالی میں لوازمات رکھے تھے' اس نے نخوت سے منہ ہی پھیر لیا کچھ بھی اسے خوش نہیں کررہا تھا' زبردستی دل کے منافی اس نے یہ سب قبول کیا تھا۔

اپنے نازک ہاتھوں کو دیکھا حنائی رنگ بھی خوب آیا تھا' وہ سیدھی ہوکر بیٹھی ہی تھی کہ آیان کھنکار کے اندر آیا۔ نہریزہ نے ناگواری سے منہ دوسری طرف کرلیا جو آیان نے بغور دیکھا۔

"پسند آیا بیڈروم؟"

"آپ کا بیڈروم ہے آپ کو پسند آنا چاہیے۔" سرد مہری رکھائی اور ناگواری سے جواب دیا۔ آیان کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"یہ اب آپ کا بھی ہے۔" وہ بولا۔

"جنہوں نے اپنوں کو دور کیا ہو وہ مجھے کیا اپنائیں گے۔" طنز میں ڈوبا تیر اچھالا۔

"تم ابھی تک اسی کو لے کے بیٹھی ہو۔" اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھا اور نہریزہ کے سجے سنورے روپ کو آنکھوں میں جذب کرنے لگا' جس پر ٹوٹ کے روپ آیا تھا جو اتنی خوبصورت اور حسین لگ رہی تھی وہ مبہوت زدہ ہی رہ گیا تھا۔

"ابو نے چاہا ہے آپ سب کو معاف کردیا ہو میں کبھی نہیں کروں گی......" وہ اپنا لہنگا سنبھال کے اس سے دور ہوئی۔ آیان لب بھینچ کر رہ گیا' اس وقت شب زفاف کے جو تقاضے تھے وہ شاید اس کا سرور اپنے اوپر طاری کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے میں بھی دیکھنا مزا چکھاؤں گا اس ہٹ دھرمی کا۔" وہ بھنا کے اٹھا اور وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالے۔ نہریزہ اس کا پیچ وتاب کھانا محسوس کرچکی تھی جانے کیوں اس کے دل کو سکون ملا۔ وہ چینج کرکے آگیا تھا۔ وہ بھی بیڈ سے اٹھی بھاری بھرکم ڈریس چوڑیوں کی جلترنگ خاموش ماحول میں عجیب نغمگی بکھیرنے لگی تھیں۔ اس نے وارڈ روب کھولنی چاہی مگر اس میں لاک تھا اور چابی بھی نہیں تھی' اس نے مڑ کے آیان کو دیکھا جو تکیہ سیدھا کرتے لیٹ چکا تھا۔

"مجھے کپڑے نکالنے ہیں اس کی چابی کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتہ کہاں ہے؟" غصے سے درشت لہجے میں کہا' نہریزہ نے لب کچلے کیونکہ وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھی اپنے بھاری کپڑوں میں تو وہ فارمل ہوکر ہی رہ سکتی تھی اور پھر خود لاچاری سے بڑے صوفے پر بیٹھی چوڑیاں اتاریں جیولری اتاری اسے کچھ سکون ملا۔ وہ بیڈ پر ہی سکڑ سمٹ کے لیٹ گئی۔

آیان نے ذرا سا اٹھ کر اسے دیکھا۔
''انتہا سے زیادہ ضدی واقع ہوئی ہے۔'' اسے تو غصہ آ رہا تھا جلتا کلستا سو گیا تھا۔ صبح وہی سب سے پہلے اٹھی اور اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگی پھر کچھ دیر میں انٹر کام کی بیل بجی تو وہ اچھل گئی' آیان کی اسی دوران آنکھ کھل گئی انٹر کام بیڈ کی سائیڈ پر ہی رکھا تھا۔
''جی اچھا' کچھ دیر میں آتا ہوں' جی ہاں اٹھ گئی ہیں۔'' آیان نے سامنے صوفے پر سکڑی سمٹی نہریزہ کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد انٹر کام پر ہی کسی کو بتایا۔
''آپ کو آنے کی ضرورت نہیں میں خود کہہ دوں گا۔'' بات کر کے ریسیور رکھا اور بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا نخوت اور ناگواری سے نہریزہ نے منہ پھیر لیا اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ رینگ گئی۔
''مجھے کپڑے نکالنے ہیں واڈروب کھولیے؟'' تڑخ کے غصہ سے گویا ہوئی۔ وہ مسکراتا ہوا واڈروب تک آیا اور اپنے کپڑوں کی پاکٹ سے چابیاں نکال کر اس میں لگا دیں۔ وہ بھی اس سے مزید بات کیے بغیر کپڑے نکالنے لگی' اس کے سارے کپڑے اسٹائلش اور قیمتی تھے وہ سوچنے لگی کون سے پہنے۔
''زیادہ سوچو نہیں جو دل کرے پہن لو۔'' آیان اس کی سوچوں کو پڑھ گیا تھا وہ جز بزسی ہو گئی۔ جب تک وہ بھی نہا کر تیار ہو گیا وہ بھی کپڑے اٹھا کے واش روم میں جانے لگی' وہ راہ میں حائل ہوا آنکھوں میں خمار لیے معنی خیزی سے مسکرانے لگا۔
''ہٹیے راستے سے۔'' لہنگے کا دوپٹہ بمشکل شانوں پر سنبھالا اور اس سے نگاہ چراتے ہوئے حیا کے حصار میں لپٹی گویا ہوئی۔ وہ شرافت سے ہٹ گیا۔ پرپل اسٹائلش سے ٹراؤزر اور شرٹ میں وہ حسین پری لگ رہی تھی۔
''نیچے چلیں آپ کے گھر والے آئے ہوئے ہیں۔''
''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' وہ ازلی ہٹ دھرمی لیے جم کے اکڑ کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے سوچ لیا تھا اپنے گھر کے کسی فرد سے وہ نہیں ملے گی نہ ہی بات کرے گی۔
''نہریزہ چچا جان آئے ہیں۔'' آیان کو اس کی حرکت پر غصہ آیا۔
''آپ کو جانا ہے جائیے' مجھے کسی سے نہیں ملنا۔'' رکھائی سے بولی۔

آیان کو اس کی بدتمیزی آگ لگا رہی تھی مگر امی ابو کی نصیحت کے آگے وہ اندر ہی اندر کھولتا روم سے نکل گیا' جانے اس نے نیچے جا کے کیا کہا عنیزہ بھابی اسے بلانے چلی آئی تھیں۔
''پلیز میرے سر میں درد ہے میں آرام کروں گی۔'' وہ آنکھوں پر ہنوز بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ بھابی خفیف سی ہو کر رہ گئیں۔
''نہریزہ سب تمہارے ساتھ ناشتے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔''
''میری کب سے کسی کو پروا ہونے لگی پلیز مجھے تنگ نہیں کریں۔'' وہ بول رہی تھی۔ روبینہ اور ثمرہ اس کے روم میں ہی آ گئیں خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا روم ثمرہ کو بہت اچھا لگا۔
''نہریزہ کیوں نہیں آ رہی ہو۔'' روبینہ کے لہجے اور آواز میں درشتگی تھی۔ عنیزہ بھابی جان بوجھ کے وہاں سے چلی گئی تھیں کیونکہ روبینہ خاصی برہم لگ رہی تھیں۔
''آپ جو چاہتی تھیں ہو گیا' مجھ سے آگے کی توقع نہیں رکھیں کیونکہ آپ نے اپنی بیٹی کی خوشی نہیں دیکھی میں کسی سے بات تک نہیں کروں گی۔'' وہ رونے لگی۔
''آپی ایسی باتیں تو نہیں کریں۔'' ثمرہ کو بھی دکھ ہوا۔
''میں ایسی ہی باتیں کروں گی۔''
''تمہیں پتہ ہے تمہاری یہ حرکت کتنا غلط اثر ڈالے گی۔'' روبینہ اسے سرزنش کرنے لگیں۔
''کچھ بھی ہے مجھے کچھ نہیں سوچنا۔'' وہ منہ پھیر کر لیٹ گئی۔
روبینہ کا دل یک دم ہی افسردہ ہو گیا وہ تو سمجھی تھیں شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گی مگر اس کا غصہ ہنوز برقرار تھا' وہ مایوسی سے اس کے روم سے نکل گئی تھیں۔ عنیزہ بھابی ملازمہ کے ساتھ اس کا ناشتہ لے آئی تھیں جو اس نے دیکھا تک نہیں تھا۔ آیان کا تو غصے کے مارے برا حال تھا جسے بڑوں کی عزت تک کا خیال نہیں تھا' شعیب خان بھی افسردہ دل کے ساتھ واپس گئے تھے اس نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

☾.....☆.....☾

شاندار ولیمہ بھی اس کا ایسے ہی گزر گیا' عائشہ کو تو اس کا رویہ دکھ دینے لگا تھا جو اس کی فرینڈز سے بھی نہیں ملی تھی۔ ولیمے کے بعد دعوتیں ہونے لگی تھیں اس نے ان میں بھی جانے سے انکار

کردیا تھا۔ نہریزہ کو اپنی خالہ یاد آنے لگیں جو اس کی شادی میں بھی نہیں آسکی تھیں ان سے ہی کہہ کر وہ شادی رکواسکتی تھی مگر بچوں کے اسکول کی وجہ سے وہ نہیں آئی تھیں۔

''کب تک یہ سوگ چلے گا۔'' آیان کو اس کی چپ سے سخت کوفت اور بےزاری ہونے لگی تھی۔

''میں کوئی سوگ نہیں منارہی۔'' وہ ہر وقت اپنے روم میں ہی رہتی تھی گھر کے کاموں کے لیے ملازم تھے۔

''ہماری شادی کو ایک مہینہ ہونے والا ہے مگر تمہارے رویے میں ذرا فرق نہیں آیا۔'' وہ آفس سے سیدھا اپنے بیڈروم میں ہی آیا تھا' اس کی تو جان سلگ کے رہ گئی وہ حسب معمول اپنی ضد پر ڈٹی ہوئی تھی۔

''فرق آئے گا بھی نہیں۔'' ناگواری سے گویا ہوئی۔

حمیرا اس سے کتنا کہتی تھیں بن سنور کے رہے مگر وہ ہر کام ہی الٹا کررہی تھی اور تو اور شعیب خان کے بلانے پر بھی وہ نہیں گئی تھی' اسد نے کتنی ناراضگی دکھائی تھی مگر اس پر کوئی مطلق اثر نہیں ہورہا تھا۔

''نہریزہ اتنی بھی اکڑ اچھی نہیں ہوتی ہے اگر ہمارا قصور ہے تو بھلے ہمیں معاف نہ کرو چچا جان اور چچی جان کو کس بات کی سزا دے رہی ہو۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

''سزا تو انہوں نے مجھے دی ہے۔'' اتنی سخت بن گئی تھی آیان کو حیرانگی ہوئی۔

''چچا جان بیمار ہیں ان کے بارے میں ہی سوچ لو تمہارا یہ رویہ انہیں ہرٹ کررہا ہے کہیں ایسا نہ ہو تم ساری زندگی پچھتاتی رہو۔''

''مجھ سے جذباتی گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کریں...... وہ میرے ماں باپ ہیں آپ کو فکر کب سے ہونے لگی اتنے عرصے سے تو انہیں مارا ہوا تھا۔''

''نہریزہ پلیز......'' اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کے وارن کیا۔

''مجھ سے شادی کرکے گویا میرے باپ پر احسان ہی کیا ہے۔''

''شٹ اپ۔'' وہ دھاڑا۔ نہریزہ نے لب بھینچ لیے آیان غضب ناک ہورہا تھا آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔

''تم کیا چاہتی ہو ہم سب تمہارے آگے ناک سے لکیریں نکالیں۔'' وہ اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ وہ اونہہ کرکے رخ پھیر کے بیٹھ گئی۔ آیان اس کے سامنے آن بیٹھا۔

''کیوں کررہی ہو ایسا؟''

''اگر تنگ آگئے ہیں تو چھوڑ دیں مجھے۔'' وہ چیخی۔

''شٹ اپ۔'' آیان کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور اس کے بائیں رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔ وہ تو ششدر رہ گئی تکلیف سے آنسو نکل گئے اور وہ حواس باختہ ہوگیا۔ نہریزہ نے زور زور سے رونا شروع کردیا۔

''نہیں رہنا مجھے یہاں آپ کے ساتھ' مجھ سے مار پیٹ والا سلوک کریں گے۔'' وہ بھی آندھی طوفان کی طرح اٹھی اور تلملاتی ہوئی دروازے سے باہر جانے لگی آیان نے سرعت سے اسے اپنی گرفت میں لیا مگر وہ دروازہ کھول کے باہر نکل چکی تھی۔

''چھوڑیں مجھے نہیں رہنا۔'' وہ زور زور سے چیخ کر بول رہی تھی اور رو بھی رہی تھی۔ حمیرا اور عنیزہ بھابی نے چونک کر اوپر دیکھا وہ نہریزہ کے ایسے روپ پر حیران رہ گئیں۔

''نہریزہ......'' وہ بھی چیخ رہا تھا۔ اور نہریزہ گرتی پڑتی سیڑھیاں اتر رہی تھی آیان اس کے پیچھے آیا تھا۔

''آیان یہ کیا ہورہا ہے؟'' حمیرا کے تو چہرے کے رنگ ہی اڑ گئے تھے وہ وحشت زدہ سی اوپر کی سمت دوڑی تھیں نہریزہ آخری سیڑھی پر آ کر گری تھی۔

''یااللہ خیر۔'' حمیرا نے اسے پکڑنا چاہا مگر وہ خود کون سا تندرست اور توانا تھیں وہ بھی گرتے گرتے بچی تھیں۔

''مجھے نہیں رہنا یہاں...... یہ شخص مجھے جان سے ماردے گا۔'' وہ اٹھی۔

''ہاں جاؤ چلی جاؤ تم جو اپنے رویوں سے ہم سب کو ماررہی ہو اس کا احساس نہیں جاؤ نکل جاؤ۔''

''آیان......'' حمیرا نے اس کے چہرے پر طمانچہ جڑ دیا۔

''کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔'' وہ نہریزہ کو اپنے حصار میں لیے کھڑی تھیں جو خود بھی گنگ تھی حمیرا کا ہاتھ آیان پر اٹھ گیا تھا۔

''امی آپ کو نہیں پتہ یہ کیا بول رہی تھی۔''

''چپ کر جاؤ......'' ان کا دل و دماغ دہل گیا اور نہریزہ روئے جارہی تھی' عنیزہ بھابی بھی چلی آئی تھیں عائشہ تو حیرانگی سے دیکھ رہی تھی یہ ہوا تو کیا ہوا؟

''میں نے تم سے کہا تھا نہریزہ سے کوئی الٹی سیدھی بات

نہیں کرنا۔‘‘

’’ٹھیک ہے آپ کو یہ عزیز ہے سنبھالیے اسے میں اس گھر سے ہی چلا جاؤں گا ٹھنڈک پڑ جائے گی ان محترمہ کو۔‘‘ لہجہ میں طنز اور غصہ تھا۔ وہ چونک کے اس کے سرخ غصے سے تمتماتے چہرے کو دیکھنے لگی۔

’’نہیں کرو ایسی بات۔‘‘ حمیرا اپنا سر تھام کے رہ گئیں۔

عنیزہ اور آیان نے انہیں تھاما تنی سی دیر میں گھر کی فضا مکدر ہوگئی تھی جلدی سے ڈاکٹر کو بلایا ان کی شوگر اور بی پی بڑھ گیا تھا۔ نہریزہ کے تو لگتا تھا جسم سے جان نکل گئی ہو ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہوگیا تھا۔

’’تمہیں اپنے ماں باپ کی نہ تو فکر ہے اور نہ ہی قدر مگر میرے ماں باپ میرے لیے بہت کچھ ہیں انہیں اگر کچھ ہوا تو تمہیں میں نے ساری زندگی معاف نہیں کرنا۔‘‘ ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ کچھ مطمئن ہوا تو نہریزہ کو سنانے لگا جو سر جھکائے آنسو بہائے جا رہی تھی۔

حمیرا کے وہ سرہانے بیٹھی تھی جو نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ عنیزہ بھابی ان کے لیے جوس لے کر آئی تھیں‘ سمیع خان اور عمیر بھائی بھی آ گئے تھے‘ حمیرا کی طبیعت کی شعیب خان کو خبر نہیں دی تھی۔ نہریزہ کسی سے نظریں نہیں ملا رہی تھی‘ حمیرا نے اس کے لیے آیان کو مارا تھا وہ تو حیرت وانبساط میں مبتلا ہوگئی تھی‘ کسی نے بھی اس سے کوئی بات نہیں کی۔ سمیع خان نے الٹا آیان کی ہی خبر لی تھی اس نے نہریزہ پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا۔

’’بیٹا اس ناخلف کو معاف کردینا اس نے تم پر ہاتھ اٹھایا۔‘‘ وہ اس سے شرمندگی اور دکھ سے گویا ہوئے۔ آیان لب بھینچے اندر ہی اندر غصے کے گھونٹ اتار رہا تھا۔

’’بیٹا شعیب سے کچھ نہیں کہنا میرا بھائی پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکا ہے۔‘‘ وہ بول رہے تھے۔ نہریزہ کے آنسو بھل بھل گر رہے تھے کسی نے بھی اسے حمیرا کی طبیعت کا الزام نہیں دیا تھا بلکہ حمیرا اور سمیع خان نے اس سے معافی مانگی تھی۔

☾......☆......☾
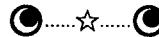
اس واقعے کے بعد سے نہریزہ کو جیسے چپ لگ گئی تھی‘ شب برات آئی اور پھر رمضان شریف آ گئے اس نے دل سے عبادت کرنی شروع کردی تھی۔ اپنے گناہوں کی توبہ مانگ رہی تھی مگر اس کو سکون نہیں مل رہا تھا گھر کے کاموں میں خود کو الجھا لیا تھا۔ حمیرا کے پرہیزی کھانے وہ خود پکا رہی تھی‘ آیان نے اس کا مکمل بائیکاٹ کیا ہوا تھا۔ شعیب خان اور روبینہ حمیرا کی طبیعت پوچھنے آتے رہتے‘ مگر نہریزہ چپ ہی تھی۔ دسواں روزہ تھا وہ افطاری کی تیاری کر رہی تھی‘ عنیزہ بھابی ڈائننگ ٹیبل پر برتن سیٹ کر رہی تھیں اور عائشہ ثمرہ کے پاس گئی ہوئی تھی۔ اچانک سے اسد آیا۔

’’تایا ابو...... تایا ابو...... ابو کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔‘‘ وہ اتنا حواس باختہ اور پریشان تھا نہریزہ کچن سے آ گئی۔ گھر میں عمیر اور آیان بھی تھے۔

فوراً ہی شعیب خان کو ہاسپٹل لے جایا گیا تھا اور نہریزہ اسے تو لگا اس کی دنیا ڈول گئی ہو۔ سارے ہی ہاسپٹل چلے گئے تھے اسد اور ثمرہ تو فکرمندی سے روئے جا رہے تھے۔ وہ انہیں تسلی اور چپ کرانے کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی‘ جبکہ اس کے دل کی حالت خود خراب تھی۔

’’بھابی یہ کیا ہوگیا؟‘‘ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی۔

’’نہریزہ سنبھالو خود کو سب اچھا ہوگا تم یہ جوس پی لو تم نے روزہ بھی صرف کھجور سے کھولا ہے رو رو کر عجیب حالت ہوگئی ہے تمہاری۔‘‘ انہوں نے اسد اور ثمرہ کو بھی جوس دیا اور اسے بھی زبردستی پلا رہی تھیں‘ عائشہ ایشل کو سنبھالے ہوئے تھی وہ بھی بہت افسردہ اور اداس تھی۔ نو بجے کے قریب آیان آیا‘ اس نے نہریزہ کی دگرگوں حالت دیکھی تھی وہ سیدھا اپنے بیڈروم میں چلا گیا وہ بھی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

’’کیسے ہیں ابو؟‘‘ لب کچلتے ہوئے پوچھا‘ نگاہ بھی اس سے نہیں ملا رہی تھی۔

’’تمہیں تو اپنی انا عزیز تھی‘ تمہاری بے رخی نے انہیں ہاسٹل پہنچا دیا‘ تمہیں یاد کر رہے ہیں اور تم اتنی خودسر ہو جوان کی پروا تک نہیں کر رہی۔‘‘ آیان اسے دل کھول کے سنا رہا تھا اور اسے احساس ندامت میں مبتلا کر رہا تھا۔

’’پلیز مجھے ابو کے پاس لے چلیں۔‘‘ وہ ملتجی لہجے میں گویا ہوئی۔

’’ہاں تمہیں لے چلوں تاکہ پھر دوبارہ ان کا دل دکھاؤ۔‘‘ وہ تو اتنا چراغ پا ہو رہا تھا نہریزہ تو اس سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔

’’بس کریں۔‘‘ وہ بیڈ پر بیٹھی سسک اٹھی۔

''اتنی جلدی بس کریں..... تم تو کب سے ہم سب کو ٹارچر کررہی ہو..... چچا جان کو جو روگ لگا ہے تمہارا لگا ہے میرے ماں باپ نے جو کیا انہوں نے اپنا بھگتان بھگت لیا اور چچا جان سے معافی مانگ لی وہ خوش ہو کر یہاں آئے لیکن تم نے انہیں خوش نہیں ہونے دیا پتہ ہے ڈاکٹر کیا کہہ رہے تھے انہیں ٹینشن سے دور رکھیں ورنہ ان کے لیے ٹھیک نہیں ہوگا مگر تمہیں اس سے کیا' سب سے بڑی ٹینشن تم ہو میرے لیے بھی صرف امی اور ابو کے لیے تمہیں بخش دیا.....'' اس نے نہریزہ کے رونے کی بھی مطلق پرواہ نہیں کی تھی۔ ''یہ آنسو بہانے کے ڈرامے نہیں کرو۔''

''میں ڈرامے کررہی ہوں میرا باپ بیمار ہے۔'' وہ شدت غم سے چیخی۔

''اچھا باپ..... بڑی جلدی خیال آ گیا۔'' اس نے طنز کیا۔ نہریزہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے آیان کا ایسا سخت اور درشت لہجہ دیکھا اس کا دل کٹ کے رہ گیا۔

''مجھے جانا ہے ان کے پاس۔'' آیان واش روم میں گھس گیا روزہ بھی اس نے پانی سے کھولا تھا بھوک سے نقاہت ہو رہی تھی' فریش ہو کر باہر آیا وہ ہنوز رونے میں لگی ہوئی تھی بادامی کلر کے قمیص شلوار میں نکھرا نکھرا اسے اگنور کرتا وہ روم سے نکل گیا' وہ اس کے پیچھے دیوانوں کی طرح بھاگی تھی۔ بھابی نے اسے جوس دیا جو ایک سانس میں پی گیا' اسد اور ثمرہ کو بھی ساتھ چلنے کو کہا جبکہ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہی آ گئی تھی' ہاسپٹل پہنچ کے روبینہ کے گلے لگ کر رونے لگی' سب نے ہی اسے چپ کروایا۔ اسد' عمیر بھائی کے پاس بیٹھا تھا اور ثمرہ اپنے ابو کو بے ہوش دیکھ کر روئے جارہی تھی۔

چوبیس گھنٹوں کے بعد شعیب خان کو ہوش آیا سب سے پہلے انہوں نے نہریزہ کو ہی پکارا تھا۔

''ان کے سامنے رونے دھونے کی ضرورت نہیں وہ پہلے ہی ٹھیک نہیں ہیں۔'' آیان اسے دبے دبے لہجے میں کہہ رہا تھا جو کل رات سے ادھر ہی تھی کاسنی لان کا سوٹ بھی ملگجا ہو گیا تھا رو رو کے آنکھیں بھاری ہو گئی تھیں۔ شعیب خان نے اسے دیکھ کر قریب بلایا جو ڈرپس اور ہارٹ بیٹ کی مشینوں کے سہارے لیٹے ہوئے تھے۔

''اپنے باپ سے کوئی ایسے ناراض ہوتا ہے بیٹا تم نے بات کرنا تو کیا دیکھنا تک چھوڑ دیا۔''

''ابو پلیز کوئی بات نہیں کریں آپ جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر آئیں مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' وہ لبوں کو بھینچتی ہوئی آنسوؤں کے ریلے کو روک رہی تھی۔ آیان اس کی پشت پر ہی کھڑا تھا۔

''زیادہ بولیے نہیں آپ کو ڈاکٹر نے منع کیا ہے چلو نہریزہ اٹھو چچا جان اب ٹھیک ہیں۔'' آیان نے اسے جان بوجھ کے اٹھایا ورنہ وہ یہاں بیٹھی روتی رہتی۔

سمیع خان' عمیر' حمیرا اور روبینہ سب ہی ان کو دیکھنے آئے تھے اسد تو مسلسل ان کے پاس ہی کھڑا تھا' ثمرہ کو زبردستی آیان نہریزہ کے ساتھ ہی گھر لے آیا تھا۔ چار پانچ دن وہ ہاسپٹل میں ہی رہے اور پھر ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے تھے۔ دو دن تو سمیع خان نے اپنے پورشن میں رکھا سیڑھیاں چڑھنا ان کے لیے مضر تھا پھر وہ تیسرے دن چلے گئے تھے' نہریزہ نے بھی اپنا قیام وہیں کر لیا تھا۔ شعیب خان سے معافی مانگی انہوں نے معاف کردیا وہ ان کی اولاد تھی کیسے نہ معاف کرتے' ایک ہفتہ اسے وہاں ہو گیا تھا۔ انیسواں روزہ تھا۔ تائی امی نے بتایا آیان اس دفعہ اعتکاف میں بیٹھ رہا ہے۔

''نہریزہ پھر تو تمہیں جانا چاہیے۔'' روبینہ نے کہا۔

''ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے آیان یہیں ملنے آجائے گا۔'' وہ گویا ہوئیں۔

''وہ بچہ تو روز ہی آتا ہے۔'' شعیب خان گویا ہوئے۔

''میں بھی چلتی ہوں۔'' وہ فوراً ہی تیار ہو گئی۔

حمیرا بھی چاہ رہی تھیں اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے دونوں مل لیں تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ دونوں میں ناراضگی چل رہی تھی' وہ حمیرا سے کہہ کر خود پہلے ہی چلی گئی تھی۔

''شکر ہے تم آ گئیں آیان تیاریوں میں لگا ہوا ہے۔'' عنیزہ بھابی نے اسے بتایا جو اسپیشل کا فیڈر بنا کر کچن سے نکل رہی تھیں۔

نہریزہ ڈر اور جھجک سے آیان سے مخاطب بھی نہیں ہو رہی تھی' دبے قدموں دھانی لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس بیڈ روم میں آئی۔ آیان نے اچٹتی نگاہ ڈالی وہ بیگ میں اپنا سامان رکھ رہا تھا۔

''لائیے میں رکھ دوں۔'' ساری ہمتیں مجتمع کر کے وہ گویا ہوئی۔ ہاتھ پیر بھی کانپ رہے تھے۔ آیان کا چہرہ کسی بھی تاثرات سے عاری تھا۔

''شکریہ میں خود بھی رکھ سکتا ہوں۔'' بیگ کو پیک کیا اور

سائیڈ پہ رکھا' چہرے پر ہنوز خفگی اور بےزاری عیاں تھی۔
"تائی امی نے بتایا آپ اعتکاف میں بیٹھ رہے ہیں۔"
"ہاں اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں اور کسی کے لیے بہت کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔" طنزیہ لہجے میں جتایا۔ نہریزہ خفیف سی ہوگئی۔ کیونکہ اس نے واضح طنز اس پر ہی تو کیا تھا۔
"آرام سے اس روم میں رہنا تمہیں تنگ بھی نہیں کروں گا اور عید کے ایک ہفتے بعد میری امریکہ روانگی ہے اور تب تم اور بھی آرام سے رہنا۔" وہ جتنا اس پر طنز کرسکتا تھا کر رہا تھا۔ کیونکہ نہریزہ نے سب سے ہی معافی مانگ لی تھی اگر نہیں پروا تھی تو اس کی جس پر وہ نظر تک نہیں ڈال رہی تھی۔
"جا رہا ہوں۔" بیگ اٹھانے کے لیے جھکا۔ "چچا جان سے مل کے جاؤں گا۔" وہ لب بھینچے ہوئے کھڑی تھی آیان نے اس پر نگاہ غلط تک نہ ڈالی تھی تیزی سے نکل گیا تھا' اس کے لب ہلے تھے مگر الفاظ اندر ہی رہ گئے تھے' پیچھے ہی آئی تھی۔
"بھابی سحری میں پراٹھے نہیں بھجوایئے گا سادی روٹی اور ہاں دہی ضرور بھیجئے گا۔" وہ بھابی سے کہہ رہا تھا۔ جو افطار کے لیے فروٹ چاٹ بنا رہی تھیں۔
"اپنی بیوی سے کہو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔
"رہنے دیں بھابی ان سے کہا تو یہ کہیں گی میں ان کو اپنی ملازمہ سمجھتا ہوں۔" نہریزہ تو اور ہی شرمندگی سے زمین میں گڑ گئی۔
"پلیز...... پلیز افطاری کسی بھی ملازمہ کے ہاتھ کی بنی قطعی نہیں بھیجئے گا۔"
"اوہ...... نخرے تو دیکھیں اعتکاف میں بیٹھ رہے ہیں۔" عائشہ نے سنا تو وہ اسے چھیڑنے سے باز نہ آئی۔
"تم تو چپ ہی کرو۔" وہ مکمل طور پر نہریزہ کو اگنور کر رہا تھا۔
"اعتکاف میں صرف عبادت کی جاتی ہے کھانے پینے کی طرف توجہ بھی نہیں دیتے ورنہ عبادت قبول نہیں ہوتی۔"
"یار روزہ کھولنے کے بعد زیادہ کچھ کھایا بھی نہیں جاتا وہ تو میں ویسے ہی ہدایات دے رہا تھا۔" وہ خجل سا ہوگیا۔
"امی ابھی تک آئی نہیں۔" اس نے حمیرا کو تلاش کیا۔ سمیع خان اور عمیر بھی آگئے تھے۔
"کاش نہریزہ تم بھی مجھے چاہنے لگو۔" وہ سوچتا ہوا مسکراتا ہوا اپنے بیڈ روم میں آیا وہ شاید رو رہی تھی اسے دیکھ کر سنبھل کر

ھ گئی آیان نے دروازے پر ناک کیا۔
"جارہا ہوں اللہ حافظ تو کہہ دو میری غلطیوں کو معاف کردینا
ر سمجھو تو......" اس پر بھرپور نگاہ ڈالی اور عجلت میں نکل گیا وہ
لنے کے لیے لب وا ہی کرتی رہ گئی۔
آیان اسے دوبارہ اس کی غلطی کا احساس دلا گیا تھا وہ پھر
و نے لگی۔ افطاری سے پہلے وہ چلا گیا' قریبی مسجد میں وہ اعتکاف
یں بیٹھا تھا اس نے بھی افطار کرنے کے بعد نماز پڑھی اور رورو
کے اپنے گناہوں کی معافی مانگی جس نے ہمیشہ ناشکری کی اللہ
عالیٰ نے اسے بن مانگے ہی اتنا کچھ دے دیا تھا۔
"یااللہ مجھے معاف کردینا میں تیری ناشکری اور گناہ گار
بندی ہوں تو نے ہمیشہ میری اوقات سے بڑھ کر دیا۔" وہ دعا
مانگتی ہوئی رو رہی تھی۔ عشاء کی نماز اور تراویح پڑھنے کے بعد وہ
قرآن پاک پڑھنے لگی۔
"نہریزہ تم ایسا کرو اپنے گھر چلی جاؤ جب تک آیان
اعتکاف میں ہے۔" حمیرا نے اس کے روم میں آکے کہا جو
قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔
"تائی امی میں یہیں ٹھیک ہوں پھر سحری بھی بھیجنی ہوگی۔"
اس نے عذر پیش کیا۔
"سحری کا کیا ہے سارا کچھ میں صابرہ سے افطار سے پہلے
بنوا لیتی ہوں۔"
"آیان کہہ رہے تھے ملازمہ کے ہاتھ کا نہیں کھاؤں گا۔" وہ
جھجکتی ہوئی شرمائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"چلو ٹھیک ہے۔" وہ سن کے خوش ہوگئیں تھیں اس نے
آیان پر بھی توجہ دی۔
اس نے خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کرلیا تھا' صابرہ کو
کچن کے کاموں سے منع کردیا تھا' افطاری اور سحری وہ اور بھابی
مل کر بناتی تھیں۔ آیان کی سحری اور افطاری وہ خود تیار کرکے
پہلے سے بھیج دیتی تھی' کبھی عمیر بھائی چلے جاتے تو کبھی اسد بھی
دے آتا تھا۔ نہریزہ کی عبادتوں میں بھی شدت آگئی تھی اپنے
گناہوں کی معافی مانگتی رہتی تھی اور آیان کے موڈ کے ٹھیک
ہونے کی دعا بھی کرتی تھی۔ شادی کے بعد اس کی یہ پہلی عید تھی
شعیب خان اور روبینہ نے اس کی عیدی بھیجنے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی تھی۔ حمیرا نے بھی اس کی عیدی پر خاصا کچھ دلوایا تھا' وہ
اپنی قسمت پر نازاں تھی وہ ان سب کے لیے اہمیت رکھتی تھی وہ
ان سب سے اتنے عرصے خائف رہی اگر آیان نہیں ہوتا تو ابو کو
کون لے کے جاتا اس دن اچانک سے آیان گھر آیا تھا اور پھر
سب کچھ اتنی جلدی بدل گیا وہ خوش ہونے کے بجائے سب
سے منہ پھلائے رہی' تائی امی' تایا ابو سب ہی ابو کا کتنا خیال
رکھتے ہیں۔ نہریزہ نے لب بھینچ لیے تھے' اسے تو یہ جلدی تھی
اپنی خالہ کو سب بتادے' انہوں نے عید پر آنے کا کہا تھا وہ سن
کے خوش ہوگئی تھی۔
آج ستائیسویں شب تھی وہ بھی جب سے آیان گیا تھا
عبادتوں میں لگی رہتی تھی' روبینہ کو تو بہت ہی خوشی ہوئی تھی اس
نے نمازیں دل سے پڑھنی شروع کردی تھیں۔
"میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔" انہوں نے بے
اختیار نہریزہ کو گلے سے لگایا جو رات میں ان سب سے
ہی ملنے آئی تھی۔
"میں عبادت اپنے گناہوں کی معافی کے لیے کررہی
ہوں۔" وہ بہت شرمندہ تھی۔
"بیٹا شکرانے بھی ادا کرو اس نے کتنا کچھ نوازا ہے۔"
"جی۔" اس نے سر ہلایا' اس کا ذہن و دل آیان کو ہی سوچ
رہا تھا جس کے آنے میں دو یا تین دن تھے۔

......☆......

آخری عشرہ ایسے تمام ہوا تھا پتہ ہی نہیں چلا' اس نے اپنے
روم کی ساری ڈسٹنگ خود کی تھی۔ حمیرا نے کہا بھی ماسی سے
کروالو مگر اس نے منع کردیا تھا۔
"تائی امی میں عید کے لیے پہلے سے چیزیں بنالوں۔"
اس نے ان سے پوچھا۔
"ارے بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے سب بازار سے مل
جاتا ہے سب آجائے گا۔" وہ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئی تھیں۔
"گھر کی چیزوں کی الگ بات ہوتی ہے۔" اس نے مسکرا
کے کہا۔
"چلو جیسے تمہاری خوشی جو کچھ بازار سے منگوانا ہو نصیر سے
منگوالینا وہ لے آئے گا۔" انہوں نے گھر کے سودا سلف لانے
کے لیے بھی ایک ملازم رکھا ہوا تھا۔
"جی اچھا۔" وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔
"گلاب جامن بنانے کی اس کی بڑی خواہش تھی گھر کا اتنا
بجٹ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کچھ بھی لوازمات وہ بنا سکے روبینہ ہمیشہ
اسے ٹال دیتی تھیں اس نے پھر اللہ کا شکر ادا کیا ساری آسائشیں
اور چیزیں اسے میسر تھیں۔ ایک لسٹ بنا کے اس نے نصیر کو دے

دی۔اس نے سوچا کہ کل انتیسواں روزہ ہے ہوسکتا ہے چاند نظر آجائے پہلے سے بنا کے فرج میں رکھ دے گی۔
نصیر سارا سامان لے آیا تھا وہ تندہی سے لوازمات تیار کرنے میں لگ گئی تھی۔ عنیزہ بھابی نے بھی اس کا پورا پورا ساتھ دیا۔ گلاب جامن دہی بڑے اور بسکٹ بھی اس نے بنائے تھے۔
"چھوٹی بھابی گلاب جامن آپ نے بہت مزے کی بنائی ہے' لگ ہی نہیں رہا کہ یہ گھر کی بنی ہیں۔" عائشہ نے گلاب جامن کو منہ میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرانے لگی' سب نے ہی حیرانگی کے ساتھ اس کے لوازمات کی تعریف کی تھی جو اس نے تیار کیے تھے۔
"فرج میں رکھ دوں گی پھر دوبارہ سے اوون میں گرم ہوجائیں گی' عید کے روز دہی بڑے بھی فریز کردوں گی دہی میں وقت کے وقت ڈال دوں گی۔ اس نے سب چیزیں سیٹ کرکے رکھیں وہ خود بھی خوش تھی' اس نے سب کچھ بہت محنت اور شوق سے بنایا تھا۔
"تھوڑی گلاب جامن جب آیان آئے گا نکال لینا۔"
"جی تائی امی۔" اس نے سب کچھ فرج میں رکھا اسے کچن میں کافی وقت لگا تھا عشاء کی نماز اور تراویح بھی پڑھنی تھی جلدی سے وہ روم میں آئی اور نماز پڑھنے لگی۔ اس کا ذہن آیان کی طرف چلا گیا جو ناراض ہی گیا تھا۔
"آیان میں آپ کو منالوں گی آپ سے معافی مانگ لوں گی میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے۔" وہ سونے کے لیے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ اس کا بیڈروم بھی وسیع وعریض تھا' ساری ہی آسائشیں میسر تھیں اس نے تو صرف سوچا تھا مگر اسے سب کچھ بن مانگے ملا تھا سب سے بڑھ کر قدر کرنے والا آیان جس کی آنکھوں میں اس نے اپنے لیے پسندیدگی ہی دیکھی تھی اور اس نے سوائے آیان کو بے عزت کرنے کے کچھ نہیں دیا تھا۔ وہ سوچتے سوچتے سوگئی تھی۔ سحری میں اس کی آنکھ جلدی کھل گئی تھی' آیان کے لیے سحری اس نے تیار کردی تھی۔ آج انتیسواں روزہ تھا دل کہہ رہا تھا چاند آج ہی ہوجائے گا۔ فجر کی نماز کے بعد وہ ابو اور امی کی طرف چلی آئی تھی ابو بھی پہلے سے بہت بہتر ہوگئے تھے اور ہر وقت خوش بھی رہتے تھے۔
"آیان کے آنے سے پہلے ڈھنگ سے تیار ہوجانا جب سے وہ گیا ہے تم نے تو خود پر توجہ ہی دینی چھوڑ دی۔" روبینہ نے اس کے حلیے کو دیکھا۔
"امی رمضان میں ہر وقت سج سنور کے نہیں رہا جاتا۔" وہ دونوں پاؤں اوپر کیے صوفے پر بیٹھی تھی۔
"تم دو دو دن ایک ہی سوٹ چڑھائے رہتی ہو۔"
"وہ تو بس سستی ہوجاتی ہے۔" وہ خفیف سی ہوگئی۔
ثمرہ اور اسد بھی آگئے پھر وہ ان دونوں کے ساتھ خوش گپیوں میں لگ گئی۔ ظہر کی نماز پڑھ کے سوگئی تھی وہ تو دیر تک سوئی رہ جاتی اگر امی نہ اٹھاتی۔
"عائشہ آئی تھی بلانے شاید حمیرا بھابی بلا رہی ہیں۔"
"اوہ اچھا۔" وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اٹھی اور سیدھی ابو کے روم میں گئی۔
"ابو میں چلتی ہوں ہوسکتا ہے آج چاند نظر آجائے پھر کل ان شاء اللہ آیان کی ساتھ آؤں گی۔" ابو نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا تو وہ مسکرادی تھی۔
"کل اگر عید ہوئی تو ہمارے گھر دعوت ہوگی۔"
"ابو یہ تو آپ خود کہیے گا تائی امی سے ابھی میں جلدی میں ہوں۔" وہ سلام کرکے تیزی سے نکل گئی۔
عصر کی نماز پڑھ کر کچن میں لگ گئی دل کہہ رہا تھا چاند نظر ضرور آجائے گا۔
"اچھا سا تیار ہوجانا چاند نظر آجائے تو۔" بھابی نے معنی خیز سے سرگوشی مسکرا کے کی' نہریزہ جھینپ گئی۔
"آپ کے دیور کا منہ تو اتنا بڑا بنا ہوا ہے۔"
"چھوٹا تم کرسکتی ہو۔" وہ شرارتی سے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔
"بھئی افطاری میں آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے آیان کی افطاری ریڈی کردی۔" عمیر بھائی ایشل کو گود میں اٹھائے کچن میں ہی آگئے۔ دونوں ہی چونکیں۔
"جی...... جی ریڈی ہے۔" نہریزہ نے لنچ بکس کاؤنٹر سے اٹھائے۔ عنیزہ بھابی ٹیبل پر افطاری لگانے لگیں۔ نہریزہ بہت خوش تھی اسے ساری خوشیاں مل گئی تھیں۔
افطاری کے بعد اس نے مغرب کی نماز پڑھی کچن تو ملازمہ ہی سمیٹتی تھی ابھی وہ ہاتھ اٹھائے دعا ہی مانگ رہی تھی کہ اس کی سماعتوں میں چاند مبارک کی آواز آئی۔
"چھوٹی بھابی آج تو لگتا ہے چاند کو بھی جلدی تھی جو جلدی نظر آگیا۔" عائشہ اسے اطلاع دینے آئی تھی۔ "امی نے کہا

آپ تیار ہوجایئے گا۔" نہریزہ نے مسکرا کے اسے دیکھا جو
بھی پنک سوٹ میں تیار کھڑی تھی اس نے بھی مسٹرڈ
ڈن ریشمی دھاگوں سے کڑھائی والا سوٹ زیب تن کیا
میک اپ اسے اور دلکش بنا رہا تھا۔ وہ اپنا جائزہ ہی لے
تھی آیان کی آمد کا شور ہوگیا' وہ تیزی سے روم سے نکلی تھی وہ
سے مل رہا تھا' آج تو ابو اور امی بھی آگئے تھے گھر میں
ق ہی لگ گئی تھی۔

آیان نے اچٹتی نگاہ اس پر ضرور ڈالی جو شرمائی لجائی سی
ین ترین لگ رہی تھی ان نو دنوں میں تو اس میں واضح تبدیلی
ر آئی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل اس نے سجادی تھی آیان نے سب
کے ساتھ ڈنر کیا اور اس کے بنائی گلاب جامن بھی کھائی مگر کوئی
ی کمنٹس پاس نہیں کیا وہ دل مسوس کے رہ گئی۔

"تمہاری بیوی نے اتنی محنت سے بنائی ہے ذرا تعریف
کے الفاظ نہیں۔" حمیرا کو تو غصہ آ گیا۔

"اچھی ہیں۔" اس نے شعیب خان اور روبینہ کا خیال کیا
کوئی بھی تلخ بات کر کے ماحول اور موڈ خراب کرنا نہیں چاہتا
تھا۔ سب ہی خوش گپیوں میں لگے تھے پھر سمیع خان نے ہی کہا'
صبح جلدی اٹھنا ہے عید کی نماز کے لیے اس لیے پھر سب ہی
اٹھ گئے۔ نہریزہ بھی اس کے پیچھے پیچھے روم میں جانے لگی تھی۔

"چھوٹی بھابی مہندی لگوانے تو چلیں۔"

"میں کل لگوالوں گی۔" اس نے ٹالا عائشہ کی کوئی بات نہیں
سنی اسے تو آیان سے بات کرنے کی جلدی تھی۔ بیڈ روم میں
آئی تو آیان ساری لائٹیں آف کیے سو رہا تھا' نہریزہ کا دل بجھ گیا
وہ لب کچلتی اس پر حسرت بھری نگاہ ڈال کے رہ گئی آیان کی
ناراضگی اتنی لمبی ہوگی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کل عید تھی اس کی
عید بھی لگتا تھا روکھی پھیکی گزر جائے گی۔

☆
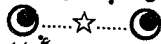
صبح وہ فجر کی اذانوں کے ساتھ اٹھا' غسل کیا اور نماز پڑھنے
چلا گیا۔ نہریزہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا جو نماز کا بھی اتنا
پابند ہوگیا تھا۔ اس نے بھی نماز پڑھی اور کچن میں آ گئی مگر وہ نماز
پڑھ کے آ گیا تھا اور عید کی نماز کی تیاری کرنے لگا۔ ناشتہ وغیرہ
کیا کرتی اس لیے کپڑے نکال کے اسے دیئے جو اس نے پہلے
ہی استری کردیئے تھے۔

"عید مبارک۔" آیان نے پھر بھی توجہ نہیں دی ان سنی کرتا
اپنی تیاری کرتا رہا۔

"آیان اب آ بھی جاؤ۔" عمیر بھائی کی آواز آئی۔ تو وہ چونکا
جلدی سے بالوں میں برش چلایا نہریزہ ایک طرف حسرت
بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

"صرف عید مبارک اور کوئی بات ہی نہیں۔" منہ ہی منہ میں
بڑبڑایا اور اس پر خفگی بھری نگاہ ڈالتا ہوا چلا گیا۔

وہ بھی اس کے جانے کے بعد بجھے بجھے دل سے تیار
ہونے لگی لائٹ گرین سوٹ اور میچنگ جیولری میں وہ اپسرا سے
کم نہیں لگ رہی تھی اس نے بھی تائی امی اور تایا ابو کو سلام کیا وہ
سب ہی نماز پڑھ کر آ گئے تھے۔ ملازمہ نے ڈائننگ ٹیبل پر
لوازمات لگا دیئے تھے نہریزہ آیان پر گاہے بگاہے نگاہ ڈال رہی
تھی جو گلاب جامن کھا رہا تھا۔

"امی میں چچا جان کی طرف جا رہا ہوں۔"

"ہاں جاؤ رات کو روبینہ نے کہا ہے کھانا وہیں کھانا ہے اس
کی بہن بھی آئی ہوئی ہے اسلام آباد سے۔" حمیرا نے بتایا۔

"خالہ آئی ہیں اسے کسی نے نہیں بتایا۔" نہریزہ خوش
ہوگئی۔ آیان ناشتہ سے فارغ ہوکر روم میں چلا گیا' عنیزہ بھابی
نے اسے بھی بھیجا۔

"جاؤ سجن سے عید ملو ورنہ ایسے ہی ناراض رہے گا۔" معنی
خیزی سے اس کے کان میں مسکراتے ہوئے سرگوشی کی وہ
جھینپ گئی۔ وہ بھی افسردہ سی روم میں آ گئی جو روم فرج سے پانی
کی بوتل نکال رہا تھا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا۔ نہریزہ خراماں خراماں
چلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"عید مبارک۔"

"دوسری بار کہا ہے سن لیا......" تروٹھے پن سے گویا ہوا۔

"میں سمجھی آپ نے سنا نہیں۔" دو قدم مزید آگے بڑھی۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے اپنے دونوں کومل سے
نازک ہاتھ جوڑ دیئے آیان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا
اس ردعمل کا۔

"پلیز معاف کردیں۔" آواز بھی روہانسی ہوگئی تھی۔

آیان نے اس کے نادم چہرے پر دیکھا ہاتھ اس کے ابھی
تک جڑے ہوئے تھے۔

"معافی مجھ سے نہیں اپنے بڑوں سے مانگو۔" طنز کیا مگر دل
تو اس کے لیے ہمک رہا تھا جو سجی سنوری دل کو چھو رہی تھی۔

"میں نے سب سے معافی مانگ لی ہے میں غلطی پر تھی
میں اپنے غصے اور ضد کی وجہ سے سب سے ناراض تھی مگر تایا ابو

تائی امی سب نے ہی میری گستاخیوں کو معاف کردیا۔" وہ رو رہی تھی۔

"یار بس بھی کرو روئے جارہی ہو۔" وہ چڑا۔

"پلیز آپ بھی معاف کردیں۔"

"تم نے کچھ کیا ہی نہیں، صرف تم ہم سب کو غصہ دکھا رہی تھیں، ظاہر ہے چچا جان اور چچی جان کے ساتھ امی نے اچھا سلوک جو نہیں کیا تھا۔" اس نے نہریزہ کے ہاتھوں کو تھاما۔

"جس کے جو نصیب میں ہوتا ہے وہ مل کے رہتا ہے اگر ابو تایا ابو اور تائی امی کی رضامندی سے شادی کرتے تو انہیں یہ سب جھیلنا نہیں پڑتا کیونکہ بڑوں کا دل دکھانے سے خود بھی خوش نہیں رہتے یہ مجھے بھی سمجھ آ گیا۔"

"شکر ہے سمجھ آ گیا۔" اس نے تشکر بھرا سانس لیا۔

"میری امی نے چچا جان اور چچی جان کے ساتھ اچھا نہیں کیا وہ خود بھی سکون سے نہیں رہیں۔" آیان نے بھی جواباً کہا۔

"چلو جو ہوا سب اچھا ہو گیا اب...... اللہ کا احسان ہے اور پتہ ہے اعتکاف میں بیٹھ کے تمہارے لیے بھی یہ دعا کی کہ تم مجھ سے راضی ہو جاؤ۔" وہ بتانے لگا۔

نہریزہ نے جھینپ کے سر جھکا لیا، دعائیں تو اس نے بھی کی تھیں آیان کے لیے وہ ساری ناراضگی بھلا دے اور اس کی دعائیں مستجاب ہو گئی تھیں وہی ناشکری بنی رہی تھی۔

"آپ نے سچ میں معاف کردیا۔" وہ بے یقینی کی کیفیت میں پوچھنے لگی۔

"ہوں۔" وہ مسکرا کے آنکھوں میں شرارت و معنی خیزی لیے اس کے ہاتھوں کو لبوں تک لے گیا۔ جو نہریزہ نے چھڑا لیے شرم و حیا اور دل کی دھک دھک اس کے ہاتھ پیروں میں پسینے لے آئی تھی۔

"آپ نے مجھے تھپڑ کیوں مارا تھا؟" اسے یک دم ہی یاد آیا اور خفگی سے پوچھا۔

"وہ تو بس تمہیں جھنجوڑنے کے لیے تھا۔" آیان خجل ہوا۔

"سنو، بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اس نے موضوع بدلا۔

"مجھے ابو کی طرف جانا ہے خالہ آئی ہوئی ہیں۔" اس نے کہا۔

"ابھی تو میں تمہیں کہیں جانے ہی نہیں دوں گا میری چاند رات اور عید تو اب شروع ہوئی ہے۔" اس نے نہریزہ کے گرد بازو حمائل کیے وہ تو کرنٹ کھا کے رہ گئی۔

"امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ اس کے حصار سے نکلنے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی۔ آیان پر تو محبت و پیار کا سرور چڑھنے لگا تھا۔

"عیدی تو نکالیے مجھے سب کو دینی ہے عائشہ، ایشل، ثمرہ اور اسد کو۔" وہ اس کا دھیان بٹانے لگی۔

"اور سارے محلے والوں کے بھی نام لے لو۔" وہ چڑا۔ نہریزہ کو ہنسی آ گئی کیونکہ اس کا منہ بن گیا تھا وہ روٹھ کے بیڈ پر لیٹ گیا۔

"آیان میری ایک خواہش ہے آپ پوری کریں گے۔" وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی اور اس کے قریب آ کے بیٹھ گئی چہرہ اس کا سنجیدہ تھا آیان نے چونک کے سر اٹھایا۔

"کیسی خواہش؟"

"میں آپ کے ساتھ عمرہ کرنا چاہتی ہوں۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گی۔" وہ اعتراف کر رہی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں، بہت جلد میں سارے انتظامات کرتا ہوں۔" آیان اس کی خواہش پر خوش ہوا۔

"میری بھی ایک خواہش ہے تم پوری کرو گی۔" نہریزہ اس وقت اتنی خوش تھی روانی میں اس نے ہاں کہہ دیا۔

"میری عید تو پوری کردو۔" وہ جھینپ گئی اور آیان کے سینے پر سر رکھ دیا اب تو اس کی ساری خوشیاں اس شخص سے منسوب تھیں آیان نے اسے وفورِ مسرت سے اپنے سینے میں سمو لیا۔

"نہریزہ...... نہریزہ۔" عنیزہ بھابی کی پکار پر دونوں چونکے۔

"جی۔"

"تمہاری خالہ آئی ہیں۔"

"خالہ......" وہ تیزی سے اٹھی مگر اس کے دراز بالوں کی چوٹی آیان کے ہاتھ میں آ گئی۔

"میری عید......" اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"اب تو ساری زندگی عید ہی رہے گی ہر دن مناتے رہیے گا۔" وہ ہنستے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی تھی آیان نے بھی زوردار قہقہہ لگایا تھا کیونکہ اس کی زندگی عید کی خوشیوں سے بھر گئی تھی۔

ناکام عورت

افشاں شاہد

''یہ کیا رامین تم روز صبح یہاں ٹپک پڑتی ہو؟''

''کیوں...... تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے میرے یہاں آنے سے؟''

''شاہ میر...... مت تنگ کرو میری بیٹی کو۔'' سارہ احمد نے اپنے بیٹے کو پیار سے ڈانٹا۔

''ماما اس کو اپنے گھر میں کوئی ناشتہ نہیں دیتا اس لیے یہاں آجاتی ہے۔''

''جی نہیں...... میں ناشتہ کر کے آئی ہوں تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے اور میں ماما سے ملنے آئی ہوں۔ تم سے ملنے نہیں مجھے یاد آیا مجھے تو ماما کے ساتھ جانا ہے آج ماما کو ایوارڈ ملنے والا ہے ناں۔''

''کیوں تم کیوں جاؤ گی ماما کے ساتھ میں جاؤں گا۔''

''بس لڑو مت تم دونوں چلنا میرے ساتھ۔''

رامین سارہ احمد کی دوست کی بیٹی تھی اور شاہ میر کی منگیتر بھی۔ ایک سال قبل رامین اور شاہ میر کی مرضی سے یہ رشتہ طے ہوا تھا دونوں ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے یوں تو دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے لیکن ساتھ ہی ان کی نوک جھونک بھی چلتی رہتی تھی۔ سلمان احمد کو دیکھتے ہی وہ دونوں خاموش ہوگئے۔

''السلام علیکم۔'' شاہ میر نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!''

''آئیں پاپا آپ بھی ہمارے ساتھ ناشتہ کریں۔''

''نہیں بیٹا پھر کبھی آج میری ایک میٹنگ ہے۔'' یہ کہتے ہوئے سلمان احمد اپنی بیوی سارہ احمد کو نظر انداز کرتے ہوئے چلے گئے' یہ ان کا روز کا معمول تھا وہ روز ایک نیا بہانہ کر کے بغیر ناشتہ کیے آفس چلے جایا کرتے تھے۔ سلمان احمد کے جاتے ہی رامین سارہ احمد سے کہنے لگی۔

''ماما آپ کتنی لکی ہیں۔''

''وہ تو ہے۔ جس کا میرے جیسا بیٹا ہو وہ تو اس دنیا کا سب سے لکی پرسن ہے۔''

''بس تم خوش فہمیاں ہی پالا کرو میں انکل کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ انکل اس عمر میں بھی کتنے گریس فل لگتے ہیں' انکل کی پرسنلٹی ایسی ہے کہ کوئی بھی پہلی نظر میں ہی انکل کا گرویدہ ہوجائے۔''

''نہیں رامین میرے پاپا خوش قسمت ہیں کہ انہیں اتنی اچھی شریک حیات ملی......''

''چلو اب اس بحث کو ختم کرو۔ دیر ہو رہی ہے یہ نہ ہو کہ ہم پہنچیں تو تقریب ختم ہو چکی ہو۔''

''جی ماما چلیں اور وومن آف دا ائیر کا ایوارڈ جاتا ہے دا ون اینڈ اونلی سارہ احمد کو جو نہ صرف ایک بہترین ڈیزائنر ہیں ساتھ ہی ایک بہت بڑی این جی او بھی چلا رہی ہیں جو بے سہارا اور یتیم بچوں کی کفالت کر رہی ہے۔'' اور پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اب اینکر سارہ احمد سے پوچھ رہی تھی آپ کی کامیابی کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے' کون ہے وہ شخصیت جس کی وجہ سے آج آپ اس مقام پر پہنچی؟''

''میرے خاوند۔ اگر وہ نہ ہوتے تو آج میری کوئی پہچان نہیں ہوتی میں آج جو کچھ بھی ہوں صرف اور صرف سلمان احمد کی وجہ سے ہوں۔''

''ماما یہ کیا؟ آپ نے سارا کریڈٹ پاپا کو دے دیا۔''

''بیٹا یہ حقیقت ہے۔'' سارہ احمد اپنے بیٹے کو اپنا درد نہیں بتانا چاہتی تھی کہ پوری دنیا جس سارہ احمد کو مضبوط سمجھتی تھی اندر سے وہ اتنی ہی کمزور تھیں' ہر کوئی انہیں کامیاب عورت سمجھتا تھا لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ کوئی شکست خوردہ انسان نہیں تھا۔

گھر پہنچتے ہی شاہ میر نے تقریب کی ساری تفصیل سلمان احمد کو بتانی شروع کردی جسے وہ بے زاری سے سنتے رہے۔

''اور پاپا آپ جانتے ہیں...... ماما نے اپنی کامیابی کا سارا کریڈٹ آپ کو دے دیا؟'' کمرے میں داخل ہوتے ہی سلمان احمد سارہ احمد پر برس پڑے۔

''یہ ہر طرف تم کیا بکواس کرتی پھرتی ہو تم جانتی ہو نہ کہ

مجھے تمہارے منہ سے اپنا نام سننا بھی پسند نہیں ہے کجا کہ تم دنیا کو بتاتی پھرو کہ تمہاری کامیابیاں میری مرہون منت ہیں۔ میں نے تم سے نہیں کہا تھا یہ سب کچھ کرنے کو۔ یہ سب تمہارے فالتو شوق ہیں جن پر تم وقت ضائع کرتی ہو اور ویسے بھی تم جیسی عورتوں کے پاس کوئی کام تو ہوتا نہیں ہے تو این جی او کھول کر بیٹھ جاتی ہیں۔ پہلے دوسروں کی زندگیوں میں زہر گھولتی ہیں اور پھر جب بے سکون ہوتی ہیں تو دوسروں کی مدد کرنا یاد آتا ہے۔'' سارہ احمد آج تک سمجھ نہیں سکی تھی کہ کب اور کس طرح اس نے سلمان احمد کی زندگی کو زہریلا بنایا تھا' وہ تو اپنی مرضی سے سلمان احمد کی زندگی میں شامل بھی نہیں ہوئی تھی۔ سلمان احمد کو اس کی زندگی میں مسلط کیا گیا تھا' آج بھی وہ سیاہ رات اسے یاد ہے جو قہر بن کر ان پر ٹوٹی تھی۔ سارہ احمد اپنے اماں بابا کے ساتھ گاؤں میں رہتی تھی۔ بہت خوشگوار اور مطمئن زندگی گزار رہی تھی وہ اپنے اماں بابا کی اکلوتی اولاد تھی اس لیے بہت زیادہ لاڈلی بھی۔ درد اور تکلیف جیسے لفظوں سے وہ بالکل ناآشنا تھی لیکن اس رات پہلی مرتبہ رنج وغم اس کی زندگی میں داخل ہوئے اور انہیں سارہ احمد اتنی پسند آئی کہ وہ اس کی زندگی سے کبھی پلٹ کر گئے ہی نہیں۔ سارہ احمد کے بابا کو پہلا دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ جان لیوا ثابت ہوا۔ موت بھی کتنی ظالم ہے پیار کرنے والوں کو ہمیشہ کے لیے جدا کر دیتی ہے' امید کے سارے دروازے بند کر دیتی ہے' جدائی ہمیشہ کے لیے مقدر میں لکھ دیتی ہے' وہ ماں بیٹی تنہا زندگی گزار رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا سہارا بن گئے تھے کہ ایک دن صبح زور سے کسی نے دروازے پر دستک دی سارا نے دروازہ کھولا تو اجنبی شخص کو پہچان نہ پائی۔

''آپ کون؟'' سارا نے پوچھا۔

''تم سارہ ہو؟''

''جی لیکن آپ کون؟''

''میں تمہارے ابو کا دوست ہوں۔ مبین احمد۔'' سارہ نے اندر بلایا۔ ''بھابی مجھے سن کر بہت افسوس ہوا۔ میں نے اپنا دوست ہی نہیں بلکہ بھائی بھی کھویا ہے آپ میرے ساتھ کراچی چلیں آپ دونوں میرے ساتھ رہیں گی تو مجھے لگے گا کہ میں نے اپنے دوست کے کچھ احسانوں کا بدلہ چکا دیا ہے۔''

''نہیں بھائی صاحب یہاں ہمارا اپنا گھر اور زمینیں ہیں یہاں سے ہم کیسے جاسکتے ہیں اور پھر اس گھر میں سارہ کے بابا کی یادیں ہیں ہم یہیں رہیں گے۔'' سارہ کی امی رونے لگیں۔

''ٹھیک ہے بھابی سارہ تو آسکتی ہے نہ میری بیٹی بن کر۔''

☆......☆......☆

''دیکھو سلمان' میں تمہارا رشتہ طے کر آیا ہوں تمہاری شادی سارہ کے ساتھ ہی ہوگی۔''

''لیکن ڈیڈ...... میں کسی اور سے پیار کرتا ہوں۔''

''شرم نہیں آتی اپنے باپ کے سامنے اس طرح کی بات کرتے ہوئے اگر تم میرے فیصلے کو تسلیم نہیں کرو گے تو میں اپنی جائیداد سے تمہیں عاق کردوں گا۔''

''آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے ڈیڈ۔ وہ لڑکی آپ کو مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔''

''تمہیں جو سمجھنا ہو سمجھو۔ میں اپنا فیصلہ تمہیں سنا چکا ہوں۔'' اس دن سے سلمان احمد بنا دیکھے سارہ احمد سے

سب سے زیادہ نفرت کرنے لگے۔

''بیٹا سلمان سارہ بہت پیاری ہے تم اس کی تصویر تو دیکھو۔''

''ماما میں نے بھی اس لڑکی کو ناکوں چنے نہ چبوا دیئے تو میرا نام سلمان احمد نہیں چار دن میں اس کو بھگا نہ دیا تو میرا نام آپ بدل دینا۔'' سلمان کی امی سلمان احمد کی باتیں سن کر پریشان ہوگئیں۔

اور پھر سلمان احمد نے چن چن کر سارہ احمد سے بدلے لیے۔ پہلی رات جو ایک لڑکی کی زندگی میں آنے والی حسین رات ہوتی ہے اس رات کو سلمان احمد نے سارہ احمد کے لیے ایک ڈراونی رات بنا دیا تھا لفظوں کے ایسے نشتر چلائے کہ سارہ احمد ان لفظوں کی چبھن آج بھی محسوس کرتی تھی۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارا گھونگھٹ اٹھا کر تمہاری تعریف کروں گا یا تمہارے ساتھ جینے مرنے کے وعدے کروں گا تو سارہ بی بی یہ تمہاری بھول ہے جاؤ اپنے کپڑے بدل لو مجھے تم میں کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہیں سارہ سلمان احمد بننے کا شوق تھا تو تم بن گئی اب یہ ٹیگ اپنے نام کے ساتھ لگا کر خوش رہو لیکن سلمان احمد کو تم کبھی اپنا نہیں بنا سکوں گی تمہارے اور میرے درمیان فاصلے کی یہ دیوار ہمیشہ قائم رہے گی۔ جسے میں تمہیں کبھی گرانے نہیں دوں گا تم ترسو گی میرے ساتھ کے لیے۔ تم نے میری محبت علیشبا کو میری زندگی سے دور کیا ہے اب تم بھی صدا پیاسی رہو گی محبت کی بھیک مانگوں گی لیکن میں تمہارے کشکول میں محبت کے چند سکے بھی نہیں ڈالوں گا۔''

یہ جملے جب پہلی رات کی دلہن سنے تو وہ اندازہ لگا سکتی ہے کہ اس کی آنے والی زندگی کس قدر کٹھن اور مشکل ہوگی۔ سارہ احمد بھی سمجھ گئی تھی کہ اسے سنگلاخ پتھروں پر چل کر اپنی منزل کو تلاش کرنا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ساری عمر سفر میں ہی گزرے اور نامراد ہی لوٹنا پڑے۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ سارہ احمد نہ اپنی ماں کے پاس واپس جاسکتی تھی کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے خاوند کے انتقال کے بعد بہت رنجیدہ رہتی تھی اور سارہ احمد انہیں ایک اور صدمہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ سلمان احمد کے گھر والے بہت اچھے تھے ساس نند' سسر سب سارہ احمد سے بہت پیار کرتے تھے لیکن جس کی وجہ سے وہ اس گھر میں موجود تھی۔ جو تمام رشتوں کی وجہ تھا وہ سارہ احمد کو دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ دوسرے دن ہی سلمان احمد آفس چلے گئے۔ سلمان احمد کے ڈیڈ نے انہیں روکنا چاہا تو سلمان احمد نے کہا۔

''ڈیڈ میں نے آپ کی بات مان لی آپ جو چاہتے تھے وہ ہوگیا اب آپ کہیں کہ میں سانس بھی آپ کی مرضی سے لوں تو یہ ممکن نہیں۔''

ایک دن بہت تیز بارش ہو رہی تھی سلمان احمد کا کچھ اتا پتا نہیں تھا گھر والے بھی سب دعوت میں گئے ہوئے تھے سارہ نے کئی بار سلمان احمد کو فون کیا لیکن انہوں نے ریسیو نہیں کیا۔ آفس میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو کب کے آفس سے جاچکے ہیں۔ سارہ احمد دل ہی دل میں سلمان احمد کی سلامتی کی دعائیں کرنے لگی۔ عورت کی محبت بھی عجیب طرز کی ہوتی ہے ایک بار جس کا نام دل پر لکھ لیتی ہے پھر وہ شخص چاہے اس کا دل کرچیاں کردے عورت کا دل اسی کی محبت کے گیت گاتا ہے۔ اسی کو پانے کی تمنا کرتا ہے۔ سارہ احمد کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ سلمان احمد جتنا اس سے لاتعلق ہوتے تھے سارہ احمد کا دل اتنا ان کے پاس جانے کو تڑپتا تھا۔ جتنا وہ سارہ احمد کی تذلیل کرتے تھے سارہ احمد کے دل میں سلمان احمد کو پانے کا جنون اُتنا ہی بڑھ جاتا۔ جیسے ہی گاڑی کا ہارن بجا سارہ احمد دروازے کی طرف بھاگی۔ سلمان احمد پوری طرح بھیگے ہوئے تھے اور بہت زیادہ افسردہ دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ کہاں رہ گئے تھے؟ میں کب سے آپ کا انتظار کررہی ہوں۔'' سلمان احمد گھسیٹتے ہوئے سارہ احمد کو کمرے میں لے گئے۔

''بدلحاظ عورت تم کیا چاہتی ہو کہ میں مر جاؤں تو لو میں کھڑا ہوں مجھے ماردو۔''

''اللہ نہ کرے سلمان...... میں کیوں ایسا چاہوں گی؟''

''پھر کیوں میری زندگی سے نہیں چلی جاتی' مجھے کیوں تنہا نہیں چھوڑ دیتی' جس طرح علیشبا چلی گئی۔ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے لندن۔'' اور وہ بچوں کی طرح رونے لگے۔ جس طرح بچے کا پسندیدہ کھلونا کھو جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے تو بچہ روتا ہے لیکن کھلونے تو بازار سے دوسرے خریدے

جاسکتے ہیں لیکن انسانوں کا تو کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔
سلمان احمد رو رہے تھے اور تکلیف سارہ احمد کو ہورہی تھی اور پھر اس نازک لمحے میں سلمان احمد نے فاصلے کی دیوار خود ہی گرادی۔ جسے سارہ احمد کو گرانے کی کبھی اجازت نہیں دی تھی۔ سلمان احمد شاید ہوش میں نہیں تھے۔ جبھی تو سارہ احمد کو اپنے کمرے میں دیکھ کر گرج اٹھے۔

''تمہاری اتنی ہمت کہ تم میرے کمرے میں میرے بستر پر آؤ...... کس نے اجازت دی تمہیں یہاں آنے کی؟''

''آپ نے......'' سارہ احمد کا جواب سنتے ہی سلمان احمد کو پچھلی رات کی ساری باتیں یاد آ گئیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اپنی زندگی سے پچھلی رات کو نکال کر پھینک دیتے۔ سارہ احمد کو جینے کی نوید مل گئی جب ڈاکٹر نے سارہ احمد سے کہا کہ وہ ماں بننے والی ہے تو وہ رونے لگی۔ ڈاکٹر نے سارہ احمد سے کہا۔

''کیا آپ خوش نہیں ہیں؟''

''ڈاکٹر میں اتنی خوش ہوں کہ یہ خوشی مجھ سے سنبھالی نہیں جارہی۔ اس لیے آنسو کی شکل میں آنکھوں سے بہہ رہی ہے۔'' انسان جتنا بھی کسی سے نفرت کرلے اپنی اولاد سے کبھی بھی منہ موڑ نہیں سکتا۔ سلمان احمد نے بھی سارہ احمد کو اس کے بچے کی ماں بننے کی وجہ سے اپنے کمرے میں جگہ دے دی تھی اور سارہ احمد کو یہ امید ہوچلی تھی ایک دن وہ سلمان احمد کے دل میں بھی جگہ بنانے میں کامیاب ہوجائے گی۔ سارہ احمد نے بیٹے کو جنم دیا۔ سلمان کے ڈیڈ نے پورے محلے میں مٹھائیاں بانٹیں شاہ میر بالکل سلمان احمد جیسا تھا۔ نین نقوش سب اس کے باپ جیسے تھے وقت گزرتا رہا تھا امید کا دیا بجھتا جارہا تھا۔ سلمان احمد نے سارہ احمد کو شاہ میر کی ماں کے روپ میں تسلیم کرلیا تھا لیکن آج بھی وہ اسے بیوی کا حق نہیں دے پائے تھے۔ آج بھی ان کے دل میں علیشبا کی محبت دھڑکتی تھی۔

محبت اگر کسی بازار میں ملتی تو سارہ احمد اپنا آپ بیچ کر بھی خرید لیتی۔ اگر طاقت وفرماں برداری سے حاصل کی جاسکتی تو آج سارہ احمد امیر ہوتی کیونکہ اس نے کبھی سلمان احمد کی حکم عدولی کا سوچا بھی نہیں تھا۔ لیکن محبت تو ایک احساس ہے جو دلوں میں خود ہی بیدار ہوتا ہے اور جو سلمان احمد کے دل میں سارہ احمد کے لیے آج تک نہیں ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وقت ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسلتا رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے شاہ میر کالج میں پہنچ گیا۔ شاہ میر انتہائی پیارا بچہ تھا۔ وہ اپنی ماما سے زیادہ قریب تھا اپنی ہر بات اپنی ماما کو بتایا کرتا۔ اس نے رامین کے لیے جب کچھ منفرد محسوس کرنا شروع کیا تو سب سے پہلے اپنی ماما کو بتایا۔

''شاہ میر اگر میں منع کردوں کہ میں تمہاری شادی اپنی پسند سے کروں گی تو؟''

''امی میں خوشی خوشی اس لڑکی سے شادی کرلوں گا آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' سارہ احمد نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگالیا۔

''نہیں بیٹا...... مجھے معلوم ہے میرے بیٹے کی پسند سب سے اعلیٰ ہے وہ لڑکی دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہوگی جسے میرے بیٹے نے منتخب کیا ہے۔''

''نہیں ماما...... آپ سے تھوڑی سی کم اچھی ہے کیونکہ میری ماما جیسی تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔''

رامین اور شاہ میر کی شادی عید کے فوراً بعد طے ہوئی تھی اس لیے رامین اور شاہ میر زور وشور سے اپنی شادی کی تیاریاں کررہے تھے۔ رامین کی شادی کا کارڈ خود سارہ احمد ڈیزائن کررہی تھی۔ ماہ صیام شروع ہوچکا تھا۔ فضا پرنور ہوگئی تھی ہر گھر سے کلام پاک کی صدائیں آرہی تھیں۔ لیکن سارہ احمد کو ایک خوف نے آ گھیرا تھا۔ سب کچھ لٹ جانے کا خوف' خالی ہاتھ رہ جانے کا خوف۔ اس دن ڈائننگ ٹیبل پر افطاری کرتے ہوئے شاہ میر نے بھی سارہ احمد سے پوچھا۔

''ماما آپ اتنی تھکی تھکی سی لگ رہی ہیں۔ ماما آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''مجھے کیا ہوا ہے شاہ میر میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' سارہ احمد نے یہ کہہ کر شاہ میر کو تو مطمئن کردیا لیکن اپنے دل کا کیا کرتیں جو بار بار کچھ برا ہونے کی پیشن گوئی کررہا تھا۔ سارہ احمد نے دعاؤں کے سلسلے طویل کردیئے تھے لیکن شاید اللہ کو سارہ احمد کا گڑگڑانا اور رونا بہت اچھا لگ رہا تھا' اللہ کو کچھ بندوں کا مانگنا ان کی گریہ وزاری کرنا اتنا پسند آتا ہے کہ وہ ان کی دعا قبول نہیں کرتا کہ وہ اپنے اللہ سے مانگتے ہیں اور وہ بدلے میں

ان کے درجات بلند کرتا رہتا ہے۔ چاند رات کو رامین اور شاہ میر پوری رات شاپنگ اور ہلا گلا کرتے رہے۔ رامین اور شاہ میر نے سارہ احمد سے بھی کہا تھا۔

''ماما آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں یہاں اکیلی کیا کریں گی؟''

''نہیں بیٹا تم لوگ جاؤ انجوائے کرو اور شاہ میر رامین کو مہندی بھی لگوا کر لانا۔'' سارہ احمد اپنے بیٹے کو کہنا چاہتی تھی۔ تنہائی تو میری بہترین سہیلی ہے میری رازداں ہے۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کا موڈ آف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سلمان احمد بارہ بجے کے لگ بھگ گھر آئے۔

''کھانا لگاؤں آپ کے لیے؟'' سارہ احمد نے پوچھا۔

''نہیں میں کھا کر آیا ہوں۔ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے انہوں نے اپنے کوٹ سے ایک کاغذ نکال کر سارہ احمد کو دیا۔''

''یہ کیا ہے؟''

''تم خود پڑھ لو۔'' سارہ احمد کا خوف حقیقت بن کر سامنے آ گیا تھا' سلمان احمد نے سارہ احمد کو تہی دامن کر دیا تھا۔

''اور اس اجازت نامے پر میں سائن نہ کروں تو؟''

''تو پھر میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔''

''وہ تو میں جانتی ہوں کہ تم مجھے کبھی طلاق نہیں دو گے کیونکہ تم اس جائیداد سے کبھی بھی دستبردار نہیں ہونا چاہو گے۔ جو میرے اور میرے بیٹے کے نام ہے اور جو بھی تمہیں اس میں سے کچھ مل سکتا ہے جب میں تم سے منسلک رہوں گی۔ حقیقت یہ ہے سلمان احمد...... تم کسی سے بھی محبت نہیں کرتے علیشبا سے بھی نہیں ورنہ اگر تمہیں علیشبا سے سچی محبت ہوتی تو تم جائیداد کو جانے دیتے۔ مجھ سے بھی شادی نہیں کرتے کیونکہ محبت کرنے والے اپنی زندگی چھوڑ دیتے ہیں موت کو گلے لگا لیتے ہیں لیکن محبت کرنے والے کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے۔''

''تم اپنی بکواس بند کرو اور اس کاغذ پر سائن کرو۔''

''جاؤ سلمان احمد میں نے تمہیں آزاد کیا تم کر لو شادی علیشبا سے...... اس رشتے کو کھونے کا کیا دکھ جو رشتہ کبھی ہمارے درمیان استوار ہی نہیں ہوا اور یہ لو میں اپنی جائیداد بھی تمہارے نام کرتی ہوں اب تمہیں مجھے چھوڑنا بھی ہو تو تم یہ فیصلہ بھی آسانی سے کر سکو گے۔''

☆......☆......☆

''غفور بابا...... ماما کہاں ہیں؟''

''بیٹا وہ تو صبح صبح ہی کہیں چلی گئیں تھیں آپ جب عید کی نماز پڑھنے گئے تھے۔''

شاہ میر پریشان ہو گیا کہ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا وہ عید والے دن شام میں نانی سے ملنے جاتی تھیں۔ رامین بھی ان کے ساتھ آتی تھی پھر رات کو ہوٹلنگ کرتے تھے۔ شاہ میر نے بہت بار اپنی ماما کا نمبر ٹرائی کیا لیکن موبائل سوئچ آف جا رہا تھا شاہ میر کو بہت تشویش ہو رہی تھی اسی پریشانی میں اس نے رامین کو بھی اپنے گھر بلا لیا۔

''شاہ میر ماما آ جائیں گی تم پریشان مت ہو تم نے ماما کا موبائل ٹرائی کیا؟''

''کئی مرتبہ کر چکا ہوں لیکن سوئچ آف آ رہا ہے۔ رامین ایسا آج تک کبھی نہیں ہوا ماما جہاں بھی جاتی ہیں مجھے بتا کر جاتی ہیں وہ جانتی ہیں کہ میں بہت جلد پریشان ہو جاتا ہوں۔''

''تم نے پاپا سے پوچھا؟ شاید وہ انہیں بتا کر گئیں ہوں۔''

''پاپا کو ماما کی فکر ہوتی تو پھر کوئی الجھن یا پریشانی ہی نہ ہوتی؟''

☆......☆......☆

جب بندہ مصیبت اور پریشانی میں ہوتا ہے تو اسے اللہ کے بعد اگر کوئی یاد آتا ہے تو وہ اس کی ماں ہوتی ہے انسان جانتا ہے کہ اس کی ماں کے پاس اس کی پریشانیوں کا کوئی سدباب نہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی ماں کی آغوش میں جب سر رکھتا ہے اور اس کی ماں اس کے بالوں کو سہلاتی ہے تو ایک لمحے کے لیے لگتا ہے کہ تمام پریشانیاں ختم ہو گئی ہوں۔ تمام مصیبتوں کا حل مل گیا ہو' سب کچھ صحیح ہو گیا ہو اور آج سارہ احمد کو بھی اسی آغوش کی ضرورت تھی۔ صبح سویرے سارہ احمد کو دیکھتے ہوئے اماں پریشان ہو گئیں۔

''کیا ہوا بیٹا اتنی سویرے تم آ گئیں آج تو عید ہے سلمان احمد اور شاہ میر کہاں ہیں؟ سب خیریت ہے ناں بیٹا۔''

''جی اماں سب خیریت ہے بس آپ سے ملنے کا دل

ہوا تو میں آ گئی۔‘‘ اماں نے سارہ احمد کو گلے لگایا ماتھے پر بوسہ دیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

’’بیٹا ایک بات کہوں۔ تمہیں عید کے دن یوں صبح سویرے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ سلمان احمد کو برا لگا ہوگا بیٹا۔‘‘ اور سارہ احمد کا دل چاہا کہ وہ سب کچھ اماں کو بتا دے پہلے دن سے لے کر اب تک کی ساری داستان ان کو سنا دے۔ سلمان احمد کی کہی ہوئی وہ ساری باتیں بتائیں جن باتوں نے سارہ احمد کے جسم کے ساتھ ساتھ ان کی روح کو بھی گھائل کردیا ہے۔

سارہ احمد کو ایسا وجود بنادیا جس میں جینے کی کوئی امنگ باقی نہیں رہی جو کبھی ہنستی تھی تو سب کہتے تھے ان کی ہنسی میں بچوں جیسی معصومیت ہے‘ سلمان احمد نے ان کی وہ ہنسی چھین لی تھی۔ ان کو جھوٹا منافق بنادیا تھا ان کا ہنس ہنس کر سب سے باتیں کرنا‘ اپنے آپ کو سب کے سامنے یوں پیش کرنا کہ ان سے زیادہ اس کائنات میں کوئی خوش اور مطمئن نہیں۔ سارہ احمد کو ڈھونگ لگتا تھا۔ ایک تماشہ لگتا تھا اور اب وہ یہ رول نبھاتے نبھاتے تھک گئی تھی۔ وہ دنیا کو بتانا چاہتی تھی۔ سارہ احمد یہ نہیں ہے جو تم سب کو دکھتی ہے سارہ احمد ایک مجبور اور لاچار عورت ہے ایک ایسی عورت ہے جس نے اصلیت چھپانے کے لیے اپنے چہرے پر نقاب لگایا ہوا ہے۔ لیکن اب اس نقاب کی وجہ سے سارہ احمد کا دم گھٹنے لگا تھا سارہ احمد کل تک ایک امید کے سہارے زندہ تھی کہ کبھی تو برف پگھلے گی‘ کبھی تو اندھیرے کو چیرتے ہوئے اجالے کی کرن نمودار ہوگی جو سارہ احمد کی سیاہ زندگی میں صبح کا پیغام دے گی۔ لیکن کل سلمان احمد نے وہ امید کا دیا بھی بجھادیا۔ سارہ احمد کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ زندگی کا طویل سفر کس امید پر کاٹے۔ اسی کا جواب لینے وہ اپنی اماں کے پاس آئی تھی۔ اماں کی آغوش میں سر رکھ کر وہ لیٹی گئیں تھیں۔

’’اماں آپ سے ایک بات پوچھو؟‘‘

’’پوچھو بیٹا۔‘‘

’’اماں کامیاب عورت کون ہوتی ہے؟‘‘

’’بیٹا جانتی ہو کامیاب عورت وہ نہیں ہوتی جسے دنیا اچھا کہے۔ کامیاب اور مکمل عورت وہ ہوتی ہے جس سے اس کا مزاجی خدا خوش ہو وہ اسے اچھا کہے۔‘‘

''اماں مجازی خدا کو خوش رکھنے کے لیے کیا کرے عورت؟''

''بیٹا اس کی اطاعت وفرماں برداری۔''

''لیکن اماں اس کی اطاعت وفرماں برداری کو وہ جاہلانہ پن کہے تو......'' کیونکہ سارہ احمد کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ سارہ احمد سلمان احمد کے سامنے کچھ بھی نہیں کہتی تھی۔ سلمان احمد اس کی فرماں برداری کو جاہلیت کہتے تھے۔

''یہ جی جی کا کیا راگ الاپتی رہتی ہو۔ اسی لیے میں تم جیسی جاہل قسم کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا جس کے اپنے کوئی رائے ہی نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ میں نے ایک چابی والے کھلونے سے شادی کرلی ہے۔'' اور جب کبھی سارہ احمد کسی معاملے میں اپنی رائے دیتی تو بدلے میں اسے یہ سننے کو ملتا۔ ''اپنی رائے اپنے پاس ہی رکھو اور تم کیا جانو؟ آج کل کے فیشن کے بارے میں گاؤں کی گنوار لڑکی۔'' اسی وجہ سے سارہ احمد نے فیشن ڈیزائننگ کا کورس کیا اور پوری دنیا میں اب ان کے کپڑے پسند کیے جاتے تھے۔ خاص کر بیرونی ممالک میں ان کے تیار کیے گئے کپڑوں کی بڑی ڈیمانڈ تھی۔ ایک دن جب سارہ احمد کی نند نے سلمان احمد کے سامنے سارہ احمد کے ڈیزائن کیے ہوئے کپڑوں کی تعریف کی تو سلمان احمد بجائے سارہ احمد کو سراہنے کے کہنے لگے۔

''اب تو ہر کوئی اس ڈیزائننگ کی فیلڈ میں آ گیا ہے نہ کوئی کپڑوں کا سلیکشن ہوتا ہے نہ ہی کوئی معیار اور اپنے آپ کو ڈیزائنر سمجھ بیٹھتا ہے۔'' سارہ احمد کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

''جی نہیں بھائی۔ بھابی تو بہت اچھی ڈیزائنر ہیں میری تمام فرینڈز کو بھابی کے ڈیزائن کیے ہوئے کپڑے بے حد پسند ہیں میری تمام فرینڈز بھابی کی دیوانی ہیں۔ کہتی ہیں تمہاری بھابھی تو بیسٹ ہیں صورت وسیرت میں اور اپنے کیریئر میں بھی۔''

''اتنی ہی پسند ہے تو ان سے کہو لے جائیں تمہاری بھابی کو اپنے گھر۔'' یہ کہہ کر سلمان احمد باہر چلے گئے تھے۔

سلمان احمد کا روز کا معمول تھا جب تک سارہ احمد کی تذلیل نہیں کرتے تھے انہیں قرار نہیں ملتا تھا۔ ان کی انا کو تسکین نہیں ملتی تھی۔ وہ کبھی سارہ احمد کی تعریف نہیں کرتے تھے اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی عیب نکالنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا اب سارہ احمد بھی اس بات کی عادی ہوچکی تھی۔

پہلی بار ٹوٹا دل تو بہت روئے تھے ہم
اب تو عادت ہوگئی ہے کرچیاں سمیٹنے کی

''بیٹا عورت کو مرد کے رنگ میں رنگ جانا چاہیے۔ اس کی پسند کو اپنی پسند بنالینا چاہیے۔''

''لیکن اماں ہر بار اگر وہ اپنی پسند بدل لیں تو۔'' کیونکہ سارہ احمد نے یہ حربہ بھی استعمال کرکے دیکھ لیا تھا ایک مرتبہ سارہ احمد کی نند نے ان سے کہا۔

''بھابی ایک بات کہوں؟''

''جی گڑیا بولو؟''

''آپ اتنے شوخ رنگ نہ پہنا کریں؟''

''کیوں مجھ پر اچھے نہیں لگتے؟''

''نہیں بھابی آپ پر تو بہت سوٹ کرتے ہیں لیکن بھائی کو لائٹ کلر پسند ہیں۔'' اور اس لمحے سے ہی سارہ احمد نے اپنی زندگی سے شوخ رنگوں کو نکال دیا تھا۔ رات کو کھانے کی میز پر سب بیٹھے ہوئے تھے سارہ احمد سب کو کھانا سرو کررہی تھی جب اس کی نند نے سلمان احمد سے کہا۔

''بھائی دیکھیے آج بھابی نے آپ کی پسند کا رنگ ہلکا فیروزی زیب تن کیا ہے۔''

''تمہیں کس نے کہا گڑیا کہ مجھے یہ رنگ پسند ہے مجھے کالا رنگ پسند ہے باقی کوئی رنگ مجھے اچھے نہیں لگتے۔''

''دیکھ سارہ میاں بیوی کا رشتہ ایک پودے کی طرح ہوتا ہے جس طرح چھوٹے سے پودے کو درخت بنانے کے لیے اس پر محنت کرنی پڑتی ہے اس طرح عورت کو بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اس رشتے کو مضبوط بنانے کے لیے۔''

''لیکن اماں اگر ایک عورت اپنے لہو سے اس پودے کو سینچے پھر بھی اسے ثمر نہ ملے تو؟''

''بیٹا پھر اس نے زمین کا انتخاب غلط کیا ہے۔''

''لیکن اماں عورت کو اس زمین سے عشق ہو جائے تو؟''

''تو بیٹا پھر اللہ پاک سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس بنجر زمین کو زرخیز کردے اللہ پاک بڑا مہربان ہے وہ کبھی

بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ اللہ کو تو حیا آتی ہے اپنے بندے کو خالی ہاتھ لوٹانے میں۔ اگر اللہ بندے کی پکار نہیں سن رہا ہوتا' اسے اس کی من پسند چیز نہیں دے رہا ہوتا تو بندے کی اس میں بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ بندے کو اس کی طلب کردہ چیز سے کئی گنا بہتر چیز عطا کرتا ہے۔''

''لیکن بیٹا...... تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو کیا کوئی پریشانی ہے کوئی لڑائی جھگڑا ہوا ہے گھر میں۔''

''نہیں اماں ایسی کوئی بات نہیں۔'' سارہ احمد نے کہا۔

''اماں اب میں چلتی ہوں۔'' کیونکہ سارہ احمد کو لگا اگر وہ کچھ دیر یہاں اور ٹھہریں تو ان کی اماں ان کے چہرے سے ان کے دل میں چھپے درد کو پڑھ لیں گی۔

جیسے ہی سارہ احمد شاہ میر کے کمرے میں داخل ہونے لگی ان کے قدم وہی رک گئے۔ شاہ میر رامین سے باتیں کررہا تھا اس کی آواز کمرے سے باہر آرہی تھی۔

''رامین تم جانتی ہو میری ماما بہت بہادر ہیں وہ کبھی کسی کو اپنا دکھ نہیں بتاتی لیکن اب یہ دکھ ان کو دیمک کی طرح اندر سے کھوکھلا کررہا ہے۔ میں جانتا ہوں ان کی ہنسی کے پیچھے چھپے درد کو۔ جب میں چھوٹا تھا اور وہ مجھے سلانے میرے کمرے میں آتی تھیں تو وہ کہانیاں سناتے سناتے خود بھی روتی تھی۔ انہیں لگتا تھا میں سوگیا ہوں۔ ماما کی حالت ایک ایسے شخص کی ہے جس کے سامنے پورا دریا ہو لیکن اسے ایک بوند پانی پینے کی اجازت نہ ہو۔ وہ اب ٹوٹنے لگی ہیں۔ بکھرنے لگی ہیں۔ یک طرفہ محبت کا کوئی حاصل نہیں ہوتا رامین۔ اور میری ماما برسوں سے اس راہ گزر پر تنہا چل رہی ہیں کہ کبھی تو ان کو ان کی ریاضتوں اور قربانیوں کا صلہ ملے گا۔ لیکن ان کی یہ امید بھی اب ٹوٹ گئی ہے۔ ان کا سب کچھ لٹ گیا ہے وہ ہار گئی ہیں۔ پاپا دوسری شادی کررہے ہیں رامین۔ میں گیا تھا ماما کو ڈھونڈتے ہوئے ان کے کمرے میں تو مجھے وہاں اجازت نامہ ملا لیکن ماما مجھے کبھی نہیں بتائیں گی وہ اب بھی پاپا کی اچھائی ہی کریں گی۔ ان کی تعریفوں کے پل باندھیں گی۔ رامین محبت انسان کو اتنا بے بس کیوں کردیتی ہے۔ رامین محبت تو آب حیات ہوتی ہے جو انسان کو زندگی دیتی ہے۔ یہ کیسی محبت ہے جس نے میری ماما سے سب کچھ چھین لیا۔ ان کا غرور' ان کا مان' ان کی امید' کاش میں کچھ کرسکتا تو میں اپنی حصے کی بھی خوشیاں اپنی ماما کو دے دیتا۔ لیکن میں کچھ نہیں کرسکتا کہ ہم کسی کے دل میں کسی کے لیے محبت پیدا کر ہی نہیں سکتے۔ ورنہ آج تک پاپا کے دل میں ماما کے لیے محبت پیدا ہوجاتی۔''

سارہ احمد نے بمشکل اپنے آنسوؤں کو ضبط کیا۔ صحیح کہا تھا اماں نے اگر وہ ہمیں اپنی پسند کی چیز نہیں دیتا تو اس سے کئی گنا بہتر چیز عطا فرماتا ہے۔ سارہ احمد کو سلمان احمد کی محبت نہیں ملی تھی وہ عمر بھر ترستی رہی تھیں اس محبت کو پانے کے لیے لیکن اللہ نے اس سے کہیں زیادہ پُرخلوص محبت ان کی جھولی میں ڈال دی تھی جو بے غرض تھی۔ ایسی محبت جس کو پاکر انسان آسودہ ہوجاتا ہے۔ اس کا وجود مکمل ہوجاتا ہے جو محبت بے چین روح کو پُرسکون کردیتی ہے۔ ایک ماں کے لیے اس کی اولاد کی محبت سے بڑھ کر اور کوئی محبت نہیں ہوتی۔ آج سارہ احمد کو وہ محبت مل گئی تھی' اپنے بیٹے کی محبت جو پانی کی طرح شفاف تھی۔ جس میں کوئی کھوٹ شامل نہیں تھا اور سارہ احمد شاہ میر کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ شاہ میر سارہ احمد کو دیکھتے ہوئے چھوٹے بچوں کی طرح ان کے گلے لگ کررونے لگا۔

''ماما آپ کہاں چلی گئی تھیں میں کتنا پریشان ہوگیا تھا۔''

''شاہ میر میرا بچہ رونا تو بند کرو۔ میں کہاں جاؤں گی؟ تمہیں چھوڑ کر تم تو میری زندگی ہو اور کوئی اپنی زندگی سے بھی دور جاتا ہے اور رامین یہ کیا' عید والے دن تم نائٹ ڈریس پہنوگی؟''

''نہیں ماما۔ یہ شاہ میر ہے ناں اس نے مجھے عید والے دن پاگل بنا دیا ہے اس کو کب سے سمجھا رہی ہوں کہ ماما آجائیں گی لیکن نہیں خود بھی پریشان ہوتا ہے اور مجھے بھی کرتا ہے۔ بالکل بچہ ہے۔''

''اب اس بچے کو تمہیں ہی سنبھالنا ہے رامین۔'' اور وہ سب ہنسنے لگے۔ آج سارہ احمد کی زندگی میں عید آئی تھی۔

نادیہ احمد

گزشتہ قسط کا خلاصہ

مسٹر اینڈ مسز انصاری بظاہر ایک آئیڈیل، خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انصاری ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی شہر منتقل ہوجاتے ہیں جہاں سالوں کی تگ ودو کے بعد وہ ایک خیراتی ہسپتال احسن طریقے سے چلانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ اس کام میں ان کی بیوی ڈاکٹر نور انصاری ان کی معاونت کررہی ہوتی ہیں۔ مسٹر اینڈ مسز انصاری کے دونوں بچے سمیر اور فریحہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے پاس رہنے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ سمیر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پہ فائز ہوتا ہے جبکہ فریحہ ایک ڈاکٹر ہوتی ہے جو اسلام آباد سے حال ہی میں اپنی ہاؤس جاب مکمل کرکے آتی ہے اور دوبارہ اسلام آباد کے ہی ایک بہت بڑے ہسپتال میں اپنی ملازمت جاری رکھنے کی خواہش رکھتی ہے لیکن ڈاکٹر نور اسے چند دن ہسپتال میں اپنی مدد کرنے پہ بخوشی راضی کرلیتی ہیں۔ علینہ ایک کم گو، الجھی ہوئی اور معاشرتی مسائل کا شکار لڑکی ہوتی ہے۔ وہ مقامی کالج میں زیرِ تعلیم ہے اور امتحانات کے آخری دن مونس کے ساتھ ہونے والے مڈبھیڑ کے بعد مونس کو ایک تھپڑ رسید کردیتی ہے اور حواس باختہ ہوکر کالج کی عمارت سے نکلتے ہوئے وہ اچانک سمیر کی گاڑی سے ٹکرا جاتی ہے پر سمیر وقت پر بریک لگا کر اس کو بچالیتا ہے۔ علینہ بے ہوش ہوجاتی ہے اور سمیر اسے زینب وقار ہسپتال اپنی والدہ کے پاس لے آتا ہے۔ علینہ کو جلد ہسپتال سے ڈسچارج کردیا جاتا ہے۔ مونس غصے میں بھرا پہلے اپنے دوستوں کو باتیں سناتا ہے اور پھر اپنی والدہ رخشندہ سے علینہ کی شکایت کرتا ہے جو اپنے لاڈلے بیٹے سے بھی دو ہاتھ آگے ہوتی ہیں۔ خاور علینہ سے ملنے آتا ہے پر وہ اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ شاکرہ اس کی شکایت اس کی ماں سے کرتی ہے پر علینہ کا انداز ہمیشہ کی طرح لاتعلق اور احساسِ کمتری کا مارا ہوا ہوتا ہے۔ شہباز سفینہ کو بے دردی سے مارتا ہے۔ بازو ٹوٹنے کی وجہ سے فاطمہ چاروناچار اسے ہسپتال لے آتی ہے جہاں ڈاکٹر کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر کے سوالوں کا گول مول جواب دے کر وہ گھر چلی آتی ہے پر فاطمہ دل ہی دل میں ماں کی بے جا خاموشی پہ شکوہ کناں رہتی ہے۔ شہباز گھر اور بیوی سے لاپروا جوا کھیلنے چلا جاتا ہے جہاں اس کا اوباش دوست عارف اسے ادھار دیتا ہے۔ ڈاکٹر فریحہ زخمی عورت کی بے بسی اور لاچاری پہ جہاں درد محسوس کرتی ہے وہیں اسے اس عورت کی خاموشی پہ کوفت ہوتی ہے۔ سمیر اور اس کے درمیان اس موضوع پہ ہونے والی بحث ڈاکٹر نور کو انتہائی اپ سیٹ کردیتی ہے اور پریشانی کے سائے ڈاکٹر انصاری کے چہرے پہ بھی نمایاں ہوجاتے ہیں۔ سمیر اتفاقاً ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر الجھ جاتا ہے۔ اسے یقین ہے اس کے والدین کے درمیان کشیدگی ان کے ماضی کے کسی راز سے وابستہ ہے۔ علینہ کو لے کر عامر اپنی بیوی کو بے نقط سناتا ہے۔ دونوں کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے جس میں عامر اسے حال اور ماضی کے طعنے دیتا ہے پر وہ خاموشی سے سن کر صبر کرتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتی ایک بار پھر اس کا گھر ٹوٹے اور اس کی اولاد کو خمیازہ بھگتنا پڑے۔ سمیر اور کشمالہ کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ دونوں کی سالوں پرانی دوستی ایک نئے رشتے کی طرف قدم بڑھا رہی ہے پا ایسا صرف کشمالہ سمجھتی ہے۔ علینہ کی سہیلیاں آکر اسے مونس کے حوالے سے ڈراتی ہیں۔ وہ اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا ہوجاتی ہے کہ کہیں واقعی مونس اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے لیکن وہ خاور سے مدد لینا نہیں چاہتی۔ اندھیرے میں چھت کی طرف جاتے گھر کا داخلی دروازہ کھلا پاکر وہ ٹھٹک جاتی ہے۔ دروازے میں کھڑے سائے کو دیکھ کر علینہ بے اختیار چیختی ہے پر اچانک سایہ آگے بڑھ کر مضبوطی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے جس سے علینہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زبیر اپنی طرف سے سفینہ کو خود پہ ہوتے ظلم سہنے سے باز رکھتا ہے پر سفینہ کے اندر کی عزتِ نفس کو نہ تو ڈاکٹر کی کاؤنسلنگ جگا پاتی ہے نہ ہی فاطمہ کا شکوہ۔ آسیہ کی بیماری اور آپریشن کی خبر جہاں شاکرہ کو پریشان کرتی ہے وہیں علینہ کی ناراضی میں دراڑ ڈالتی ہے۔ وہ بے چین ہوتی ہے پر دوہا

نہیں جانا چاہتی اور شاکرہ اسے اکیلے گھر میں چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتیں۔

(اب آگے پڑھیے)

☆......☆......☆

چل عمر کی گٹھڑی کھولتے ہیں
اور دیکھتے ہیں
ان سانسوں کی تفحیک میں سے
اس ماہ وسال کی بھیک میں سے
اس ضرب جمع تفریق میں سے
کیا حاصل ہے کیا لاحاصل
چل گٹھڑی کھول کے لمحوں کو
کچھ وصل اور ہجر کے برسوں کو
کچھ گیتوں کو، کچھ اشکوں کو
پھر دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں
یہ دردبھری سوغات ہے جو
یہ جیون کی خیرات ہے جو
اک لمبی کالی رات ہے جو
سب اپنے پاس ہی کیوں آئی
یہ ہم کو راس ہی کیوں آئی
یہ دیکھ یہ لمحہ میرا تھا جو اور کسی کے نام ہوا
یہ دیکھ یہ صبح کا منظر تھا جو صبح سے مثل شام ہوا
اور یہ میرا آغاز پڑا جو بدتر از انجام ہوا
اب چھوڑ اسے آ دیکھ ادھر
یہ جس پڑا اور ساتھ اس کے
کچھ اکھڑی اکھڑی سانسیں ہیں
اک دھندلا دھندلا منظر ہے
اور اجڑی اجڑی آنکھیں ہیں
یہ جھلسے ہوئے کچھ خواب ہیں جن کے ہاتھ کوئی تعبیر نہیں
یہ دیکھ حنائی ہاتھ ہیں پر وصل کی ایک لکیر نہیں!

صبح کی نرم دھوپ سنہری کرنوں میں لپٹی زمین پہ دلکشی لٹا رہی تھی۔ بہار کی گرم ہواؤں میں اب لو جیسی تپش در آئی تھی۔ شہر کے مہنگے ترین رہائشی علاقے میں پھولوں سے سجی بلند و بالا کوٹھی کرنوں میں نہائی ہوئی تھی۔ صدر دروازے پہ لگی انصاری ہاؤس کی نیم پلیٹ اس دو منزلہ عمارت کے وقار کو چار چاند لگا رہی تھی۔ وسیع لان کے سبزے پہ اس پل دھوپ کا راج تھا۔

اندر قرینے سے سجے کشادہ لاؤنج میں ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، دو سیٹر صوفہ کے کونے پہ ٹکی پُراعتماد لیکن پُرتکلف کشمالہ معین اور اس کے برابر سنجیدہ مطمئن سمیر بیٹھا تھا۔ سفید قیمتی اور اسٹائلش لباس میں، شولڈر تک کٹے سلکی بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ سر پہ ٹکے انتہائی قیمتی سن گلاسز اور چہرے پہ ہلکا سا میک اپ وہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی۔ ہر بار کی طرح آج بھی اسٹائل اس پہ ختم تھا۔ اس کی شخصیت کو چار چاند لگاتا اس کا اعتماد اور تنی ہوئی گردن جس سے اس کی کلاس اور عہدے کا تکبر جھلک رہا تھا۔ سامنے اسی سے ملتے جلتے تھری سیٹر کاؤچ پہ مسٹر اینڈ مسز انصاری براجمان تھے جبکہ فریحہ اس وقت اسپتال میں تھی۔ مجبوری نہ ہوتی تو غالباً وہ بھی گھر سے باہر قدم نہ نکالتی۔ سینٹر ٹیبل کھانے پینے کے لوازمات سے پُر تھی اور پاس ہی ایک خوب صورت سا بوکے دھرا تھا۔

''تم نے خوامخواہ زحمت کی اس فارمیلیٹی کی ضرورت نہیں تھی۔'' سمیر کے چہرے پہ چھائی سنجیدگی چھپی پریشانی کی لکیریں اور آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ لیکن وہ کمپوزڈ تھا۔

''یہ فارمیلیٹی تمہارے لیے ہے، میرے ہاں اسے اخلاقیات کہتے ہیں۔'' وہ کوئی اور نہیں کشمالہ معین تھی جس کے پاس ہر بات کا جواب موجود ہوتا تھا۔

''یا پھر دوست ہونے کے ناطے ایک کرٹسی وزٹ بھی الاؤ نہیں۔'' زیرلب جتا کر دھیمی آواز میں پوچھا پھر بھی سامنے بیٹھے ڈاکٹر انصاری سن چکے تھے۔

''آپ کا اپنا گھر ہے بیٹا، آپ جب چاہیں یہاں آسکتی ہیں۔''

کل رات اچانک ان کی طبیعت اپ سیٹ ہوگئی تھی۔ شوگر لیول خطرناک حد تک ہائی ہوگیا تھا اور نور سمیت سب کی جان پہ بن آئی تھی۔ تمام رات ان سب نے جس پریشانی میں گزاری اس کے بعد آج صبح سمیر نے لاہور واپس جانے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ اسے اگلے ہفتے ڈی سی آفس جوائن کرنا تھا۔ لاہور میں اپنا سب کام وائینڈ اپ کرنا تھا مگر اس نے یہ کام اب دو روز کے لیے موخر کردیا تھا۔ صبح تک انصاری صاحب بہت بہتر محسوس کررہے تھے پر سمیر انہیں ایسے چھوڑ کر جانے پہ راضی نہ تھا اور اسے کنوینس کرنا آسان کام نہیں تھا۔ فریحہ کو بمشکل اسپتال بھیجا کہ اس وقت کوئی تو وہاں موجود ہو لیکن ڈاکٹر نوران کے پاس ہی تھیں۔ کشمالہ کی کال اتفاقاً آئی۔ وہ

اسے گڈبائے کہنا چاہتی تھی پر دوسری طرف سمیر کا تھکا ہوا اور پریشان لہجہ سن کر کشمالہ نے آفس جانے کی بجائے گاڑی انصاری ہاؤس کی طرف موڑلی تھی۔

"مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ آپ دونوں بیچ میٹ ہیں۔ (سمیر نے کبھی ذکر جو نہیں کیا) ورنہ ہم آپ کو خود انوائیٹ کر لیتے۔" ڈاکٹر نور نے بھی اخلاقیات نبھائی۔

"اٹس رئیلی ویری سوئیٹ آف یو آنٹی اینڈ تھینکس ٹو مسٹر سمیر انصاری جس کی بدولت آج تک ہمارا تعارف نامکمل تھا۔" کشمالہ کی وہی مخصوص پُرتکلف سی مسکراہٹ تھی اور سمیر کو جتاتا ہوا انداز۔ اس کی نظروں میں سمیر کے لیے واضح پسندیدگی مسٹر اینڈ مسز انصاری سے چھپ نہ سکی تھی۔

"اتنے بہت سے لوگ پہچان والے ہیں۔ کوئی سیفیر تو کوئی جوجہیر۔ آپ کو سب کے متعلق تھوڑا معلوم ہے۔" لیمن کیک کا پیس کاٹ کر اپنی پلیٹ میں رکھتے سمیر ذرا سا ہنسا۔ ڈاکٹر نور نے تحیر سے اس کی طرف دیکھا۔

کشمالہ کا چہرہ یک دم پھیکا ہوا تھا۔ آنکھوں کی چمک ماند ہوگئی تھی۔ بس ایک ہی پل لگا تھا سمیر انصاری کو اسے آسمان سے زمین پر لانے میں اور یہ تو بس کشمالہ معین کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ اس جبر کو کیسے برداشت کرتی تھی۔

"یعنی آپ نے گھوڑوں اور گدھوں کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا۔ (دوستوں اور پہچان والوں میں فرق ہوتا ہے)۔" جتاتا سا انداز تھا کشمالہ کا۔ بس چند سیکنڈ ہی لگے تھے اسے خود پہ قابو پانے میں۔ ایک بار پھر وہی پُرتکلف سی مسکراہٹ جس نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا اور آنکھوں میں پہلے سی چمک لوٹ آئی تھی۔ سمیر اگر اسے چڑانے کا خواہاں تھا تو وہ ہرگز نہیں چڑی تھی۔

"گدھے کہاں بچے اب تو سب گھوڑے ہیں۔" جواب ترکی بہ ترکی آیا تھا لیکن وہ اس سے مزید الجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"ویل تھینکس فار دی کافی آنٹی۔ انکل آپ اپنا خیال رکھیں۔ میں اب چلوں گی۔" بڑے کانفیڈنٹ انداز میں اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتے اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی پہ ایک نگاہ ڈالی۔

وہ بس مختصر سی ہی بیٹھی تھی۔ اسے دفتر پہنچنا تھا اور اس تھوڑی سی دیر میں بھی وہ اپنی شخصیت سے مسٹر اینڈ مسز انصاری کو مرعوب و متاثر کر گئی تھی۔ ان دونوں نے ہی اسے بہت اچھے انداز میں سی آف کیا تھا۔ اور اس کے جانے کے بعد بھی موضوع کشمالہ معین ہی تھی۔

"ماشاء اللہ بڑی کیوٹ ہے نا۔" ڈاکٹر نور کا خالص ماؤں والا تجزیہ تھا کمشالہ کے بارے میں۔

"ویسے کیا ضرورت تھی اس سے اتنا روڈ ہونے کی وہ تمہیں کتنا وی آئی پی ٹریٹ کر رہی تھی۔" وہ اچانک یاد آنے پہ بولیں۔

"میں باس ہوں، میرا فرض بنتا ہے۔" سمیر نے دونوں بازو انگڑائی کی طرح ہوا میں لہرائے اور پھر انہیں تکیے کی طرح سر کے نیچے رکھ لیا۔ وہ اب صوفہ پہ پاؤں پسارے ریلیکس انداز میں بیٹھا تھا۔ (لیدر صوفہ کی مخصوص مہک میں اب "گوچی بیمبو" کی مہک شامل تھی۔ ان دنوں کشمالہ کا مخصوص پرفیوم سمیر اس خوشبو کو پہچاننے لگا تھا)

"لڑکیوں کا دل نہیں توڑتے برخودار خاص طور پہ خوب صورت لڑکیوں کا۔" اس سے پہلے کہ نور کچھ کہتیں انصاری صاحب بولے۔ وہ اب کافی بہتر محسوس کر رہے تھے اور ایسے موقعوں پر تو ان کی حس مزاح عروج پہ ہوتی تھی۔

"تو کیوں گھومتی ہیں دل ہاتھوں میں تھامے، گر گیا تو ٹوٹ بھی جائے گا۔" جواب برجستہ آیا تھا۔

"بڑی مختلف سی ہے۔ حالانکہ شہر میں اس کی سخت مزاجی کے جھنڈے گڑے ہیں۔ پر مجھے اچھی لگی۔" ان دونوں باپ بیٹا کی بات کو صریحاً نظر انداز کرتے نور انصاری اپنے جوڑ توڑ میں لگی تھیں۔ انہوں نے سمیر کی طرف جوابی نظروں سے دیکھا جیسے اپنی ججمنٹ کی تائید چاہتی ہوں۔

"ممی پلیز آپ پہ سوٹ نہیں کرتا یہ ٹیپیکل رویہ۔ اچھی صورت والی لڑکی دیکھی اور شروع ہوگئیں قیافے ملانے۔" وہ ہنسا۔

"سو فیصد اس کا جھکاؤ تمہاری طرف ہے لکھوا لو مجھ سے۔" نور انصاری کی بات پر سمیر نے اپنے سر پہ ہاتھ مارا۔ اسی لیے وہ کشمالہ کو اپنی فیملی سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے گھر آتے ہی ایک نیا چیپٹر کھل گیا تھا۔

"وہ بس میری دوست ہے اور اب کولیگ۔ ہم نے ساتھ کام کرنا ہے اور ابھی تو میں اس جھنجٹ میں بالکل نہیں پڑنا چاہتا۔" ماحول میں ایک دم سنجیدگی در آئی تھی۔

"اب نہیں تو کب؟" نور انصاری تو ویسے بھی ذہنی طور پہ تیار تھیں۔ سمیر اور فریحہ کی شادی ان دنوں ان کا سب سے اہم

مسئلہ تھا۔ بات شروع ہوچکی تھی اور وہ اپنی بات پہ مصر تھیں۔

''پتا نہیں۔ آئی مین...... آئی ایم ناٹ ریڈی۔'' وہ سٹپٹا کر بولا۔ انداز جان چھڑانے والا تھا۔

''یار ویسے اس معاملے میں تم بالکل اپنے باپ پہ نہیں گئے ہو۔'' اس سنجیدہ ماحول میں ڈاکٹر انصاری کے غیر سنجیدہ کمنٹ نے نور انصاری کی باتوں کا رخ موڑ دیا۔

''اچھا اور باپ نے کیا تیر مارا تھا۔'' وہ اب انصاری صاحب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''آپ کو دیکھتے ہی پسند کرلیا تھا۔'' نور انصاری کے چہرے کا رنگ بدلا، آنکھوں میں ایک سایہ سا لہرایا تھا۔ انصاری صاحب کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی جیسے اپنی ہی بات سے محظوظ ہو رہے ہوں۔

''براوو ڈیڈ۔ آپ جیسا بننے میں عمر گزر جائے گی۔'' سمیر کا ہاتھ ماتھے تک اٹھا۔ سیلوٹ کیا اور ان کے شرارتی انداز پہ دل کھول کر ہنسا۔ اس کا دھیان انصاری صاحب کی باتوں میں تھا غالباً اسی لیے اس نے ماں کی بدلی رنگت پہ غور نہ کیا تھا۔

''لیکن یہ جو ہماری جنریشن ہے نا، اس کی زندگی بہت کمپلیکس (پیچیدہ) ہے۔ ہم میں آپ کی طرح فوراً فیصلے کرنے کی صلاحیت مفقود ہے۔ آپ خود سوچیں ہمارا دل فیس بک پہ، دماغ ٹوئیٹر پہ، انگلیاں واٹس ایپ پہ اور نظریں انسٹا پہ گڑی ہوتی ہیں۔ کون سا اسٹیٹس اپ ڈیٹ کریں کہ لائک اور کمنٹ کا طوفان آجائے اس سوچ نے تو پہلے ہی دماغ چکرا دیا ہے۔ ہم اس دلدل سے نکلیں تو کسی کے عارض و رخسار کا سوچیں اور کوئی حتمی فیصلہ کریں۔'' نور انصاری کو بس اتنا ہی وقت چاہیے تھا خود کو نارمل اور کمپوز کرنے کے لیے بھی۔ انصاری صاحب کی طرح وہ بھی اب سمیر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بہت پرابلم ہے ڈیڈ بہت زیادہ پرابلم ہے۔ آپ ہمارا مسئلہ سمجھیں ہم نے کیا خاک محبت کرنی ہے۔'' اپنے تئیں اس نے جیسے انتہائی سنجیدہ بات کی تھی۔ سر جھٹکتا وہ اسی سنجیدگی سے صوفے سے اٹھا اور متانت سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

''ایک میسج کا جواب نہیں دیتا یہ، سوشل میڈیا تو اس نے کبھی نہ خود استعمال کیا نہ فری کو کرنے دیا یہ کون سے مسائل کا تذکرہ کر رہا تھا؟'' نور انصاری واقعی الجھ گئی تھیں۔ انہوں نے انصاری صاحب کی طرف دیکھا جو بدستور مسکرا رہے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب، آپ کا بیٹا ایک انتہائی قابل سرکاری آفیسر ہے۔ غچہ دے گیا۔'' ان کی بات پہ سنجیدہ سی نور انصاری بھی بے ساختہ مسکرا دیں۔

☆......☆......☆

ایک مصروف سا دن بھی فریحہ کے ذہن سے انصاری صاحب کی طبیعت کو لے کر پریشانی محو کرنے سے قاصر رہا تھا۔ حالانکہ وہ اسے خود تسلی دے چکے تھے پر دل کو قرار کہاں تھا۔ اسی لیے آدھا دن بمشکل گزارا اور پھر واپسی کا عندیہ لیا۔ وہ کوریڈور میں تھی جب اسے شاکرہ اماں سامنے سے آتی دکھائی دیں۔ انہیں اسپتال میں دیکھ کر فریحہ کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ان تک پہنچی۔

''ارے آنٹی آپ، اس وقت۔'' اس کی آواز متفکر ہوئی۔

''بہو سے ملنے آئی تھی۔ اس دن جو ہوا میرا دل بہت برا کر گیا وہ سب۔'' شفقت سے فریحہ کا ماتھا چومتے وہ اب اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی۔ مس انڈر اسٹینڈنگ تھی وہ......بس اور کیا۔'' فریحہ کو ان کا شرمندہ سا لہجہ اچھا نہیں لگا تھا۔ بیچاری کتنا گلٹی فیل کر رہی تھیں۔

''علینہ تو بونگی ہے۔ عقل سے کام لیتی ہی نہیں۔ ذلیل کر کے رکھ دیا مجھے تو اس لڑکی نے۔'' سمیر کی ناراضی کا سوچ کر فریحہ کچھ شرمندہ ہوئی۔ فریحہ ابھی اس بات سے ناواقف تھی کہ ان چھوٹے شہروں کے سادہ مزاج لوگوں کی رواداری ہی تو ان کا اثاثہ ہے۔ وہ انہیں کوریڈور میں لے کر تو کھڑی ہو نہیں سکتی تھی۔ اندر اپنے کمرے میں چلنے کا کہا ساتھ ہی ڈاکٹر انصاری کی ناسازیٔ طبع اور ڈاکٹر نور کی غیر موجودگی کا ذکر بھی کر دیا۔ وہ خود بھی پریشان تھی اور اس کی پریشانی چہرے سے جھلک رہی تھی پر شاکرہ تو اس سے بڑھ کر پریشان ہوگئیں۔ فریحہ نے یونہی ساتھ چلنے کی آفر کی تو وہ فوراً اسے پہلے راضی ہوگئیں۔

فریحہ کے ساتھ شاکرہ کو دیکھ کر نور انصاری کو خوشگوار حیرت ہوئی تو دوسری طرف سمیر چونکا۔ سب لوگ لاؤنج میں جمع تھے اور ڈاکٹر انصاری بیمار رہ کر اتنے تھک چکے تھے کہ اب اگر کوئی ان سے ایک بار بھی طبیعت کے حوالے سے پوچھتا تو وہ چڑ جاتے۔ ان کے خیال میں سب نے بات کا بتنگڑ بنا لیا تھا۔ لہٰذا اس وقت وہاں ان کی صحت کے سوا دنیا کا ہر ٹاپک زیر بحث لایا جاسکتا تھا۔ مختصراً ان کی خیریت پوچھ کر موضوع گفتگو

اب روٹین کی باتوں میں ڈھل گیا تھا۔
"کئی دن سے سوچ رہی تھی چکر لگاؤں، لیکن بس پریشانی ہی کچھ ایسی تھی میں آ نہیں سکی۔" شاکرہ کے سادہ لفظوں میں تفکر نمایاں تھا۔
"خیریت کیا ہوا...... علینہ تو ٹھیک ہے نا؟" فریحہ اور نور دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔ سمیر بظاہر لاتعلق سا بیٹھا تھا جبکہ دھیان اور کان دونوں انہی کی جانب تھے۔
"ہاں وہ تو ٹھیک ہے پر اس کی ماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔" شاکرہ اماں نے دھیمی آواز میں بتایا۔ اس کے لہجے میں اولاد کا درد تھا۔
"اللہ رحم کرے کیا ہوا اسے۔" انصاری صاحب نے استفسار کیا۔
"گردے میں پتھری ہے۔ ڈاکٹر نے آپریشن بتایا ہے۔" ان کی پریشانی چہرے اور سے عیاں تھی۔
"اللہ اپنا کرم کرے گا آج کل تو لیزر سے ہوجاتا ہے۔ لمبا چوڑا مسئلہ نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر نور نے اپنے تئیں تسلی دی۔ ان کے نزدیک یہ واقعی اتنی بڑی تکلیف نہیں تھی۔
"وہ تو سب ٹھیک ہے پر اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ہسپتال دیکھے گی یا گھر۔ شوہر ملازم پیشہ ہے۔ نوکری چھوڑ کر بیوی کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے یا بچے سنبھالے۔" شاکرہ نے وہی سب دہرایا جو پچھلے تین چار دن سے ان کے گھر موضوع گفتگو تھا۔
"تو آپ چلی جائیں نا اس کے پاس اگر ممکن ہے تو یا پھر اسے یہاں بلالیں۔" فریحہ نے کندھے اچکا کر اپنی طرف سے مسئلہ ہی ختم کردیا تھا۔
"وہی تو۔ مجھے ہی جانا پڑے گا وہ تو ابھی آنے سے رہی ایسی حالت میں۔ پھر وہاں علاج بھی اچھا ہوجاتا ہے۔ پر یہ علینہ دردِ سر بنی ہوئی ہے۔" شاکرہ نے آخری جملہ کچھ ایسے سنسنی خیز انداز میں کہا کہ وہاں موجود سب ہی چونکنے ہوگئے۔
"علینہ کا کیا مسئلہ ہے۔" ڈاکٹر نور نے ہمت کرکے ڈرتے ہوئے پوچھا۔
"سارا مسئلہ تو اسی کا ہے۔" فون پہ ٹیکسٹ پڑھتے سمیر نے سر اٹھا کر دیکھا۔
"صاف انکار کردیا وہاں نہیں جائے گی۔" شاکرہ نے راز افشاں کیا۔

"اوہ......" نور کے سینے سے ایک پُرسکون سانس خارج ہوئی ان کے ذہن میں تو پتا نہیں کون کون سی باتیں گھومنے لگی تھیں۔
"خیر وہ تو آسیہ بھی اس کے آنے پہ راضی نہیں تھی۔" اچانک شاکرہ کا لہجہ انتہائی مطمئن ہوا تھا۔ "پھر میں نے سوچا چلو اپنے باپ کے ہاں رہ لے گی۔ ایک مہینے کی تو بات ہے ساری۔" وہ مزید گویا ہوئی۔ وہ سب نہایت تحمل سے یہ گفتگو سن رہے تھے۔
"پھر تو مسئلہ حل ہوگیا۔" فریحہ فوراً بولی۔
"باپ سے تو ویسے ہی چڑتی ہے۔ اس سے بات تک نہیں کرتی سیدھے منہ۔ وہاں جانے سے بھی منع کردیا۔" شاکرہ نے ایک اور بم پھوڑا۔ منہ کا زاویہ ایسا جیسے ابھی ابھی کوئی کڑوی گولی نگل لی ہو۔
"پھر اب کیا ہوگا؟" نور نے فریحہ اور ڈاکٹر انصاری کو فرداً فرداً دیکھا۔ سمیر البتہ اب بھی اپنے سیل فون پہ جھکا اسنوکر کھیل رہا تھا۔
"جوان لڑکی کو اکیلا چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں بیٹا۔ وہاں آسیہ کا آپریشن ہے اگلے ہفتے۔ ویزہ آیا رکھا ہے میرا لیکن علینہ کی وجہ سے جا نہیں سکتی۔" شاکرہ کے حالات میں پریشانیوں کا انبار تھا۔ مسائل ہمیشہ وسائل کا منہ دیکھتے ہیں۔ ان پہ قابو پانے کی حیثیت اور طاقت سب میں انفرادی ہوتی ہے۔ بظاہر یہ چھوٹی سی بات شاکرہ کے حلق کا کانٹا بنی ہوئی تھی۔
"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے میں پاگل ہوجاؤں گی۔"
"آنٹی آپ اس کو ہمارے گھر چھوڑ دیں نا۔" فریحہ کی بات پہ جہاں نور اور انصاری صاحب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا وہیں سامنے بیٹھے سمیر کے چہرے پہ ناگوار تاثرات ابھرے تھے۔
"کیوں ممی؟" معصومیت سے اس نے بال اب نور انصاری کے کورٹ میں پھینک دی تھی۔
"جی اگر آپ کو مناسب لگے تو ضرور۔" مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ اب یہی کہہ سکتی تھیں۔ سمیر نے خائف نظروں سے ماں کی طرف دیکھا پر انہوں نے قصداً اسے دیکھنے سے گریز کیا تھا۔
"میرے لیے جیسی فری، ویسی ہی علینہ بھی ہے۔" بات کوئی اتنی نامناسب بھی نہیں تھی۔ وہ دور کے ہی سہی پر اس شہر

میں شاکرہ کے واحد رشتے دار تھے اور پھر ان حالات میں جبکہ وہ پریشان بھی تھی اپنے بہترین وسائل کی بدولت یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی کہ علینہ ایک ماہ ان کے گھر ٹھہر جائے۔

''بات تو تمہاری دل کو لگتی ہے۔'' شاکرہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''باپ کے گھر نا رہنے کی تو چلو وجہ ہے پر یہاں رہنے پہ کیا بہانہ کرے گی۔ اکیلے وہاں رہنے سے تو بہتر ہے بڑوں کے پاس رہ لے۔'' وہ اس وقت خود ہی سوال وجواب میں لگی تھیں۔

''جی بالکل۔ میں خیال رکھوں گی۔'' نور نے یقین دہانی کرائی۔

''کرتی ہوں بات، دیکھو جو مان جائے۔'' وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''مان جائے گی ان شاءاللہ۔ آپ پریشان مت ہوں۔'' نور انصاری نے تسلی دی۔ شاکرہ کو رخصت کرتے وقت وہ نہیں جانتی تھیں علینہ کی اس گھر میں آمد اس گھر کے مکینوں پہ کس طرح بھاری پڑنے والی ہے۔ لیکن اب موجودہ صورت حال نے علینہ اور سمیر کے حوالے سے مزید خدشات پیدا کردیے تھے، جہاں سمیر کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی تھی وہیں علینہ کے لیے بھی بہت سی مشکلات میں اضافہ ہوگیا تھا۔ لیکن شاکرہ کے آنے تک یہ سب اسے برداشت کرنا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی ایک بات تو ہے، یہ شاکرہ آنٹی ہیں بہت مزے کی۔'' فریحہ کا تبصرہ عجیب تھا۔ وہ تینوں اسی طرف متوجہ تھے۔

''ان کی باتیں بہت فنی ہوتی ہیں نا۔ میرے لیے تو ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔'' وہ اب تک ان کی باتوں کو انجوائے کررہی تھی۔

''یہ ہے آج کل کی جنریشن کا حال، ہماری نانی کی عمر کی ہوں گی وہ اور اس میڈم کو ہنسی آتی ان کی باتوں پہ۔'' سمیر نے باقاعدہ شرم دلائی۔

''وہ تو پیار سے آتی ہے، میں کوئی مذاق تھوڑی نا اڑا رہی ان کا۔'' فریحہ نے تصحیح کی۔

''پرانے وقتوں کی سادہ سی خاتون ہیں۔ دورِ حاضر کی بناوٹ نہیں ان میں۔'' بیگم انصاری کے لبوں پہ ہمیشہ کی طرح آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں سنجیدگی پر چہرے پہ حلیمی تھی۔ ٹی پنک اور مہندی رنگ کے پرنٹڈ سوٹ میں بالوں کو سمیٹے وہ سادہ سے حلیے میں بھی بہت خاص لگ رہی تھیں۔ ان کی شخصیت کا ٹھہراؤ، ان کا دل میں اتر تا لب و لہجہ، اس عمر میں بھی ان کا رنگ روپ دیکھنے والے کو جکڑ لیتا تھا۔ فریحہ ان سے قدرے مختلف تھی۔ وہ شکل وصورت اور عادات میں باپ پہ گئی تھی لیکن سمیر ان کا پرتو تھا۔ اس کی شخصیت ماں کی طرح گہری تھی۔

''ہماری نانی بھی ایسی ہی ہوں گی نا سادہ اور کیوٹ۔'' فریحہ کا لہجہ عام سا تھا۔ یونہی بات برائے بات کہہ گئی تھی۔

''ہاں......'' نور انصاری کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

''آپ نے تو کبھی ان کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں ہمیں۔'' گفتگو کا رخ بدل چکا تھا۔ فریحہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

''کیا بتاتی ان کی ڈیتھ ہوگئی تھی تمہاری پیدائش سے پہلے۔'' نور انصاری نے پاس بیٹھے ڈاکٹر انصاری کو دیکھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اگلے ہی پل نظریں چرالیں۔

''اوہ...... کیسے ہوئی تھی ڈیتھ، کیا کوئی بیماری تھی؟'' وہ مزید بولی۔ اپنی دھن میں نہ تو اس نے ماں کی اڑی ہوئی رنگت کو دیکھا تھا نہ باپ کے سنجیدہ وپشیمان چہرے کو...... پر سامنے بیٹھے سمیر نے ان کے ہر ایکسپریشن کو نوٹ کیا تھا۔

''بہت موذی بیماری تھی۔'' نور انصاری کی آواز بہت دور سے آئی تھی۔

''اوہ۔'' اس کے چہرے پہ تاسف ابھرا۔

''اور نانا...... ان کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی؟'' ایک اور سوال پوچھا۔

''وہ......'' بیگم انصاری اٹکی جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔

''وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔'' آواز بہت دھیمی تھی۔ وہ گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''ڈونٹ ٹیل می۔ آپ کو یہی نہیں معلوم آپ کے پاپا کی ڈیتھ کیسے ہوئی۔ آپ بہت چھوٹی تھیں کیا؟'' فریحہ شاکڈ ہوئی۔ اب بھلا یہ بھی کوئی بات تھی جو اس کی اتنی قابل، پڑھی لکھی اور ویل انفارمڈ ماں کو معلوم ہی نہ تھی۔ اس نے خود ہی وجہ دریافت کی۔

"ہاں۔" نورانصاری نے تائید کی۔

"تو نانی نے نہیں بتایا آپ کو؟" سوالات کا سلسلہ آزمائشوں کی طرح ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"نہیں۔" جواب یک لفظی تھا۔ "وہ بہت کم گو تھیں۔ دل کی ہر بات ہر کسی سے نہیں کہتی تھیں۔" ان کے لہجے میں کرب، اذیت اور درد تھا۔ پاس بیٹھے ڈاکٹر انصاری نے لب بھینچے۔ سمیر کا ذہن اس ساری صورت حال کو دیکھ کر چند دن پرانی ان دونوں کی گفتگو پہ جا رکا تھا۔

"ڈیڈی کی تو بہنیں بھی ہیں، آپ کا کوئی بھائی بہن نہیں ہے کیا؟" فریحہ نان اسٹاپ شروع تھی پر غالباً سمیر کی برداشت ختم ہوگئی تھی۔ اتنا تو وہ صاف محسوس کر چکا تھا فریحہ کے سوالات اس کے والدین کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

"تم ممی کا سارا شجرہ نسب اس ایک نشست میں معلوم کرو گی۔ توبہ ہے فری کتنا بولتی ہو تم ویسے۔" اس نے جیسے ان دونوں کو اس اضطراب سے چھٹکارہ دلوایا تھا۔ "میرا خیال ہے ممی آپ کو اس کے لیے ایک عدد گونگا شخص تلاش کرنا پڑے گا کیونکہ زبان والے کے ساتھ تو اس کا گزارہ مشکل ہو جائے گا۔" وہ یک دم بات کا رخ بدل گیا تھا کچھ اس انداز میں کہ فریحہ سب کچھ بھول کر اب اس کی طرف متوجہ تھی۔ اس کی کھنکتی آواز اور شرارتی لہجہ در و دیوار سے اداسی بھگا رہا تھا۔

"وہ کیسے؟" فریحہ کو واقعی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"اس بیچارے کے حصے کا بھی تم ہی بول لیا کرو گی۔ زبان والا تو یہ ناانصافی سہنے سے رہا۔" سمیر نے ہنسی دبائے چھیڑا اور فریحہ کا ہاتھ پاس پڑے صوفہ کشن تک گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ کشن پوری قوت سے سمیر کو دے مارا تھا۔ سمیر نے ہنستے ہوئے کشن سہولت سے کیچ کیا اور پھر اسے بڑے مزے سے کمر کے پیچھے رکھ کر ٹیک لگالی۔ اس کی ہنسی فریحہ کو تپا رہی تھی وہ بخوبی جانتا تھا۔ فریحہ مٹھیاں بھینچتی الٹے سیدھے منہ بناتی پیر پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ڈاکٹر انصاری نے دھیمی مسکراہٹ سے ان دونوں کو الجھتے دیکھا جبکہ نور انصاری اب تک اسی کیفیت میں بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ شاید وہ اس پل وہاں موجود نہیں تھیں۔ شاکرہ کے اس دن اچانک آمد پر جس طرح فریحہ نے انہیں سوالات کی آزمائش میں مبتلا کیا تھا وہ اب کئی دن بعد بھی اس کرب سے خود کو نکال نہیں پائی تھیں۔ ماضی بار بار انہیں ایک نئے دکھ میں مبتلا کر دیتا تھا۔

☆......☆......☆

انسان کو دنیا میں اگر کوئی شے سب سے زیادہ خوار کرتی ہے تو وہ محبت ہے۔ وہ تعلق ہیں جن سے ہم نا چاہتے ہوئے بھی امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں اور تمام عمر ان رشتوں سے نکلنے والی چاہت کی ایک ایک بوند آب حیات سمجھ کر پیتے ہیں یا پینا چاہتے ہیں۔ تعلق کی الجھی ڈور سلجھائے نہیں سلجھتی اور ہم اپنی انگلیاں زخمی کرتے نہیں تھکتے۔ لاکھ خود کو تاویلیں دیں، سب کو جھٹلایا، دل کو سمجھایا پر سچ تو یہ تھا کہ وہ ماں اور باپ دونوں سے یکساں محبت کرتی تھی۔ وہ دونوں اس کے وجود کی اساس تھے اور وہ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ آسیہ ہزاروں میل دور تکلیف کے جس مرحلے سے گزر رہی تھی اس درد کو علینہ اپنی روح میں اترتا محسوس کر رہی تھی۔ ساتھ کمرے میں بیٹھے خاور کی نم آنکھوں کی بوچھاڑ نے علینہ کی ناراضی کی دیوار میں چھید کیا تھا۔ اس کے چہرے پہ لکھی اذیت نے اس کی روح کو چھلنی کر دیا تھا۔ اس سے نظر ملا کر سرسری سا سلام کر کے وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے بے وجہ باورچی خانے میں چلی آئی تھی۔ نانی اور خاور دونوں کمرے میں بیٹھے تھے اور ان کی آوازیں وہ باآسانی سن سکتی تھی۔ وہ اس وقت باپ کی گھر آمد کے مقصد سے واقف تھی۔ وہ نانی کے ساتھ ماں کے پاس دوبارہ نہیں جانا چاہتی تھی اور وہ اسے یہاں اکیلا چھوڑنے پہ راضی نہ تھیں۔ وہ باپ کے ساتھ نہ جانے کی ضد لیے بیٹھی تھی پر شاکرہ بھی ایک فیصلہ کر چکی تھیں۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے اپنی ضد کو باپ کے آنسوؤں کے سامنے ہتھیار ڈالتا محسوس کیا تھا۔

"آسیہ کا آپریشن ہے اور مجھے کل یا پرسوں تک لازمی اس کے پاس جانا ہے۔ اسے میری ضرورت ہے۔" شاکرہ نے بلا تمہید خاور کو اصل بات سے آگاہ کیا۔ وہ جو سر جھکائے بیٹھا تھا ان کی آواز پہ چونکا۔ کچھ حیرت اور تاسف چہرے پہ در آیا تھا۔ پھر جس طرح چہرہ اٹھایا اسی طرح جھکا لیا۔ نگاہیں ایک بار پھر جوتوں پہ ٹکی تھیں۔

"علینہ جانے سے انکار کر رہی ہے۔ اکیلی لڑکی کو یہاں چھوڑ کر جانا ٹھیک نہیں لگتا۔ تم اسے ایک ماہ کے لیے اپنے گھر لے جاؤ۔" وہ بس منٹوں میں اصل مدعے کی طرف آ گئی تھیں۔ اندر باورچی خانے میں کھڑی علینہ کا پورا وجود کان بنا

ہوا تھا۔ کچھ سالوں میں وہ باپ کی اپنے لیے بے چینی، پروا اور محبت کو محسوس کر چکی تھی لیکن اس تمام عرصے میں اس نے ایک بار بھی علینہ کو اپنے ساتھ رکھنے کی فرمائش نہیں کی تھی۔ آسیہ اور شاکرہ، دونوں ہی اس کے وہاں جانے پہ راضی نہ تھے پر اب تو یہ مدعا خود شاکرہ نے چھیڑا تھا۔ وہ خاور کے جواب کی منتظر تھی۔ یقیناً یہ سن کر اس کی باچھیں کھل جائیں گیں۔ وہ پھولے نہیں سمائے گا۔ مارے خوشی کے اس سے بولا نہیں جائے گا۔ علینہ نے ساس پین میں پانی ڈالا اور چائے بنانے لگی۔ وہ خاطر داری جو آج سے پہلے کبھی اپنے بابا کے لیے نہیں کی تھی وہ آج کرنا چاہتی تھی۔ اپنا وجود جو اب تک بے مول لگتا تھا اچانک اس کی اہمیت اور حیثیت محسوس ہونے لگی تھی۔ قدموں تلے پتھر کے فرش کی جگہ سرخ مخملی قالین آ بچھا تھا۔

''میں علینہ کو کہاں رکھوں گا ماں جی؟'' ایک ساتھ بہت کچھ ٹوٹا تھا۔ خواب، مان، اعتماد، دل۔

''رخشندہ کی طبیعت مختلف ہے۔ وہ اباجی کو بڑی مشکل سے برداشت کرتی ہے اور علینہ کے لیے.....'' خاور نے ایک گہری سانس لی اور کم لفظوں میں اپنی مجبوری کہہ سنائی۔ شاکرہ اور علینہ دونوں نے اس کے نامکمل جملے کو مکمل سمجھا تھا۔ وہ سب جو وہ کہہ نہیں پایا تھا وہ دونوں سمجھ چکی تھیں۔ کمرے میں بیٹھی شاکرہ کے چہرے پہ ملامت تھی۔ خاور نے سر جھکا لیا۔ باورچی خانے میں کھڑی علینہ کے قدموں تلے بچھا مخملی قالین پوری قوت سے کھینچ لیا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ منہ کے بل گر جاتی اس نے خود کو بچانے کی خاطر کاؤنٹر ٹاپ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔

''ڈاکٹر انصاری میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ علینہ ایک مہینہ ان کے گھر رہے گی۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ خاور یا علینہ کو اگر شاکرہ سے کسی ملامت ومذمت کی توقع تھی تو وہ غلط تھے۔ ایک موہوم سی امید تھی جس کے ٹوٹنے پر اس نے فوری طور پہ پلان بھی سامنے رکھ دیا تھا۔

''آپ کو مناسب لگتا ہے تو میں اعتراض کرنے والا کون ہوں۔'' خاور کی شرمندہ آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ ساس پین میں رکھا پانی ابل ابل کر آدھا ہو گیا تھا اور وہ اس میں پتی ڈالنا بھول گئی تھی۔ لب کاٹتے غصے سے اس نے ساس پین کو چولہے سے اتارا پر ذہن اتنا منتشر تھا کہ اسے ہینڈل سے پکڑنے کے بجائے گرماگرم سائیڈ سے پکڑ لیا تھا۔ نرم ونازک انگلیاں دہکتی بھٹی میں جھونک دی تھی جیسے۔ ایک آگ اندر لگی روح کو سلگا رہی تھی دوسری باہر جسم کو جلا رہی تھی اور اس کے اندر کی ضدی سرپھری علینہ نے وہاں کھڑے کھڑے فیصلہ کیا تھا۔ اور اب اسی فیصلے کی بدولت وہ آج ڈاکٹر انصاری کے ہاں بن بلائے مہمان کی حیثیت سے موجود تھی لیکن اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تو اس نے آنکھیں موند لیں تھیں۔

☆......☆......☆

شاکرہ نے فون پہ بیگم انصاری کو تفصیلاً سب بتا دیا تھا۔ انہوں نے خوشدلی سے علینہ کو اپنے ہاں ٹھہرنے پہ ویلکم کہا اور ساتھ ہی ساتھ شاکرہ کو پوری طرح تسلی وتشفی دی کہ وہ اس کا خیال رکھیں گیں۔ کل ان کی لاہور سے دوہا کی فلائٹ تھی اور کل ہی سمیر بھی واپس لاہور جا رہا تھا۔ انہوں نے ائیر پورٹ تک شاکرہ کو پہنچانے کی ذمہ داری بھی سمیر سے بناء پوچھے اسی پہ ڈال دی تھی۔ سمیر نے خاموشی سے اثبات سے سر ہلا دیا تھا۔ وہ اس سے اسی فرماں برداری کی امید رکھتی تھیں۔

''ویسے ممی کتنا مزا آئے گا نا علینہ کے یہاں آنے سے۔'' فریحہ کو پتا چلا تو وہ کافی ایکسائیٹڈ تھی۔ اس کے لیے جیسے ایک لگی بندھی زندگی میں تبدیلی اور ہیجان دکھائی دینے لگی تھی۔

''پرائی بچی کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے بیٹا۔ اللہ ہمیں سرخرو کرے۔'' ڈاکٹر نور نے فون پہ بات ختم کر کے کہا۔ وہ فریحہ کے برعکس سنجیدہ اور گہری سوچ میں تھیں۔ ان کا کہنا غلط بھی نہیں تھا یہ ایک بڑی ذمہ داری تھی اور اگر فریحہ پہ راستہ شاکرہ کو نہ سجھاتی تو وہ خود بھی ایسی آفر نہ کرتیں پر اب جو بھی تھا انہیں یہ فرض پورا کرنا تھا۔

''آپ کو پتا ہے نا مجھے ہمیشہ سے بہن کا کتنا شوق تھا۔ علینہ کے ساتھ زبردست کمپنی رہے گی۔'' وہ بالکل بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی اس بات سے قطع نظر کہ اس کے اردگرد بیٹھے لوگوں کے ذہنوں میں کیا کشمکش جاری ہے۔

''اس کی کمپنی صرف آپ کو مخبوط الحواس کر سکتی ہے۔ مجھے تو تمہاری طرف سے پریشانی ہو رہی ہے۔'' پاس بیٹھے سمیر نے لقمہ دیا۔ اس کے لیے اب تک یقین کرنا مشکل تھا کہ علینہ میڈم کی سواری انصاری ہاؤس میں اترنے والی ہے۔

''آپ کچھ زیادہ روڈ نہیں ہو رہے اس بیچاری کے لیے..... پلیز ڈونٹ بی بائیس (برائے مہربانی متعصب نہ

ہوں) معصوم سی تو ہے۔" فریحہ کو اس کا تبصرہ اچھا نہیں لگا۔

"اللہ بچائے ایسے معصوموں سے۔" سمیر نے جھرجھری لی۔ وہ اب ممی سے مخاطب ہوا۔

"آپ کے گھر تو مہمان آرہے ہیں ممی تو میں ڈی سی ہاؤس ہی شفٹ ہو جاؤں گا۔" علینہ کی بوکھلاہٹ اور بدحواسی سمیر کو جس طرح ایمبیرس (شرمندہ) کر چکی تھی یہ سب اسے علینہ سے بدگمان کرنے کو کافی تھا۔ وہ نہ چاہ کر بھی اس بیوقوف لڑکی کے متعلق سوچنے لگا تھا جس پہ عام حالات میں ایک سے دوسری نظر ڈالنا بھی شاید وہ گوارا نہ کرتا۔

"کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی۔ وہ کون سا ہمیشہ کے لیے آرہی ہے۔ ایک مہینے کی تو بات ہے اور اتنا وقت تو ڈی سی ہاؤس ری فرنیش ہونے میں لگ جائے گا۔" بیگم انصاری نے گھر کا۔ "اب کیا اچھا لگتا ایک مہمان کے آنے پر بیٹا گھر سے چلا جائے وہ بھی اس صورت جب اس کی رہائش کا انتظام بھی مکمل نہ ہو۔"

"پھر ہوٹل چلے گا، ریسٹ ہاؤس تو پہلے سے موجود ہے۔ پر میرا یہاں گزارا نہیں۔" جواب فوراً آیا کیونکہ وہ سب سوچ کر بیٹھا تھا۔ نور اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔

"اپنا گھر چھوڑ کے جائیں گے۔ حد ہے ایک بیس سال کی لڑکی سے ڈر رہے ہیں۔" ان سے پہلے فریحہ نے جواب دیا...... بات ایسی تھی سمیر کو آگ لگا گئی تھی۔

"ایکسکیوز می، ڈرنے والی بات کہاں سے آ گئی۔ ڈرتا ورتا نہیں ہوں میں کسی سے۔ بس میرا موڈ نہیں کسی ایرے غیرے کو منہ لگانے کا۔" اس نے فوراً زرہ بکتر پہنی۔ اپنے ڈیفینس کے لیے یہ ضروری تھا۔

"تو منہ کنٹرول میں رکھیے گا نا۔" فریحہ بھی بغیر سوچے سمجھے شروع ہو گئی تھی۔

"فریحہ......!" سمیر کے لب بھینچے پر ڈاکٹر نور سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"سوری ممی۔" اپنی نامناسب بات پہ فریحہ نے لب کاٹتے فی الفور معافی مانگی۔

"بیکار کی بحث مت کرو سمیر، کوئی کہیں نہیں جائے گا میں نے کہہ دیا ہے۔" ڈاکٹر نور نے اس کی معافی کو یکسر نظرانداز کیا اور سمیر سے مخاطب ہوئیں۔ وہ دو ٹوک انداز میں بولیں اور یہ اب بحث کا اختتام تھا۔

"او کے باس، آپ کہتی ہیں تو نہیں جاتے، یہیں کہیں کسی کونے میں چھپ جائیں گے اپنی عزت بچاتے۔" اس نے تابعداری سے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ آخری جملے پہ جہاں نور انصاری کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی تھی وہیں فریحہ کا اترا ہوا منہ بھی جھلملانے لگا تھا۔ سمیر نے ماں کی بات پر حامی تو بھر لی تھی لیکن اب علینہ کی غلط فہمی نے اس کے کردار کو سب کی نظروں میں مشکوک بنا دیا تھا جب ہی وہ اس کے یہاں آنے سے پہلے جانا چاہتا تھا مگر کسی نے اس کی بات کو اہمیت نہ دی تھی۔ وہ پچھلے دنوں کی تلخیوں کے متعلق سوچ کر بے حد متفکر تھا۔

☆......☆......☆

چاندنی میں بھیگی سیاہ رات کا ارتکاز ہولے ہولے شہر کو اپنی آغوش میں لے رہا تھا۔ کھڑکی کے پردے سے چھن کر آتی چاند کی کرنیں کمرے کے اندھیرے میں شگاف ڈال رہی تھیں۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ بیڈ کراؤن پہ سر ٹکائے سن بیٹھی تھی۔ چاند کی کرنیں اس کے دودھیا چہرے پہ رنگ برسا رہی تھیں۔ آنسو رخسار بھگوئے تواتر سے بہہ رہے تھے۔ اپنے کمرے کی تنہائی میں یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا سو اب بھی جاری تھا۔ اس گھر میں یہ اس کی آخری رات تھی اور کل صبح نانی کی دوہارونگی کے ساتھ اسے ایک ماہ کے لیے انصاری ہاؤس شفٹ ہونا تھا۔ خاور سے دل نے پہلی بار ٹوٹی پھوٹی ہی سہی، امید نے سر اٹھایا تھا کہ وہ بے تحاشہ محبت اور حق سے اسے زور زبردستی اپنے گھر لے جائے گا۔ وہ لاکھ کہے گی اسے بابا کے ساتھ نہیں جانا پھر مان بھی جائے گی۔ پھر نروٹھے پن سے اسے انکار کرے گی لیکن وہ اس کی ایک نہ سنے گا اور ہاتھ پکڑ کے گھر لے جائے گا۔ اور وہ پہلا گھر ہوگا جہاں علینہ حق سے قدم رکھے گی۔ وہاں احسان اور مہربانی کا سایہ نہیں ہوگا۔ وہ اس کے باپ کا گھر ہوگا جہاں وہ پورے وثوق سے اعتماد اور مان کے ساتھ سر اٹھا کر رہ پائے گی۔ اسے مہربانی اور احسانات گنوانے والی نانی نہیں ہوگی۔ اسے مراعات دے کر طنز کرنے والا سوتیلا باپ نہ ہوگا۔ پر خاور کے انکار نے اس کا مان توڑ دیا تھا۔ امید کے ساتھ دل بھی ٹوٹا تھا۔ دل کے ساتھ روح بھی چھلنی ہو گئی تھی۔ روح کے ساتھ انا پہ بھی چوٹ پڑی تھی اور انا کے ساتھ ضد بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ اس نے شاکرہ کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا تھا اور یہ فیصلہ اس نے باورچی

خانے میں کھڑے خاور کی بات سننے کے بعد کیا تھا کہ اب اگر نانی اسے کالا پانی بھی جانے کو کہے گی، وہ وہاں بھی چلی جائے گی۔ لیکن یہاں آنے پر اسے اپنا فیصلہ درست نہیں لگا تھا۔ سمیر کے رویے اور اپنی بے اعتباری نے اسے بے حد شرمندہ کردیا تھا وہ ان سے نظر ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

صبح روشن اور چمک دار تھی۔ سورج کی تیز روشنی کرۂ زمین کو ابھی سے دہکانے لگی تھی۔ گرما کے اوائل میں درجہ حرارت تیزی سے اوپر جارہا تھا۔ اسی پل دروازے سے شاکرہ کی سنگت میں وہ داخل ہوئی۔ زہر موہرے رنگ کی پرنٹڈ شارٹ شرٹ اور وائٹ تنگ ٹراؤزر کے ساتھ اسی رنگ کا بڑا سا سوتی دوپٹہ اوڑھے جس سے اس نے اپنا سر بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ کندھے پہ سیاہ شولڈر بیگ تھا اور ایک دستی بیگ جس میں اس کا سامان بھرا تھا دائیں ہاتھ سے تھامے وہ سر جھکائے چلی آرہی تھی۔ سمیر کے ماتھے پہ چند بل اس کی ناگواری کا واضح ثبوت تھے۔ اسے پہلے ہی دن اپنے ناپسندیدہ ہونے اور ان کے سر پر مسلط ہونے کا ادراک ہوچکا تھا مگر وہ بے بس تھی۔ نیچے تلے قدموں سے چلتا وہ اب گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ تو بس اس پل ایک ہی نقطہ پہ سوچ رہی تھی۔

''جنہیں ماں باپ نہ قبول کریں انہیں یونہی دنیا میں دربدر ہونا پڑتا ہے۔'' قنوطیت کا یہ دورہ اسے آج صبح ہی پڑا تھا۔ جب پہلی بار رکشے میں بیٹھتے ہوئے اس نے باپ کے انکار سے ہٹ کر سوچا تھا۔ وہ اس اجنبی گھر میں جارہی تھی۔ ان لوگوں سے تو کچھ دن پہلے اس کا کوئی تعارف بھی نہ تھا اور پھر پہ در پہ وہ دونوں واقعات اسے عجیب سی شرمندگی اور گھٹن ہورہی تھی لیکن اب اس میں مزاحمت کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ تھک گئی تھی سب سے اور خود سے لڑتے ہوئے اس نے کل رات جو ہتھیار ڈالے تھے وہ ہارا سے آج صبح تک شدید ڈپریشن میں لے گئی تھی۔ ڈاکٹر نور انصاری اور فریحہ بھی اب وہاں آچکے تھے جبکہ کچھ دیر پہلے ڈاکٹر انصاری اسپتال جاچکے تھے۔ فریحہ اور نور علینہ کی خاطر وہاں موجود تھیں۔

''آپ بے فکر ہوکر جائیں، یہ اب میری ذمہ داری ہے۔'' نور انصاری نے اس کی آمد پر علینہ کو خود سے لگاتے شاکرہ کو تسلی دی۔ ان کے لہجے میں وہی نرمی تھی جو ہمیشہ ہوتی تھی۔ ان کے لفظوں میں وہی خلوص تھا جو ہر بار ہوا کرتا تھا۔ وہ سب سے اسی طرح بات کرتی تھیں لیکن اس پل ان کے سینے سے لگی علینہ کو عجیب سی اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔ ان کے وجود کی حرارت میں چاندنی سی ٹھنڈک تھی۔ اسے لگا وہ اس خوشبو سے بہت پہلے سے واقف ہے۔ یہ لمس اس کے لیے اجنبی نہیں ہے۔ بس چند سیکنڈ ہی انہوں نے اسے لپٹائے رکھا تھا پھر علینہ کو کسی بہت اپنے کا خیال آیا تھا۔

''تم نہ بھی کہتی پھر بھی جانتی ہوں تم اس کا خیال رکھو گی۔ یقین جانو بہو اس وقت تمہارے ساتھ نے مجھے کتنا حوصلہ دیا ہے۔'' ان کا ہر لفظ خلوص و تشکر کا آئینہ تھا اس پل یہ گھر، ان لوگوں کا ساتھ عطائے ربی تھا۔

''اپنے کس لیے ہوتے ہیں آنٹی۔'' ان کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ علینہ بغور اس چہرے کو کھوجتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ناجانے کیوں نور انصاری کے گلے لگ کر اس کا اضطراب ختم نہ سہی پر کم ہوا تھا۔

''آپ کو اب نکلنا چاہیے، فلائیٹ سے تین گھنٹے پہلے ایئر پورٹ پہنچنا ضروری ہوتا ہے۔ سمیر آپ کو اندر تک گائیڈ کردے گا۔'' سمیر کو گھڑی پہ نظر ڈالتے دیکھا تو خود انہیں بھی وقت گزرنے کا احساس ہوا تھا۔ وہ اب باری باری سب سے مل رہی تھیں۔ فریحہ اور نور کو جی بھر کر دعائیں دیں۔ علینہ کو چند نصیحتیں کیں، وہی سیارا سبق جو اسے تمام راستے طوطے کی طرح پڑھائی آئیں تھیں ایک بار پھر سب کے سامنے دہرایا گیا۔ وہ لب کاٹے خاموشی سے سنتی رہی۔ اس گھر میں آنے سے پہلے اس کا تعارف کتنا ناخوشگوار اور منفی تھا وہ اس سے باخبر تھی لیکن ان تینوں کی پروا کیے بغیر شاکرہ نے علینہ کو لاا بالی پن، حماقتوں اور ہٹ دھرمی کرنے سے جس طرح منع کیا تھا وہ بہرحال حد تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ وہاں سے بھاگ جاتی لیکن اس وقت تو بس زمین میں گڑ جانا چاہتی تھی۔ اگلے چند منٹوں میں سمیر اور شاکرہ لاہور کے لیے روانہ ہوچکے تھے۔ علینہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی چند بوندیں ٹپ ٹپ گریں۔ بے دردی سے آنکھیں رگڑتے اس نے اپنی آنکھوں کی نمی کو صاف کیا۔ کئی سال بعد وہ ایک بار پھر دربدر ہوگئی تھی۔ اپنی یہاں آمد اور پھر یہاں کے تمام حالات اس کے لیے ناقابل یقین تھے اور جب یہ سب شاکرہ کے علم میں آئے گا تو نجانے کیا ہوگا۔ علینہ ان تمام باتوں کو بھلائے نہ بھول رہی تھی۔

☆......☆......☆

دروازے پہ ہونے والی مخصوص دستک پہچانتے ہوئے فاطمہ نے دروازہ کھولا۔ سفینہ چادر کے پلو میں ہاتھ چھپائے تیزی سے اندر داخل ہوئی اور کھوجتی نظروں سے گھر کا جائزہ لیا۔ فاطمہ کو اس کے چہرے پہ پریشانی اور خوف ایک ساتھ نظر آئے۔

''تمہارے ابا کہاں ہیں؟'' وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔ جواباً فاطمہ نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ایک گہرا سانس لیتی سفینہ تقریباً بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے میں جا گھسی۔

''کیا ہوا امی سب خیریت ہے نا۔ آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں؟'' وہ بھی ماں کے پیچھے چلی آئی تھی۔ ماں کی گھبراہٹ دیکھ کر اس پہ وحشت طاری ہو رہی تھی۔ سفینہ نے لبوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔

''اسکول میں کمیٹی ڈالی تھی میں نے۔ اگلے ہفتے تمہاری داخلہ فیس دینی ہے نا اور پھر امتحان کے بعد تمہارا ایڈمیشن بھی تو کرانا ہے یونیورسٹی میں۔ بس میں نے اسی لیے چپکے سے یہ کام کیا تھا کہ پیسوں کی ضرورت پڑے گی۔'' فاطمہ کا ایف ایس سی کا داخلہ جانا تھا۔ وہ ایک لائق اسٹوڈنٹ تھی، ان نامساعدہ حالات میں بھی دل لگا کر اور بہت محنت سے پڑھ رہی تھی۔ ایڈمیشن بھیجنے کی آخری تاریخ سر پہ تھی لیکن ماں کا خالی بٹوہ اور باپ کی ڈانٹ پھٹکار نے لب سی دیئے تھے۔ اس کی دو سال کی شدید محنت داؤ پہ لگی تھی لیکن وہ خاموش تھی۔ سفینہ بیٹی کی آنکھوں میں ابھرتا خاموش سوال پڑھ رہی تھی۔ چادر کے پلوں سے ہاتھ نکال کر اس نے چند نوٹ فاطمہ کی طرف بڑھائے۔ اسے ماں پر بے اختیار پیار آیا تھا۔ ان سخت حالات میں بھی وہ کس طرح ان کی ضروریات کا خیال رکھے ہوئے تھی۔ جبکہ ان کی کلاس میں تو یہ سب ضرورت سے کہیں بڑھ کر عیاشی کے زمرے میں آتا تھا۔ جس عورت کا مرد کما کر لانے کی بجائے اس کی کمائی بھی جوئے میں اڑا آئے اس کی آنکھوں میں بیٹی کی اعلیٰ تعلیم کا خواب دنیا والوں کی نگاہ میں بھی کانٹا بن کر چبھتا ہے۔

''داخلے کے پیسے الگ کر لو صبح جمع کرا دینا اور باقی پیسے وہاں چھوٹی پیٹی میں چھپا دو۔ خیال رکھنا ابا کو پتا نہ چلے۔'' اس نے رازداری سے کہتے مٹھی میں دبائے نوٹ فاطمہ کی طرف بڑھائے پر اس سے پہلے کہ فاطمہ وہ پیسے پکڑتی کمرے کا دروازہ لات مار کر کھولا گیا تھا۔ طنزیہ ہنسی ہنستا وہ بس ایک جست میں اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔ سفینہ اور فاطمہ دونوں ہی کا سانس خشک ہو گیا تھا۔

''بڑے پیسے اکٹھے کر لیے ہیں۔'' اس نے ہاتھ مار کر نوٹ چھین لیے تھے۔

''شہباز یہ فاطمہ کے داخلے کے پیسے ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔ وہ چہرے پہ تمسخر لیے اب ایک ایک نوٹ گن رہا تھا۔

''پیسے پہ پیسہ ضائع کر رہی ہے اس کی پڑھائیوں پہ، کچھ مجھے بھی دے دے تجھے ڈبل کر کے لوٹا دوں گا۔'' وہ پرلے درجے کا بے غیرت تھا تو تھا، ٹھگ تو اول نمبر کا اور بے حس تھا تو شدید قسم کا۔ پیسے گن کر وہ اپنی جیب میں ڈال چکا تھا۔ فاطمہ میں تو خیر ہمت نا تھی اس سے الجھنے کی پر سفینہ نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے روپے نکالنے کی کوشش کی۔

''یہ میری سال بھر کی بچت ہے میں تمہیں اسے برباد کرنے نہیں دوں گی۔'' شہباز نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک جھٹکے سے پرے دھکیلا۔ فاطمہ بت بنی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے شہباز نے دو تین زور دار تھپڑ سفینہ کے منہ پر مارے۔ وہ چکرا کر فرش پہ گری۔ فاطمہ اسے اٹھانے آگے بڑھی تو شہباز نے دونوں کو ٹھڈے مارنا شروع کر دیئے۔ وہ روتی رہیں، چیختی رہیں اور جب یہ تسلی کر چکا کہ سفینہ مار کھا کر بے ہوش ہو چکی ہے تو بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ فاطمہ نے سفینہ کے بے ہوش وجود کو اٹھا کر بمشکل چارپائی پہ ڈالا اور پھر بغیر سوچے سمجھے روتی بلکتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

''امی......'' اپنے پھولے ہوئے تنفس کے ساتھ وہ بمشکل یہ لفظ کہہ پائی تھی۔

''کیا ہوا انہیں؟'' ڈاکٹر زبیر اپنے کلینک سے نکل کر اس وقت ایمرجنسی کا راؤنڈ لینے جا رہے تھے۔

''وہ......وہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ اس نے سوچنے کے لیے ایک منٹ بھی نہیں لیا تھا۔ وہ خود بھی اچھا خاصا پریشان لگ رہا تھا۔

''میں چلتا ہوں ساتھ۔'' اگلے چند منٹ میں وہ اپنا میڈیکل بیگ لے کر فاطمہ کے ساتھ اس کے گھر کے راستے پہ سفر کر رہا تھا۔

''ڈونٹ وری انہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' گاڑی کی پینجر سیٹ

بیٹھی فاطمہ مسلسل رو رہی تھی۔ زبیر کی تسلی نے بھی اس تسلسل کو نہیں توڑا تھا۔

''آپ رونا تو بند کرو۔'' اسے فاطمہ کے آنسو ڈسٹرب کر رہے تھے۔ وہ اب بھی سر جھکائے روئے جارہی تھی۔

''پلیز......'' اس بار لہجہ التجائیہ تھا۔ فاطمہ نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ ڈھیروں پانی اور سرخ ڈوروں کے باوجود اس کی بڑی بڑی ہلکی بھوری آنکھوں کی دلکشی دیدنی تھی۔ وہ یک ٹک فاطمہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور غالباً دیکھتا رہتا اگر فاطمہ اپنی سیاہ چادر سے رگڑ کر آنسو نہ پونچھتی۔

''تھینکس۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ یہ اظہارِ تشکر فاطمہ کے سر سے گزر گیا تھا۔ وہ اسے الجھی نظروں سے دیکھ رہی تھی لیکن وہ اپنی نگاہیں سڑک پہ مرکوز کر چکا تھا۔

☆......☆......☆

سفینہ کو ہوش میں لانے کی اپنی سی کوشش کرنے کے بعد اس اچانک افتاد پہ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا بس ٹیپو کو ماں کے پاس چھوڑ کر وہ ڈسٹرکٹ اسپتال چلی گئی تھی۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر زبیر وہاں موجود تھا اور اس سے سامنا بھی راہداری میں ہو گیا تھا۔ بناء وقت ضائع کئے وہ اس کے ساتھ ان کے گھر پہنچا تھا۔ چوٹیں تو فاطمہ کے بھی لگی تھیں پر اس وقت مدد کی ضرورت سفینہ کو تھی۔ فوری طبی امداد سے وہ جلد ہوش میں آگئی تھیں۔ مرہم پٹی کر کے اور اسے پین کلر دینے کے بعد اس نے صاف اور دوٹوک الفاظ میں سفینہ پہ تشدد کرنے والے اس کے شوہر کے متعلق پوچھا تھا۔ راستے میں فاطمہ سے وہ تمام تفصیلات پوچھ چکا تھا۔

''آپ بات کو گھما پھرا کر جہاں لے جا رہے ہیں میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔'' سفینہ نے ایک بار پھر پہلو بچایا۔

''آپ کو نہیں لگتا آنٹی، آپ خود سے زیادہ اپنی اولاد کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں۔'' اس کا لہجہ اس بار سخت تھا۔

''کس گھر میں والدین کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا۔ تو کیا ان سب بچوں کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔'' سفینہ نے دفاع کیا۔

''جھگڑے کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ ان میں ہاتھ پاؤں نہیں ٹوٹتے۔'' وہ کچھ دھیما ہوا۔

''جس طرح اس وقت بھی آپ کے چہرے پہ نظر آنے والے یہ نیل اور پھٹا ہوا ہونٹ محض اتفاق ہے۔ شاید آپ کا پاؤں دوبارہ پھسل گیا ہوگا۔'' سفینہ کچھ کہہ نہیں پائی۔ فاطمہ پاس کھڑی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

''ذرا سوچیں، کل اگر آپ کی بیٹی کا شوہر اس کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرے تو کیا اسے بھی آپ کی طرح ان باتوں پہ پردہ ڈالنا چاہیے؟'' زبیر نے مزید کہا۔

''اللہ نہ کرے میری فاطمہ کا نصیب میرے جیسا ہو۔'' وہ فی الفور بولیں۔ آواز میں خوف تھا۔

''اور کیا کبھی سوچا ہے آپ کا بیٹا جو اپنے والد کو دیکھ کر سیکھ رہا ہے کل اگر اس نے بھی اپنی شریکِ حیات کے ساتھ یہی سلوک کیا تو پھر آپ کیا کریں گیں؟'' سفینہ نے لب کاٹے۔ یہ بے بسی کی انتہا تھی کہ کٹہرے میں کھڑا مجرم کوئی اور نہیں خود وہ تھی۔ یہ ظلم وہ فقط اپنے ساتھ نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان پہ کر رہی تھیں۔

''فقط دعاؤں پہ اکتفا کرنے کی بجائے اگر آپ اپنی بیٹی کو یہ سکھ دیں کہ ظلم کے آگے سر نہیں جھکانا، ظالم کا مقابلہ کرنا ہے اور کسی بھی رشتے کو اپنا استحصال نہیں کرنے دینا تو شاید اس کی زندگی آپ سے بہتر گزرے۔ آپ جیسی پڑھی لکھی خاتون جو خود پہ جبر کر کے اپنے بچوں اور گھر کا بوجھ خود اٹھا رہی ہو اسے تو بہت ہمت و حوصلے والا ہونا چاہیے۔ عزتِ نفس کا سبق تو ہمیں ہمارے اساتذہ نے ہی سکھایا ہے۔ تو کیا آپ نہیں چاہتیں آپ اور آپ کے بچے عزت سے زندگی گزاریں۔'' سفینہ کی خاموشی میں دراڑ پڑی۔

''آپ کی ہر بات صحیح ہے ڈاکٹر لیکن مجھے بس اتنا بتا دیں یہ سب ہوگا کیسے؟ آپ چاہتے ہیں میں اپنا گھر توڑ لوں۔ اپنے بچوں کو باپ کے سائے سے محروم کر دوں؟'' وہ تلخ ہوئیں۔ مشورہ دینا سب کو آتا ہے کیوں کہ آسان ہوتا ہے۔ جوتا کہاں کاٹ رہا ہے یہ بس وہی جانتا جس نے پہنا ہو اور وہ یہ بھی جانتی تھی بناء جوتے کے سنگریزے پیروں کو زخمی کر دیتے ہیں تو کیوں نہ اس کا کاٹنا برداشت کر کے نوکدار پتھروں سے لہولہان ہونے سے خود کو بچا لیا جائے۔

''میں نے ایسا تو ہرگز نہیں کہا۔ یہ حتمی باتیں، گھر توڑنے کا مشورہ کیوں دوں گا میں آپ کو۔'' اپنا میڈیکل باکس بند کرتے وہ ہولے سے مسکرایا۔ کچھ بھی تھا بالآخر سفینہ نے اپنا مسئلہ شیئر کیا تھا اور اس کے لیے یہی بہت تھا۔

''تو پھر آپ ہی بتائیں کیا حل ہوگا ان سب باتوں کا۔

ایک چھوٹی سی بات نہیں مانتی تو ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہاتھ روکنے کھڑی ہوئی تو گھر سے ہی نکال دے گا اور پھر میں اکیلی عورت جوان بیٹی کو لے کر کس در پہ جاؤں گی۔" وہ اب کھل کر بات کر رہی تھیں۔

"وہ ہاتھ اس لیے اٹھاتا ہے کیونکہ آپ اسے اجازت دیتی ہیں خود پہ ہاتھ اٹھانے کی۔ آپ نے کبھی اپنے رشتے کی حد ہی سیٹ نہیں کی۔" اس نے برجستہ کہا۔ سفینہ گنگ رہ گئیں۔

"حقوق کے ساتھ فرائض ہوتے ہیں۔ عورت لڑ جھگڑ کر، بحث کر کے اپنا وجود مرد کی زندگی میں تسلیم کروالیتی ہے پر آپ کی خاموشی آپ کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ آپ تو مجھ سے بھی چھپا رہی تھیں ان زخموں کی اصلیت حالانکہ اسپتال میں جتنے بھی ڈاکٹر اور نرس آپ کے علاج پر مامور تھے سبھی کا کہنا تھا کہ آپ پہ جسمانی تشدد ہوا ہے۔" سفینہ نے گہرا سانس لیا مگر کچھ نہیں بولیں۔

"اپنا داخلہ فارم مجھے دے دیں۔" اس کا مخاطب اب فاطمہ تھی۔

"جی؟" وہ چونکی۔

"یہ آخری ہفتہ ہے ناایڈمیشن جمع کرانے کا، مجھے دے دیں میں کروادوں گا۔" اس کا انداز اتنا دوٹوک اور سنجیدہ تھا کہ فاطمہ یا سفینہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر پائیں۔ کمرے میں رکھی چھوٹی سی میز پہ دھری فائل سے چند کاغذ نکال کر فاطمہ نے زبیر کی طرف بڑھائے پر اس پل اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب کیا۔ بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے تفصیل سے کاغذات کو پڑھا، انہیں درست طریقے سے بھرا گیا ہے یہ تسلی کر کے اس نے انہیں اپنے بیگ میں رکھا اور سلام کر کے تیزی سے نکل گیا۔ سفینہ اور فاطمہ چہرے پہ حیرت لیے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ وہ فقط نام کا ہی نہیں اس پل ان کے لیے حقیقی مسیحا ثابت ہوا تھا۔

☆......☆......☆

سمیر نے شاکرہ کو لاہور ائیر پورٹ تک لفٹ ہی نہیں دی تھی بلکہ وہ امیگریشن تک ان کے ساتھ رہا تھا۔ پاسپورٹ کنٹرول سے آگے ایف آئی اے کا عملہ ان کا معاون تھا اور یہاں بھی سمیر کے کانٹیکٹ کام آئے تھے۔ شاکرہ نے زندگی میں پہلی بار ائیر پورٹ دیکھا تھا۔ یہ اس کا پہلا ہوائی سفر تھا اور کل تک وہ جتنا گھبرا رہی تھیں آج سمیر کی بدولت یہ مرحلہ اتنا ہی آسان ہو گیا تھا۔ وہ اسے ڈھیروں دعائیں دیتی ویٹنگ لاؤنج تک گئی تھیں۔ لاہور ائیر پورٹ پہ جہاز کے ٹیک آف کرنے سے دوہا میں اس کے بج ڈاؤن کرنے تک شاکرہ کا دل مٹھی میں تھا۔ آرائیول لاؤنج میں عامر ان کا منتظر تھا۔ رسمی سلام دعا کے بعد گھر تک تمام راستہ نہائت خاموشی سے گزرا۔ عامر کے سنجیدہ چہرے پہ تناؤ چھپائے نا چھپتا تھا۔ شروع میں اپنی طبیعت کے مطابق شاکرہ نے دو چار ادھر ادھر کی باتیں کیں لیکن عامر کے روکھے پھیکے اور مختصر جواب سن کر وہ خاموش ہو گئی تھیں۔ گھر کا ماحول قدرے مختلف تھا۔ آسیہ اور بچے ان کے منتظر تھے اور وہ سب انہیں دیکھ کر بہت نہال ہو رہے تھے۔

یہ ایک درمیانے سائز کا دو بیڈ روم اپارٹمنٹ تھا۔ لاؤنج اور اوپن کچن کے ساتھ اس کا رقبہ شاکرہ کے گھر سے تقریباً آدھا تھا۔ انہیں یہ جگہ کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی حالانکہ انہوں نے اس سے نصف سہولیات بھی اپنے گھر میں نہیں دیکھی تھیں پھر بھی انہوں نے جگہ کی تنگی کو لے کر ناک منہ چڑھایا تھا۔ عامر کا موڈ کچھ اور خراب ہوا تھا۔ وہ اس کے لگژری اپارٹمنٹ کو ناپسند کر رہی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ دو چار سنا ہی دیتا لیکن اب ضرورت اس کی تھی تو کونہ بھی اسی کا دبتا تھا۔ شاکرہ کی رہائش بچوں کے کمرے میں تھی۔ چند سال پہلے یہ کمرہ علینہ کا ہوا کرتا تھا۔ اس وقت رامس اور حارث دونوں آسیہ اور عامر کے کمرے میں سوتے تھے۔

"علینہ کیسی ہے امی؟" آسیہ کے لہجے میں چھپا جوش تھا۔ وہ دونوں اب کمرے میں تنہا تھیں اور یہاں وہ سکون سے اپنی بیٹی کے متعلق بات کر سکتی تھی۔

"علینہ تو ویسی ہی ہے لیکن یہ عامر میاں کو کیا ہوا ہے۔ اس کے تیور اتنے بدلے ہوئے کیوں لگ رہے ہیں۔" شاکرہ نے ناک بھوں چڑھائی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" آسیہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ کچھ توقف سے توجیح دی لیکن شاکرہ قائل نہ ہوئیں۔

"میری طبیعت اور آپریشن کو لے کر پریشان ہیں۔" آسیہ کافی کمزور لگ رہی تھی۔ چہرہ الگ اترا ہوا تھا، شاکرہ کو پہلی بار احساس ہوا تھا کہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ ایسا ضرور ہے جو اس سے پوشیدہ رکھا جا رہا ہے یا شاید اس کا ذہن ہی اس

طرف نہیں جاپایا تھا۔
"یہ کیسی پریشانی ہے بھئی کہ انسان مہمانداری کے آداب بھی بھول جائے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا، آسیہ نے نچلا لب کاٹا۔
"میں کوئی تمہارے گھر بن بلائے تو آئی نہیں۔ اس نے خود مجھے منت کر کے بلایا ہے اور اب دیکھو دو گھڑی پاس بھی نہیں بیٹھا۔" وہ مزید بولی تو آسیہ کی شرمندگی اور بڑھی۔
"ان کی عادت مختلف ہے امی وہ ہمیشہ سے ریزرو رہتے ہیں۔" وہ انہیں کیا بتاتی کہ غصہ کسی اور بات کا ہے جو نکل نہیں پارہا تو اندر رہ کر اسے کھولا رہا ہے۔ آسیہ کی وجہ سے وہ شدید پریشان تھا اور پچھلے چند روز میں وہ اس کا بہت خیال رکھ رہا تھا۔ اچانک وہ وہی پہلے والا عامر بن گیا تھا جس کا ساتھ اسے ماضی کی تلخیاں بھلا رہا تھا لیکن جب سے اسے یہ پتا چلا تھا علینہ شاکرہ کے ساتھ نہیں آرہی وہ چپ سا ہو گیا تھا اور آسیہ اس خاموشی کا موجب سمجھ سکتی تھی۔
"یہ جو تم پڑھے لکھے لوگوں نے بدتمیزی کے متبادل انگریزی لفظ بنا رکھے ہیں نا میں ان پہ دو حرف بھیجتی ہوں۔"
اپنے خیالوں میں کھوئی آسیہ ماں کی بات پر چونکی۔
"اچھا یہ بتاؤ یہ تمہارے ساتھ بھی اتنا سرد رویہ رکھتا ہے؟" اس نے جیسے اپنے اندر سر اٹھاتے خدشات کی تصدیق چاہی تھی۔
"امی آپ عامر کو جانتی نہیں کیا۔" آسیہ نے پلٹ کر سوال کیا۔
"اب تو یہی لگ رہا ہے جیسے واقعی میں اسے نہیں جانتی۔" شاکرہ نے حد درجہ صاف گوئی دکھائی۔
"علینہ کو تم نے اچانک پاکستان بھیج دیا مجھے کہا یہاں کالج کا مسئلہ ہو رہا ہے لڑکی کو اسکول سے درمیان میں اٹھالیا۔ میں تمہارے بہانے سچ مان بیٹھی پر اب تو مجھے لگ رہا ہے اس سب کی وجہ عامر ہی ہے۔" وہ کڑی سے کڑی ملاتی جیسے بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔
"آپ سے علینہ نے کچھ کہا تھا؟" وہ ٹھٹکی۔
"تمہاری اولاد تو اللہ جانے کیا کچھ کہتی ہے اور کیا کچھ کرتی ہے۔ خودسری تو جیسے خون میں ہے اس کے۔" آسیہ کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔
"ایسی بات نہیں۔ علینہ خود بھی یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو رہی تھی۔ اسے آپ کے پاس ہی رہنا چاہیے۔ وہ وہاں محفوظ ہے۔" نظریں جھکائے اس نے وضاحت دی، اس پل اپنی ہی آواز کہیں دور سے آرہی تھی۔
"اولاد سب سے زیادہ ماں باپ کے پاس محفوظ ہوتی ہے آسیہ۔" اس نے نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا وہ جانچتی نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھیں۔
"کمزور ماں اولاد کی حفاظت نہیں کر سکتی امی اور باپ تو سمجھیں بس نام کا ہے۔" لفظوں کی طرح لہجے میں بھی بے بسی تھی۔ شاکرہ کی زبانی خاور کا علینہ کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار تو وہ سن ہی چکی تھی۔ کیا حالات آگئے تھے جوان بیٹی پرائے گھر رشتے داروں کے احسان پہ چھوڑنا پڑی تھی۔ دل ہی دل میں خاور سے شکوہ کچھ اور بڑھا تھا۔ وہ سالوں پہلے اس کی محبت کو ٹھوکر مار چکا تھا اولاد تو اسے بھی زندگی میں اس کی ترجیح نہ تھی۔
"آپ تھک گئی ہوں گی اتنا لمبا سفر کر کے، کھانا کھا کر ریسٹ کر لیں۔"
شاکرہ اگلی بات کہنا بھول گئی۔ تو کیا اتنے سالوں سے جو ایک آسودہ اور خوش و خرم زندگی کی داستان اس کے کانوں تک پہنچتی رہی تھی وہ سب ایک ڈھکوسلا تھا۔ علینہ کی ہٹ دھرمی اور ضدی طبیعت، آسیہ کی بے بس خاموشی اور عامر کا سرد رویہ شاکرہ کے سامنے ہر منظر فلم کی طرح گھومنے لگا تھا۔ دھیمی آواز میں کہتی آسیہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ شاکرہ تنہا اور خاموش بیٹھی تھیں۔ آسیہ نے عامر کے اصل روپ سے آگاہی بخش کر علینہ کے تمام خدشات کی تصدیق کر دی تھی جس پر شاکرہ کی نظروں میں علینہ کا معصوم چہرہ گھوم گیا جو ہر حقیقت کا سامنا نہایت بہادری سے کرتی تھی۔

☆......☆......☆

رات کی سیاہی سرد ہوا میں لپٹی تھی۔ سہ پہر میں ہونے والی بارش نے گرمی کا زور توڑا تھا۔ گرمی جاتے جاتے واپس پلٹ رہی تھی۔ موسم شام سے ہی خوشگوار ہو گیا تھا اور رات کے اس پہر ہوا میں نمی اور ٹھنڈک عود آئی تھی۔ انصاری ہاؤس کے ڈائننگ ہال کی بتیاں روشن تھیں۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھے ڈاکٹر انصاری خوشگوار موڈ میں ہشاش بشاش لگ رہے تھے۔ ان کی طبیعت کی بہتری کے ساتھ ہی بیگم انصاری اور فریحہ کے موڈ بھی بدلے تھے۔ بیگم انصاری مطمئن تھیں تو فریحہ بے حد

خوش۔ پچھلے تین چار دن سے وہ اتنے پریشر میں تھی کہ فارس کے متعلق سوچنے کا وقت ملا تھا نہ ذہن اس طرف گیا تھا۔ وہ سب حسب معمول ڈنر کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو کررہے تھے اور ان سب کی باتوں سے یکسر بے نیاز علینہ وہاں حد درجہ خاموشی اور بے دلی سے بیٹھی تھی۔ اس کی پلیٹ میں کھانا نہ ہونے کے برابر تھا اور جو تھا اس میں سے شاید ہی اس نے لقمہ لیا ہو۔ اس کا دل و دماغ اس پل انصاری ہاؤس کے ڈائننگ ہال میں تو ہرگز نہیں تھا۔

''علینہ یہ چاؤمین ٹیسٹ کرو، ہمارے گھر کی اسپیشل ڈش ہے۔'' فریحہ نے اچھے میزبان کی طرح اسے سرو کرنا چاہا۔ وہ چونکی۔

''تھینکس۔'' فریحہ کے ہاتھ سے ڈش پکڑ کر اس نے تکلفاً کہا۔

''اچھا یہ فرائیڈ چکن لو، ممی بہت مزے کا پکاتی ہیں۔'' اس نے بس تھوڑی سی نوڈلز پلیٹ میں ڈالی تھیں۔ فریحہ نے دو پیس اٹھا کر جلدی سے اس کی پلیٹ میں رکھے۔

''تم بولنے کی طرح کھانے کے معاملے میں بھی کنجوس ہو۔'' فریحہ کے تبصرے پہ مسٹر اینڈ مسز انصاری دونوں ہی ہنسے تھے جبکہ دوسری طرف علینہ بمشکل مسکرائی۔

''علینہ بیٹا...... فریحہ اس سے نہائت دوستانہ انداز میں بات چیت کررہی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ آج اسپتال بھی نہیں گئی تھی پھر بھی علینہ حد سے زیادہ ریزرو تھی۔ فریحہ کو یہی لگا کہ وہ کم گو ہے جبکہ اس کے مام اور ڈیڈ کا کہنا تھا اسے نئی جگہ ایڈجسٹ ہونے میں وقت لگے گا اور اس کی خاموشی بالیا دیا انداز فطری ہے۔ اس پکچر پرفیکٹ ہنستی مسکراتی فیملی کے درمیان بیٹھ کر اس کی نامکمل اور بکھری زندگی نے منہ چڑایا تھا۔ یہ سب کسی افسانے یا ناول کی کہانی تو ہوسکتی تھی پر علینہ کے لیے اسے حقیقت میں قبول کرنا مشکل تھا کیونکہ اسے جو ملا وہ محبت نہیں احسان تھا، حق نہیں نوازشات تھیں، مہربانیاں تھیں۔ عجیب حالات میں بڑی غلط جگہ بیٹھ کر وہ اپنی اور فریحہ کی زندگی کا موازنہ کرنے لگی تھی اور اس موازنے نے اس کے احساس کمتری کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔

بیگم انصاری اس کی طرف سے فکرمند تھیں۔ وہ جانتی تھیں وہ ایک اسپیشل بچی ہے، اس کے حالات نارمل نہیں تو وہ خود کیسے نارمل ہوسکتی ہے۔ یوں تو زندگی میں سب کو سب کچھ پرفیکٹ نہیں ملتا پر کم عمری کی محرومیاں انسان کی شخصیت کو کس طرح توڑ پھوڑ دیتی ہیں وہ اس حقیقت سے واقف تھیں۔ یہی سوچ کر وہ اس کے پیچھے چلی آئیں تھیں۔ وہ اسے اکیلے میں دلاسہ دینا چاہتی تھیں۔ اسے ری اشیور (یقین دہانی) کرانا ضروری تھا، غالباً اس کی بار بار ضرورت پڑتی۔ ایک بروکن فیملی ممبر کی ذہنی حالت کیا ہوتی ہے وہ سمجھ سکتی تھیں۔

''میں اندر آجاؤں علینہ؟'' دروازے پہ دھیمی دستک کے بعد اجازت طلب کی۔ ''میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا بیٹا، آئی مین آپ سونے تو نہیں لگی تھی؟'' اجازت ملنے پر وہ اندر چلی آئیں۔ علینہ جزبزسی بیڈ کے پاس کھڑی تھی۔ ہلکے براؤن سلکی بال جو صبح سے کیچر میں مقید تھے اس وقت کھلے ہوئے تھے۔ شولڈر سے کچھ نیچے آتے خوب صورت انداز میں کٹے تھے اور اس پہ سوٹ بھی کرتے تھے۔

''نہیں مجھے دیر تک جاگنے کی عادت ہے۔ رات کو اسٹڈی کرتی ہوں نا۔'' وہ انگلیاں مڑوڑتی اس پل ان کی آمد کا مدعا سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔ بیگم انصاری کی نظر بے اختیار اس کی آنکھوں پہ پڑی، براؤن بڑی بڑی آنکھیں، بڑی جانی پہچانی شباہت تھی ان میں۔ ان کا ذہن الجھا پر آنے والے خیال کو جھٹک کر انہوں نے علینہ کی آنکھوں تلے سیاہ حلقوں پہ نگاہ جمائی۔

''یہ تو اچھی بات ہے لیکن نیند بھی ضروری ہے۔ ایک مناسب وقت پہ سوجانا چاہیے۔ اٹس ہیلدی ہیبٹ (یہ صحت مند عادت ہے)۔'' اس مختصر نصیحت کے بعد وہ اصل بات کی طرف آئیں۔ ''ماما کی طرف سے بالکل پریشان نہیں ہونا، بہت مائنر سا آپریشن ہے اور وہ ان شاء اللہ جلدی ٹھیک ہوجائیں گیں۔'' اس کا کندھا تھپتھپاتے انہوں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے گالوں کو چھوا۔

''ان شاء اللہ۔'' اس نے زیرلب دہرایا۔ اپنی جذباتیت پہ قابو پانے کی کوشش کرتے اس نے پلکیں جھپک کر پانی کی بوندوں کو پرے دھکیلا۔

''نانی کو مس کررہی ہو۔'' وہ مزید بولیں۔

''اب تک تو پہنچ چکی ہوں گی، کال کرکے پوچھ لو۔ میں بات کرواؤں؟'' اس کا ہاتھ تھامے شفقت سے پوچھا تھا پر اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''نہیں میں صبح بات کروں گی۔'' آواز دھیمی اور بھرائی

ہوئی تھی۔

”خوش رہا کرو۔لڑکیاں شور مچاتی، شرارتیں کرتیں اچھی لگتی ہیں۔فری کو دیکھا ہے نا کتنی ٹاکیٹو (باتونی) ہے۔“ انہوں نے قصداً اس کے رونے کو اگنور کیا۔اگر وہ اس پل اسے ٹوکتیں تو یقیناً وہ زوروشور سے رونے لگ جاتی۔بعض اوقات زخم پہ پھاہا رکھنے کے لیے درد کو نظر انداز کرنا ضروری ہوتا ہے۔

”آپ بہت اچھی ہیں آنٹی۔“ ان کو پلٹتے دیکھ کر علینہ بے ساختہ بولی۔

”تم خود جو بہت اچھی ہو اسی لیے تمہیں سب اچھے لگتے ہیں۔“ مسکرا کر انہوں نے اس کے ماتھے پہ شفقت بھرا بوسہ دیا۔

”نہیں آپ......“ وہ الجھی۔”آپ کے پاس سے مجھے بہت مانوس سی خوشبو آتی ہے۔“ صبح والی کیفیت اس پل بھی حاوی ہو رہی تھی۔وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

”ہر ماں کے پاس سے بچوں کو ایسی ہی خوشبو آتی ہے۔“ وہ اپنی ماں کی طرف سے پریشان ہے، اسے مس کر رہی ہے۔اجنبی ماحول اور پریشان کن حالات میں انسان بہت زیادہ حساس ہو جاتا ہے جیسے اس وقت وہ تھی۔نور انصاری اس کی کیفیت بخوبی سمجھ رہی تھیں۔

”پتا نہیں لیکن میں ایکسپلین (وضاحت) نہیں کر سکتی۔“ وہ اٹکی، ذہن خالی تھا۔بہت ٹٹولا پر کوئی منطقی جواب نہیں ملا۔لیکن چہرے پہ اس پل کچھ ایسا تاثر تھا جیسے نور انصاری کے جواب نے اسے مطمئن نہیں کیا تھا۔وہ چند لمحے اس کے الجھے ہوئے چہرے کو تکتی رہیں۔نگاہ ایک بار پھر بے اختیار ان ہلکی بھوری آنکھوں پہ جا ٹکی تھی۔

ایک بار پھر ذہن میں اٹھتی سوچوں کے جنجال کو نظر انداز کرتے انہوں نے موجودہ سچویشن پہ فوکس کیا۔علینہ کنفیوز سی سامنے کھڑی تھی۔مسکراتے ہوئے اسے شب بخیر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔وہ اگلے کئی پل کھڑی نور انصاری کے متعلق سوچتی رہی۔نور انصاری کے متعلق سوچ کر وہ بہت ریلیکس ہو گئی تھی۔ڈاکٹر انصاری اور فریحہ کتنے کیئرنگ تھے۔اس گھر میں رہنا اتنا بھی مشکل نہیں تھا کیونکہ یہاں کے مکینوں کے دل میں بہت وسعت تھی۔سمیر کا سامنا کرتے جو خفت اور ذہنی انتشار اعصاب پر سوار ہوئے تھے وہ ان دونوں شخصیت نے دور کر دیے تھے۔

☆......☆......☆

”کوئی اچھا رشتہ ہو تو آسیہ کے لیے نظر میں رکھنا۔“ شاکرہ کی آواز پر صحن میں کپڑے دھوتی آسیہ کے کان کھڑے ہوئے۔کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بھی اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح شرم سے لال ہو جاتی، اس ذکر پہ ایک حسین خوب صورت زندگی کا خواب آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا اور خوامخواہ خوشی کے لڈو دل میں پھوٹنے لگتے لیکن وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

”تمہارا بھی وہ حال ہے لڑکا بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔“ پڑوس کی فرخندہ خالہ کی آواز پہ دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔اتنے مہینوں سے جو خواب دل میں پروان چڑھ رہا تھا وہ بس ایک پل میں ٹوٹ جائے گا اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔

”آسیہ کے لیے یہ لڑکا کیا برا ہے جسے تم نے دکان کرایہ پہ دے رکھی ہے۔“ شاکرہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا پر آسیہ کے اندر کسی نے نئی روح پھونک دی تھی۔

”لیکن نہ جان نہ پہچان، ایسے کیسے لڑکی بیاہ دوں اس کے ساتھ۔“ آسیہ کے دل کے حال سے بے خبر اس نے ایک پل میں اس تجویز کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔

”کون سے زمانے کی باتیں کرتی ہو شاکرہ، میری بات سنو۔“ شاکرہ بیوہ عورت برسوں سے تنہا اس محلے میں اکلوتی بیٹی کے ساتھ رہتی تھیں۔رہنے کے لیے اچھے وقتوں کا بنایا گھر تھا جس کے نیچے چار پانچ دکانیں تھیں۔دو سال پہلے خاور نے ان میں سے تین دکانیں کرائے پہ لے کر اپنی ورکشاپ کھولی تھی۔اکیلا آدمی تھا، نہ کوئی جان نہ پہچان اس لیے ضمانت کوئی تھی نہیں پر شکل صورت سے بھلا اور شریف لگتا تھا۔شاکرہ ضرورت مند تھی لہٰذا کوئی لمبی چوڑی جانچ پڑتال کے بغیر بس زر ضمانت پہ دکانیں کرایہ پہ دے دی گئیں۔

”لڑکا دیکھا بھالا ہے۔شکل و صورت سے شہزادہ لگتا ہے یقیناً کسی بھلی ماں کی اولاد ہے۔نہ سگریٹ، نہ پان کوئی لمبی چوڑی دوستی یاری نہیں گانٹھی۔بس اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور سچ پوچھو تو پورے محلے میں کسی کو اس سے سوئی جتنی تکلیف بھی نہیں تھی۔خاور انتہائی کم گو اور حد درجہ شریف انسان تھا۔نام لینے کو بھی کوئی بری عادت اس میں نہیں تھی اور آج یہ حال تھا کہ سارا محلہ اس کے کردار کی گواہی دینے کو تیار تھا۔کاریگر آدمی تھا اور اپنا کام ایمان داری سے کرتا تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقی کی تھی۔اسی لیے تو فرخندہ اس کی اتنی حمایت کر رہی

تھی۔ اگر تین سال پہلے وہ اپنی چھوٹی بیٹی کے فرض سے سبکدوش نہ ہو چکی ہوتی تو بلا جھجک خاور سے اس کی شادی کر دیتی۔ اب یہی تجویز اس نے شاکرہ کو دے ڈالی جو کچھ عرصے سے آسیہ کے رشتے کو لے کر پریشان تھیں۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو فرخندہ۔ اعتبار والا بھی ہے اور سب سے بڑھ کر شریف آدمی ہے۔ نگاہ نیچی رکھ کر بات کرتا ہے اور کرایے کے لیے تو مجھے آج تک اس نے پریشان نہیں کیا۔" شاکرہ نے بھی تائید کی۔

"تو پھر کس بات کی پریشانی، ایسا اچھا انسان تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔" فرخندہ نے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ بیٹھے بٹھائے آسیہ کی دلی مراد پوری ہو گئی تھی اسے اور کیا چاہیے تھا۔ آسیہ نے ایف اے کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ پہلی بار خاور کو اس نے کالج آتے جاتے ہی دیکھا تھا پر اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ عجیب انسان تھا ہر وقت سر جھکائے کام میں مشغول رہتا تھا۔ لیکن آسیہ کو اس کا یہ انداز اچھا لگتا تھا۔ ہر روز آتے جاتے وہ لازمی ایک نظر اسے دیکھتی، شروع میں یہی لگتا تھا وہ اس بات سے بے خبر ہے لیکن جلد ہی آسیہ کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ بظاہر جتنا لاپروا نظر آتا ہے اتنا ہے نہیں۔ اس کی خود پہ توجہ کو محسوس کرنے کے باوجود خاور نے آج تک ہمیشہ اسے نظر انداز ہی کیا تھا اور یہی بات آسیہ کے دل کا کانٹا بن گئی تھی۔

"لیکن اب رشتے کی بات کرتے میں بھلا کیا اچھی لگوں گی۔ وہ خود تو بڑا لیے دیے رہنے والا بندہ ہے۔" شاکرہ کا انکار پل میں اقرار میں بدلا تھا۔

"تم کیوں کرو گی بات، میں کرتی ہوں نا اس سے رشتے کی بات۔ اس کا تو بھلا ہی ہو جائے گا ورنہ خاندان دیکھے بناء کوئی اپنی لڑکی تھوڑا ہی دیتا ہے۔" فرخندہ خالہ کی بات سن کر وہ ساتویں آسمان پہ پرواز کرنے لگی تھی۔ شفق کی ساری سرخی اس پل چہرے پہ اتر آئی تھی۔ تقدیر اس طرح مہربان ہو جائے گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ لیکن آج بائیس سال بعد دوہا کے اسپتال میں تنہا لیٹی اپنی، خاور اور علینہ کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے تقدیر کی ستم ظریفی پہ رونا آیا تھا۔ وہ چاند کو پانے کی آرزو دل میں بسائے تھی مگر قسمت نے اسے تپتے صحرا میں برہنہ پا دھکیل دیا تھا۔ وہ خود سے لڑ سکتی تھی، دنیا سے جھگڑ سکتی لیکن قسمت سے لڑنا اس کے بس سے باہر تھا۔

آسیہ کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔ شاکرہ گھر میں بچوں کے پاس تھیں جبکہ اسپتال میں عامر آسیہ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے ابھی مزید تین دن اور اسپتال میں ہی رکنا تھا اور شاکرہ کے آنے سے وہ بچوں کی طرف سے بے فکر ہو گئی تھی۔ عامر بھی وقفے وقفے سے گھر کا چکر لگا رہا تھا اس لیے بچے ماں کے بغیر زیادہ مسئلہ نہیں کر رہے تھے۔ اس دوران علینہ کے علاوہ دو تین بار نور انصاری کی بھی کال کر چکی تھیں اور شاکرہ کے ساتھ آسیہ کی خیریت معلوم کر چکی تھیں۔ علینہ ماں کے آپریشن اور اس کی خیریت جان کر کچھ ریلیکس ہو گئی تھی۔ ذہن پہ دھرا ایک بوجھ اترا تھا تو دوسری طرف علینہ سے بات کر کے آسیہ بھی مطمئن تھی۔ شاکرہ کی زبانی انصاری فیملی کی جتنی تعریفیں سنی تھیں اس کے بعد نور انصاری سے بات کرتے ہوئے اور پھر علینہ کا پرسکون لہجہ اسے اور بھی مطمئن کر گیا تھا۔ بے شک ایک در بند کر کے رب سو در کھول دیتا ہے۔ آسیہ تیزی سے روبصحت تھی اور عامر کے سر پہ دھرا ایک بڑا بوجھ اترا تھا۔

☆......☆......☆

سیاہ برستی رات میں جائے نماز بچھائے وہ دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھائے بہت دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔ لبوں پہ جنبش نہ تھی پر ہاتھوں میں لرزش تھی۔ اس پہر جب سارا عالم نیند کے مزے لوٹ رہا تھا وہ گھر کے اس ویران گوشے میں تہجد کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا لیکن سمجھ نہیں آرہی تھی کیا مانگے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود سکون نہیں تھا۔ برسوں ہوئے اس نے دعا مانگنا ترک کر دیا تھا، جو مانگنا چاہتا تھا اسے سالوں پہلے گنوا چکا تھا۔ کسی کی غیر مشروط محبت، تابعداری اور وفا جو بن مانگے مل گئی تھی اسے خود ہی ٹھکرایا تھا۔ برسوں بعد نصیب نے اس کے در پہ دستک دی تھی جسے اس نے اپنی کم عقلی اور جہالت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اب تو بس توبہ کرتا اور بہت کرتا تھا لیکن مانگتا کچھ نہیں تھا۔

برسوں پرانی وہ دوپہر آج بھی روزِ روشن کی طرح یادوں کے پردے پہ جھلملا رہی تھی۔ اس نے اسے دیکھ کر رخ پھیرا تھا لیکن وہ اس کے تیور نظر انداز کرتی بے جھجک دکان میں چلی آئی تھی۔

"آپ نے شادی سے انکار کیوں کیا؟" وہ اس کے سوال پہ چونکا تھا۔ اب سے پہلے ان دونوں کے درمیان چند پُرتکلف لفظوں سے زیادہ بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ کبھی ٹھیک سے

دیکھا بھی نہ تھا اسے۔

"کیا میں جواب دینے کا پابند ہوں؟" وہ رکھائی سے بولا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں تحیر ابھرا۔ یہ پہلی بار تھا جب خاور نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ خوب صورت نہیں تھی پر قبول صورت تھی لیکن اگر وہ کوئی حسن پری بھی ہوتی تو خاور اسے ایسے ہی نظر انداز کرتا۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ عورت ذات سے شدید نفرت کرتا تھا۔

"بالکل آخر مجھے پتا تو چلے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا گیا۔ ایسا کیا عیب دیکھا آپ نے مجھ میں جو ایک دم ریجیکٹ کردیا۔" وہ بلا خوف بولی۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے جان چھڑائی۔

"کیوں؟" ایک اور سوال۔ وہ متجب تھی۔

"میری مرضی۔" اس نے چڑ کر جواب دیا۔

"عجیب مرضی ہے جو بس اپنا ہی سوچتی ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں آپ کا پابند نہیں بی بی۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔ آسیہ گنگ رہ گئی۔ اپنا سارا مان، ساری انا چولہے میں جھونک کر وہ خاور سے اس کے انکار کا سبب پوچھنے آئی تھی۔ فرخندہ خالہ نے شادی کی بات کی تو اس نے سوچنے میں ایک لمحہ برباد نہیں کیا تھا اور جھٹ منع کردیا لیکن آسیہ کے دل پہ قیامت بیت رہی تھی اور یہاں تو کوئی پچھتاوہ یا ملال نہ تھا الٹا وہ تو حد درجہ بے اعتنائی برتتا اس سے جان چھڑا رہا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ اس پل اپنے آنسوؤں کو بہنے سے نہیں روک پائی تھی۔ مزید کچھ بھی کہے بغیر وہ وہاں سے چلی گئی تھی مگر خاور کے دل پہ محبت کی یہ دستک رائیگاں نہیں گئی تھی۔ اسی روز اس نے فرخندہ خالہ کے پاس جاکر معذرت کرتے ہوئے آسیہ سے شادی کی حامی بھرلی تھی۔

بائیس سال بعد تہجد کی نماز کے بعد وہ اس پل صرف یہی سوچ رہا تھا کاش آسیہ کی دستک پہ اس لمحہ خاور اپنے دل کا دروازہ نہ کھولتا تو آج ان سب کی زندگیوں میں ملال و تاسف نہ ہوتا۔ سالوں پہلے وہ اس کی نامکمل اور ادھوری زندگی کی تکمیل بن کر آئی تھی جسے خاور نے اپنے احساسِ کمتری اور تشنگی کے زیر اثر خود سے پرے دھکیل دیا تھا۔ بوجھل دل سے اس نے ہاتھ گرا دیئے۔ زاروقطار بے آواز روتے وہ اپنے ہاتھوں سے چہرہ چھپائے ایک بار پھر ماضی کی غلطیوں پہ خود کو ملامت کررہا تھا۔

اس عورت کے دکھ پہ آنسو بہا رہا تھا جس سے نا چاہتے ہوئے بھی اس نے شدید محبت کی تھی پر جب تک یہ احساس ہوا وہ اس کی زندگی سے دور جاچکی تھی۔

☆......☆......☆

تین دن کسی رولر کوسٹر رائڈ کی طرح ہیجان انگیز گزرے تھے۔ ایک ہفتے کا شیڈول نصف وقت میں بدل کر اس نے اپنے سر پہ کام کا انبار جمع کرلیا تھا۔ لمبی چوڑی ملاقاتوں کا سلسلہ تھا، فیئر ویل عصرانے وعشائیے تھے۔ کچھ اٹینڈ کیے کچھ کو اگلی بار پہ ٹالا، بہت سوں کو معذرت کرتا وہ بمشکل آج رات کو واپسی کے لیے نکلا تھا۔ سامان کل ہی بھجوا چکا تھا۔ اگر پیر کی صبح اسے آفس جوائن نہ کرنا ہوتا تو وہ یقیناً ایک دو دن لاہور رک جاتا لیکن چونکہ اس کی ڈیوٹی کا پہلا دن نہایت اہم تھا ساتھ ہی تینوں تحصیلداروں اور جونیئر اسٹاف کے ساتھ میٹنگ شیڈول تھی تو ایسے میں اس کی غیر حاضری سے بہت سا کام اپ سیٹ ہوجاتا اور سمیر انصاری پروفیشنل ایتھکس کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کرتا تھا۔ وہ اس ضلع کا ایگزیکٹیو ہیڈ تھا اور یہ ڈسپلین اسے ہی قائم رکھنا تھا۔ تقریباً دس بجے کا وقت تھا جب اس کے سیل فون پہ وائبریشن ہوئی۔

"گھر پہنچ گئے۔" کشمالہ کا ٹیکسٹ تھا۔ وہ اس کی واپسی سے باخبر تھی۔ صبح ان دونوں کی مختصر بات ہوئی تھی۔

"یار راستے میں ہوں۔ بس نکلتے نکلتے دیر ہوگئی۔" اس نے ریپلائی کرنے کے بجائے کال بیک کی۔ میسیج تو خیر وہ عام حالات میں بھی کم ہی کرتا تھا جہاں نہایت ضروری ہو ورنہ کال کرتا وہ بھی نہایت مختصر۔ لمبی چوڑی باتیں کرنا اس کی عادت نہیں تھی۔

"تو کل صبح آجاتے، نارملی رات کو اس روڈ پہ سفر کرنا خطرناک ہوتا ہے۔" اس کی آواز میں تفکر تھا۔

"اور تمہیں لگتا ہے میں نارمل ہوں؟" وہ تمسخر سے بولا۔

"شاید نہیں۔" کشمالہ کا انداز محتاط تھا۔

"یقیناً نہیں۔" سمیر کے لہجے میں اعتماد تھا۔ کشمالہ نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔

"کب تک پہنچو گے؟" اس نے تبصرہ کرنے سے گریز کیا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتا...... کیوں؟" ڈسپلے پہ وقت دیکھتے اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"پہنچ کر ٹیکسٹ کردینا۔" وہ اس تنبیہہ پہ متحیر ہوا۔
"یعنی کشمالہ جی میرے انتظار میں جاگتی رہیں گیں۔" وہ ہنسا۔
"نہیں جاگنا چاہیے؟" دوسری طرف سوال کیا گیا۔
"ظاہر ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے برجستہ کہا۔
کشمالہ نے گہرا سانس لیا۔
"میں انتظار کروں گی میسیج کا۔" کشمالہ کی سنجیدہ اور مایوس آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔ اگلے ہی پل رابطہ منقطع ہوگیا تھا۔
سمیر کا دھیان راستے سے بھٹک کر کشمالہ معین کے مایوس لہجے میں جا اٹکا تھا۔ اپنے حلقۂ احباب میں یہ وہ واحد لڑکی تھی جس کی خوبیوں کا وہ دل سے معترف تھا۔ جس کی شخصیت بے جھول تھی۔ جو محبت اور دوستی کے مہین سے فرق کو انتہائی وضع داری سے نبھارہی تھی یوں کہ آج بھی اپنی انا اور عزتِ نفس کو سمیر انصاری کے قدموں تلے کچلنے نہیں دیا تھا۔ وہ اس کی بہترین دوست تھی اور غالباً سب سے قریب بھی۔ اس سیاہ رات میں ویران سڑک پہ تنہا ڈرائیو کرتے اس کے ذہن میں چند روز پرانی اپنی ماں کی باتیں کسی فلم کی طرح چل رہی تھیں۔ اس تنہائی میں اس نے ایک بار پھر اپنے دل کو ٹٹولا، کشمالہ کے چہرے کو نظروں میں لاکر اپنے اندر جھانکا' وہ جذبہ آج بھی ناپید تھا جس کی خواہش کشمالہ معین رکھتی تھی۔
"سمیر انصاری بے حس ہی نہیں بدنصیب بھی تھا۔" سو میل دور بیلوں سے ڈھکے بنگلے کے خنک بیڈروم میں اداس بیٹھی کشمالہ معین نے سوچا تھا۔ سیاہ رات میں تاروں بھرا آسمان دولہن کے دوپٹے سا دمک رہا تھا۔ وہ ایک ٹک دیکھتی گئی۔ دور فلک پہ کوئی تارہ ٹوٹا اور کشمالہ معین کا دل بھی۔

☆......☆......☆

کمرے میں اندھیرا تھا بس نائٹ بلب کی مدھم سی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی جس میں اردگرد کا منظر واضح نا سہی پر دکھائی ضرور دے رہا تھا۔ آدھی رات سے اوپر کا وقت تھا اور پپوٹے نیند سے بوجھل ہورہے تھے پر دماغ میں اب تک کل شام والی باتیں گھوم رہی تھیں۔ وہ سوچ سوچ کر تھک چکی تھی۔ جتنا سوچتی اتنا ہی الجھ جاتی تھی۔ اس کا وجود ہمیشہ سے سب کے لیے پریشانی کا باعث بنا رہا تھا اور آج بھی وہ اس کے آنسوؤں کی وجہ تھی حالانکہ اس نے کبھی جتایا نہ تھا پھر بھی وہ جانتی تھی۔ وہ ایسا کیا کرے کہ سب کو مطمئن کر پائے یہی سوچتے سوچتے اس کا دماغ شل ہورہا تھا پر ایسا کوئی سرا ہاتھ ہی نہیں آرہا تھا جو سب کی مشکلات کو حل کردے۔ کسی بھی نتیجے پہ نہ پہنچتے ہوئے بالآخر تنگ آکر اس نے اپنی بوجھل آنکھیں موند لیں۔ کلائی سے آنکھوں کو ڈھانپ کر وہ اس حالیہ صورت حال سے فرار پاچکی تھی پر اچانک کسی شے کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ رات کے اس لمحے گھر میں مکمل سناٹا تھا۔ سب سو رہے تھے اور ذرا سی آہٹ بھی شور لگتی تھی۔ کمرے کے باہر قدموں کی چاپ وہ باآسانی سن سکتی تھی۔ اچانک قدموں کی آواز آنا بند ہوگئی اور اسی پل اس نے بازو ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کا ہینڈل گھمایا گیا اور پھر بنا آواز کے دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس ملگجے اندھیرے میں بھی وہ نوارد کو دیکھ سکتی تھی۔ رات کے اس پہر اسے اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑا دیکھ کر وہ چونکی تھی۔ وہ دبے تلے قدموں سے چلتا کمرے میں داخل ہوا اور انتہائی احتیاط سے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھا۔ اچانک اس کی ساری حسیات بیدار ہوچکی تھیں۔ بیڈ کے کنارے تک پہنچ کر وہ جھکا اور اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔ سنسناتی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑی پر وہ سانس روکے آنکھیں سختی سے بھینچے لیٹی رہی۔ اس کے ہاتھ اب اس کے بالوں سے ہوکر اس کے گالوں کو چھو رہے تھے۔ اپنی سخت انگلیاں اس کے نرم گالوں پہ دائرے کی صورت گھماتے وہ اسے اذیت دے رہا تھا۔ یہ سب اس کی برداشت سے باہر ہورہا تھا۔ اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اے سی کی ٹھنڈک میں بھی پسینہ آنے لگا۔ وہ مسلسل اپنی انگلیوں کو حرکت دیتا اسے اذیت دے رہا تھا اور یہ سب اس کے لیے ناقابل برداشت ہورہا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی، اپنے کمرے سے دھکے مار کر باہر نکال دینا چاہتی تھی، خود وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن وہ اسے روک نہیں پائی تھی۔ خوف اور وحشت سے ایک دلخراش چیخ اس کے منہ سے نکلی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

ہوا تو کچھ بھی نہ تھا' نارمل سی بات تھی کہ ''لمبے کمرے'' سے سگریٹ کی خوشبو آرہی تھی لیکن مسئلہ تو یہی ہے کہ لغاری ہاؤس میں نارمل باتوں کو نارمل لیا ہی کہاں جاتا ہے؟

لغاری ہاؤس میں چار کمرے تھے' بڑا کمرا جو راج دین لغاری کے قبضے میں تھا' چھوٹا کمرا جو یاسمین بیگم اور نیلم کا مشترکہ تھا۔ لمبا کمرا جس کی لمبائی زیادہ تھی تو اس میں پارٹیشن کرکے ان تینوں کو دے گیا تھا اور لمبے کمرے کے نام سے جانا جانے لگا۔ چھ افراد پر مشتمل اس گھرانے کا نک نیم ''پاگل خانہ'' تھا۔ ان چاروں کو کسی ڈاکٹر کی ہدایت کی طرح صبح دوپہر شام بلاناغہ بہت سے کڑوے سچ ہضم کرنے ہوتے تھے۔

''کم بختو...... نالائقو...... مفت کی روٹیاں توڑنے والو کبھی عقل کو بھی ہاتھ پاؤں مارلیا کرو' تھوڑا شور مچایا کرو' ورنہ کسی دن باہر لگی تختی پر لغاری ہاؤس کو کاٹ کر کوئی ''پاگل خانہ'' لکھ جائے گا تو کہاں منہ چھپاتے پھرو گے۔'' وہ چاروں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگا کر اپنے ابنارمل ہونے پر مہر ثبت کررہے تھے۔

''میں تو کہتی ہوں میں ایک دوسوٹ بنوا ہی لوں۔''

''سوٹ......! یہ بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی؟'' امی نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''آپ لوگوں کے اس طرح کے کارنامے تایا تک پہنچیں گے ناں تو مجھے پکا یقین ہے کہ کسی ایک کی تو بارات ضرور ہی نکلے گی۔'' نیلم نے ان تینوں کے سامنے رکھے ایش ٹرے کی طرف اشارہ کرکے خشمگین نظروں سے انہیں گھورا۔

''بارات تو پہلے بڑے بھیا کی ہی نکلے گی' ہم جتنے مرضی کارنامے سرانجام دے لیں ابا حضور کی کان پر جوں تک نہ رینگے گی۔'' حمزہ نے مصنوعی آنسو کو صاف کرکے خیالی رومال نچوڑا۔

''ابا حضور کی کان نہیں ''کے کان'' نالائق کبھی تو بڑی یے اور چھوٹی یے کا صحیح استعمال کرلیا کرو۔ اردو لغت کی یہ بہت بڑی غلطی ہے۔'' بلال نے دانت کچکچا کر اسے نالائقی کا طعنہ دیا اور اپنے اردو ایم اے ہونے کا رعب جھاڑا۔

''بڑے بھیا/ مجھے لغت کی سمجھ نہیں آتی' مطلب ہوتا ہے بات سمجھانے کی' وہ سمجھ آگئی تو بس فل اسٹاپ۔'' حمزہ کہاں چپ رہنے والا تھا۔

''تم جیسے ہی اردو کا بیڑا غرق کرتے ہیں۔'' بلال بڑبڑایا۔

''میرا سوٹ......'' ان کی بے تکی بحث پر نیلم نے مداخلت کی۔

''بارات تو نکلنے دو' سوٹ کا کیا ہے جس کی بارات نکلے گی وہ کچھ نہ کچھ دلائے گا ہی ناں۔'' امین نے حمزہ کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''کیوں؟ جس کی بارات نکلے گی اس کی لاٹری بھی نکلے گی کیا؟'' بلال نے ان تینوں کو گھورا۔

''لاٹری تو نہیں لیکن پاکٹ منی تو ڈبل ہو ہی جائے گی ناں۔'' حمزہ مکمل شرارت کے موڈ میں تھا۔

''اب کیا میں پاکٹ منی کو ڈبل کرنے کے لیے اسے گھر سے لاؤں۔'' بلال نے قہر آلود نظروں سے ان کے شریر انداز کو دیکھا۔

''بتاؤں گی تایا ابو کو کیسے آپ تینوں نے گھر میں اسموکنگ کی ہے۔'' جب بات بنتی نظر نہ آتی تو وہ ایسے ہی آنکھیں پھیر لیتی تھی۔

''ہاں تو بتاؤ ناں ہم کون سا ڈرتے ہیں۔'' حمزہ نے نڈر انداز میں کالر جھٹڑا۔

''زیادہ پھنے خان بننے کی ضرورت نہیں' لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔'' امین نے حمزہ کو لتاڑا اور قہر آلود نظروں سے نیلم کو دیکھا۔

''ہاں......'' نیلم اترائی۔ ''اور یاد ہے ناں' پچھلی بار کیا ہوا تھا؟'' نیلم نے ان کی پچھلی شرارت کا حوالہ دیا۔

''تم بہت بُری ہو نیلم۔'' حمزہ نے افسوس ناک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آپ لوگوں نے بھی تو مجھے ساتھ نہ ملایا تھا ناں اور اس بے چاری بکری کو ایسا ڈنڈا مارا کے وہ سیدھی اوپر ہی پرواز کرگئی

تھی۔ آپ لوگوں نے تایا ابو کے ڈر سے اس کو دیوار کے ساتھ کھڑا کردیا اور خود فرار ہوگئے یعنی کے حد ہوگئی ظلم کی انتہا مردہ بکری کو دیوار کے ساتھ کھڑا کردیا۔'' نیلم نے ان کی سابقہ شرارت کو افسوس ناک انداز میں بیان کیا۔

''بخدا اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔'' حمزہ نے دفاع کرنا ضروری سمجھا۔

''قصور نہیں تھا تو بھاگے کیوں تھے اور مجھے سچائی کیوں نہ بتائی تھی؟'' نیلم نے ابرو اچکا کر جارحانہ انداز میں دریافت کیا۔

''تم نے بھی تو غداری کی تھی ہمارا نام لے کر ہمارا نقصان کروایا تھا۔'' امین نے اسے جتایا۔

''ہاں تو تایا ابا کو وہ نقصان تو پورا کرنا تھا' تو ظاہری بات ہے آپ لوگوں کی پاکٹ منی سے ہی پورا کرتے۔ ظالم کو سزا تو ملتی ہے ناں بچو چاہے دنیا میں ہی ملے یا آخرت میں۔'' نیلم نے اب ان کو چڑایا۔

''دیکھو نیلم..... تم غداری نہ کیا کرو۔'' اب کے بلال نے بھی اسے تنبیہہ کیا۔ ''اور وہ ہماری غلطی بھی نہیں تھی۔'' بلال مزید گویا ہوا۔

''ہم نے تو ہلکا سا ڈنڈا مارا تھا بس۔'' حمزہ نے منہ بسور کر کہا۔

''ہم نے نہیں تم نے۔'' امین ہنسا۔

''اور پاکٹ منی ہماری بھی کٹی۔'' بلال کو آج تک ان پیسوں کے نہ ملنے کا افسوس تھا۔

''پیارے ویرو..... گناہوں کی سزا تو ملتی رہتی ہے ناں۔'' نیلم نے اپنے انداز میں کہا۔

''بس بے چاری بکری کی موت کا بہانہ بنا ورنہ ہم کیا شکلوں سے قاتل لگتے ہیں۔'' حمزہ نے امین اور بلال کو دیکھ کر مسکین صورت بنا کر کہا۔

''تو لگتا ہے ویسے۔'' بلال نے مسکراہٹ دبا کر اسے چھیڑا تو وہ سٹپٹا کر اسے گھورنے لگا۔

''نیلم تم اب غداری نہ کرنا' یار کبھی کبھی تو چلتا ہے ناں۔'' امین نے نیلم کو باہر کی جانب بڑھتے دیکھا تو اس کو باز رکھنا چاہا۔

''ایک شرط پر۔'' یک دم وہ پلٹی۔

''کیا؟'' وہ تینوں یک زبان بولے۔

''پانچ پانچ ہزار روپے' تو تمہارے پاس کتنے ہو جائیں گے۔'' امین نے اسے گھورا جبکہ بلال اور حمزہ سکتے میں رہ گئے۔

''پندرہ ہزار.....'' نیلم نہایت آرام سے بولی تو ان تینوں کو اچھو لگ گیا۔

''تم جاؤ تایا ابو کو بتا دو کہ ہم نے اسموکنگ کی ہے۔'' امین نے کہا تو بلال اور حمزہ نے اس کی تائید کی اور وہ بُرے بُرے منہ بنا کر باہر نکل گئی جبکہ ان تینوں نے نیلم کے آنے کی وجہ سے بجھائی جانے والی سگریٹ پھر جلالی۔

❀......❀......❀

''موٹر سائیکل آخری بار کس نے چلائی تھی' میں پوچھتا ہوں کس نے چلائی تھی؟'' ان کی گرج دار آواز نے ''لغاری ہاؤس'' کی در و دیوار کو ہلا دیا تھا۔

''امریش پوری زندہ ہے؟'' حمزہ نے آنکھیں پھیلا کر امین کی طرف دیکھا۔

''راج دین لغاری زندہ ہیں۔'' ہاتھ میں پکڑے بیٹ پر نئی گرپ لگانے کی کوشش میں ہلکان ہوتے امین نے پھولی

ں کے ساتھ اس کو مطلع کیا۔
"مر گئے یار! موٹر بائیک کو کیا ہو گیا؟" حمزہ نے اس سے
وقت کیا تو اس نے کندھے اچکا کر لاعلمی ظاہر کی۔
"میں کیا پوچھ رہا ہوں، کدھر چھپے ہو باہر نکلو۔" راج دین
ری آگ بگولہ لہجے میں پھر بولے۔
"ارے یار جاناں باہر دیکھ کر آ، کیا ہوا ہے۔" امین نے
سے کہا۔
"مجھے نہیں شوق توپ کے آگے کھڑے ہو کے سلامی
نے کا۔" حمزہ نے صاف دامن بچایا۔
"یہ کام ویسے بڑے بھیا کا لگتا ہے وہی اپنے بڑا
نے کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نکلے ہوں گے دیدار یار کے
یے اور کر دیا ہوگا کوئی پھڈا۔ اب بھگتو سارے۔" امین
نے بلال کو برا بھلا کہا، بیٹ کی گرپ کو چھوڑا اور اٹھ کر باہر
جانب بڑھ گیا۔
"ٹھہرو میں بھی آتا ہوں۔" وہ باہر کی طرف لپکا تو حمزہ
ی اس کے ہمراہ چل پڑا۔
"اب کیا لینے آ رہے ہو۔" امین نے اسے دیکھ کر غصے
سے پوچھا۔
"ہم تو یاروں کے یار ہیں یار...... دوست کو ڈانٹ پڑے
ور ہم انجوائے بھی نہ کر سکیں تو خاک نہ مل جائے ایسی دوستی
ہ۔" حمزہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چھلانگ لگائی تو
مین نے دانت کچکچا کر بھنویں اچکائی۔
"جی تایا ابا کیا ہوا؟" امین مجرمانہ انداز میں اب راج
دین لغاری کے سامنے تھا۔
"نالائقو...... کم بختو...... کتنی دفعہ کہا ہے جب موٹر
سائیکل چلاتے ہو تو اس کو گڑھوں، کھڈوں میں نہ گھسیڑا
کرو۔" وہ پلاسٹک کی بالٹی کو پانی سے بھر کر موٹر سائیکل کے
ٹائروں کو دھو رہے تھے۔ امین کو دیکھتے ہی توقع کے عین
مطابق اس پر برس پڑے۔ اس نے کن اکھیوں سے ستون
کے پیچھے کھڑے حمزہ کو دیکھا جو ہنسی کی آواز بلند ہونے کے
خوف سے دونوں ہاتھوں سے منہ کو دبائے کھڑا تھا۔
"تایا ابا...... وہ حمزہ نے جانا تھا باہر تو وہ لے کر گیا تھا۔"
امین کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو پل بھر میں گویا اسے
سانپ سونگھ گیا۔
"کہاں گیا تھا؟" ان کی گرج دار آواز نے اس کو لٹھے کی
مانند کر دیا۔
"وہ بب...... بب......" وہ حد درجہ بوکھلا رہا تھا۔
"بب...... بب کیا کر رہا ہے سیدھی طرح بول۔" حمزہ ہمیشہ ان کے عتاب کا نشانہ بنتا تھا اور بدقسمتی سے ہمیشہ سامنے بھی آ جاتا تھا۔
"ابا جی، یہ میں صاف کر دیتا ہوں آپ آرام فرمالیں۔" دوسرے لمحے حمزہ نے ان کے ہاتھ سے فوم لیا اور موٹر سائیکل کے کیچڑ زدہ ٹائروں کو صاف کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ راج دین لغاری نے اس کی طرف دیکھا اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔

"ہم یار ہیں تمہارے، دلدار ہیں تمہارے
ہم سے پنگے نہ لیا کرو ورنہ پٹا کرو گے"

ان کے جاتے ہی امین نے گانے کی ٹانگ توڑی، حمزہ کسی ناگ کی طرح پھنکارا اور پلک جھپکتے ہی اس سے پہلے کہ امین کچھ سمجھتا اس نے پانی کی ساری بالٹی اس پر انڈیل دی اور فوم اس کے ہاتھ میں تھما کر اندر کی جانب بڑھ گیا جبکہ امین کتنی ہی دیر تک ہونقوں کی طرح وہیں کھڑا "بھیگے ہوئے ککڑ" کی عملی تصویر بنا رہا۔

❁......❁......❁
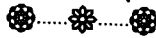
"ہیلو......"
"ہیلو......" اس نے کسلمندی سے کال ریسیو کی تھی۔
"ہمیں ایک آرڈر لکھوانا ہے۔" ایک مردانہ آواز نے اسے بدمزہ کر دیا تھا۔
"جی ایک منٹ۔"
"بڑے بھیا۔" حمزہ بلال کی طرف مڑا جو بیٹھا فون پر کوئی گیم کھیل رہا تھا۔
"آرڈر لکھ لیں۔" حمزہ نے فون بلال کو پکڑا دیا۔
"جی آرڈر لکھوائیں۔" بلال نے ہیلو ہائے کے تکلفات میں پڑے بغیر کہا۔
"تین لارج پیزے، پانچ چکن فللٹ برگر، تین فش فللٹ، سوس اور ڈرنکس، کتنی دیر تک آرڈر تیار ہو جائے گا؟" آرڈر کرنے والے نے پوچھا۔
"آدھے گھنٹے میں۔" بلال نے کہا۔
"اوکے تھینکس۔" اتنا کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا، بلال دوبارہ گیم کھیلنے لگا۔

''یار بعض لوگ کتنا کھاتے ہیں۔'' گیم کا لیول پورا کرتے ہوئے بلال نے حمزہ سے کہا۔

''کس کا فون تھا؟'' امین کمرے میں داخل ہوا تو ان دونوں کو دیکھ کر چند منٹس پہلے بجنے والی فون کی گھنٹی کے بارے میں پوچھا۔

''پتا نہیں کسی نے آرڈر لکھوانا تھا۔'' حمزہ بے پروائی سے اسے بتایا۔

''کیا مطلب؟''

''آئس کریم۔'' اس سے پہلے بلال یا حمزہ امین کو کیا مطلب کا مطلب سمجھاتے نیلم ٹرے میں آئس کریم لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

''کیا کر رہے ہیں۔'' ان تینوں کو آئس کریم ڈال کر دیتی نیلم نے پوچھا۔

''کچھ نہیں' ایک آرڈر لکھا ہے ابھی۔'' حمزہ نے ہنستے ہوئے امین اور نیلم کو بتایا جبکہ بلال بغور گیم کھیلنے میں مشغول تھا گویا اس سب میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔

''آرڈر؟'' امین تو ان کی آنکھوں کی چمک اور مسکراہٹ سے سمجھ چکا تھا کہ پھر کوئی کارستانی سرانجام دے چکے ہیں اس لیے اب وہ تاسف سے سر ہلا رہا تھا کہ اس نے بال شیمپو کرنے میں دیر کیوں لگادی لیکن نیلم اس پل ان کی اس شرارت سے انجان تھی اس لیے پوچھنے لگی۔

''ہمیں کیا پتا کون سا آرڈر' کال آئی کہ آرڈر لکھوانا ہے تو ہم نے...... آئی مین بلال بھائی نے پوچھ لیا۔'' حمزہ نے آئس کریم کھاتے ہوئے سارا ملبہ بلال پر گرایا۔

''کیا مطلب؟'' نیلم یقیناً نہیں سمجھی تھی۔

''یار ایک تو تم لڑکیوں کی بہت بری عادت ہوتی ہے ہر بات کا مطلب جاننے کی۔'' امین نے نیلم کو آنکھیں دکھائیں۔

''بلال بھائی' دیکھا اس امین کے بچے کو' مجھے ڈانٹ رہا ہے۔'' نیلم نے بلال کو دیکھا۔

''امی کے بچے......'' حمزہ نے نیلم کے الفاظ دہرائے اور قہقہہ لگا کر امین کو دیکھا جو دانت پیستے خونخوار نظروں سے نیلم کو دیکھ رہا تھا۔ حمزہ نے ہنستے ہوئے اسے آرڈر لکھنے کی ساری کارروائی سنائی۔

''شرم نہیں آتی آپ لوگوں کو ایسی شرارتیں کرتے ہوئے' خوامخواہ کسی کی بھوک کو خراب کردیا۔'' اب نیلم ان کو ڈانٹنے لگی تھی۔

''تو کیا ہماری غلطی ہے اس میں؟'' بلال اپنی آئس کریم کی پلیٹ اٹھا کر بولا۔

''ہاں غلطی تو تایا ابا کی ہوگی۔'' نیلم کو خوامخواہ ہمدردی ہونے لگی تھی۔

''جب کسی کو کال کرو تو یہ پوچھنا ضروری ہوتا ہے کال کہاں جا رہی' نہ کے چھوٹتے ہی آرڈر لکھوانے لگو۔'' بلال نے آئس کریم کی اسپون منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو رانگ نمبر بھی تو مل سکتا ہے ناں۔'' نیلم نے خشمگیں نظروں سے ان تینوں کو دیکھا۔

''تو یہ کال ملانے والے کو کنفرم کرنا چاہیے ناں کہ نمبر رانگ لگا کے رائٹ۔'' بلال نے کہتے ہوئے حمزہ اور امین کو دیکھا تو انہوں نے بھی تائید کی وہ رتی بھر بھی نادم نہ تھے۔

''بہت بری بات ہے۔'' نیلم بڑی بی کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کو سرزنش کرنے لگی۔

''آپ کی شرارتیں بھی عجیب ہی ہیں ناں۔'' ان تینوں نے اس کی ڈانٹ کو کوئی اہمیت نہ دی تو وہ پھر بولے۔

''ہم عجیب ہماری شرارتیں عجیب۔'' ان تینوں نے تال ملائی۔

''ویسے نیلم پری تم شاید بھول رہی ہو کہ تم بھی اس گینگ کا حصہ ہو۔'' اس نے تیکھی نظروں سے ان کو دیکھا تو بلال نے یاددہانی کرائی۔

''ہم نے بہت دفعہ تمہیں بچایا بھی ہے لیکن تم نے ہمیشہ ہمیں پھنسایا ہی ہے۔'' امین نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھے کب بچایا ہے؟ اور ساری شرارتیں تو آپ لوگوں کی اپنی ہوتی ہیں میں کب شامل ہوتی ہوں؟'' نیلم دونوں ہاتھ کمر میں رکھے بگڑے تیوروں سے اسے مخاطب ہوئی۔

''یہ بھی خوب کہی' بلال بھائی ذرا اس کو بتانا کہ ہم نے کب اسے بچایا ہے۔'' امین نے بلال کو کہا۔

''ہاں بولو؟'' نیلم اب بلال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''چھوڑو یار اب کیا بہنو سے مقابلہ کرنا' ایک چوزہ ہی تو تھا۔'' بلال نے ہنستے ہوئے امین کو دیکھا۔

''حمزہ بھائی وہ تو ایکسیڈنٹ تھا' کوئی شرارت تو نہیں تھی

ناں۔" نیلم منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"ہاں، لیکن ہم نے بچایا تو تھا ناں۔" حمزہ نے پھر کہا۔

"وہ تو عجیب سی بات ہوئی ناں، بس اس کی بھی موت نے ہی آواز دی اور میرے پیر کے نیچے آگیا۔" نیلم نے ہنس کر کہا۔

"اب اندازہ لگالو اپنے وزن کا۔" امین نے اسے چھیڑا۔

"بلال بھائی دیکھ لیں اب اس کو۔" نیلم نے خود کچھ کہنے کی بجائے بلال سے شکایت کی۔

"نہ تنگ کرو یار...... ویسے بڑا ہی مزے دار سین تھا۔" بلال نے امین کو تنبیہہ کی اور نیلم سے سرزد ہوئے ایکسیڈنٹ کا بتانے لگا۔

"بھائی بہت گڑبڑ ہوگئی ہے۔" بلال، حمزہ اور امین اپنے "لمبے کمرے" میں براجمان تھے کہ نیلم گھبرائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"کتنی بار منع کیا ہے موٹے بیٹ کو دیوار کے ساتھ نہ کھڑا کیا کرو، دیکھو تو گرا ہے اور میرا چوزہ مرگیا۔" یاسمین بیگم کی ڈانٹ پر ان تینوں نے نیلم کو دیکھا جس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔

"تم نے مارا ہے؟" وہ تینوں یک زبان بولے۔

"جان بوجھ کر نہیں، چلتے چلتے پتا نہیں کیسے پاؤں کے نیچے آگیا۔" وہ ہاتھ مروڑتے ہوئے اقرار جرم کرنے لگی تو ان تینوں نے اگلے لمحے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"اور تم نے ہمارا بیٹ اس کے اوپر رکھ دیا۔" حمزہ نے بمشکل ہنسی روکی۔

"واہ...... واہ تم ترقی کروگی، ایسا آئیڈیا اتنی تیزی سے آیا کہاں سے۔" وہ ہنستے ہوئے پوچھنے لگے۔

"سامنے بیٹ ہی پڑا تھا تو میں نے اس کے اوپر رکھ دیا۔" ان کی ہنسی سے اس میں اب حوصلہ آگیا تھا، فخریہ انداز میں بتانے لگی۔

"ویسے بھی یاد تو ہے ہم کتنے جینئس ہیں۔" ان کی طرف دیکھ کر اب وہ فرضی کالر جھاڑتے اترانے لگی تھی۔

"ہماری بکری اور تمہارا چوزہ۔" حمزہ نے باآواز بلند کہا تو دوسرے پل چاروں کا قہقہہ لمبے کمرے میں گونجا۔

❀......❀......❀

یاسمین بیگم ان چاروں کی دادی، راج دین لغاری کی والدہ ماجدہ، عجیب وغریب طبیعت کی مالک تھیں۔ حمزہ اور بلال راج دین اور سلمیٰ کی اولادیں تھیں۔ امین اور نیلم عابد دین لغاری اور گلناز کی اولادیں۔ عرصہ چار سال پہلے کسی شادی میں شرکت کے لیے عابد دین گلناز اور سلمیٰ گئے اور ایکسیڈنٹ کے حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔

سب سنبھل چکے تھے اور زندگی کی گاڑی رواں دواں تھی، یاسمین بیگم اپنی ہی دنیا میں مگن رہتی تھیں۔ ان چاروں کی بچپن سے دوستی تھی اور شرارتوں میں اب اپنی مثال آپ تھے۔ ابھی تک ان کی شرارتیں اسی تواتر سے قائم دائم تھیں، دوسروں کو تنگ کرنا، مذاق کرنا ان چاروں کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان میں تین خصوصیات ایسی تھیں جو اُن کو عام سے خاص، خاص سے عجیب اور عجیب سے یونیک بناتی تھیں۔ ان چاروں کا سینس آف ہیومر کمال کا تھا، ایک دوسرے کے اشاروں کو جس پھرتی سے سمجھ کر ایکٹ کرتے تھے، اس کی مثال کہیں نہ ملتی تھی اور تیسری یہ کہ وہ جس ذہانت سے ایک دوسرے کی شرارت کو آگے بڑھاتے تھے۔ وہ انتہائی متاثر کن خصوصیت تھی، سامنے والے کو دنگ کردیتی اور وہ کبھی ماننے کو تیار نہ ہوتے کہ یہ شرارت پہلے سے طے تھی۔

راج دین لغاری، رعب و دبدبہ والے چوہدریوں سی آن بان شان والے، سیٹھ قسم کے انسان تھے جن کا پسندیدہ ترین مشغلہ (بقول ان چاروں کے) خوامخواہ ڈانٹ کر اپنے آپ کو ان کا "باپ" ثابت کرنا تھا لیکن ان پر اثر کہاں ہوتا تھا؟ بقول راج دین لغاری کے۔

"ساری اولاد ہی "اثر پروف" ہے، مجال ہے جو کوئی بات دو گھڑی دماغ میں ٹک جائے۔"

یاسمین بیگم تو جیسے فیلنگ پروف خاتون تھیں، قسم سے نوجوانوں کو کبھی کسی بات کی ٹینشن ہوتی ہو، تھوڑی دیر کے لیے کسی بات پر افسوس کا اظہار کرتیں اور پھر جانے کون ان کو ایسی تسلی دیتا کہ اگلے ہی لمحے وہ بالکل نارمل ہوجاتی تھیں۔

آج کل ایک انتہائی خطرناک بیماری کا شکار ہوکر بستر پر تھی۔

"ارے کم بختو، نالائقو...... بڑھاپا بذات خود بقلم خود ایک ایسی بیماری ہے جو ہر لمحے کچوکے لگاتی ہی رہتی ہے۔" یاسمین بیگم تو باقاعدہ غمگین صورت بنائے پرانی فلموں کی ہیروئن بنی رہتی تھیں۔

"دادی جان کیا ہوا؟" ان کی بھیگی آنکھوں کو دیکھ کر نیلم

ان کے پاس آ گئی، ہمدردی پا کر یاسمین بیگم زارو قطار رونے لگیں تو نیلم گھبرا گئی۔

"بلال بھائی، حمزہ، امین کہاں ہو؟ جلدی آؤ۔" جب یاسمین بیگم کی ہچکیاں بندھنے لگیں تو نیلم نے ان تینوں کو آوازیں دیں۔

"کیا ہوا؟" امین اور حمزہ بھاگتے ہوئے آئے۔

"پتا نہیں کیا ہوا دادی جان مسلسل روئے جا رہے ہیں اور بتا بھی نہیں رہی ہیں کچھ کہ کیا ہوا ہے؟" نیلم گھبراہٹ کا شکار تھی۔

"دادی رونا بند کریں اور بتائیں کے کیا ہوا ہے؟" حمزہ نے قدرے رعب دار آواز میں ان سے پوچھا۔

"کیا زمانہ تھا جب آنکھیں بند ہوتیں تب بھی نظر آ جاتا تھا اور اماں کو سوئی میں دھاگہ ڈال کر دے دیا کرتی تھی۔ آج یہ وقت ہے کہ پچھلے ایک گھنٹے سے کھلی آنکھوں سے کوشش کر رہی ہوں اور سوئی میں دھاگہ ہے کہ ڈال ہی نہیں پا رہی۔" یاسمین نے کھکھیائی آواز میں اپنے رونے کی وجہ بتائی تو حمزہ اور امین سر پیٹتے ہوئے بنا کچھ کہے وہاں سے باہر نکل گئے جبکہ نیلم ہونقوں کی طرح اب ان کے آنسوؤں کو دیکھ رہی تھی۔

"حد ہو گئی یار..... اس عمر میں بھی وہ آنکھیں بند کر کے دھاگہ ڈالنا چاہتی ہیں۔" حمزہ تلملا کر امین سے کہنے لگا جبکہ وہ تو بولنے کے قابل بھی نہ تھا، اس قدر شدید غصے میں تھا۔

"دادی کوئی بات نہیں ناں، اس میں رونے کی کیا بات ہے، لائیں میں دھاگہ ڈال دیتی ہیں۔" نیلم نے بمشکل خود پر قابو پا کر نرمی سے کہا۔

"ہائے یہ بڑھاپا بھی بڑی ہی ظالم چیز ہے، اچھے بھلے بندے کو ناکارہ کر دیتا ہے۔" یاسمین بیگم نے سوئی اور دھاگہ نیلم کو تھما کر یاسیت سے کہا تو نیلم سوئی میں دھاگہ ڈالنے لگی۔

"ایک بار..... دو بار..... تین بار....." نیلم نے یک دم آنکھوں کو ملا۔

"ہائے میں بوڑھی ہو گئی ہوں؟" وہ بڑبڑائی۔ "دھاگہ کیوں نہیں ڈالا جا رہا۔" نیلم حیران ہوئی۔

"کچھ دکھ بہت شریر ہوتے ہیں، کلیجہ بھی چھلنی کرتے ہیں اور گدگدیاں بھی کرتے رہتے تھے۔ بڑھاپا بھی ایک ایسا ہی دکھ ہے۔" یاسمین بیگم دل برداشتہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"دادی اس سوئی کا سوراخ ہی بند ہے تو......" نیلم کو اپنی فکر لگ گئی تھی، بار بار کوشش سے جب ناکام ہوئی تو جھنجھلا کر بولی۔

"ہائے کیا سچی؟" یاسمین بیگم نے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر تصدیق چاہی۔

"ہاں ناں دادی، اب دیکھیں میں تو بوڑھی نہیں ناں لیکن میں بھی نہیں ڈال سکی دھاگہ، اب دیکھا تو یہ بند ہے۔ ایسے میں آپ نے اپنے آنسوؤں کو ضائع کیا اور میرے وقت کو۔" نیلم دوسری سوئی میں دھاگہ ڈال کر ان کو تھما کر پاؤں پٹختی باہر نکل گئی اور یاسمین بیگم مطمئن ہو کر اپنا کام کرنے لگیں۔

❋ ❋ ❋

"آپ کو یاد آ گئی میری۔" اس کا نروٹھا لہجہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"یاد تو اس کی آتی ہے جو بھول جائے، جو بھولا ہی نہ ہو اس کی یاد کیسے آئے۔" وہ اپنائیت سے بولا۔

"ڈائیلاگ بازی میں تو آپ کا کوئی ثانی نہیں۔" تبسم لہجے میں اسے سرخرو کیا۔

"بس یار یہ اللہ کی دین ہے اور ہم اس کے شکر گزار ہیں کبھی غرور نہیں کیا۔" بلال ہنسا۔

"واہ جی آپ کتنے گریٹ ہیں۔" ارم نے تمسخرانہ ہنسی میں کہا۔

"آج میری اتنی تعریف کیسے ہو رہی ہے۔" بلال کو تفتیش لاحق ہوئی۔

"اتنے دن بعد کیسے کال کی۔" اس نے شکاتی انداز اپنایا۔

"ایسے ہی میں نے سوچا کیا پتا میری یاد نے تمہیں مجنوں بنا دیا ہو تو پتا کروں کہ کون سے صحرا میں بھٹک رہی ہو۔" بلال ہنستے ہوئے بولا۔

"ابھی بھی کیا ضرورت تھی پتا کرنے کی؟" وہ اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے نروٹھے لہجے میں بولی۔

"سوری، کچھ مصروفیت رہی تو اس لیے اتنے دن تک رابطہ نہیں کر سکا۔" بلال نے معذرت کرتے ہوئے اسے بتایا۔

"کوئی بھی انسان بھی اتنا مصروف نہیں ہو سکتا کہ اس کے پاس پانچ منٹ بھی نہ ہوں کہ وہ کسی سے رابطہ

کرسکے بات ساری اہمیت کی ہوتی ہے۔'' ارم کا انداز مسلسل شکایتی تھا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں لیکن تم تو جانتی ہوناں ان سب کو ذرا سی بے قراری کی بھنک پڑ جائے تو ایسے ایسے ریکارڈ لگا دیتے ہیں کہ خوامخواہ پچھتانا پڑتا ہے کہ محبت ہی کیوں کی اور بھولے بسرے کرلی تھی تو جذبات پر بھی ذرا کنٹرول کرلینا چاہیے تھا۔'' بلال نے سارا الزام حمزہ اور امین پر ڈال کر خود کو اس کی ناراضی سے بچانا چاہا۔

''آپ اتنے ڈرپوک لگتے تو نہیں......'' ارم کب آسانی سے ماننے والی تھی۔

''میں ڈرپوک نہیں، لیکن تم ہی نروس ہوتی ہو۔ یاد ہے ناں جب تمہیں ان سب سے ملوانے لایا تھا تو کیا حشر ہوا تھا میری چھوٹی سی شرارت کا۔'' بلال نے اسے ثبوت دیا۔

''ہاں اب ایسی لوفرانہ حرکتیں کروگے تو ریکارڈ تو لگیں گے ہی ناں۔'' ارم خجل انداز میں کہنے لگی۔

بس ہونا کیا تھا، ارم اور بلال دونوں یونیورسٹی فیلو تھے دوستی تو تھی ہی، جذبات بھی بدل گئے اور لغاری ہاؤس میں ظلم و زیادتی کی داستان کبھی رقم نہ ہوئی تھی اس لیے راج دین لغاری نے بھی ایسی کسی رسم کی بنیاد رکھے بغیر بلال اور ارم کا رشتہ طے کردیا۔

بلال کے بے انتہا اصرار پر ارم گھر آئی تھی، خوب ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ ارم کو بھی ساری فیملی اچھی لگی تھی، ان کے قدرے بے باک انداز ایک دوسرے سے بے انتہا دوستی، محبت، ہنسی پر ایک دوسرے کے ریکارڈ لگانے پر اور ''اُف لغاری ہاؤس میں کوئی چاہیے ہی نہیں پیتا'' یہ سن کر ارم نے سوچا کے لغاری ہاؤس والی تختی پر پاگل خانہ ہی لکھا ہونا چاہیے تھا۔

آئس کریم سرو کی جارہی تھی، ارم کے بالکل سامنے والے صوفہ پر بلال براجمان تھا۔ نیلم نے جیسے ہی اس کو آئس کریم دی اس کی نظر بلال پر گئی اسی لمحے بلال نے بھی اسے دیکھا اور ان کے نینوں کے چار ہونے کو ان تینوں نے بہت چالاکی سے ملاحظہ کیا تھا کہ ان کو خبر ہی نہ ہوئی، ارم نے نگاہوں ہی نگاہوں میں بلال کو اس کو دیکھنے سے باز رکھا تو بلال نے دائیں آنکھ دبا کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ سرخ ہوگئی اور اگلے لمحے حمزہ کی وسل گونجی۔

''آنکھ مارے اولڑکا آنکھ مارے، سیٹی بجائے، ستائے بیچ سڑک میں ہائے نام میرا پکارے۔'' اس کے ساتھ ہی ان تینوں کے قہقہے نے بلال کو تو شرمندہ کیا ہی اور ارم جتنی دیر وہاں رہی وہ بھی منہ چھپاتی رہی۔

''اسی لیے میں اب احتیاط سے کام لیتا ہوں۔'' بلال نے مجرمانہ انداز اپنایا تھا۔

''اچھا مجھے پتا ہے، کوئی بات نہیں ایسے ہی آپ کو تنگ کررہی تھی۔'' ارم یقیناً سمجھ گئی تھی کہ بلال ہمہ وقت اس سے کیوں رابطہ نہ کرتا تھا۔

''ویسے ضروری تو نہیں کہ آپ جب بھی مجھ سے بات کریں اس کا اشتہار بھی لگایا کریں۔'' ارم کے اتنے جلدی راضی ہوجانے پر بلال اب آرام سے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہوگیا تو ارم نے پھر کہا۔

''میں کہاں بتاتا ہوں یار۔'' بلال نے منہ بسور کر کہا۔

''تو کیا ان کو الہام ہوتا ہے۔'' ارم غصیلی نظروں سے فون کو گھور کر تیکھے لہجے میں بولی۔

''نہیں یار، میری خوشی سے ان کو اندازہ ہوجاتا ہے بقول ان کے تم سے بات کرتے ہوئے میری رنگت کھلنے لگتی ہے۔'' بلال نے ہنستے ہوئے اسے بتایا۔

''حد ہوتی ہے ویسے۔'' ارم جھنجھلائی۔

''اور بڑے بھیا کیا ہورہا ہے۔'' امین کمرے میں داخل ہوا اور اس کے ساتھ ہی حمزہ بھی نازل ہوگیا اور ایک لمحہ لگا انہیں جاننے میں کہ دوسری طرف ارم آن لائن ہے۔

''بھائی، بھابی سے بات ہورہی ہے کیا؟'' نیلم بھی تشریف لے آئی۔

''اوکے اللہ حافظ۔'' بلال نے سرگوشی کی اور سلسلہ منقطع کردیا۔

''بڑے بھیا کیا باتیں ہوئیں؟'' اب وہ تینوں اس پر نظریں جمائے ہوئے شرارتی انداز میں پوچھنے لگے۔

''کچھ خاص نہیں۔'' بلال نے ان کو تیکھی نظروں سے گھورا۔

''خاص نہیں تو عام ہی بتادیں۔'' وہ تینوں پھر شرارت سے بولے۔

''تم لوگوں کی باری آئے گی ناں تو گن گن کر بدلے لوں گا۔'' بلال نے ان کو ڈانٹا اور اٹھ کر باہر نکل گیا جبکہ ان تینوں

کے قہقہے نے اس کا منہ چڑایا۔
''اُف حد ہوگئی' اس قدر خواری کے پوچھو مت۔'' نیلم نے اپنی چادر ڈھیلی کر کے بیگ کو نیچے رکھا' چپلوں سے پاؤں کو آزاد کیا اور آڑے ترچھے پڑے حمزہ اور امین سے مخاطب ہوئی۔
''کیوں کیا ہوا؟'' وہ جانتے تھے کہ نیلم دادی جان کو آپٹیشن کے پاس لے کر گئی تھی۔
''ہونا کیا تھا' آنکھوں کا چیک اپ ہوگیا تو گلاسز دیئے اس نے پہلے تو دادی جان کو فریم ہی پسند نہ آئے۔ یہ لمبائی کی طرف ہے یہ گول سا ہے' اس کے فریم پر اگر یہ سرخ رنگ نہ ہوتا تو اچھا تھا' یہ بہت بھاری ہے یعنی کے حد ہوگئی۔'' نیلم انتہائی تپے انداز میں ان کو بتانے لگی' اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ اپنی ہنسی ضبط کر پائے۔
''اور آج جب گلاسز لینے گئے تو دادی جان نے گلاسز پہنے اور پھر ہاتھ سامنے رکھا' کبھی اوپر کرلیتیں' کبھی تھوڑا دور' یہاں نظر آرہا ہے یہاں نہیں نظر آرہا۔ یہاں پھر نظر آرہا ہے اور یہاں پھر دھندلا ہوجاتا ہے۔'' نیلم اپنے ہاتھ کو آنکھوں کے سامنے رکھے حرکت میں دے کر کہنے لگی۔
''دادی جان یہ ٹھیک ہے ناں' آپ نے کبھی پہنے نہیں ناں تو اس لیے ایسا لگ رہا ہے' بار بار کہا' ہزار بار کہا لیکن دادی جان اس کو گلاسز تھما کر اٹھ کھڑی ہوئیں کہ یہ سیٹ نہیں ہیں اور ہم واپس آگئے۔'' نیلم نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔
''ہاہاہا...... تمہیں ہی شوق تھا دادی جان کو گلاسز دلوانے کا۔'' امین نے کہا۔
''نیلم کہاں ہو؟'' اس سے پہلے نیلم ان کی ہنسی پر کشن اٹھا کر ان کی طرف پھینکتی یاسمین بیگم کی پکار پر ٹھہر گئی۔
''جی دادی جان یہاں ہوں' حمزہ اور امین کے ساتھ۔'' اس نے وہیں سے آواز دی۔
''ذرا یہ تیل میرے کانوں میں ڈالو صبح سے پتا نہیں کیوں سائیں سائیں ہورہی ہے اور کچھ سنائی بھی نہیں دے رہا۔'' یاسمین بیگم ماچس کی تیلی سے کان میں کھجلی کرتے کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کے دوسرے ہاتھ میں سرسوں کے تیل کی بوتل تھی۔
''دادی جان۔'' وہ تینوں ایک ساتھ چلائے۔
''دادی جان پلیز' یہ کانوں میں مت ڈالیں زخم ہوجائیں

گے۔'' نیلم کراہیت سے بولی۔

''اور کتنی بار کہا ہے دادی جان ہیرنگ ایڈز لگا والیں۔'' امین نے نیلم کی طرف دیکھا جو بمشکل منہ پر ہاتھ رکھے تے رو کے بیٹھی تھی۔

''ہائے مجھے نہیں پسند وہ ٹوٹیاں خوامخواہ کانوں میں ٹھوس لو تم یہ ڈالو کل پرسوں سے روزے شروع ہوجائیں گے تو پھر ڈال نہ سکوں گی۔'' یاسمین بیگم نے ان کو ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''دادی جان......'' نیلم نے باقاعدہ رونے کو منہ بنالیا جبکہ یاسمین بیگم وہاں ہی تکیہ رکھ کر لیٹ چکی تھی تو چاروناچار اس کو کانپتے ہاتھوں سے تیل ڈالنا پڑا۔

❀......❀......❀

اور پھر رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا' ہر طرف رحمتوں کی برسات جاری تھی' اللہ رب العزت نے اپنی بے شمار رحمتوں سے لغاری ہاؤس کو بھی بے تحاشا نوازا تھا۔ وہاں کے مکین یوں تو موج مستی میں رہتے تھے لیکن رمضان کے مہینے کو انتہائی مقدس سمجھتے ہوئے ہر طرح کی شرارتوں کو پس پشت ڈال کر عبادتوں میں مشغول ہوچکے تھے ان پر ہمہ وقت غالب رہنے والے شیطان کو بھی قید کردیا گیا تھا۔

''تم لوگوں کا شیطان تو رسیاں تڑوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہوگا۔'' اکثر افطاری کے وقت راج دین لغاری کے تمسخرانہ جملے اس شرارتی ٹولے کی سماعت سے ٹکراتے تھے لیکن انہوں نے بھی عہد کررکھا تھا اس بار شیطان کو پورے رمضان میں قید ہی رکھنا ہے اس لیے بنا کوئی شرارت سرانجام دیئے خاموشی سے برداشت کررہے تھے۔

''دادی جان...... اس بار آپ بھی ہمیں عیدی دینا۔'' آخری عشرہ شروع ہوتے ہی عید کی تیاریاں بھی زیر بحث آئیں تو نیلم نے یاسمین بیگم سے فرمائش کی۔

''کیوں...... اس بار میری کون سی لاٹری لگی ہے؟'' سدا کی کنجوس دادی نے تنگ مزاجی سے کہا۔

''دادی جان بڑے چھوٹوں کو عیدی دیتے ہیں ناں اس لیے۔'' امین نے بھی حصہ لیا۔

''یہ روایت اب پرانی ہوچکی ہے اب جو کماتا ہے وہی سب کو عیدی دے بلکہ مجھے بھی عیدی دو۔'' یاسمین بیگم نے نہایت چالاکی سے اپنا دامن بچایا' نیلم ہکابکا ان کو دیکھے گئی۔

''تین تین پوتے ہیں اور تینوں ہی نالائق' اتنا بھی نہیں کیا دادی کو ایک جوڑا ہی دلا دیں۔'' نیلم وہیں بیٹھی رہی اور یاسمین بیگم کی فرمائشیں بلکہ شکایتیں شروع ہوگئیں' امین تو چپکے سے کھسک گیا' نیلم کو ابھی کچن سمیٹنا تھا۔

''تین تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں لیکن کسی کو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ عید کی شاپنگ ہی کروا دے۔'' ستائیسویں روزے کے شروع ہوتے ہی نیلم کی بھی شکایتوں کی پٹاری کھل گئی۔

''چاند رات کو چلتے ہیں سب شاپنگ کے لیے۔'' افطاری کے وقت بلال نے فراخدلی کا ثبوت دیا اور اس کی شکایت دور کردی۔

''اتنی بورنگ چاندرات تو لغاری ہاؤس میں کبھی بھی نہیں اتری تھی۔'' انتیس کو ہی چاند نظر آ گیا تھا لیکن لغاری ہاؤس کے مکین ابھی تک خاموش تھے۔ بلال نے حیرت سے سب کو دیکھا جو مسلسل کسی سوچ میں گم تھے۔

''اچھا تم لوگ فریش ہوجاؤ میں ذرا ایک ضروری کام کرلوں۔'' بلال نے پرانی پنجابی فلموں کے دلہا کی طرح منہ پر رومال رکھ کر کہا۔

''اوہو......'' ان تینوں کی ''اوہو'' نہایت معنی خیز اور شرارتی تھی۔

''ٹیک یور ٹائم بڑے بھیا' ٹیک یور ٹائم۔'' ان تینوں نے ایک بار پھر اس کا ریکارڈ لگایا اور پل بھر میں فریش ہوگئے۔

''میرا پیکیج اینڈ ہوگیا' مجھے موبائل دو کوئی۔'' بلال باہر کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

''تایا ابا باہر گئے ہیں تو آپ لینڈ لائن یوز کرلیں۔'' نیلم نے اس کی مشکل آسان کردی۔

''چاندرات مبارک۔'' ارم نے کال ریسیو کی تو بلال نے نہایت محبت سے اسے وش کیا۔

''خیر مبارک' آپ کو بھی مبارک ہو۔'' ارم کی شرمگین آواز پر اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

''ہم چاندرات شاپنگ کے لیے نکل رہے ہیں تمہیں چلنا ہے کیا؟'' اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد بلال نے اسے دعوت دی۔

''اجازت لینی پڑے گی' ویسے ہمارا بھی پروگرام بن رہا ہے تو یقیناً ملاقات ہوجائے گی۔''

''ہاں ٹھیک ہے پھر میں بتاتا ہوں کہ کب نکلیں گے

ہم۔'' بلال نے اس کے ساتھ پروگرام سیٹ کرلیا۔

''بلال بھیا...... تایا ابو آگئے ہیں تو ذرا جذبات اور کھلتی رنگت پر قابو پالیں۔'' امین نے کمرے میں جھانک کر شریر انداز میں کہا تو اس کو گھور کر بلال نے اگلے پل ہی فون بند کردیا۔

''ہاہاہا......'' اس کے فون کریڈل پر رکھتے ہی امین اور حمزہ کمرے میں داخل ہوئے تو بلال ایک سیکنڈ میں سمجھ گیا کہ رسیاں ٹوٹ چکی ہیں۔

''کس کو کال کرنے لگے ہو؟'' امین نے کوئی نمبر ڈائل کیا تو بلال نے پوچھا۔

''ایسے ہی بھائی سوچا چاند رات کی مبارک تو دینی چاہیے۔'' امین نے آنکھ دبا کر حمزہ کو دیکھا' یقیناً یہ دونوں کی کوئی پلاننگ تھی۔

''کس کو؟'' بلال نے دریافت کیا۔

''اچھا...... اچھا' مطلب پرینک کالز۔'' بلال نے ٹیک لگا کر لطف لیا جبکہ وہ دونوں نمبر ڈائل کرتے دو چار ڈائیلاگز کے بعد چاند رات مبارک کہہ کر فون بند کردیتے' امین نے نمبر ڈائل کیا اور بلال کو پکڑا دیا۔

''ہیلو چاند مبارک سویٹ ہارٹ۔'' بلال نے حتمی الامکان اپنے لہجے کو فسوں خیز بنایا۔

''چاند رات مبارک' پھر سے......'' دوسری طرف سے نسوانی آواز نے بھرپور حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں پھر دل کیا تو پھر سے......'' بلال نے رومانٹک انداز میں کہا۔ امین اور حمزہ کشنز منہ پر رکھے' اپنی ہنسی روکنے کی کوشش میں ہلکان تھے۔ بلال نے خشمگیں نظروں سے انہیں دیکھا' پھر دو چار اور ڈائیلاگ مارے۔

''یہ آپ کس طرح سے بات کررہے ہیں؟'' دوسری طرف سے آتی آواز پر لحہ بھر میں بلال ٹھٹکا۔

''کون بول رہا ہے؟'' بلال نے یک لخت حمزہ اور امین کو دیکھا۔

''ارم۔'' انتہائی غصے سے کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔

''بدتمیز' نالائقو' گدھو...... قتل کردوں گا تمہیں آج۔'' بلال نے بے تحاشہ ہنستے ہوئے حمزہ اور امین پر جوتوں اور مکوں کی برسات کردی۔

''حد ہوتی ہے' میں نے آج تک اس سے ایسے بات نہیں کی۔ میرا بنا بنایا امیج خراب کردیا۔'' وہ مسلسل ان دونوں کو مار رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں بڑے بھیا پریکٹس ہوگئی ہے۔'' امین کراہتے ہوئے بولا۔ اور پھر کیا تھا' معافیاں...... معافیاں...... لیکن ارم...... اس کو معاف کرنے پر تیار نہ تھی۔

''میری غلطی نہیں ہے یار۔''

''آپ کی غلطی کبھی ہوئی بھی ہے۔'' ارم مسلسل منہ پھلائے ہوئے تھی۔

''اچھا میری غلطی ہے پلیز معاف کردو ناں' دیکھو عید کا مزہ نہ خراب کرنا۔'' بلال اب باقاعدہ ہاتھ جوڑے معافی مانگ رہا تھا۔

''اچھا تو میں تمہیں اچھا سا سوٹ دلاتا ہوں۔'' وہ اب خاموش تھی تو بلال نے لالچ دینا چاہا' وہ لوگ چاند رات منانے مارکیٹ آئے تھے باقی سب تو چاند رات منا رہے تھے لیکن بلال' ارم کو منا رہا تھا۔

''معاف کردو ناں۔'' بلال اب منہ بسور کر بولا تو ارم کو اس پر ترس آ گیا اور یوں بھی وہ جانتی تھی کہ بلال نے کبھی کوئی اوچھی حرکت نہیں کی ہے تو یہ یقیناً ایک شرارت تھی۔

''پہلی غلطی معاف۔'' ارم نے شاہانہ انداز میں کہا۔

''تھینک یو سویٹ ہارٹ۔'' بلال بے دھیانی میں بولا۔

''کیا...... کیا؟'' ارم نے اسے گھورا تو اس نے قہقہہ لگایا۔

''آئی لو یو۔'' بلال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نہایت احترام سے اقرار کیا اور اتنا وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کے لفظوں میں اس لیے احترام شامل ہے' وہ سر جھکا کر دھیرے سے مسکرادی۔

''ہیں یہ کیا لکھا ہے؟'' رات گئے وہ گھر لوٹے تو گیٹ پر ایک کارڈ چسپاں تھا۔

''چاند رات مبارک' پاگل خانہ کے مکینوں کو۔'' امین نے باآواز بلند پڑھا' جانے کس کی شرارت تھی لیکن ان کے گھر رات کے اس پہر شور اور ہنسی نے اس پر مہر ثبت کردی تھی۔

عالین مرزا نے نسوانی ہنسی پر ناگواری سے رخ موڑ کر دیکھنا چاہا' ایسی کون سی ہستی تھی جس کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ کافی دیر سے اسے یہ خوب صورت جھنکار جیسی ہنسی تنگ کررہی تھی۔ وہاب سے بات کرتے کئی بار اس کا ارتکاز ٹوٹا تھا اور کاش کہ یہ ارتکاز نہ ہی ٹوٹتا۔ اس کا مڑ کے دیکھنا غضب ہوگیا تھا' پھولوں کے بیچ گھری منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں ہر بار اس کا ہاتھ منہ سے ہٹتا تو ماحول نقرئی قہقہے سے مزید خوب صورت ہونے لگتا۔ ملٹی کلر کے لہنگے میں بے حد حسین دوشیزہ غالباً اپنی تصویریں سیل فون سے بنوا رہی تھی' کبھی ہاتھ رخسار پر آجاتا کبھی کمر پر' کبھی فلمی اسٹائل میں دوپٹا ہوا پر لہرانے لگتا۔ چند منٹ میں کئی پوز کیمرے میں مقید ہوگئے تھے اور جب کبھی کسی پوز پر تصویر کھینچتی زرمین کوئی شگفتہ جملہ کہتی تو وہ فوٹو سیشن سے بے نیاز ہوکر ہنسی کے سُر بکھیرنے لگتی۔

"توبہ ہے زی...... بس کمر پر گھڑے کی کمی ہے یوں لگ رہا ہے سوہنی' ماہیوال کو ملنے کے لیے بیتاب ہو۔" زرمین نے یہ جملہ پھینکا اور وہ جو واقعی فرضی مٹکی جیسا پوز دیئے کھڑی تھی ایک بار پھر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئی۔

"کزن ہے میری۔" اس کے ساتھ کھڑے وہاب نے جب اس کی محویت دیکھی تو بتایا۔

"اوہ سوری' میرا کوئی غلط اینگل نہیں تھا دیکھنے کا۔" وہ سنبھلا۔

"ارے نہیں یونہی بتادیا۔" وہاب ہنسا' وہاب کے بھائی کی شادی تھی جس میں وہ بے حد اصرار پر آیا تھا' ارد گرد لوگوں کا جم غفیر تھا' ارد گرد بہت سے چہرے تھے مگر اس ہنسی نے جیسے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"میری خالہ زاد ہے' خاندان بھر میں اس کی ذہانت اور حسن کے چرچے ہیں۔ تمہیں پسند آئی ہے تو بات کروں؟" وہاب جگری دوست تھا اس کی پسندیدگی بھانپ گیا تھا۔

"پہلے میں بات کرلوں تو مناسب نہیں۔" عالین مرزا نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"کزن ہے میرے لیے تو سگی بہن جیسی ہے' تو جگر ہے اس لیے کہہ رہا ہوں مجھے پتا ہے تو کس نیچر کا ہے۔" وہاب نے جتایا کہ اس کی نظر میں دونوں کی کتنی عزت ہے۔

"جب تُو مجھے جانتا ہے تو یہ بھی خبر ہوگی کہ میں فلرٹ نہیں کرتا' تجھے مناسب لگے تو اپنی کزن کا نمبر دے۔ میں پہلے اس سے بات کرنا چاہتا ہوں اگر میں بھی اسے پسند آگیا تو ممی کو رشتہ لے کر بھیجوں گا۔" اس نے بھی لگی لپٹی رکھنے کی بجائے دوٹوک انداز میں کہا۔

"نمبر...... اوکے۔" وہاب ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گیا تھا' عالین مرزا قابل اعتبار تھا' اگلے ہی لمحے اس نے سیل فون سے نمبر اسے سینڈ کردیا۔

❁......❁......❁

"مجھے عالین مرزا کہتے ہیں' مس زی بات کررہی ہیں؟" اگلے روز عالین مرزا نے کافی سوچ بچار کے بعد اس کا نمبر ڈائل کیا تھا اور کال پک ہونے کے بعد اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ اس نے تو وہاب سے اس کا نام تک نہیں پوچھا تھا' اچانک اس کی سہیلی کا جملہ یاد آیا تو اس نے وہی دہرالیا۔ دوسری طرف وہ اپنا نک نیم ایک اجنبی کے منہ سے سن کر جہاں حیران ہوئی وہیں کانشس بھی ہوگئی۔

"کون عالین مرزا...... اور نمبر کس نے دیا آپ کو؟" وہ بے حد ناگوار لہجے میں استفسار کررہی تھی غالباً کال کرنا اسے گراں گزرا تھا' باتوں سے جان تو گئی تھی کہ کوئی قریب کا شخص ہے تب ہی تو اس کا نک نیم اسے پتا تھا۔

"آپ کے کزن وہاب کا بیسٹ فرینڈ ہوں' کل شادی کی تقریب میں آپ مجھے بہت اچھی لگیں' آپ سے جاننے کا خواہش مند ہوں کہ اگر میں اپنی فیملی کو رشتہ کے لیے بھیجوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔" عالین مرزا نے پسندیدگی ظاہر کرکے تفصیل گوش گزار کی۔

"دیکھیں مسٹر ایکس وائے زیڈ...... یہ نہایت بھونڈا طریقہ ہے کسی کو پرپوزل بھیجنے کا۔ تقریب میں کوئی گائے' بکری کی منڈی لگی ہوئی تھی جو آپ آئے' آپ نے دیکھا اور مجھ سے مول تول کرنے لگے۔ خبردار جو آپ نے دوبارہ کال کی۔" دوسری طرف سے ٹھیک ٹھاک جھاڑ پلا کر کال کاٹ دی گئی تھی۔ اپنے

خاندان کا پرنس چارمنگ سمجھے جانے والا عالین مرزا اس عزت افزائی پر سیل فون کی اسکرین کو گھورتا کان کی لو سہلا کر رہ گیا۔

"کیا تیکھی مرچ ہے۔" وہ مسکرا کے رہ گیا' کتنی ہی کزنز اس کی ایک نظر التفات کی منتظر تھیں مگر اس نے کبھی ان کے شوق کو جلا نہیں بخشی تھی اور اب اسے اپنا گوہر نایاب مل گیا تھا۔

❀......❀......❀

ولیمہ کی تقریب تھی پہلے تو اس کا ارادہ صرف بارات اٹینڈ کرنے کا تھا مگر اب بات چل نکلی تھی تو اس کا موڈ بن گیا' وہ ہال میں داخل ہوا تو ریسپشن پر کھڑا وہاب اسے دیکھتے ہی اپنے ساتھ کھینچتا ایک کونے میں لے گیا۔

"تم نے ایسا کیا کہہ دیا کہ زی نے مجھے کال کر کے لاکھوں باتیں سنائیں کہ میں اپنے دوستوں کو اس کا نمبر دیتا ہوں اور یہ کہ مجھے شرم آنی چاہیے۔" وہاب نے ایک سانس میں اس سے دریافت کیا' اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے باتیں سنانے کے بعد اس نے یقیناً وہاب کی بھی کلاس لی ہوگی۔

"قسم لے لو جو میں نے کوئی گری ہوئی بات کی ہو صرف مدعا بیان کیا تھا اور ذلیل ہو گئے۔" عالین مرزا نے سچائی بیان کی۔

"اب...." وہاب اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا' اسے عالین مرزا کی عادتوں کا پتا تھا اور ساتھ ہی اپنی کزن کا بھی کہ وہ لڑکوں سے فری نہیں ہوتی' عالین مرزا کو بھی لوفر سمجھ کر ہی باتیں سنائی ہوں گی۔

"اب تو مہر لگ گئی کہ محترمہ کو اپنانا ہی ہے تاکہ لوفر کی کیٹگری سے تو نکلیں۔" عالین مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہاب بھی مسکرانے لگا۔

"یار اب میری طرف سے معذرت' میں اب ساتھ نہیں دے سکتا' ہاں رشتہ آ گیا تو میں فیور کرنے کو تیار ہوں' ہاں کروانے کی بھی پوری کوشش کروں گا۔" وہاب نے صورت حال بتا کر ساتھ دینے کی حد بھی مقرر کر دی۔

"چل تو اتنا ہی کر لے۔" عالین مان گیا۔

"او کے تو سوفٹ ڈرنک انجوائے کر میں باقی مہمانوں کو دیکھ لوں ورنہ منہ بن جانا ہے کسی نہ کسی کا۔" وہاب اسے مجبوری بتا کر آگے بڑھ گیا' ویٹر کے آنے سے پہلے وہ اس دشمن جاں کو ڈھونڈ چکا تھا' وہ ڈریسنگ روم سے دلہن کو تھام کر اسٹیج کی طرف آتی نظر آئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر لوگوں سے ملتی ملاتی وہ اپنی کل والی سہیلی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ دونوں تھوڑی دیر کسر پھسر کرتی رہیں اور پھر دونوں اٹھ کر خوب صورت گوشے کی طرف بڑھ گئیں۔ کل کی طرح پھر فوٹو سیشن کا آغاز ہوا چاہتا تھا۔ اس کی سہیلی کو کسی سمت سے بلایا گیا تھا تب ہی وہ ایک منٹ کہہ کر چلی گئی تھی بوریت سے بچنے کے لیے اس نے سیلفی بنانا شروع کر دیں۔ عالین کی نظر اس کی حرکات پر تھیں' وہ بے ساختہ اس تک آیا تھا جہاں وہ بالوں کو بائیں شولڈر پر سیٹ کرتی سیلفی بنانے میں مگن تھی۔

"خود سے بہت محبت ہے آپ کو۔" وہ اس کے قریب آتے گویا ہوا تھا' اتفاق تھا یا قسمت سیلفی میں وہ بھی قید ہو گیا تھا۔

"اس حسین اتفاق کو ڈیلیٹ کرنے سے پہلے پلیز مجھے واٹس اپ کر دیجیے۔" وہ بے ساختہ کہہ گیا' وہ اسے گھور کے رہ گئی۔

"مسٹر ہوش میں تو ہیں آپ.... ہیں کون؟"

"صبح کال کی تھی نا آپ کو۔" اس کا کہنا تھا کہ وہ بے ساختہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"وہاب بھائی کے دوست؟" وہ جیسے کنفرم کر رہی تھی۔

"جی مدعا آپ کو بیان کر چکا ہوں اور جواب میں آپ کی جھاڑ بھی سن لی تب ہی آ گیا کہ آپ کو اپنا دیدار کروا کر پوچھ لوں کہ اب کیا رائے ہے۔ بات آگے بڑھائی جائے یا نہیں۔"

عالین کی شوخی پر ایک لمحے کو وہ دائیں بائیں دیکھنے لگی بیچ محفل میں ایک اجنبی ہمکلام تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ اتنے لوگوں کے مجمع میں آپ اس طرح آ کر بات کررہے ہیں میری ریپو خراب کررہے ہیں۔" وہ شاید اسے سیریسلی لینے کو تیار نہ تھی۔

"محترمہ...... بخدا میں ایسا نہیں ہوں اس حرکت پر مجھے خود آکورڈ لگ رہا ہے ایمان داری سے میں صرف آپ کی رائے جاننے کا خواہش مند ہوں اگر آپ کہیں کمیٹڈ نہیں ہیں تو میں اپنی فیملی کو بھیجوں؟ آپ مجھے اچھی لگی ہیں کیا میں بھی آپ کی پسندیدگی کی سند حاصل کرچکا ہوں۔" عالین مرزا نے سیدھے سبھاؤ سے اس کی رائے پوچھ لی۔

"آپ کی ہمت کو سلام ہے جانتے ہیں میرا پورا خاندان جمع ہے۔ میرے ذرا سے اشارے پر آپ ہیرو سے زیرو ہوجائیں گے لیکن آپ وہاب بھائی کے ریفرنس سے ہیں سو اسی بیس پر معاف کیا۔" اس نے جیسے احسان عظیم کرنے کی نوید دی۔

"جی مہربانی احسان آپ کا۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا سا خم دے کر کہا۔

"رہی بات پسندیدگی کی......" وہ اسے بغور دیکھتے چپ سی ہوگئی۔ وہ اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔

"آپ مجھے پسند نہیں آئے۔" اس نے منہ بنا کر کہا وجیہہ خوب صورت جامہ زیب عالین جو کہیں سے بھی ناپسندیدگی کی لسٹ میں نہیں آتا تھا ایک دم چونکا۔ چہرے کی شگفتگی رونق سرعت سے ماند پڑگئی وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے یقین نہ آرہا ہو۔ اس نے اس کے چہرے کو دیکھا جس میں اضطراب جھلکنے لگا تھا عالین مرزا کو یہ ملال نہیں تھا کہ اس نے اسے ناپسند کردیا جتنا اس سے دستبردار ہونے کی خلش ستانے لگی تھی۔

"ایک اور بات......" وہ جاتے جاتے پلٹی عالین اسی کی سمت متوجہ تھا۔ "آپ اپنی فیملی کو بھیج سکتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایک لمحے کو عالین کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن اس کے چہرے پر شرارتی مسکان دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ اسے الو بنا گئی۔

"سنو...... اپنا نام تو بتاتی جاؤ مس زی......" عالین مرزا نے اسے پکارا۔

"میں زلیخا۔" وہ بے ساختہ گردن موڑ کر فقرہ ادا کرکے چلتی بنی۔

"کیا انداز ہے۔" وہ سرشار ہوا۔

❀......❀......❀

عالین مرزا نے بہت سے حسین چہرے دیکھے تھے مگر اس کے وجود میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو وہ دن بہ دن اس کی محبت میں ڈوبتا جارہا تھا اسے اس نٹ کھٹ شرارتی حاضر دماغ لڑکی سے محبت ہوگئی تھی۔

عالین مرزا کی فیملی آئی اور رشتہ طے ہوگیا جس میں وہاب کے ووٹ نے بہت ساتھ دیا تھا وہ ماسٹرز کررہی تھی۔ طے ہوا تھا اس کے فائنل پیپرز کے بعد شادی ہوگی۔ دونوں ایک جان دو قالب ہوگئے تھے پہلے صرف عالین دیوانگی کی حد کو چھورہا تھا منگنی کے بعد سے زلیخا بھی ہم قدم ہوگئی تھی۔ آنکھ بعد میں کھلتی تھی پہلے جو اٹھ جاتا وہ دوسرے کو کال کرتا تھا پھر سارا دن مختلف سوشل ایپس پر محبت بھرے پیغامات کا سلسلہ چلتا رہتا۔

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب دونوں ایک ہوگئے یہ ان کی زندگی کا حسین پل تھا جس میں وہ اپنی بے چینی بے تابی کسی مواصلاتی نظام کا سہارا لیے بغیر بتا رہے تھے۔ حلال طریقے سے ایک دوسرے کو اپنے محسوسات سونپ رہے تھے دن پنکھ لگا کر اڑ رہے تھے دونوں کو ایک دوسرے کی سنگت میں کچھ ہوش نہ تھا دونوں لو برڈ بنے ہوئے تھے ہوش اس وقت آیا جب عالین مرزا نے جاب جوائن کرلی۔

چھٹیاں ختم ہوچکی تھیں عالین اکلوتا تھا والدین دیارِ غیر میں تھے شادی میں آئے تھے جس کے بعد وہ بیوی کو بھی ساتھ لے گئے تھے کہ عالین اور زی کے ہنی مون پر جانے کے بعد وہ اکیلی رہ جائیں گی۔ روٹین میں آ کر بھی ان کی محبت میں کوئی کمی نہ آئی تھی کھانا کھالیا چائے پی لی ہر ہر منٹ پر عالین مرزا کو اس کا میسج ملتا اور وہ کام کے ساتھ جواب بھی دیتا رہتا تھا۔ شام کو گھر پہنچتا تو زلیخا نک سک سے تیار اسے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہتی ملتی۔ اس کے سجے سنورے روپ اور محبوبانہ انداز کو دیکھ کر ساری تھکن بھول جاتا۔ چائے کے ساتھ ریفریشمنٹ انجوائے کرتے وہ سارا دن کی روداد سناتی کچھ نئی ہوتی اور کچھ وہ سارا دن ٹیکسٹ کرکے بتاتی رہتی تھی۔ کوکنگ بہت اچھی کرتی تھی ذائقہ دار کھانوں سے معدے کے ذریعے بھی دل میں اپنی جگہ مزید پختہ کرگئی جزوقتی ملازمہ تھی جو ضروری کام کرکے جاتی تھی۔

"عالی...... مما کو گئے کئی ماہ ہوگئے کب لوٹیں گی؟" ایک

دن پوچھ بیٹھی۔
"پتا نہیں، جب ان کا موڈ ہوگا آ جائیں گے۔" عالین نے سیل فون پر بزی ہوتے جواب دیا۔
"عالی میں نے محسوس کیا ہے مما مجھے کچھ خاص پسند نہیں کرتیں۔ کبھی میں ان سے بات کرنے کی کوشش بھی کرتی ہوں تو وہ جیسے مجبوراً جواب دیتی ہیں۔" اس نے سچائی سے اپنے محسوسات شیئر کیے۔
"اچھا۔" عالین نے مصروف انداز میں کہا' نظریں سیل فون سے لگی ہوئی تھیں۔
"کیا اچھا؟" زلیخا کو اس کی مصروفیت اور ادھورا فقرہ جیسے گراں گزرا۔
"ایسا ہی ہے نا؟" وہ جواب جاننا چاہتی تھی۔
"ہاں.....شاید۔" عالین مرزا نے ہنوز بے توجہی سے کہا۔
"کیا ہے' پہلے میری بات کا جواب دیں۔" زلیخا نے ٹھنک کے اس کے ہاتھ سے سیل فون لے لیا۔
"اوہو' سیل فون تو دو گروپ چیٹ چل رہی ہے۔" عالین نے سیل فون لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔
"آپ ہر وقت آن لائن ہوتے ہیں تو مجھے لگتا ہے آپ میرے لیے آن لائن ہیں۔ گھر آ کر بھی آن لائن رہتے ہیں' کیوں؟ میں تو پاس ہوتی ہوں آپ کے آتے ہی میرا سیل فون سائیڈ پر رہتا ہے اور آپ ہر وقت سیل فون سے چپٹے رہتے ہیں اور ایک چھوڑ دو دو سیل فون۔" زلیخا نے منہ بنا کر کئی دنوں سے دل میں رکھا غبار باہر نکالا۔
"دجیلس ......" عالین مرزا نے شرارتی مسکراہٹ سے پوچھا۔
"جی۔" اس نے بھی سیدھے سبھاؤ سے اقرار کرلیا۔
"آپ جب میرے علاوہ کسی چیز کو اہمیت دیتے ہیں تو جانے کیوں ایک بے چینی سی دل کو لگ جاتی ہے' نہ کیا کریں نا عالی ایسا۔" وہ بڑے پیار سے اپنی مجبوری بتا کر اس سے التجا بھی کرگئی۔
"میری جان.....فیملی میں اور بھی لوگ ہیں' سب کو ٹائم دینا پڑتا ہے۔ کل بھی میں نے ماموں کی کال ریسیو کی' صبح چاچو کی کال آئی تھی جب تم نے گلہ کیا کہ میرا نمبر اتنی دیر سے بزی کیوں تھا' اب سب کو منع تو نہیں کرسکتا نا کہ کوئی مجھے کال میسج نہ کرے میری بیوی جیلس ہونے لگتی ہے' نمبر بزی ہو تو۔" عالین مرزا نے شوخی سے چڑایا۔

"آپ شادی سے پہلے کہتے تھے نا آپ کی مجھ سے محبت بڑھتی جارہی ہے اب یہ حال میرا ہونے لگا ہے' میں روز بروز آپ کی محبت میں ڈوبتی جارہی ہوں۔ میری محبت جنون کی حدوں میں داخل ہوگئی ہے' جب بھی آپ میرے میسج کا ریپلائی دیر سے کرتے ہیں یا آپ کا نمبر بزی ہوتا ہے تو مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگتی ہے حالانکہ خود کو سمجھاتی بھی ہوں کہ آپ آفس میں ہیں' کام میں مصروف ہوں گے۔ آپ مجھے نظر انداز کرتے ہیں تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں' بہت بے بس محسوس کرتی ہوں۔" وہ اپنی دیوانگیوں کی داستان لب کچل کر سنا رہی تھی۔
"میری بیوی جانتا ہوں تمہیں' ٹائم پر میسج کا جواب نہ دوں تو کالز اور ٹیکسٹ کی بھرمار کردیتی ہو۔ پرسوں باس کے ساتھ میٹنگ میں کیا بزی رہا تم نے آدھے گھنٹے میں چار سو میسجز اور ساٹھ کالز کردیں۔ واپس آ کر سیل فون دیکھ کر ہی حیران رہ گیا' ایسی کون سی ایمرجنسی ہوگئی تھی' کال بیک کی تو آگے سے محترمہ نے جی بھر کے باتیں سنائیں۔ دل تو میرا بھی چاہا کہ جواب میں ایسی کی تیسی کردوں مگر خاموش رہا پریشان کردیا تھا مجھے۔" عالین مرزا نے اس کے بال کھینچے۔
"ہاں تو' گھر سے باہر رہیں اور کال میسجز کا جواب نہ دیں' اس آدھا گھنٹہ میں کس قدر پریشان ہوئی آپ کو احساس ہے' کتنے برے برے خیال آرہے تھے۔ خدانخواستہ کچھ ہو نہ گیا ہو۔" کرب میں گزرا وقت یاد کرکے اسے جھرجھری آ گئی' عالین اسے ہی دیکھ رہا تھا' اس کے معصوم سے چہرے کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرا کر اسے قریب کیا۔
"تمہاری اسی معصومیت اور شدید محبت نے تو مجھے دیوانہ کر رکھا ہے' تم ہی تھیں نا جس نے پہلی بار کال کرنے پر مجھے ذلیل کیا تھا اور رشتہ ہونے کے بعد کیسی محبت اُمڈنے لگی۔" عالین نے چھیڑا وہ مسکرادی۔
"تمہیں دیکھ کر یہ پہلی نظر میں ہی دل ہار بیٹھا تھا اور جب تم نے اتنی محبت دی تو احساس ہوا کہ میں نے بالکل درست فیصلہ کیا تھا تمہیں اپنانے کا۔ ورنہ آج تمہاری جگہ ماہم ہوتی۔" عالین مرزا روانی میں کہتا چلا گیا' وہ جو توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی نام پر چونک گئی۔
"کون ماہم؟"
"تایا کی بیٹی ہے' مما کو بہت پسند تھی میرے لیے۔ تم جانتی ہو ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادی کم ہوتی ہے لیکن میرا بھی

خاندان کی لڑکیوں کی طرف رجحان نہیں رہا۔ جب میں نے مما سے کہا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں تب مما نے بتایا کہ انہوں نے تایا کے گھر ماہم کے لیے میرا ذکر کر رکھا ہے اور وہ لوگ تیار بھی ہیں لیکن جب میں نے تمہارا نام لیا تو مما ناراض ہوگئیں۔ پپا نے بھی خفگی کا اظہار کیا کہ وہ خاندان کی لڑکی کو ہی بہو بنانا چاہتے ہیں' ماہم نے بھی کال کرکے اظہار کیا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔"

"پھر......" زلیخا جیسے سانس روک کر کہانی سن رہی تھی۔

"میں نے کہہ دیا کہ میں زلیخا سے محبت کرتا ہوں' اسی سے شادی کروں گا۔ مما نے مجھے بتائے بناء منگنی کی تاریخ رکھ لی' ماہم بھی راضی تھی۔ میں نے تایا جان کو فون کرکے صاف لفظوں میں بتادیا کہ میں ان کی بیٹی سے شادی نہیں کرنا چاہتا' بڑے زبردستی کررہے ہیں میں کسی صورت ماہم کو قبول نہیں کروں گا بعد میں ان کی بیٹی ناخوش رہے تو مجھے کوئی قصوروار نہ ٹھہرائے۔ مما پپا بہت ناراض ہوئے لیکن اکلوتی اولاد سے محبت بھی بہت کرتے ہیں سو تمہارے لیے رشتہ لے کر آگئے۔" عالین مرزا نے جیسے کہانی مختصر سنادی' زلیخا کو بھی یاد آگیا کہ عالین مرزا نے جلد رشتہ بھیجنے کی بات کی تھی لیکن اس میں اسے کئی ماہ لگ گئے تھے' اس دوران کیا کچھ ہوتا رہا تھا اسے اب خبر ہورہی تھی۔

"یہ باتیں آپ نے مجھے اس وقت کیوں نہ بتائیں؟" اس نے گلہ کیا' اسے ساس کا اپنے لیے ناگوار انداز اب سمجھ آنے لگا تھا۔ اسی وقت عالین مرزا کا سیل فون بجنے لگا۔

"اوہو دیکھو میں گروپ چیٹ کررہا تھا۔" عالین نے سائیڈ پر رکھا سیل فون اٹھالیا۔

"کون کون ہے گروپ میں؟" آج سے پہلے اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی' اس نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

"ہم کزنز کا گروپ ہے۔"

"فی میل کزنز بھی ایڈ ہیں؟" اس نے جانے کس جذبے کے تحت پوچھ لیا۔

"ہاں۔" عالین نے اسکرین پر نظریں جما کے سر ہلایا۔

"ماہم بھی ایڈ ہے؟" اب کے زلیخا کو اپنی کنپٹی سلگتی محسوس ہونے لگی۔

"ہاں وہ بھی' کزن ہے تو۔" اب کے عالین مرزا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں پڑھ سکتی ہوں آپ لوگوں کے میسجز؟" اسے اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"پڑھ لو" عالین مرزا نے اسے بازو کے گھیرے میں لے کر سیل فون اپنے اور اس کے بیچ کرلیا۔ زلیخا کی نظریں صرف ماہم کے میسجز پڑھ رہی تھیں' ہر میسج میں اس کا جملہ ذومعنی تھا۔ وہ براہ راست عالین کا نام نہیں لے رہی تھی مگر سب جاننے کے بعد زلیخا کو اس کے المیہ شعر' ہرجائی' بے درد لفظ کی سمجھ آرہی تھی۔ اسے سانس لینے میں مشکل ہونے لگی' عالین کا بازو ہٹا کر وہ الگ ہوگئی۔

"کیا ہوا؟" عالین نے اس کے خشک انداز کو محسوس کیا۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" اپنی جگہ پر لیٹ کے پشت موڑ گئی۔

"او کے سوجاؤ۔" عالین نے بھی کروٹ بدل لی' وہ سوتی بن گئی وہ کافی دیر تک سیل فون پر بزی رہا۔ وہ سلگتی رہی' عالین مرزا رات کے کسی پہر تھک کے سوگیا لیکن زلیخا کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔

❀ ✿ ❀

اگلی صبح وہ مضمحل تھی' روز کی تازگی' شگفتگی مفقود تھی۔ عالین کے استفسار پر اس نے طبیعت ٹھیک نہیں ہے کہہ کر بات بنالی تھی لیکن سارا دن چاہ کر بھی عالین کو زیادہ محبت بھرے پیغامات نا بھیج سکی اس نے خود کیا تو 'ہوں ہاں' سے آگے کوئی بات نہیں کی۔

"کیا ہوا میری جان کو' آج تو کوئی محبت بھرا پیغام نہیں آیا تمہارا۔" وہ آفس سے لوٹا تو گلہ کرنا نہیں بھولا۔

"آپ کو کیا فرق پڑتا ہے آپ تو صبح سے شام تک آن لائن گروپ میں بزی تھے نا۔" نا چاہتے ہوئے بھی اندر کی کھولن زبان پر آگئی' عالین نے کسی قدر چونک کر اسے دیکھا' اس کا ستا ہوا چہرہ' صبح کے ملگجے کپڑے پہنے وہ تھکی تھکی نڈھال لگ رہی تھی' آج تو تیار بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے صبح سے بال بھی نہیں بنائے تھے۔

"آفس میں آن لائن ہونا مجبوری ہے کہ آن لائن ہی سارے کام ہوتے ہیں۔" وہ اس کی خفگی کی وجہ جان نہیں پارہا تھا اتنا تو جان گیا تھا وہ ڈسٹرب ہے۔

"ادھر آؤ۔" عالین نے اسے پکڑ کر ساتھ بٹھالیا' وہ نروٹھے انداز میں بیٹھ گئی۔

"کیا بات پریشان کررہی ہے میری جان کو' ناراض ہو؟ سارا دن تمہارے پیغامات نہیں آئے تو ایک کمی سی لگی مجھے عادت ہوگئی ہے تمہارے محبت ناموں کی۔ رشک کرتا ہوں کہ مجھے اتنی محبت کرنے والی بیوی ملی ہے جو محبوبہ کی طرح مجھے چاہتی ہے' میرا

خیال رکھتی ہے بیوی بن کر بے پروا نہیں ہوئی‘ نا ہی اس کی محبت میں کمی آئی ہے بلکہ محبت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔“ عالین مرزا نے صدق دل سے اعتراف کیا۔

”لیکن شاید میری محبت میں اب بھی کوئی کمی ہے تب ہی آپ کو کزنز یاد رہتی ہیں۔“ اس کے لہجے میں تپش تھی۔

”کیا بکواس ہے یہ کزنز بس فیملی کا حصہ ہیں۔ تم کیوں خود کو ان سے کمپیئر کررہی ہو۔“ وہ ناسمجھا انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

”جتنی محبت تم کرتی ہو اس سے کہیں زیادہ نہیں تو اس سے کم بھی میں نہیں کرتا......“

”جھوٹ...... اگر آپ مجھ سے میری طرح محبت کرتے تو آپ بھی صرف مجھے سوچتے‘ میرے پابند رہتے۔ آپ نے ایک بار کہا تھا آپ کو میرا مردوں سے بات کرنا پسند نہیں ہے‘ میں نے سب سے کنارہ کشی کرلی۔ آج بھی آپ کے علاوہ کوئی کزن‘ بہنوئی میری لسٹ میں کہیں نہیں‘ غیروں کی تو بات ہی دور ہے۔“ زلیخا نے یاد دلایا۔

”ہاں میں نے کہا تھا کیوں کہ میں جیلس ہوجاتا تھا کہ جیسے تمہاری ہنسی سن کر میں دیوانہ ہوگیا کوئی اور نہ ہوجائے۔“ اس نے اعتراف کیا۔

”آپ کی یہ کیفیت ہے اور میں برداشت کروں سب۔“ وہ غصہ ہوئی۔

”میں نے کوئی غلط بات نہیں کی‘ کبھی تمہارے علاوہ کسی کا سوچا ہی نہیں۔“ عالین نے اسے سمجھانے کی سعی کی۔

”پھر آپ کے کزنز گروپ میں لڑکیاں کیوں ہیں‘ اسپیشلی ماہم جو فضول کمنٹ کرتی ہے۔“ زلیخا کے لبوں پر وہ بات آ ہی گئی جو اسے سلگا رہی تھی۔

”وہ جو مرضی بکواس کرتی رہے‘ میں اس کی باتوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیتا‘ کل بھی عزیز سے کوئی مسئلہ ہوگیا تھا نئی جاب کے حوالے سے‘ اس نے وہی شیئر کیا تھا۔ کزنز سے حل پوچھ رہا تھا‘ میں اور باقی سب اسے بتاتے رہے پھر بات روٹین کی ہونے لگی تو ماہم بھی آ گئی‘ دیٹس اٹ۔“ اس نے سنجیدگی سے تفصیل بیان کردی۔

”کتنے فضول کمنٹ تھے اس کے پڑھے تھے آپ نے؟“ وہ تیکھی چتونوں سے اسے گھور رہی تھی۔

”میں نے دھیان نہیں دیا۔“ عالین نے سچائی سے کہا مگر وہ حسد و رقابت کی آگ میں جل رہی تھی۔

”بہت خوب۔“ اس کا لہجہ تیکھا ہوا۔

❀......❀......❀

اگلا دن بھی سابقہ انداز لے کر آیا تھا‘ وہ ہنوز ناراض تھی خود سے الجھی الجھی اسے بھی الجھا رہی تھی۔

”چلو کہیں آؤٹنگ کے لیے چلتے ہیں پھر تو رمضان المبارک کی مصروفیات شروع ہوجائیں گی۔“ رمضان المبارک کا چاند نظر آنے میں چند روز تھے۔ رمضان کے اپنے ہی رنگ ہوتے ہیں نماز‘ روزہ‘ تراویح‘ عبادات نوافل جس میں بہت کم وقت ہوتا تفریح کا اسی کے پیش نظر عالین نے تجویز پیش کی۔

”میرا موڈ نہیں۔“ تروٹھا انداز تھا۔

”کیوں خود کو جلا رہی ہو‘ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟ تم روٹھی ہوئی ہو اور میں سوچ رہا تھا رمضان کی اشیاء خورونوش کی شاپنگ کرلیں۔“ عالین کو اس کے روٹھنے کی وجہ بے معنی لگ رہی تھی۔ اس نے تو اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا‘ اچھی بھلی محبتوں سے بھری زندگی گزر رہی تھی لیکن ماہم کی وجہ سے ان کی زندگی کے رنگ پھیکے پڑنے لگے تھے۔

”میں اپنے کزنز‘ کلاس فیلوز سے بات کروں جو مجھ میں بھی انٹرسٹڈ تھے پھر دیکھتی ہوں آپ کیسے مجھ سے پھر یہ سوال کرتے ہیں‘ بھروسہ نہیں۔“ وہ ساری باتیں پس پشت ڈال کر سلگ کر بولی۔ عالین مرزا نے سر تھام لیا۔

”تم کیا چاہتی ہو؟“ عالین کو اس کا انداز جہاں پزل کررہا تھا‘ وہیں وہ اس مسئلے کے حل کے لیے تجویز ناکام رہا تھا تاکہ اس کی زندگی کی رعنائی تو لوٹے۔

”میں ابھی ماہم کو کال کرتا ہوں‘ تم بھی آجاؤ کانفرنس کال میں‘ تمہیں اس کے سامنے کلیئر کردیتا ہوں کہ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں تب شاید تمہیں بھی یقین آجائے۔“ عالین نے کہتے ہی کال کی زلیخا کے نمبر کو ایڈ کرکے ماہم کو کال ملادی‘ دوسری طرف ماہم نے جھٹ کال ریسیو کی۔

”اوہو آج تو نواب صاحب نے خود کال کی‘ کیسے ہیں جناب؟ آج ستائے ہوئے لوگوں کی یاد کیسے آ گئی آپ کو؟“ ماہم نے کال ریسیو کرتے ہی دل آویز لہجے میں گلہ کیا۔ عالین مرزا نے اہمیت نہ دی کہ وہ اسی لب و لہجے میں بولتی تھی مگر اس کال کا حصہ بنی زلیخا کو آگ لگ گئی وہ تو اس تیز رفتاری سے کال پک ہونے پر ہی حیران تھی۔

”ماہم میری بیوی زلیخا بھی اس کال کا حصہ ہے تمہیں صرف

اس لیے کال کی ہے کہ تم بتادو کہ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں رہا بھی' سوائے کزن کے۔'' عالین نے صفائی سے معاملہ بیان کیا' ماہم ایک لمحے کو چپ ہوگئی۔

''اس میں کنفرم کیا کرنا ہے۔'' ماہم ٹھٹکی' وہ جو عالین کی کال سے خوش فہم ہوگئی تھی اگلے لمحے ساری خوش فہمی اڑن چھو ہوگئی۔ زلیخا کا سن کر اس کا انداز بدل گیا' یہ سچ تھا کہ وہ آج بھی عالین کی منتظر تھی اگر وہ اشارہ بھی کردیتا تو وہ مر مٹنے کو تیار ہوجاتی۔

''آپ کا ایشو کیا ہے ماہم؟'' عالین کے اشارہ کرنے پر زلیخا نے لب کشائی کی۔

''کوئی ایشو نہیں۔''

''تو پھر آپ کے میسجز میں ڈبل میننگ کیوں ہیں' جب آپ کو پتا ہے کہ اگلے نے آپ سے منگنی کرنا پسند نہیں کی وہ صاف لفظوں میں بول گیا کہ وہ آپ سے محبت نہیں کرتا تو ان کے نمبر پر الیہ غزلیں بھیجنے کا مقصد؟'' زلیخا نے بے حد ضبط کر کے نارمل انداز اختیار کیا تھا' دوسری طرف ماہم ہتک عزت سے سلگنے لگی' اس کی خوشیوں کی قاتلہ' اس کی جگہ ہتھیا کر اسے نیچا دکھا رہی تھی۔

''رشتہ بھلے نہ ہوا لیکن عالین کے لیے میری محبت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ میں کزنز گروپ میں جو پوسٹ کرتی ہوں اس سے آپ کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ رشتہ ختم ہوا ہے ہمارا' خون کا رشتہ نہیں' عالی میرا کزن تھا اور رہے گا۔'' اس کے لہجے میں حد درجہ استحقاق تھا' زلیخا کے تلووں سے لگی اور سر پر بجھی تھی۔

''کس بے شرمی سے اقرار کرتی ہیں اس محبت کا' جب ایک شخص نے آپ کو خود دھتکار دیا' ذرا سیلف ریسپیکٹ نہیں آپ میں' پکے پھل کی طرح گری جارہی ہیں۔'' اب کے زلیخا نے ساری احتیاط کو پرے رکھ دیا۔

''آپ کو کیا ایشو ہے آپ تو بیوی بن گئی ہیں' اپنی نام نہاد محبت اور اپنے میاں پر بھروسہ نہیں رہا جو آپ مجھے باتیں سنا رہی ہیں۔'' ماہم اس کی توقع کے عین مطابق جواب دے رہی تھی۔

''آئندہ آپ میرے شوہر کو میسج نہیں کریں گی۔'' زلیخا اس گھڑی اپنی برداشت کی آخری حد آزما رہی تھی۔

''میں آپ کے شوہر کو نہیں اپنے کزن کو کروں گی' اس کے لیے مجھے کوئی نہیں روک سکتا آپ بھی نہیں۔'' ماہم نے اپنی بات کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔ زلیخا نے زخمی نظروں سے عالین کو دیکھا جو خاموشی سے ساری بات سن رہا تھا۔

''دیکھ لی اپنی کزن کی گری ہوئی سوچ۔'' اس کا غصے سے جسم کانپ رہا تھا۔

''دفع کرواسے' یونہی بکواس کرتی رہتی ہے۔ تم اسے نظر انداز کرو۔'' عالین نے سمجھایا۔

''نظر انداز کروں......؟ وہ آپ پر حق جتا کر چلی گئی اور آپ چپ بیٹھے رہے' کچھ بولنے کی ہمت نہیں ہوئی اسے دو باتیں نہیں سنا سکتے تھے۔'' زلیخا کی توپوں کا رخ اب اس کی طرف ہوگیا۔

''میری جان...... میرے دل میں کوئی چور نہیں...... تب ہی میں نے اس سے تمہاری بات کروائی نا' اسے بول کر کیا فائدہ؟ مجھے پتا ہے وہ کون سا سدھرنے والی چیز ہے۔'' عالین سخت بدمزہ ہوا۔

''ہاں یہ اچھا ہے' نہ کزن سدھرے' نہ اسے لگام ڈالیں' وہ محبت کا اظہار کرتی پھرے۔'' زلیخا اپنا سیل فون غصے سے پھینکتی کمرے میں چلی گئی' عالین چپ ہو کر اس کے سیل فون کو دیکھ رہا تھا۔

❁......❁......❁

''مجھے لگ رہا ہے میں پاگل ہوجاؤں گی زرمین...... میرے دماغ کی رگیں کسی بھی وقت پھٹ جائیں گی۔ مجھے عالین سے اتنی شدید محبت ہے کہ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہورہا۔'' اکلوتی سہیلی کو احوال سنا کر اپنی بے بسی بھی ظاہر کرگئی۔

''تم بلاوجہ خود کو ہلکان کررہی ہو' تمہارا انداز نارمل نہیں ہے جب عالین بھائی نے کبھی تم سے کچھ نہیں چھپایا' یہاں تک کہ اپنی کزن کے سامنے سب کلیئر کردیا تو پھر تمہیں کس بات کا خوف ہے ڈر وہاں ہوتا ہے جہاں چھپایا جائے۔ دھوکا دہی کی جائے جب کہ تمہارا لائف پارٹنر تم سے کچھ نہیں چھپاتا بجائے اس کے کہ تم اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرو' خود اپنی زندگی جہنم بنانے پر تلی بیٹھی ہو۔ ابھی عالین بھائی تمہیں منا رہے ہیں' صفائی دے رہے ہیں' مرد زیادہ دیر تک یہ سب نہیں کرسکتا۔ وہ خود پر اٹھی انگلی پر برگشتہ ہوجاتا ہے' بے جا شک کیا جائے تو وہ ثابت کرنے کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ تم بے وقوفی چھوڑ دو وہ اپنی کزن کو اتنا نہیں سوچتے ہوں گے جتنا تم اٹھتے بیٹھتے ذکر کر کے انہیں ماہم کو سوچنے پر مجبور کررہی ہو اور بقول تمہارے' وہ محترمہ پکا پھل ثابت ہورہی ہیں یہ تو عالین بھائی کی تم سے سچی محبت ہے جو نہ وہ پہلے ماہم کی طرف متوجہ ہوئے اور نہ اب ہورہے ہیں' میں مانتی ہوں تمہیں عالین بھائی سے شدید محبت ہے لیکن اسے جنون نہ بناؤ' جنونی محبت سوائے خسارہ کے کچھ نہیں دے گی۔ خود کو اس فیز سے باہر لاؤ' ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس پر صرف ہمارا حق نہیں ہوتا اس سے بہت سے لوگ جڑے ہوتے ہیں۔ اس

حوالے سے دیکھو تو پھر ساس کا رویہ بہو سے ٹھیک ہی بُرا ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنا بیٹا بہو کو سونپتی ہے۔ عورت محبت میں شراکت پسند نہیں کرتی یہ ہی فساد کی جڑ ہے۔"

"تمہاری تقریر کا مطلب ہے ماہم یا کوئی اور میرے سامنے عالین سے محبت کا اظہار کرے اور میں انجوائے کروں۔" زمین کے سمجھانے پر بھی اسے کچھ سمجھ نہیں آیا الٹا وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"انجوائے نہ کرو بلکہ شکر کرو کہ جس سے لوگ محبت کرتے ہیں وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہارا ہم سفر ہے نا کہ جلن وحسد کی آگ میں تم خود اپنی زندگی جہنم بنا کر دوسروں کو بولنے کا موقع دو کہ تم عالین بھائی کا غلط انتخاب ہو۔ عالین بھائی کے ساتھ ایسے جیو کہ لوگ رشک وحسد میں مبتلا ہوجائیں۔" زمین اسے خوشگوار زندگی گزارنے کے رمز سمجھا رہی تھی وہ سب سمجھتی تھی لیکن کیا کرتی کہ جب ماہم کا لہجہ انداز یاد آتا تو وہ نئے سرے سے کھولنے لگتی۔

خاندان اس کا بھی تھا مگر وہ ہمیشہ اپنے کزنز سے لیے دیئے ہی ملتی تھی لیکن عالین کے خاندان میں اس نے کزنز کو ایک دوسرے کو بہت قریب دیکھا تھا۔ ہر لڑکی میل کزنز سے فری تھی وہ جانتی تھی کہ میل کزن محرم نہیں ہیں ان سے ہنسی مذاق کرنا' لگ کے بیٹھنا' آؤٹنگ پر جانا درست نہیں ہے مگر کچھ لوگوں کا قبلہ آج تک اس حوالے سے درست نہیں ہے انہیں لگتا ہے کزن ہے خاندان کا ہے سو وہ جو چاہیں کرلیں۔ ایسے خیالات رکھنے کی وجہ سے بے راہ روی معاشرے سے زیادہ گھروں میں پائی جاتی ہے مگر اتنا سوچتا کون ہے۔ وہ چاہتی تھی جیسی وہ ہے عالین اس کے رنگ ڈھنگ میں جیے مگر برسوں کی عادت دنوں میں کب بدلتی ہے بلاشبہ عالین مرزا کردار کا بُرا نہ تھا' کزنز کے لیے بھی برا گماں نہیں رکھتا تھا یہ اس کے کردار کی مضبوطی ہی تھی کہ فی میل کزنز خود اس میں انوالو ہوتی تھیں۔

بنیادی طور پر اس غلطی کے سزاوار وہ نام نہاد بڑے ہیں جو کچی عمر سے ہی بچوں کے ذہنوں میں کزن وبجن کا خناس بھر دیتے ہیں کہ یہ چاچا' ماما' پھوپو' خالہ کی بیٹی بیٹا ہیں ان میں سے جسے چاہو پسند کرلو۔ باہر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ایسے میں وہ تو خود محبت کا کھیل کھیلنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ زلیخا اس ماحول کی پروردہ نہیں تھی' ان کے انداز اسے حیران کردیتے' کزنز کا بے تکلفانہ انداز میں ہاتھ ملانا' ہنسی مذاق میں ہاتھوں پر ہاتھ مارنا' شانے پر جھول جانا' اسے عجیب سا لگتا تھا۔

شادی کے شروع کی دعوتوں میں خاندان میں جہاں کہیں جاتی اسے فراموش کر کے عالین کو گھیرے میں لے کر ایسے باتیں کرتیں جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ عالین کی پھوپو نے تو ایک بار طنز بھی کردیا تھا۔

"یہ کون سا ہمارے خاندان کی ہے' اسے کیا خبر ہمارے طور طریقوں کا۔"

وہ بہت رکھ رکھاؤ والی فیملی سے تھی' جہاں کزنز سے بس ایک حد تک بات چیت کی رعایت تھی۔ مما نے ایک بار سمجھا دیا تھا کہ "کزن محرم نہیں' اس سے بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں۔ اتنا ہی فاصلہ رکھ کے بات کرنا جیسے اجنبی سے کرتی ہو۔" اور اس نے گرہ سے باندھ لی تھی لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔ چھیڑ چھاڑ' ہنسی مذاق' ساتھ جڑ کے بیٹھ جانا' گھنٹوں کزنز کے ساتھ فون پر چپکے رہنا سب کا معمول تھا۔

"اوئے تو خرم پر نظر نہ ڈالنا وہ میرے ساتھ سیٹ ہے۔" ایک بار زلیخا نے عالین کی پھوپو زاد کو اپنی ہی دوسری کزن کو وارن کرتے سنا تھا۔

"بدتمیز تیرے ساتھ سیٹ ہوگیا' کتنی لائن ماری اس نے مجھے۔ چل اچھا ہے اب مجھے اویس اچھا لگنے لگا ہے' بہت کنجوس ہے خرم ایک دھیلا نہیں دیا کبھی' جبکہ اویس ہر روز ہی کوئی نہ کوئی چیز لے آتا ہے میرے لیے۔ مامی کا عالین بڑی اچھی اسامی تھا' ماموں عرصہ سے دیار غیر میں ہیں' کتنی ہی گاڑیاں ہیں گھر میں لیکن اس نے زلیخا کو اپنالیا' ہم میں سے کوئی اسے سیٹ کرلیتی تو آج ہم عیش کررہے ہوتے۔"

زلیخا ان کی ذہنی اپروچ دیکھ کر سوچ میں پڑگئی' وہ کس بے حیائی بے شرمی سے اپنے معاشقوں اور لڑکوں کے قصے سر عام بیان کررہی تھیں۔ کوئی دلی لگاؤ' انسیت نہیں تھی جیسے انجوائے منٹ کا ذریعہ ہو یا بہتر مستقبل کی تلاش کی کسی کی تعلیم زیادہ ہے کسی کے معاشی حالات اچھے ہیں جو سب سے ویل ہے اسے پٹا کر کام چلالو۔

وہ چاہ کر بھی ان لڑکیوں کی طرح نہ سوچ سکتی تھی نہ ان میں گھل مل سکتی تھی۔ عالین کے چچازاد کی شادی تھی' لڑکیوں کے انداز دیکھ کر خود اسے شرم آرہی تھی۔ حیرانگی اس بات کی تھی کہ وہاں تائی' چاچی' خالہ' پھوپو سب کے ہونے کے باوجود کوئی اپنی بیٹی کو نہ روک رہی تھیں' نہ میل کزنز کے سامنے انڈین اداکاراؤں کو مات دیتی' بیٹیوں کو ٹوک رہی تھیں بلکہ تالیاں پیٹ پیٹ کے بیٹیوں کو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر دل کھول کر سراہ رہی تھیں۔

اس سارے شور ہنگامے میں عالین کی بڑی ممانی قدرے الگ تھلگ بیٹھی نظر آئی تھیں جیسے اس سارے رنگ میں ان کی دلچسپی مفقود تھی۔

"ممانی آپ انجوائے نہیں کر رہیں۔" وہ ان کے پاس چلی آئی تھی۔

"تم بھی تو نہیں کر رہیں۔" انہوں نے مسکرا کر جیسے اسے بھی احساس دلایا۔

"جی بس، اس ماحول کی نہیں ہوں تو کچھ آکورڈ لگ رہا ہے بہت پردے دار فیملی سے نہیں ہوں مگر ایک حد ضرور۔" وہ پھیکی ہنسی ہنس کر بولی۔

"ابھی نئی ہو، شاید عادی ہونے میں وقت لگے گا۔" زلیخا نے جیسے بات بنائی مبادا وہ برا نہ مان جائیں، سسرالی رشتوں کو یوں بھی کچھ پتا نہیں چلتا کب منہ کا زاویہ بگڑ جائے۔

"میری شادی کو نو سال ہو گئے ماشاء اللہ خاندان اتنا بڑا ہے سسرال میں کہ سال میں دو تین شادیاں تو ضروری ہوتی ہیں مگر میں آج تک اس بے حیائی کی عادی نہ ہو سکی۔" ممانی کا لہجہ قدرے تیکھا ہو گیا تھا، زلیخا انہیں چونک کر دیکھنے لگی۔

"میں بھی تمہاری طرح ان کے خاندان کی نہیں ہوں، کراچی والی کہلاتی ہوں کیونکہ آج تک ان میں مکس اپ نہ ہو سکی، ہمارا نظریہ جو الگ ہے۔ چار دیواری میں سارے گل کھلانے والے نامحرموں کے ساتھ بیٹیوں کے رقص کو انجوائے کرنے والوں کو اس میں کوئی گناہ اور معیوب بات محسوس نہیں ہوتی۔ ہمارے سسرال میں لڑکیوں کو میٹرک سے آگے تعلیم دلانا برا سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک زیادہ باہر رہنے والی لڑکیاں بُرے کردار کی ہوتی ہیں۔ تیز طرار باغی ہو جاتی ہیں جیسے میں اور تم، ہم باہر گئیں۔ کالج، یونیورسٹی گئیں تو اس کا مطلب ہم نے مردوں کو رجھانے کا گر سیکھا ہم ان کے بھائی، بیٹے کو بغاوت پر اکسا کر اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ان کی نیک پروین لڑکیاں گلی کے اسکول سے گھر آ کر پاکباز بھی جاتی ہیں اور ان کی عمر بھی سولہ سے آگے نہیں بڑھتی کہ میٹرک کرنے والیوں کی عمر کب زیادہ ہوتی ہے۔ ہاں ماسٹرز کرنے والی بڈھیاں ہوتی ہیں بھلے میٹرک کیے دس سال گزر جائیں وہ سولہ سالہ الہڑ دوشیزہ ہی گنی جاتی ہیں۔" ممانی کا لہجہ بے حد تلخ ہوتا جا رہا تھا جو ظاہر کر رہا تھا کہ انہیں بہت کچھ برداشت کرنا پڑا ہے۔

"میرے میاں جب خاندانی تقریب میں ہوں تو مجھے لگتا ہی نہیں کہ وہ میرے میاں ہیں یوں اپنے گھر کی عورتوں میں کھو کر مجھے فراموش کر جاتے ہیں جیسے میرا وجود ہی نہ ہو۔" ممانی اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں، زلیخا ان سے اتفاق کرتے ہوئے عالین مرزا کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی جو اسے لا کر کہیں کھو گیا تھا، کئی بار وہ اسے مختلف کاموں میں مصروف نظر آیا تھا، کبھی کوئی چاچی بلاتی، کبھی کوئی مامی، ایک کزن نے تو گجرے لا کر دینے تک کی فرمائش کر دی، زلیخا حیرت زدہ رہ گئی۔

"او بھئی اپنے فیانسی کو کہو ایسے کام۔" عالین مرزا نے ہری جھنڈی دکھائی تو زلیخا کو سکون ملا تھا، اب مامی کی باتیں سن کر اس کا دل مزید برا ہو گیا تھا۔

❁......✿......❁

رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تھا، وہ اسے ہی ڈھونڈ رہا تھا تاکہ اسے مبارک باد دے سکے۔ زلیخا کا منہ بنا ہوا تھا، وہ رات رات بھر سسکیاں لیتی رہتی تھی، تکیہ بھیگتا رہتا تھا۔ عالین مرزا نے اسے بارہا سمجھایا اپنی محبت کا یقین دلایا مگر وہ کچھ سمجھنے کو تیار نہ تھی، وہ اکیلا ہی جا کے رمضان کے لیے اشیاء خورد و نوش لے آیا تھا کہ زلیخا نے صاف منع کر دیا تھا۔

"چاند مبارک زندگی......" وہ اسے کچن میں نظر آئی تھی غالباً سحری کے لیے آٹا گوندھ رہی تھی، عالین نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کے شانے پر ٹھوڑی رکھ دی تھی، وہ کسی قدر چونکی، گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ کو بھی رمضان المبارک کا چاند مبارک ہو؟" بے تاثر لہجے میں کہہ کر اس نے اپنا آپ اس سے چھڑانا چاہا تھا، عالین مرزا نے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ آٹا لگا ہاتھ اوپر کیے وہ اس حرکت پر جھنجلا گئی۔

"پہلا رمضان ہے جس میں ہم ساتھ ہیں، اس کا آغاز محبت سے کرو کہ یہ ہماری زندگی کا یادگار ماہ بن جائے۔"

"تو بنا میں کس نے روکا ہے؟" وہ تنک کے بولی۔

"تم جو خفا ہو میں اکیلے کیسے یادگار بناؤں، موڈ ٹھیک کرو نہ۔" عالین مرزا محبت سے رام کرنے کی کوشش کر رہا تھا، زلیخا نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"میں نے بارہا کوشش کی ہے موڈ ٹھیک کرنے کی لیکن میری آپ سے محبت جنون کی آخری حد کو چھو رہی ہے عالی...... اتنی شدید محبت ہے آپ سے کہ مجھے لگتا ہے...... میں خودکشی ہی نہ کر لوں۔ کسی کا سایہ آپ پر برداشت نہیں، میری دعا ہے یا تو

میرے جنون کو موت آجائے یا مجھے۔ یہ بیچ کی اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہورہی۔" عالین مرزا دیکھ رہا تھا اس نے اپنا حشر کر رکھا تھا' نہ ٹھیک سے سورہی تھی نہ اپنا خیال رکھتی تھی۔ گھر میں بھی بے دلی سے روز کے امور انجام دیتی تھی۔ کھانا پینا بھی تقریباً چھوڑا ہوا تھا' عالین زبردستی کرتا تو دو چار نوالے لے لیتی' وہ مسلسل ایک ہی کیفیت میں تھی۔

"تمہارا رویہ یہ ظاہر کررہا ہے کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں' جب میں کہہ رہا ہوں کہ میرے لیے تم سے اہم کوئی نہیں تو تم کیوں اپنی جان جلا رہی ہو۔" عالین مرزا کو اب اس کی حرکتوں پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس کی کڑوی کسیلی باتیں سنتے کئی روز گزر گئے تھے' وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی صفائی پر صفائی دے رہا تھا۔

"مجھے آپ پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے لیکن میں آپ کے لیے کسی کا استحقاق بھرا جملہ بھی برداشت نہیں کرسکتی آپ کی مما کو ماہم پسند تھی۔ وہ آج بھی آپ سے محبت کرتی ہے کس طرح کہہ گئی اسے کوئی روک نہیں سکتا' میں بھی نہیں۔" زلیخا کو ان جملوں کی تپش سلگا رہی تھی۔

"اس احمق کے کہنے سے کیا ہوتا ہے میرے شب و روز میں تم ہو۔"

"پھر وہ اتنے استحقاق سے کیوں بول رہی تھی' کیوں آپ کو پیغام بھیجتی ہے۔" وہ چلائی۔

"اس کی زبان کھینچ کر لا کر دوں تمہیں اب' تب سکون مل جائے گا تمہیں۔" وہ جھلایا۔ "حد ہوگئی' کزن ہے اب کیسے رشتہ ختم کروں۔ وہ صرف مجھے تھوڑی میسج کرتی ہے' پورے گروپ کو کرتی ہے' اسے سب کو کرنے سے روکوں؟"

"نہیں بیٹھ کر انجوائے کریں اور جواباً پیغام دیں محبت بھرے۔" وہ چڑ کر غصے سے بولتی چلی گئی' عالین کا جی چاہا اپنے سر کے بال نوچنے لگے' اس کے ہاتھ جھٹک کر زلیخا پھر سے آٹا گوندھنے کی طرف متوجہ ہوئی' عالین چند لمحے اس کی پشت کو دیکھتا رہا' پھر سر جھٹک کر تراویح کی تیاری کے خیال سے کمرے میں چلا گیا۔ وہ تراویح میں دعا گو تھا کہ اس سرپھری کا دل اس کی طرف سے صاف ہوجائے۔

رمضان المبارک کی روٹین اور رونقیں جاری تھیں' زلیخا بوجھل دل سے سارے امور انجام دے رہی تھی' اسے اس کشمکش سے لگنے لگا تھا اس کی دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی' وہ سب جانتی تھی سب سمجھ رہی تھی' عالین مرزا کا رویہ اس کے سامنے تھے۔ وہ اپنے لفظوں کی طرح سچا تھا مگر جانے کیوں وہ ماہم کا لہجہ فراموش نہیں کرسکی تھی' عالین مرزا نے اس سے بھی کچھ نہیں چھپایا تھا مگر اب وہ اور زیادہ اس کی جاسوسی کرنے لگی تھی۔

عالین کے سوجانے کے بعد اس کا سیل فون چیک کرتی اور ہزاروں پیغامات میں سے ایک ماہم کو دیکھ لیتی یا کسی اور کزن کو تو کانٹوں پر لوٹتی رہتی۔ عالین مرزا بھی اسے منا منا کر جیسے تھک کر چپ ہوگیا تھا' اب بلاضرورت اسے تنگ نہیں کرتا تھا' آفس سے واپس آکر خاموشی سے افطاری کرتا' نماز کے لیے مسجد چلا جاتا تو عشاء کی نماز اور تراویح کے بعد ہی لوٹتا اور پھر آکر خاموشی سے سوجاتا تھا۔ زلیخا نے باریکی سے اسے دیکھا تھا' وہ اس سے بھی بولنا نہیں چھوڑتا تھا مگر جب بھی بولتا تو آگے سے اسے زلیخا کی جلی کٹی ہی سننے کو ملتی تھی جس کی وجہ سے وہ چپ ہوگیا تھا۔ تہجد کی نماز کے بعد جب اس نے دعا کو ہاتھ اٹھائے تو ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"اللہ..... اے میرے اللہ' میرے جنون کا رخ اپنی طرف موڑ دے' جتنی محبت عالین سے کرتی ہوں اس سے کہیں زیادہ اپنی محبت میرے دل میں ڈال دے۔ میرے اللہ' تیری محبت میں کوئی شریک نہیں' کوئی جلن نہیں' کروڑوں لوگ تجھ سے محبت کرتے ہیں مگر کوئی اس محبت پر خود کو غیر محفوظ نہیں سمجھتا' کسی کو تیری محبت کے چھن جانے یا کم ہوجانے کا خوف نہیں ہوتا بے چینی' بے سکون نہیں ہوتی۔ تیری محبت میں آسودگی ہے' دوسروں کو تجھ سے محبت کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ انسان سے محبت میں ہزار اندیشے ہیں' ناراضگی کے' خفگی کے روٹھنے منانے کا لیکن تو کبھی نہیں روٹھتا' تو کبھی ناراض نہیں ہوتا' بھلے میں تجھے سجدہ کروں نہ کروں تو مجھ سے غافل نہیں ہوتا۔ میرے پکارنے پر تو فوراً جواب دیتا ہے' میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے میرے مالک......" وہ آبدیدہ تھی الفاظ ٹوٹی پھوٹی سسکیوں کی صورت نکل رہے تھے' کن کہنے والے نے دعا کو قبولیت کا شرف بخش دیا تھا۔ وہ جائے نماز لپیٹ کر اٹھی تو اسے اپنے اندر ایک ٹھہراؤ نظر آیا جیسے بپھرے سمندر نے ساکت جھیل کا روپ دھار لیا ہو۔

کچن میں جانے سے پہلے وہ اس تک آئی تھی' وہ اس کا عشق تھا' جنون تھا' کتنے ہی شب و روز سے اسے منا تا رہا تھا' اب بھی سوتا ہوا خفا سا لگا۔

"سوری۔" عالین مرزا کے کان کے پاس آہستگی سے بولی تھی' وہ جاگا نہیں تھا' وہ کچن میں چلی آئی تھی' کئی دنوں کے بعد

آج اسے کچھ سکون محسوس ہوا تھا۔ ہر نماز میں وہ اللہ سے محبت میں ٹھہراؤ کے لیے دعا گو تھی اور ایک سکون اس کے اندر اترتا جارہا تھا' پہلے جس طرح وہ ہر گھڑی عالین کے خیالوں میں رہتی تھی' اب اگلی نماز کے لیے وقت کا تعین کرتی رہتی تھی۔ قرآن شریف تفسیر سے پڑھ رہی تھی' ستائیسویں شب کو خشوع وخضوع سے عبادت کر کے اس نے تمام کدورتوں کو دل سے نکال دیا تھا۔

❀......❀......❀

وہ عالین سے معذرت کرنا چاہ رہی تھی مگر وہ اسے بولنے کا موقع نہیں دے رہا تھا' انتیسویں شب تھی۔ چاند نظر آنے کا شور ہوا تو زلیخا کمرے میں آئی' عالین مرزا نیم دراز بک پڑھ رہا تھا۔

"چاند مبارک۔" وہ جھجکتے ہوئے اس کے پہلو میں بیٹھ گئی' اتنے دنوں کی لاتعلقی نے اسے چور سا بنا دیا تھا۔

"تمہیں بھی مبارک ہو۔" عالین نے سابقہ انداز میں سر اور نظریں کتاب پر جمائے کہا' اس کے روکھے پھیکے انداز نے اسے انگلیاں مروڑنے پر مجبور کردیا۔

"آج چاند رات ہے' آپ اسی طرح کتاب پڑھتے رہیں گے؟" لب کچلتی وہ بے ربط ہورہی تھی' جس شخص سے بے دھڑک ہر بات کر جاتی تھی آج اسی سے بولتے زبان رک رہی تھی۔

"تمام ضروری چیزیں لا کر رکھ دی ہیں پھر بھی کچھ رہ گیا ہے تو بتادو لادیتا ہوں۔" عالین نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"نہیں' منگوانا تو کچھ نہیں ہے۔" وہ لب کچلنے لگی' اس کا اجنبی انداز احساس دلا رہا تھا وہ بہت دور چلا گیا ہے۔

"پھر......؟" سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"مجھے مہندی لگوانی تھی' پہلی عید ہے شادی کے بعد تو...... میں نے کچھ شاپنگ بھی نہیں کی' صبح عید پر کیا پہنوں گی؟" کدورتوں کا غبار دھلا تو اسے عید اور اس کی رعنائی کی فکر ستانے لگی۔ مارے غصے کے اس نے عید کی کوئی تیاری نہیں کی تھی یوں تو کئی نئے جوڑے وارڈ روب میں تھے مگر وہ ہر بار بڑے جوش و خروش سے عید کی تیاری کرتی تھی۔

"نیا جوڑا' میچنگ جیولری' چوڑیاں ان کے بناء کتنی پھیکی ہوگی میری عید۔" وہ منہ بسور کر خود کلامی کر رہی تھی۔

"تو میں نے کہا تھا غم کی چادر اوڑھ لینے کو لڑنے اور منہ سجائے رکھنے سے فرصت ہوتی تو آپ کچھ سوچتی نا۔ جلنے کڑھنے میں پورا رمضان گزار دیا۔" عالین نے تیکھی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا' وہ منہ بسورے جیسے رونے کی تیاری کر رہی تھی۔

"مناؤ ان چیزوں کے بناء پھیکی عید' مجھ سے امید مت رکھنا کہ ابھی شاپنگ پر لے کر جاؤں گا۔" عالین مرزا نے آئینہ دکھا کر صاف ہری جھنڈی بھی دکھادی۔ زلیخا اس کے ترش لہجے پر سر جھکا گئی' احساس ندامت پر آنسو بھی آنے لگے بلاوجہ زندگی میں بے سکونی لا کر اس نے کتنے خوش نما پل ضائع کردیئے تھے۔ دل میں تھوڑی خوش فہمی بھی تھی لیکن عالین رخ پھیر گیا تھا' اس کی پشت پر ایک نظر ڈال کر اس نے آنسو صاف کیے اور اٹھنے ہی لگی تھی جب اس کے سامنے ایک بڑا سا ڈبا اور کچھ شاپنگ بیگز اچانک سامنے آ گئے' ان چیزوں سے نظر ہوتی اس کی نظر عالین مرزا پر آ رکی جو چیزیں نکال کر اس کے سامنے رکھ چکا تھا۔

"تم اپنے لیے سوچنا چھوڑ سکتی ہو لیکن میں تم سے کسی پہر غافل نہیں ہوتا۔ تمہارے لیے ساری شاپنگ کرلی تھی' میچنگ چیزوں کے لیے کتنی خواری ہوئی یہ نہ پوچھنا' اس سے دشوار کن مرحلہ انہیں چھپانا تھا' خبر جو تھی محترمہ غصے میں میری لائی ہوئی چیزیں ہی نہ اٹھا کر باہر پھینک دیں۔" عالین مرزا نرم گرم تاثر لیے کہہ رہا تھا' زلیخا کے چہرے پر کئی رنگ آ گئے تھے۔

"میں اتنی بھی بدتمیز نہیں کہ آپ کی لائی چیزوں کو پھینک دوں۔" بیگز میں جھانکتے وہ بولنے سے باز نہ رہی۔

"بہت پیارا جوڑا ہے۔" وہ وائٹ ڈریس کو خود سے لگا کر خوش ہورہی تھی' عالین نے اس کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت کو بغور دیکھا اب وہ جیولری اور جوتے ٹرائی کر رہی تھی۔

"آپ کو عیدی مل گئی اب تو رونا نہیں ہوگا نا' میں سونے لگا ہوں' صبح نماز کے لیے جلدی اٹھنا بھی ہے۔" عالین مرزا نے کروٹ بدل کر کتاب پرے رکھ دی۔

"اور میری مہندی......؟" ٹھنک کے زلیخا نے پیچھے سے اس کا کرتا کھینچا۔

"تیار ہوجاؤ' لے چلتا ہوں پارلر' لگوالینا مہندی۔" رخ موڑے موڑے جواب آیا' ناراض تھا لیکن اس کی ہر چیز یاد تھی۔

"میرا پارلر جا کر خوار ہونے کا موڈ نہیں۔" چاند رات کو پارلر کا رش یاد کر کے منہ بنانے لگی۔

"مہندی لا کر فریج میں رکھی ہے جاؤ لے کر آؤ' میں لگا دیتا ہوں۔" ایک اور مسئلہ حل کر رہا تھا' سیدھا ہو کر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیے۔

"آپ کو مہندی لگانا آتی ہے؟" اس نے حیرت سے

آنکھیں پھیلائیں۔

"آتی تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ لگا ہی دوں گا' رنگ تو آ ہی جائے گا۔"

"رہنے دیں مجھے دنیا کا نقشہ نہیں بنوانا اپنے ہاتھ پر' میں خود لگالوں گی۔" اس نے خود ہی حل نکالا۔

"مرضی ہے۔" عالین نے رخ پھیر کر سونے کی کوشش شروع کردی' اس نے شاپنگ بیگز کو پرے کرکے اس کی پشت کو دیکھا۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟"

"نہیں۔" جواب رخ موڑے موڑے ہی آیا۔

"میری طرف دیکھ کے کہیں۔" زلیخا نے ایک بار پھر ٹرتا کھینچ کر اصرار کیا۔

"نہیں۔" عالین مرزا نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سابقہ انداز میں لیٹ گیا۔

"پھر مجھ سے نظریں کیوں چرا رہے ہیں؟" زلیخا نے اب کے سختی سے کہا' وہ بے ساختہ سیدھا ہوا تھا۔

"نہ میں تم سے ناراض ہوں' نہ نظریں چرا رہا ہوں۔"

"جب ناراض نہیں ہیں تو چپ کی مار کیوں مار رہے ہیں؟" وہ روہانسی ہوگئی اس کی خاموشی اسے کھلنے لگی تھی۔

"میں روز روز اپنے کردار سے متعلق صفائی نہیں دے سکتا' تمہیں بھروسہ کرنا ہے تو کرو ورنہ یوں بھی گزر ہی جائے گی' محبت کے ساتھ نہ سہی خاموشی کے ساتھ ہی سہی۔" در پردہ وہ چوٹ کر گیا' دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھے معاف کردیں۔" وہ بے ساختہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ گئی۔

"آپ کے خاندان کے طور طریقے الگ ہیں' اسے قبول کرنے میں مجھے وقت لگے گا' میں نے آپ پر کبھی شک نہیں کیا' بس آپ پر کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کرسکتی' اس لیے جلتی رہی۔" وہ سادگی سے اپنی بے بسی کا اعتراف کرگئی تھی کہ عالین مرزا کا دل گداز ہوگیا' وہ اس کی مشکل جان گیا تھا تب ہی خاموش ہوگیا تھا۔

"تم میری زندگی ہو' کیوں فضول باتیں سوچ کر خود کو ہلکان کرتی ہو میری جان......" اس کے ہاتھ کھول کر اسے قریب کیا' وہ ایک دوسرے سے پیار بھری باتوں کو ترس گئے تھے' اس کے شانے سے لگی وہ سسکنے لگی تھی۔ یہ پناہ گاہ اس کی زندگی کا حاصل تھی جس پر ذرا سی بھی دھوپ پڑتی تو وہ بوکھلا جاتی تھی۔ عالین کو اس کی سسکیاں اسے خود میں ضم کرنے پر اکسانے لگیں' وہ پگلی اس حد تک شدت رکھتی تھی کہ کسی کے لیے اسی سے ناراض تھی' اس کی ذرا سی توجہ کہیں ہونے پر کلستی رہتی تھی۔

"تمہیں کچھ قبول کرنے کی ضرورت نہیں' میں ہی غلط تھا۔ میں سوچتا رہا کہ تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتیں' اتنی محبت کے باوجود شک کرتی ہو لیکن جب میں نے تمہارے نظریے سے دیکھا تو تمہارا رویہ ٹھیک لگا۔ ماہم کی باتیں قابل گرفت لگیں' جو میں اپنے نظریے سے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ ہم مردوں کا المیہ ہے شادی سے پہلے اور بعد میں بھی ہم عورتوں کو پابند کردیتے ہیں' اس سے ملو' اس سے نہ ملو مگر خود کو ہر پابندی سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ بھول جاتے ہیں کہ ہماری شریک سفر بھی انسان ہے اسے بھی حسد ورقابت کی آگ سلگاتی ہے لیکن' ہم بس عورت سے ہی قربانی چاہتے ہیں' بھلے وہ سلگتی رہے مگر ہماری پابند بھی رہے' گھر بھی سنوارے' اس کی خوشی کس میں ہے اسے اہمیت نہیں دیتے لیکن میں مردوں کی حماقت کو اپنی زندگی پہ لاگو نہیں کرتا' میں نہیں چاہتا میری زلیخا دوسروں کی بیویوں کی طرح میرے ساتھ سمجھوتے کی زندگی گزارے' جب میں اسے پابند کرتا ہوں تو خود کو اس کا پابند کیوں نہیں رکھ سکتا۔"

وہ بڑی خوب صورتی سے ایک ایسے فیصلے کی بنیاد رکھ رہا تھا جس سے جانے کتنوں کی زندگی سنور جاتی تھی' وہ ایک ایسی انوکھی بات کر رہا تھا جسے ہر عورت سوچ کر رکھتی تو تھی مگر مرد کبھی کسی عورت کا پابند بننے کا تصور بھی نہیں کرتا لیکن عالین مرزا کچھ الگ تھا' زلیخا چپکی بیٹھی اسے سن رہی تھی' اندر ایک سکون دور تک پھیلنے لگا تھا۔

"میں نے تایا جان سے ماہم کی شکایت کردی ہے کہ اس کی وجہ سے میری ازدواجی زندگی میں بھونچال آ گیا ہے' انہوں نے یقین دہانی کروائی ہے لیکن اس کے باوجود میں نے ہر جگہ سے ماہم کو بلاک کردیا ہے' تمام فی میل کزنز کو بھی گوش گزار کردیا ہے کہ وہ مجھ سے بھائی کے اینگل سے بات کرتی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" عالین مرزا نے یقین دلایا۔ زلیخا نادم سی ہوگئی' یہ وہ شخص تھا جو بہت منفرد تھا جو اس کے نظریے سے سوچتا تھا اور وہ اسی پر لفظوں کی برچھیاں چلاتی رہی تھی۔

"میری طرف سے آپ کو بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی' آپ

کسی بھی کزن سے بات کریں نہ آپ کو روکوں گی نہ ٹوکوں گی۔ سب فیملی کا حصہ ہیں آپ ایک اکیلے میرے تو نہیں ہیں دنیاوی خاندانی رشتے بھی نبھانا پڑتے ہیں۔" تکیہ جگہ پر درست کرتی گویا ہوئی۔

"طنز کر رہی ہو؟" عالین مرزا نے سختی سے اس کا بازو پکڑا' لہجہ نرم تھا' وہ مسکرا دی۔

"نہیں' سچ کہہ رہی ہوں' دلی آمادگی کے ساتھ۔"

"ماہم سے بھی بات کروں' اجازت ہے؟" عالین نے کریدا۔

"کرلیں۔" وہ بجھے دل سے بولی' عالین کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا' اس کے ہاتھ کی گرفت کمزور ہوگئی۔

"تم نے مجھ سے محبت میں کمی کردی ہے' تمہارا جنون ختم ہوگیا ہے۔" وہ جیسے دکھی ہوا' زلیخا نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"نہ جنون ختم ہوا نہ آپ سے محبت کم ہوئی' بس اس میں جو پاگل پن تھا اسے موت آ گئی' اپنا جنون میں نے اللہ کی طرف موڑ دیا' انسان سے جنونی محبت کر کے سوائے خسارے کے کچھ نہیں ملتا۔ میری جو حالت تھی اس میں لگتا تھا یا تو ماہم کو جان سے مار دوں یا خودکشی کرلوں۔ کبھی کبھی لگتا تھا آپ کو قتل کردوں کہ میں آپ کی وجہ سے اذیت میں تھی لیکن پھر مجھے اللہ کی راہ نظر آئی' توازن کا مفہوم سمجھ آیا کہ ہر چیز میں اعتدال کیوں ضروری ہے بس آپ سے محبت میں ایک ٹھہراؤ آ گیا ہے۔" اس کا گلہ دور کرنے کے لیے دلی جذبات عیاں کرگئی۔

"لیکن مجھے ویسی ہی جنونی محبت کرنے والی بیوی چاہیے جو میرے جواب نہ دینے پر چار سو میسجز کرتی تھی۔" عالین نے منہ بنالیا۔

"میں ویسے ہی آپ کو چار سو میسجز کروں گی' مجھ سے ناراض نہ ہوں کہ مجھے آپ کی ناراضگی سے خوف آتا ہے۔ میں آپ کو کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔" زلیخا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے بلاشبہ اس نے ٹوٹ کر محبت کی تھی عالین کو اس پر بے طرح پیار آنے لگا تھا۔

"میری جان ہو' میری زندگی ہو' نہ میں تمہارے علاوہ کسی کو سوچتا ہوں نہ سوچنا چاہتا ہوں۔" عالین مرزا نے ہمیشہ کی طرح اعتراف محبت کیا اور اب کی بار اس کے اعتراف پر نازاں ہونے کی بجائے اس نے شکریہ کے کلمات ادا کیے تھے۔

محبت کسی معجزے سے کم نہیں ہوتی جو دو دلوں کے بیچ کا سفر کٹھن راہوں میں بھی کرتی ہے۔

"میں نے تمہارے لیے ساری دنیا' خاندان کو ٹھکرایا ہے' تم مجھ سے محبت کم نہ کرنا۔" عالین کو اس کے بدلنے کا دھڑکا لگ گیا تھا۔

"آپ سے محبت کبھی کم نہیں ہوگی۔" اس نے دھیرے سے یقین دلایا۔

"اتنا یقین کیوں ہے؟" اس نے چھیڑا۔

"بس ہے نا۔" اس کی انگلیاں عالین کے کرتے کے بٹن سے کھیل رہی تھیں' لبوں پر نرم گرم مسکان پھیلی ہوئی تھی۔ کئی دنوں کے بعد وہ پہلے کی طرح سجی سنوری محبت آنکھوں میں بسائے اس کے روبرو تھی' ورنہ تو اتنے دنوں سے حسد و رقابت کی آگ میں جھلستی خود سے بےزار وجود اس کے سامنے جیسے بمشکل خود کو گھسیٹ رہا تھا۔

"ممّا آ رہی ہیں۔" اطلاع دی۔

"اچھا ہے نا مجھے بھی ساس کے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا اور آپ کے کان روایتی بیوی کی طرح بھروں گی۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"مجھے خبر ہے تم ایسا نہیں کرو گی' تم بہت اچھی ہو۔" وہ مسکرایا۔

"مسکا..... " آنکھیں دکھائیں۔

"ایویں تمہیں دیکھ کے دل تھوڑا ہارا تھا' چہرے سے دل کا حال جان لیتا ہوں۔ بہت سوں کو ٹھکرا کے تمہارا انتخاب کیا تھا۔" وہ اپنی پسند پر نازاں تھا۔

"اگر میں نہ ملتی تو آپ خاندان کی ہی کسی لڑکی سے شادی کرلیتے؟" زلیخا نے جاننا چاہا۔

"شادی ضروری فریضہ ہے' تم نہ ملتیں تو ممکن ہے مما کسی نہ کسی کو بہو بنا ہی لیتیں اور میں شادی کرلیتا۔" اس نے اقرار کیا۔

"اور محبت....."

"ہونی ہوتی تو بیوی سے ہوجاتی ورنہ یوں ہی چلتی شادی جیسے نوے فیصد چلتی ہے' بنا محبت کے' سمجھوتے کی زندگی..... تم یہ..... میں وہ..... چخ چخ کے ساتھ۔" عالین مرزا نے دو لفظوں میں ہی تلخ حقیقت بتادی تھی کہ بیشتر شادیاں ناچاقی کا کیوں شکار ہیں۔

عالین مرزا فریج سے مہندی نکال لایا تھا اور اب اس کی ہتھیلی

پر نقش ونگار بنا رہا تھا۔

”ویسے ان دنوں ایک بات تو سمجھ آ گئی۔“ وہ رکا۔

”کیا؟“

”بہت جھگڑالو ہو تم۔“ عالین مرزا نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کوئی نہیں۔“ وہ بُرا مان گئی۔

”کیسے کیوں نہیں، جہاں بات شروع ہوتی تمام ہتھیار لے کر چڑھ دوڑتی تھیں مجھ پر، آپ یہ...... آپ وہ......“ مصروف انداز میں یاد دلایا۔

”ہاں تو غصے میں جو تھی۔“

”تو پھر مان لو نا جھگڑالو ہو۔“ وہ اقرار کروانے پر بضد تھا۔

”اوہوں مان لوں۔“ اس نے چہرے پر آئے بال جھٹکے ہاتھوں پر مہندی لگ رہی تھی اس کی مشکل محسوس کر کے عالین نے لٹوں کو کان کے پیچھے کیا۔

”اے چاند میرے تُو سب سے حسین
میری نظر لگے نا تجھ کو کہیں
چاند سامنے ہے عید کا
تجھ پہ ہے میری نظر“

وہ بہت خوب صورت پیرائے میں اظہار کر گیا تھا وہ بلش ہو کر نظریں جھکا گئی مگر جب ہتھیلی پر نظر گئی تو اس کی سریلی چیخ نکل گئی۔

”یہ کیا کیڑے مکوڑے بنا دیئے ہتھیلی پر۔“

”کوئی نہیں، اتنا تو پیارا لگ رہا ہے دیکھو۔“ اس نے اس کی ہتھیلی انگلیوں سے پکڑ کر اس کے سامنے کی۔

”دیکھو کتنا پیارا پھول بنایا ہے۔“ وہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ ڈیزائن خراب ہے۔

”ہتھیلی پر مہندی لگاتے کون گملے والا پھول بناتا ہے بمع گملا۔“ وہ تیکھی چتونوں سے گھور رہی تھی۔

”اور یہ......“ اب کے اس نے صدمے سے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔

”یہ کسی جانور کی شکل نہیں لگ رہی؟“ وہ جیسے صدمے سے چُور لہجے میں چلائی۔

”ہاں کچھ کچھ مجھے بھی گلہری جیسی لگ رہی ہے بس دُم تھوڑی چھوٹی رہ گئی، رکو ابھی ٹھیک کرتا ہوں۔“ وہ کون مہندی لے کر پھر سے سرگرم ہونے لگا۔

”ہٹیں پرے، یہ جانور، پھل پیڑ کے نقشے کہیں اور جا کے بنائیں میری ہتھیلی کو جنگل سمجھ لیا ہے۔“ زلیخا نے مہندی چھین لی ساتھ ہی انگلیاں بھی چھڑا لیں۔

”قدر نہیں ٹیلنٹ کی۔“ منہ بسورا۔

”باز آئی ایسی قدر دانی سے۔“ وہ منہ بنا کے اٹھنے لگی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ روکنے کی سعی ہوئی۔

”ہتھیلی دھونے، رنگ بھی چڑھ گیا اب تو۔“ وہ منہ بنا کر جانے لگی۔

”ارے رکو تو ابھی میں نے مہندی سے اپنا نام بھی لکھنا تھا تمہاری ہتھیلی پر۔“ اس نے جیسے چڑایا۔

”دل پر لکھ لیا اتنا ہی کافی ہے، ہتھیلی پر آپ کی محبت کا رنگ ہی کافی ہے اب وہ گلہری کی صورت میں ہو یا گملے والے پھول کی۔“ وہ پلٹ کر اس تک آئی، عالین مرزا کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں۔

”تم تو ہتھیلی دھونے جا رہی تھیں۔“ جیسے یاد دلایا۔

”لوٹ آئی کہ شاید ابھی آپ مزید کسی جانور کی شکل بنانا بھول گئے ہوں۔“ اس نے بھی چڑایا، وہ سر کھجا کے رہ گیا، زلیخا کون لے کر ہتھیلی کو خوب صورت بنانے لگی۔

”دیکھا کتنی خوب صورت مہندی لگ گئی، داد دو مجھے۔“ وہ جب فارغ ہوئی تو وہ سارا کریڈٹ لے گیا، وہ بے ساختہ ہنس دی۔

”کتنا شوق ہے کریڈٹ لینے کا۔“

”مجھے صرف تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کا شوق ہے۔“ اس نے ہولے سے اعتراف کیا، زلیخا نے آسودگی سے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا تھا۔ عالین مرزا کا پیار اس کی پیشانی پر مہکنے لگا، اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ عید کی رعنائیاں، مہندی کی خوشبو ان کے اردگرد تھی، محبت بھری عید دستک دے رہی تھی انہوں نے اپنے در اور دل وا کر دیئے تھے۔

''اس بار گرمی بھی زوروں پر ہے' اسی لیے میں نے تو ماریہ بی کے بوتیک میں اپنا آرڈر پہلے ہی بک کرادیا ہے تاکہ عید کلیکشن کے اسپیشل سوٹوں کے لیے مجھے زیادہ رش میں خوار نہ ہونا پڑے۔'' حنا نخوت سے بولی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم' مجھے کل پارلر کا چکر لگانا ہے' ایسا کروں گی واپسی پر اپنے ڈیزائنر کے پاس بھی چلی جاؤں گی اگر کوئی نیا ڈیزائن پسند آیا تو ٹھیک ورنہ زارا کی عید کلیکشن چیک کرلوں گی۔ عید کے قریب تو رش واقعی بہت ہوتا ہے۔'' سمیرا نے حنا کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس کے تقریباً سلیولیس بازوؤں والی قمیص سے گورا رنگ چھلک رہا تھا۔ چہرہ قندھاری انار جیسی سرخی لیے دمک رہا تھا' ڈائی ہوئے اسٹیپ کٹنگ بال اس کے شانوں سے کچھ نیچے آرہے تھے۔

''کیا اب بھی اسے پارلر جانے کی ضرورت ہے؟'' میں نے دل ہی دل میں اسے سراہتے ہوئے سوچا۔

''اور نوشین تم کہاں سے لوگی اس بار عید کا آؤٹ فٹ؟'' میں نے نوشین کو مخاطب کیا' نوشین ہمارے ساتھ والے بنگلے میں ہی رہتی ہے۔ دو سال قبل ایک حادثے میں اس کا شوہر اور ساس اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ اب یہ اس خوب صورت بنگلے کی بلاشرکت غیر مالکہ تھی' اس کا شوہر ایک اچھی پوسٹ پر گورنمنٹ ملازم تھا ظاہر ہے اچھی خاصی تنخواہ ہوگی' شوہر کے انتقال کے بعد نوشین نے اپنی اٹھارہ سال کی بیٹی کی شادی جلد ہی کردی تھی۔ آج کے دور میں اکیلی عورت جوان لڑکی پر کہاں تک نظر رکھتی۔ ہوسکتا ہے لڑکی کی مشکوک سرگرمیوں سے تنگ آ کر ہی اس نے اپنی بیٹی کی جلد شادی کا سوچا ہو۔

کیا قسمت پائی تھی اس نے شوہر کے مرنے کے بعد بھی عیش کررہی تھی اور ایک ہم ہیں سارا سال جوڑ توڑ میں ہی گزر جاتا ہے پھر بھی کچھ بچ نہیں پاتا۔ میں کلس کر سوچ رہی تھی۔ چالیس بیالیس سالہ نوشین اس عمر میں بھی ستائیس اٹھائیس سے زیادہ کی نہ لگتی تھی اوپر سے اس کا باوقار پہناوا اسے ہمیشہ لوگوں میں ممتاز کرتا تھا۔

''اس بار میں سوچ رہی تھی کہ پچھلی عید کے کپڑوں سے......''

''ہاں...... ظاہر ہے تم پچھلی عید کے کپڑوں سے کچھ الگ اور نیا ہی لوگی' بھئی تمہاری اعلیٰ چوائس کے تو ہم سب ہی قائل ہیں۔ کیوں سبرینہ؟'' نوشین کی بات کاٹ کر سمیرا نے اس کی بات مکمل کی اور آخر میں اس کی تعریف کرتے ہوئے مجھ سے رائے بھی مانگ لی۔ میں اندر ہی اندر جل گئی لیکن بظاہر خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے ہاں میں ملائی۔

یہ شہر کی ایک معروف سوسائٹی کا پارک تھا جہاں شام کو واک کے بعد سوسائٹی کی خواتین گھاس پر بیٹھی باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ یہاں موجود سب ہی خواتین ہر دوسری عورت کو خود سے زیادہ امیر سمجھتی تھی۔ کہانی سنانے والی خاتون سبرینہ اب سب خواتین کے ساتھ گھر کی طرف جاتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ رات کو ان سب کی تیاری کے بارے میں شوہر کو بتا کر ان کو کیسے ایموشنل بلیک میل کرنا ہے تاکہ سب سے اچھا ڈریس اسی کا ہو۔

☆......☆......☆

آج اتوار تھا میری آنکھ کھلی تو دس بج رہے تھے۔ میں نے آنکھیں پھر بند کرلیں۔ میری عائزہ بہت سمجھدار ہے مجھے علم تھا آج اس نے ناشتہ بنا کر سب کو کروادیا ہوگا اور اب ماسی سے کام کروا رہی ہوگی۔ وہ ایسی ہی ہے کالج سے چھٹی والے دن مجھے کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتی۔ میں نے آنکھیں بند کرکے دوبارہ سونے کی کوشش کی۔ لاؤنج سے ہلکی ہلکی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں ٹھہری شکی فطرت کی مالکہ...... یہ کون تھا عائزہ کے ساتھ...... اوہ اسی لیے عائزہ مجھے سونے دیتی ہے اس نے کسی سے بات کرنا ہوتی ہے' ملاقات کرنی ہوتی ہے' میں نے انتہائی تلخ ہوکر سوچا اور تجسس سے مجبور ہوکر بنا آہٹ کے کمرے سے نکلی اور لاؤنج کے اندرونی دروازے کے پیچھے کھڑی ہوکر دیکھنے لگی۔

''بہت پریشانی ہے عائزہ...... سمجھ نہیں آتی زندگی اتنی مشکل تو کبھی نہ تھی۔ بابا کے جانے کے بعد تو لگتا ہے سر سے

آسمان اٹھ گیا ہے۔" یہ اریحہ تھی..... نہیں سمجھے آپ لوگ..... ارے نوشین کی بیٹی حد ہے ماں شیخیاں مار مار کر نہیں تھکتی اور بیٹی کے رونے ختم نہیں ہو رہے۔

"پچھلے چھ ماہ سے بابا کی پینشن نہیں مل رہی' مما کا بی پی ہائی رہنے لگا ہے۔ ارینہ اور تبریز ابھی چھوٹے ہیں' یہ باتیں نہیں سمجھ پا رہے' مما کو بہت تنگ کرتے ہیں' اب تو عید قریب ہے مرضی کی شاپنگ کے لیے مجبور کر رہے ہیں' کہاں سے کریں مما یہ سب..... سمجھ سے باہر ہے۔"

"ہنہہ..... ڈھوسکلے....." میں زیر لب بڑبڑائی۔

"پریشان نہ ہو اللہ بہتر کرے گا..... ان شاء اللہ بہت جلد سب مسائل حل ہو جائیں گے۔ میری دعائیں تمہارے اور آنٹی کے ساتھ ہیں۔" عائزہ کے لہجے کی بردباری اور بڑا پن دیکھ کر مجھے حیرانی ہوئی وہ کب اتنی بڑی ہو گئی۔

"تم بہت اچھی ہو عائزہ' لگتا ہی نہیں تم سبرینہ آنٹی کی بیٹی ہو....." اریحہ کا پہلا جملہ سن کر مجھے خوشی ہوئی لیکن دوسرا سن کر میں کھول اٹھی۔

"ماما بہت اچھی ہیں' بس انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے ان کی باتوں کا برا مت منایا کرو۔" میری بیٹی میرے بارے میں یہ کہہ رہی تھی تو کسی اور کا کیا رونا..... مانا میں زبان کی تھوڑی سی تیز ہوں طنز کر جاتی ہوں' مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ مجھے دنیا کی سمجھ نہیں۔

"مما بتا رہی تھیں ارینہ اور تبریز کی اکیڈمی کی فیس کا پرابلم تم نے حل کروایا ہے اس کے لیے بہت شکریہ۔" اریحہ نے عائزہ کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ یہ کیا ماجرا تھا میری ناک کے نیچے ہی میری بیٹی کیا کچھ کر رہی تھی اور مجھے علم تک نہیں۔

"دنیا والوں کی باتوں سے ڈر کر مما نے جلد ہی میری شادی کر دی ورنہ آج میں اپنی ماں کا سہارا ہوتی۔ سمعان کی جاب سے گھر کا گزارا ہی بہت مشکل سے ہوتا ہے..... ایسے میں مما کے لیے کچھ کرنا میرے لیے بالکل ممکن نہیں ہو رہا' بس سب سمجھ سے باہر ہے۔"

"شکریہ غیروں کو کہتے ہیں اریحہ..... میں تمہاری دوست ہوں اور میں نے کچھ بھی تو نہیں کیا' تمہارے بہن بھائی جس اکیڈمی میں پڑھ رہے ہیں وہ میرے ٹیچر کی ہے۔ بس میں نے ان سے ریکوسٹ کی اور وہ مان گئے۔ ویسے بھی اتنی بڑی اکیڈمی میں دو بچے فیس نہ دیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔" بس اس سے زیادہ میری برداشت سے باہر تھا میں لاؤنج میں داخل ہو گئی۔

"ارے اریحہ..... کب آئی تم؟" مجھے دیکھ کر دونوں ہی چپ ہو گئی تھیں اور یہ خاموشی مجھے بڑی کھل رہی تھی۔

"بس آنٹی' کچھ دیر پہلے..... کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں' تم بتاؤ آج کل بڑے چکر لگنے لگے ہیں یہاں کے' نوشین منع نہیں کرتی کیا؟ روز روز میکے آنا سسرال میں بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔" میں اس کو جانچتی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"مما کا بی پی شوٹ کر گیا تھا تو ارینہ نے بلوایا تھا۔ ویسے ڈیڑھ ماہ بعد آئی ہوں آنٹی اور شام تک چلی جاؤں گی۔" بڑا نپا تلا لہجہ تھا اس کا' سمجھ نہ آیا کہ وہ تلخ ہوئی کہ نارمل تھی۔

"چلتی ہوں عائزہ پھر ملیں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اریحہ تو چلی گئی تھی لیکن میں عائزہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں.....؟ کیا کر رہی ہے آج کل یہ لڑکی.....؟

☆.....☆.....☆

"مما پانچ ہزار روپے چاہیے مجھے۔"

"پانچ ہزار کیا کرنے ہیں؟ ابھی پچھلے ہفتے ہی دو تین بار تم نے

دو دو ہزار کر کے لیے تھے۔‘‘ میں نے عائزہ سے پوچھا جو پچھلے کچھ عرصے سے عام روٹین سے زیادہ پیسے خرچ کرنے لگی تھی۔

’’مما اسائنمنٹ بنانے کے لیے کچھ بکس لینی ہیں اور کل دوستوں کے ساتھ مکڈونلڈ بھی جانے کا پروگرام ہے۔ اب آپ کو مجھ پر بھی یقین نہیں رہا؟‘‘ آخری جملہ میری بیٹی نے بہت عجیب انداز میں کہا تھا۔ مجھے اپنی شک والی عادت پر غصہ آنے لگا واقعی عائزہ نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔

میں نے اسے پانچ ہزار دے دیئے تھے اور واپسی پر وہ واقعی کافی کتابیں لے کر آئی تھی میں نے کتابوں پر سرسری سی نظر ڈالی اب یہ دیکھنے کی فرصت میرے پاس کب تھی کہ وہ اتنی ساری کتابیں کس سبجیکٹ کی تھیں۔

☆......☆......☆

دن پر لگا کر اڑتے رہے۔ آج رمضان المبارک کا ستائیسواں روزہ ہے اور میرا آج کا دن ہر سال کی طرح بہت مصروف ہوتا ہے۔ صبح سے ہی افطاری کی تیاری شروع کر دیتی ہوں اصل میں میرا برسوں کا معمول ہے کہ ستائیسویں روزے کو سوسائٹی کے ہر گھر میں افطاری بھیجتی ہوں۔

ایک تو میں عائزہ کی وجہ سے بھی پریشان ہوں اچانک سے ہی وقت بے وقت پیسے مانگنے لگی ہے۔ سمجھ نہیں آتا کرتی کیا ہے؟ کالج بھی وقت سے جاتی آتی ہے اس کی ایک دو دوستوں سے بھی باتوں باتوں میں جاننا چاہا لیکن کچھ علم نہ ہو سکا کہ کہاں خرچ کرتی ہے۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے میں ہوں ہی شکی فطرت کی مالکہ...... اسی لیے مجھے ایسا لگتا ہے لیکن دیکھ لیجیے گا بہت جلد آپ بھی جان لیں گے کہ میرا شک بے وجہ نہیں۔

’’عائزہ بیٹا یہ پلیٹیں تیار ہوگئی ہیں آپ ایسا کرو یہ ٹرے لے جاؤ اور مسز خاور کے گھر سے لے کر ایک ہی لین میں چھ گھروں کو دے آؤ۔‘‘ دوسری ٹرے میں پلیٹیں رکھتے ہوئے میں نے عائزہ سے کہا۔ عائزہ جانے کن سوچوں میں گم تھی یک دم چونک کر خاموشی سے ہاں میں گردن ہلائی اور بھری بھر کم ٹرے اٹھا کر باہر چل دی۔

’’آج کل کچھ زیادہ ہی گم صم رہنے لگی ہے یہ لڑکی۔ خیر......‘‘ میں نے سر جھٹک کر ماسی کو بلایا تاکہ وہ بھی کچھ گھروں میں افطاری دے آئے اور کام جلدی ختم ہو جائے۔ ’’ایسا کرتی ہوں میں بھی نوشین کے اور ایک دو اور گھروں میں خود افطاری دے آتی ہوں ورنہ عائزہ بیچاری کو ایک بار پھر جانا پڑے گا صبح سے روزے میں میرے ساتھ کام کروا رہی ہے تھک گئی ہوگی۔‘‘

☆......☆......☆

’’آہاں...... آنٹی آج آپ خود آئی ہیں...... عائزہ آپی کیوں نہیں آئیں؟‘‘ یہ نوشین کا بارہ سالہ بیٹا تبریز تھا۔

’’آج اتنے کم پکوڑے عائزہ آپی تو روزانہ اتنے سارے لے کر آتی ہیں۔‘‘ سبرینہ کے ہاتھ سے ٹرے پکڑتے ہوئے اس نے ٹرے سے کپڑا ہٹا کر ایک نظر دیکھا اور بے ساختہ بولا اور پھر ٹرے کچن میں رکھ آیا۔ سبرینہ اس کی بات پر حیران رہ گئی تھیں۔ عائزہ یہاں روز آتی تھی اور اس کو علم ہی نہیں۔

’’بیٹا آپ کی مما کہاں ہیں؟‘‘ سبرینہ نے سوال کیا۔

’’مما واش روم میں ہیں۔‘‘ تبریز نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کتاب ہاتھ میں اٹھالی تھی...... سبرینہ نے چونک کر تبریز کی طرف دیکھا اور پھر ایک سائیڈ پر رکھی ان کتابوں کی طرف جن میں گم تبریز کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

’’آپ کی مما نے افطاری نہیں بنائی کیا؟ اذان تو ہونے ہی والی ہے۔‘‘ جانے کیا سوچ کر سبرینہ نے یہ سوال کیا۔

’’میری مما تو بس روٹی سالن پکاتی ہیں۔ پھل اور باقی چیزیں تو آپ کے گھر سے آتی ہیں نا...... اس لیے افطاری کے بعد پکا لیتی ہیں...... میرے پاپا جی اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں...... مما کہتی ہیں اب ہم فروٹ خرید کر نہیں کھا سکتے......‘‘ بچہ بولتے بولتے آخر میں روہانسا ہوگیا۔

’’اور عید کے کپڑے لے لیے آپ نے؟‘‘ سبرینہ نے پوچھا۔

’’وہ ہم آج لینے جائیں گے...... عائزہ آپی نے وعدہ کیا تھا وہ آج مجھے نئے کپڑوں کے لیے پیسے دیں گی پھر ہم مما کے ساتھ جا کر لے آئیں گے...... لیکن آج آپی آئی ہی نہیں لگتا ہے آپی کے پاس پیسے نہیں ہوں گے ابھی۔ اسی لیے آپ کو بھیج دیا۔‘‘ سبرینہ کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو سبرینہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’میں چلتی ہوں بیٹا ٹرے آپ کی عائزہ آپی لے جائیں گی۔‘‘

☆......☆......☆

’’مما...... آپ سے ایک کام تھا۔‘‘ عائزہ ہمت کر کے بولی۔

’’ہم...... بولو......‘‘ میں نے خود کو ٹی وی میں مصروف

ظاہر کیا۔

"وہ مما...... کچھ پیسوں کی ضرورت تھی......" وہ ہولے سے بولی۔

"کتنے چاہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سات آٹھ ہزار......" وہ اٹک اٹک کر بولی۔ مجھے عائزہ سے اسی بات کی امید تھی۔

"میرے کمرے کے سائیڈ ٹیبل والے دراز میں کچھ پیسے رکھے ہیں سارے لے لو......" میں نے اب بھی خود کو اس کی طرف سے لاپروا ظاہر کیا۔

"جی مما...... تھینک یو سوچ۔" خوشی اس کے لہجے سے صاف ظاہر تھی۔ سوچتی، پریشان ہوتی، گم صم عائزہ اچانک سے خوش ہوگئی تھی۔

"مما یہ تو پندرہ ہزار ہیں۔" وہ پانچ پانچ ہزار کے تین نوٹ ہاتھ میں پکڑے میرے پاس آئی۔

"ہاں رکھ لو۔ تمہیں ضرورت ہے نا......" میں کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"اور سنو...... میں نوشین کے گھر افطاری دے آئی تھی۔ ہماری ٹرے وہیں ہے لے آؤ...... تبریز تمہارا انتظار کررہا ہوگا۔" ایک لمحہ رک کر میں نے اسے مخاطب کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

عید والے دن صبح صبح سوئیاں دینے تبریز جب ہمارے گھر آیا تو اس کے نئے کپڑے اور چہرے کی خوشی دیکھ کر مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے مجھے بچپن کی عیدی دے دی ہو۔ میں نے کہا تھا میں دل کی بری نہیں ہوں اور عائزہ نے بھی ٹھیک کہا تھا میں واقعی بہت دیر میں سمجھتی ہوں لیکن مجھے اس بات کا فخر ہے کہ عائزہ میری بیٹی ہے۔

میری کہانی پڑھ کر آپ وہی سوچ رہے ہیں نا جو میری سمجھ میں آیا ہے......؟ جی بالکل دل سے سفید پوش اور مجبور لوگوں کی مدد کرکے دیکھئے...... آپ کو بھی ایسا لگے گا جیسے آپ کو کسی نے بچپن میں ڈھیر ساری خوشیوں کی عیدی دے دی ہو۔

انسان بھی کس قدر خوش فہم ہے‘ جب تک خوش فہمی کی دنیا میں مگن رہتا ہے ہر طرف اطمینان اور شادمانی رقصاں رہتی ہے مگر جیسے ہی حقیقت کے در وا ہوتے ہیں تو روم روم جھلسنے لگتا ہے اور ابیہا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ وہی ابیہا جو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی‘ جس کے حسن کے چرچے زبان زدِ عام تھے اور جس کے دل کے سنگھاسن پر راج کرتا تھا ریان بن کامران اس کے تایا کا چھوٹا بیٹا‘ ابیہا کو جانے کیوں یقین تھا کہ جیسے وہ اس کے من پر راج کرتا ہے ویسے ہی وہ بھی اس کے دل کی رانی ہے‘ حالانکہ نہ اظہار ہوا‘ نہ اقرار‘ نہ وعدہ نہ عہد پھر بھی میٹھی میٹھی سی خوش گمانی من کو گدگداتی اور گمان کو یقین کی منزل تک پہنچاتی رہی تھی۔

اسی خوش گمانی کی بدولت اس کے دن و رات مہکتے تھے مگر ابھی کچھ دیر پہلے وہ کیسی کھری کھری سنا کر اس کے خوابوں کا شیش محل پل بھر میں ریزہ ریزہ کر گیا تھا اور وہ پتھر کی بُت بنی سوچ رہی تھی کہ ابھی کچھ دیر پہلے تک وہ کس قدر خوش فہمی میں مبتلا تھی۔ پرسوں جب تیسرے روزے کو نانو کے گھر افطار عشائیہ پر پورا خاندان مدعو تھا تو امی کیسے فخر سے سب کو بتا رہی تھیں کہ ابیہا کا رشتہ تو اس کے تایا کے چھوٹے بیٹے ریان سے طے ہے اور تمام کزنز اسے ریان کے نام سے چھیڑتی رہیں وہ بھی بار بار ریان کے خیالوں میں گم ہو جاتی۔ کتنا ہینڈسم اور چارمنگ ہے‘ بس پڑھا کو ہے اور تھوڑا مغرور بھی۔

”ارے بابا..... روٹی توڑ‘ دستر خوان کیوں توڑ رہی ہو۔“ سارہ نے طنز کیا تو وہ چونکی اور پھر ایک قہقہہ گونجا‘ جانے کب گھر آئے‘ کب سحری ہوئی‘ اسے کچھ ہوش ہی نہ تھا جب دوپہر کو جاگی تو امی نے اسے چھت سے کپڑے اتارنے کو کہا۔

”بشیراں سے کہتیں ناں‘ آپ۔“ امی نے سختی سے تاکید کرتے ہوئے کہا۔

”میں کچھ دیر کے لیے نانو کی طرف جا رہی ہوں‘ تم کپڑے اتار لاؤ ورنہ دھوپ میں ان کے رنگ خراب ہو جائیں گے۔“ منہ بسورتے ہوئے وہ چھت پر چلی گئی۔ موسم اچھا تھا‘ ہوا چل رہی تھی وہ جلدی جلدی کپڑے اتار رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر تائی امی کے گھر میں داخل ہوتی اپنی اکلوتی پھوپی (پھوپو امی) پر گئی‘ وہ جلدی جلدی کپڑے اتارنے لگی۔ کئی کلپ گرے مگر اس نے اٹھانے کی زحمت تک گوارا نہ کی۔ چھت سے لائے کپڑے‘ لاؤنج کے صوفے پر ڈھیر کیے‘ منہ پر پانی کا چھینٹا مارا اور چلی تائی کے پورشن کی طرف‘ درمیان میں اٹھائی گئی دیوار میں ایک دروازہ رکھا گیا تھا آمدورفت کے لیے۔ ابیہا ابھی لاؤنج ہی تک پہنچی تھی کہ پھوپی کی آواز نے اس کے بڑھتے قدم وہیں روک دیئے۔

”بھابی..... کیا ریان کا رشتہ اپنی امریکا والی بہن کی بیٹی رانیہ سے کر رہی ہیں۔ میرے ذہن میں ایسا تھی۔“ یہ سن کر ابیہا کو غصہ آیا کہ یہ پھوپی نے سوال کا جواب سنے بغیر اپنی رائے کیوں دے دی اور ویسے بھی مجھ سے تو مشورہ کر لیتیں۔ میں تو ریان بھائی کو اپنا بھائی سمجھتی ہوں‘ یہ پھوپی جان بھی ناں۔“ اسے دل ہی دل اپنی پھوپی پر پیار بھرا غصہ آیا‘ اگلی آواز تائی کی تھی۔

”بھئی دیکھو..... ابیہا اور ریان کا کوئی جوڑ نہیں.....“ وہ خوش گمانی کی کشتی میں سوار ہو گئی‘ جانتی تھی کہ تائی یہ جملہ اس لیے کہہ رہی ہیں کہ وہ اب کہیں گی‘ بھئی ابیہا کا جوڑ تو میرے ریان کے ساتھ بنتا ہے مگر تائی کی آواز نے ایک بار پھر اس کی سماعتوں کو جھنجھوڑا۔

”شادی گھڑی دو گھڑی کا کھیل نہیں‘ عمر بھر کا بندھن ہے۔ ابیہا بلا کی پھوہڑ اور بدسلیقہ ہے اور میرا ریان اتنا ہی نفاست پسند۔“ پھوہڑ اور بدسلیقہ اسے لگا کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔

”ارے بھابی جان..... آپ گائیڈ کریں گی تو وقت کے ساتھ سلیقہ مند بھی ہو جائے گی۔“ تائی کے اگلے جملے نے تو اسے کھولا کر رکھ دیا۔

''اماں آج تک صبیحہ بیگم (ابیہا کی امی) کو نہ سدھار سکیں، وہ ہی بارہ بجے سو کر اٹھنا اور دو ڈھائی بجے اماں کے گھر روانگی، گھر کا کام الٹا سیدھا بشیراں جیسے بھی کردے کوئی پروا نہیں۔'' تائی زہر اگل رہی تھیں اور پھوپی خاموشی سے سب سن رہی تھیں۔

''دیکھو انعم ...... تم تو جانتی ہو اس گھر میں دیوار بھی صبیحہ کی مرضی سے کھڑی ہوئی ہے وہ تو دروازہ بھی رکھنا نہیں چاہتی تھی، یہ اماں کی ضد پر رکھا گیا تھا۔'' تائی، پھوپی کو پچھلی باتیں یاد دلا رہی تھیں، اب اس کے لیے مزید وہاں رکنا محال ہو گیا تھا وہ تنتناتی ہوئی اپنے پورشن میں چلی آئی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پوری دنیا کو تہس نہس کردے، اتنے میں اسے ریان کی آواز آئی جو چچی جان ...... چچی جان پکارتا اسی کی طرف آ گیا تھا۔

''چچی جان ہیں ...... دادی بلا رہی ہیں؟''

''تمہیں تو پتا ہے کہ وہ اس وقت گھر پر نہیں ہوتیں، روز میکے جاتی ہیں، پھوہڑ اور بدسلیقہ لوگوں سے آپ جیسے نفیس لوگوں کو کیا کام پڑ گیا۔'' وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی، ریان نے بائیں ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا، کرنٹ لگ گیا کیا؟'' ریان کا لہجہ دھیما اور نرم تھا مگر وہ غصے سے بھری ہوئی تھی۔

''جاسکتے ہیں آپ اور ہم جیسے پھوہڑ اور بدسلیقہ لوگوں سے کوئی تعلق نہ ہی رکھیں تو بہتر ہے۔''

''سحری میں مرچیں چبائی تھیں کیا آج؟'' وہ پھر شرارتی لہجے میں بولا تو اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

''بس جائیے آپ، ہم لوگ پھوہڑ اور بدسلیقہ ہیں۔'' وہ پھر گرجی۔

''کس نے کہا کہ تم پھوہڑ اور بدسلیقہ ہو؟'' لہجے میں وہی نرمی اور دھیما پن تھا۔

''آپ کی والدہ نے کہا۔'' وہ پھر غصے سے بے قابو ہوئی، اب کی بار ریان بولے بنا آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے کمرے سے باہر لے آیا۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہ پائی کہ وہ کہاں لے جا رہا ہے، ایک لمحے کو اس کا دل بہت زور سے دھڑکا کہ کہیں ریان اسے اپنے گھر تو نہیں لے جا رہا اور وہاں جا کر اپنی امی سے پوچھے کہ آپ نے ابیہا کو پھوہڑ اور بدسلیقہ کیوں کہا؟ مگر ریان کے قدم اس کے اپنے گھر کے کچن کی طرف بڑھ گئے۔ ابیہا کی خوش گمانی کو ایک اور دھچکا لگا، جب ریان نے اسے سنک دکھاتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھو دھلنے کے باوجود کس قدر گندہ ہو رہا ہے، وہ تو رمضان ہے تو برتنوں کا انبار بھی کچھ دیر پہلے بشیراں دھوگئی ہے ورنہ عام حالات میں تو یہ برتنوں سے بھرا ہی رہتا ہے۔ یہ اوون اف ...... جسے بشیراں چاہے صاف کردے، تمام کیبنٹ بھی گرد آلود ہیں۔'' اب وہ ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑا تھا، جہاں کئی فالتو چیزیں رکھی تھیں۔

''یہ چیزیں اس وقت تک یہاں موجود رہیں گی جب ان کی ضرورت نہیں ہوگی۔'' اب وہ لاؤنج کے صوفے کے پاس کھڑا ہو گیا، جہاں اس نے ابھی ابھی کچھ دیر پہلے چھت سے کپڑے لا کر پٹخے تھے۔

''اور ان کپڑوں کی جس کو ضرورت ہوگی وہ وقتاً فوقتاً یہاں سے اٹھاتا رہے گا مگر تمہارے پاس اتنا وقت کہاں کہ انہیں تہہ کر کے ان کی جگہ پر پہنچا دو اور باتھ روم تو ہے گندی جگہ اسے صاف کر کے کیا کرنا؟'' اب وہ اسے بیڈ

روم میں رکھی الماری کے پاس لے گیا' جہاں زیادہ تر کپڑے گولوں کی صورت میں موجود تھے۔

''چلو ایسے رکھ کر بھی تو کام چل ہی رہا ہے۔'' پھر اس کے بیڈ پر پھیلی کتابوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نصابی کتابوں سے تو تمہیں دلچسپی ہے نہیں' بس سلپیاں دے دے کر پاس ہوجاتی ہو اگر کبھی ان پر توجہ دی ہوتی تو پرسوں بشیراں کو اتنا بے عزت نہ کرتیں آپ۔'' اب وہ تم سے آپ پر آ گیا تھا۔ ''یوں تو آپ کو گھریلو امور سے کوئی دلچسپی نہیں مگر بشیراں کے دیر سے آنے کی آپ نے بالکل کسی ماہر خاتون خانہ کی طرح خبر لی اور آپ تو ماشاء اللہ یہ بھی جان گئیں کہ روزہ رکھ کر کام پر آنے والی آپ سے جھوٹ بول رہی ہے کہ شوہر کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور بیمار بچے کو چھوڑ کر آنا مسئلہ تھا لہٰذا وہ بچے کو دوا کھلا کے سلا کر آئی ہے۔'' ابیہا کی آنکھوں میں دو دن پہلے کا منظر لہرایا۔

''دیکھو' ہیروئن بننے کا شوق ہے تو ہیروئن جیسے اوصاف بھی پیدا کرو اور کون کہتا ہے کہ تم پھوہڑ اور بدسلیقہ ہو۔'' ابیہا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''نہ......نہ......تم بدسلیقہ اور پھوہڑ نہیں بلکہ تم تو بہت ہی زیادہ بدسلیقہ اور پھوہڑ ہو۔'' ابیہا حیرت و استعجاب سے منہ کھولے اسے تک رہی تھی۔

''بلکہ بے پروا' نکمی' کاہل اور بداخلاق بھی۔'' بے حد دھیمے لہجے میں ریان نے یہ سب کہا اور اس کا تھاما ہوا ہاتھ نرمی سے چھوڑ کر چلتا بنا۔ محبت کا شیش محل ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گیا۔ وہ تو جیسے پتھرائے ہوئے بت کی مانند کھڑی تھی۔ ابو نے اسے ہلایا تو وہ چونکی' شاید کئی بار آواز دینے کے بعد انہوں نے اسے ہلایا تھا پھر ابو کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کیا ہوا میرے بچے' بولو تو سہی' کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے' کسی نے کچھ کہا ہے؟'' وہ سوال پر سوال کررہے تھے مگر وہ مسلسل روئے جارہی تھی۔

''تمہاری امی کہاں ہیں؟'' اس بار ابو کا لہجہ جھنجھلایا ہوا تھا مگر وہ تو ہر بات سے بے پروا روئے جارہی تھی' جب دل کا غبار کچھ ہلکا ہوا تو اس نے سسکتے ہوئے ساری باتیں الف سے ے تک ابو کے گوش گزار کردیں۔ ابو نے بہت تحمل سے سب کچھ سنا اور پھر اپنے مخصوص نرم و دھیمے لہجے میں بولے۔

''تم میری بہت پیاری اور لاڈلی بیٹی ہو مگر میں ریان کو بھی اپنا بیٹا ہی سمجھتا ہوں۔ وہ غلط ہے یا صحیح اس کا فیصلہ تم غور و فکر کے بعد کرنا' جو کچھ ہوا کسی نے تمہیں جو کچھ بھی کہا تم نے اسے معاف کیا اور اب تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی حتیٰ کہ اپنی امی سے بھی نہیں۔'' ابو نے پیار سے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر گویا ہوئے۔

''یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے' نیکیوں کا موسم بہار یہ عبادات کا مہینہ ہے' دلوں میں رنجشیں رکھنے کا نہیں۔ دلوں سے کدورتیں دور کرنے کا مہینہ ہے لہٰذا کسی نے کچھ بھی کہا ہے اسے معاف کردو۔''

''ابو میں تائی کا کتنا خیال رکھتی ہوں' بھاگ بھاگ کر ان کے کام کرتی ہوں پھر بھی میں......'' وہ پھر سے سسکنے لگی۔

''اچھا......اچھا......'' ابو نے اسے گلے سے لگایا اور کہا۔ ''بس اب تم ان تمام باتوں کو بھول جاؤ اور اپنے رب سے لو لگالو اس ماہ مبارک کو گلے شکوؤں اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ضائع نہیں کرتے۔ یہ رب کی محبت اور توجہ حاصل کرنے کا وقت ہے اور جب رب کی توجہ حاصل ہوجائے تو پھر ہمیں کسی کی کوئی بات بُری نہیں لگتی۔ ہم غور و فکر کرتے ہیں غلطیاں کہاں اور کس کی ہیں؟ اب جاؤ اور اپنی ماں کے آنے تک فریش ہوجاؤ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔'' یہ کہہ کر ابو اٹھ گئے اور وہ دیر تک ان کے کہے جملوں پر غور کرتی رہی۔

اس نے واقعی کسی سے کچھ نہ کہا بس اسے ایک چپ سی لگ گئی تھی اور سب ہی اس کی خاموشی پر حیران بھی تھے بلکہ ایک روز تو دادی نے پوچھ ہی لیا۔

''یہ میری لاڈو نے چپ کا روزہ رکھا ہے کیا؟'' تب وہ ہولے سے مسکرائی۔

ریان حافظ قرآن تھا اور عبادتوں میں پکا بھی سو وہ بھی عبادتوں میں مصروف ہوگئی' اسے بشیراں ہی کے ذریعے معلوم ہوا کہ ریان نے اس کے بچے اور میاں کا علاج کروایا ہے اور وہ خاموشی سے باقی ملازمین کی مالی

مدد بھی کرتا ہے اس کی نظروں میں ریان کا مرتبہ کچھ اور بھی بڑھ گیا پھر اس نے قرآن پاک ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھنا شروع کردیا۔

گھر کے کاموں میں بھی پوری دلچسپی سے حصہ لینے لگی تھی' دھیرے دھیرے اس کے سلیقے کی جھلک گھر بھر میں نظر آنے لگی' بیسویں روزے کو تائی امی کی بہن نفیسہ اپنے شوہر' بیٹی دانیہ اور بیٹے عمیر کے ساتھ آگئیں۔ لاہور سے ان کے بھائی بھابی بھی اپنی دونوں بیٹیوں گل ناز اور ارج ناز کے ساتھ آئے تھے کیونکہ عین عید کے دن زیان اور دانیہ کا نکاح جو ٹھہرا تھا۔

پورے گھر میں خوب رونق لگی ہوئی تھی' گھر میں طاق راتوں میں عبادات بھی ہورہی تھیں اور دن میں شاپنگ بھی مگر وہ تو بس عبادات میں مشغول تھی' اپنے رب سے اپنی غلطیوں' کوتاہیوں کی معافیاں مانگتی رہی تھی' دس دن کیسے گزرے پتا ہی نہ چلا۔

کل عید تھی' مہندی لگانے والیاں گھر پر بلائی گئی تھیں' پھومی ایک لڑکی کو اس کے بیڈ روم میں لے آئیں اور اسے بھی ہاتھوں' پیروں پر مہندی لگوانے کو کہا' وہ منع ہی کرتی رہ گئی مگر پھومی نے مہندی لگانے والی کو حکم دیا اور وہ شروع ہوگئی۔ نماز فجر کے وقت اس نے مہندی دھوی اور وضو کرکے نماز ادا کی اور پھر ذرا دیر کو لیٹی تو آنکھ لگ گئی' امی کے جھنجوڑنے پر وہ اٹھی تھی۔ پورے ماہ رمضان کے بعد آج کیسی بے خبری کی نیند آئی تھی۔

''اٹھو' جلدی فریش ہوجاؤ۔'' امی نے کہا اور جب امی نے اسے سوٹ تھمایا تو وہ اتنا کام دار جوڑا دیکھ کر حیران ہی رہ گئی لیکن کسی خوش فہمی کا شکار ہوئے بغیر یہی سوچا کہ شاید امی نے ریان کے نکاح کے لحاظ سے سلوایا ہے۔ اتنے میں پھومی بھی کسی بیوٹیشن کو لیے چلی آئیں۔

''جلدی فریش ہوجاؤ تو یہ تمہیں تیار کردے گی۔''

''نہیں پھومی جان...... مجھے کسی سے تیار نہیں ہونا میں خود تیار ہوجاؤں گی۔'' مگر اس کی ایک نہ چلی اور جب بیوٹیشن نے اسے تیار کیا تو وہ اپنا ہی روپ دیکھ کر شرما گئی۔ وہ تو بالکل دلہن لگ رہی تھی' ایک لمحے کو خیال آیا میں کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگوں اس ظالم نے تو نگاہ بھر کے نہیں دیکھنا۔

مرد عید کی نماز پڑھ کے آچکے تھے جب پھومی اسے لینے آئیں اسے اب تک تیاری کے نام پر کمرے میں ہی رہنا پڑا تھا۔ تایا کے لاؤنج میں گویا بہار اتری ہوئی تھی' رنگ ونور کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ابیہا کے تمام ننھیال والے بھی موجود تھے' ایک صوفے پر زیان اور دانیہ براجمان تھے' ایک لمحے کو تو اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا پھر دل ایسے زور سے دھڑکا کہ اسے صرف اپنے ہی دل کی دھڑکن سنائی دینے لگی۔ عجیب مخمصے میں تھی کہ نکاح خواں نے نکاح شروع کردیا۔ پہلے زیان اور دانیہ کا نکاح ہوا اور پھر ابیہا اور ریان کا۔ وہ ہکا بکا تھی کہ مجھے خبر بھی نہ ہوئی اور میرا نکاح ہورہا ہے اور وہ بھی ریان کے ساتھ۔ اچانک ابو کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''بولو بیٹا قبول ہے۔'' وہ یک دم چونکی اور جلدی سے کہا۔

''قبول ہے۔''

''اب کیا تمہیں شرمانا بھی میں ہی سکھاؤں؟'' یہ ریان کی سرگوشی تھی اور نکاح ہوتے ہی اس نے بہت پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''مسز ریان بن کامران...... عید مبارک۔'' تو اس نے انتہائی بھولپن سے اپنے ہی بازو پر چٹکی کاٹ لی۔ یہ دیکھ کر ریان ہنس دیا' ریان کی سرگوشی پھر ابھری۔

''شکر ہے میں ایک انتہائی بگڑی ہوئی لڑکی کو اتنی آسانی سے سدھارنے میں کامیاب ہوگیا۔'' اس نے فوراً شکایت بھری نظروں سے ریان کی طرف دیکھا لیکن پھر اسے انتہائی محویت وشرارت سے اپنی طرف دیکھتے پاکر شرما کر اپنے ہاتھوں چہرہ چھپا لیا اور یوں چاہت سنگ عید ہوگئی۔

"مما...... جن کے پاپا مر جائیں وہ عید نہیں مناتے کیا؟" وہ نیند کی وادی میں گم ہونے والی تھی جب حور کی آواز پر اس کی آنکھیں پٹ سے کھلیں۔

"آپ سے کس نے کہا یہ سب؟" زینب اپنی پانچ سالہ بیٹی کے اس سوال سے صحیح معنوں میں پریشان ہوگئی تھیں۔ عام طور پر حور جلد سونے کی عادی تھی مگر آج نجانے کیوں نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ زینب کافی دیر سے اسے سلانے کی کوشش کررہی تھی مگر وہ تھی کہ وقفے وقفے سے ہر بار کوئی نیا سوال پوچھ لیتی اب کی بار اس سوال پہ زینب کو بھی حیرت ہوئی۔

"مما...... کرن کہتی ہے وہ لوگ اب کبھی عید نہیں منائیں گے کیونکہ اس کے پاپا ہمیشہ کے لیے اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔" کرن ملازمہ کی بیٹی تھی جو حور سے تقریباً دو سال بڑی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے اس کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا اسی لیے زرینہ (ملازمہ) اسے اپنے ساتھ لے آتی تھی۔

"حور بیٹا...... رات کافی ہوگئی ہے اب آپ سو جائیں۔"
ایک پل کو تو زینب کو بے تحاشا غصہ آیا بھلا یہ کوئی بچی سے کرنے والی بات تھی۔ بس میں کل سے زرینہ کو کہہ دوں گی کرن کو ساتھ نہ لایا کرے...... نجانے کیا کچھ معصوم بچی سے کہہ جاتی ہے۔

وہ حور کو آہستہ آہستہ تھپکنے لگی کچھ دیر بعد جب حور سوگئی تو وہ خود بھی اس کے برابر لیٹ گئی مگر سونے سے پہلے وہ اپنی جان سے پیاری بیٹی کے ماتھے پہ پیار کرنا نہ بھولی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ خود بھی پُرسکون اور میٹھی نیند سوگئی تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اپنی رحمتیں نچھاور کرکے گزرتا جارہا تھا۔ آج اتوار کا دن تھا تب ہی کام زیادہ تھے کل اس نے زرینہ کو جلدی آنے کا کہہ دیا تھا۔

"زرینہ...... گھر کی تفصیلی صفائی بھی کرنی ہے۔ تمہارے صاحب عید سے ایک دو روز پہلے آجائیں گے۔ سب کچھ بہترین ہونا چاہیے میں نہیں چاہتی کہ کہیں کوئی کمی رہ جائے۔ آج تو حور گھر پہ ہے تب ہی شاپنگ کرنے نہیں جاسکتی پھر کسی دن پروگرام بناتی ہوں۔"

"جی اچھا۔" اثبات میں سر ہلا کر زرینہ کچن میں جانے لگی تو زینب نے اسے چائے لانے کو کہا۔
زرینہ چائے دے کر گئی تو وہ جو میگزین دیکھ رہی تھی سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد ٹی وی آن کرلیا جہاں اس کا پسندیدہ میوزک چینل لگا تھا والیوم بڑھا کر اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور چائے کے سپ لینے لگی۔

"ارسلان کے سمجھانے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، چاہے کچھ بھی ہوجائے تو میں ہرگز نہیں چھوڑ سکتی۔" ارسلان کو یاد کرکے خوب صورت سی مسکان اس کے لبوں پر سج گئی۔

"مما...... آپ نے آج روزہ نہیں رکھا کیا؟" حور حیرت سے کبھی خالی کپ تو کبھی ماں کی طرف دیکھتی۔
زینب کو بیٹی سے شرمندگی محسوس ہوئی اس سے کوئی بات نہ بن سکی تو اسے ٹالتے ہوئے وہاں سے بھیجنا چاہا۔

"بیٹا...... زرینہ کچن میں ہے آپ جاؤ اس کے پاس، جو کھانا ہو اسے بتادو وہ بنادے گی۔"

"مما...... میں نے صبح دادو کو بتا کر روزہ رکھ لیا تھا دادو نے کہا جب مجھے زیادہ بھوک لگے تب تھوڑا سا کھانا کھالوں۔"
حور کو اپنی دادو سے بے حد محبت تھی صبح صبح جب تک وہ اپنی دادو سے پیار نہ لے لیتی تب تک اسے چین نہ آتا تھا، حسب معمول وہ آج بھی صبح جب ان کے پاس گئی تو وہ قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھیں۔ حور نے ہاتھ میں تھاما سیب ان کی طرف بڑھایا۔

"بیٹا میرا روزہ ہے آپ کھاؤ۔" کہتے ہوئے انہوں نے

سیب لینے سے انکار کردیا۔

"دادو روزہ کیوں رکھا جاتا ہے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا تو دادو نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بیٹا...... اللہ تعالیٰ نے ہم پر روزے فرض کیے ہیں تب ہی ہم رکھتے ہیں۔ روزہ رکھنے سے ثواب ملتا ہے۔"

"دادو...... میں نے بھی روزہ رکھنا ہے اگر میں یہ ایپل ختم کرلوں اور پھر کچھ نہ کھاؤں تو کیا میرا روزہ ہوجائے گا؟" وہ امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی تو دادو مسکرادیں۔

"مگر مجھے تو بھوک بھی لگتی ہے اگر زیادہ بھوک لگے تو تھوڑا سا کھانا کھالوں؟" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو حور کھلکھلانے لگی۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت مکمل کرچکی تھیں اب انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ان کو دیکھتے ہوئے حور بھی دعا مانگنے لگی۔ چھوٹے بچے جیسا اپنے بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں وہی کچھ کاپی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دادو کو اس لمحے حور پر بے تحاشا پیار آیا تھا۔

زینب کا شمار ان لڑکیوں میں ہوتا تھا جنہیں خود کو سجانے سنوارنے کا زیادہ شوق ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے وہ زیادہ فیشن نہ کرسکتی تھی مگر شادی کے بعد تو اسے کھل کر اپنے تمام شوق پورے کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ارسلان نے کبھی اس پر کوئی روک ٹوک نہ کی تھی۔ ارسلان پچھلے کچھ سالوں سے کام کے سلسلے میں دیار غیر میں مقیم تھے۔ عید پر ان کی پاکستان واپسی ہوئی تھی۔

اب کی بار انہیں جلد چھٹی مل گئی تھی تب ہی وہ عید سے کچھ دن پہلے آنے والے تھے۔ زینب آج کل جوش و خروش سے اسے خوش آمدید کہنے کی تیاریوں میں مصروف تھی' گھر کو نئے سرے سے سجایا سنوارا جارہا تھا، عید پر اس بار گرینڈ پارٹی کا اہتمام کرنے کے بارے میں بھی سنجیدگی سے سوچا جارہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"طیبہ...... اس بار عید پر میں نے چھ ڈریس بنوائے ہیں، سب اس قدر خوب صورت ہیں کہ جب تم دیکھوگی تو بس دیکھتی رہ جاؤ گی۔" وہ فون پر اپنی دوست کے ساتھ کافی دیر سے باتوں میں مگن تھی۔ کچن میں کام کرتی زرینہ کو اس کی آواز آسانی سے سنائی دے رہی تھی۔ اب کی بار زینب کی پُرجوش کھنکتی آواز سے اس کے چہرے پہ تاریک سا سایہ لہرایا۔ دل میں حسرت سی جاگی مگر یہ کیفیت محض چند لمحوں کے لیے تھی اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور سر جھٹک کر مکمل توجہ سے اپنا باقی ماندہ کام سمیٹنے لگی۔

"زرینہ...... مجھے بھوک لگی ہے۔" زرینہ کام مکمل کرنے کے بعد کچن سے نکلنے ہی لگی تھی کہ حور اندر داخل ہوئی۔ اس نے چہرے پہ آیا پسینہ دوپٹے کے پلو سے صاف کیا اور حور کی پسند پر فریج سے سیب نکال کر دھو کر اس کو تھمایا اور بڑی بیگم صاحبہ کے پاس لاؤنج میں آگئی۔

"زرینہ...... تم آج کرن کو ساتھ لے کر کیوں نہیں آئی؟" حور اس کے پیچھے ہی چلی آئی کڑے تیور لیے اس سے استفسار کیا، زرینہ تو پھیکی سی ہنسی ہنس دی مگر زبیدہ بیگم کے چہرے پر سخت ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ پھر جب وہ بولیں تو لہجے میں واضح سختی تھی۔

"حوریہ کس طرح بات کررہی ہو آپ' بڑوں سے ایسے بات کی جاتی ہے؟ کتنی بار آپ کو سمجھایا ہے میں نے اور کچھ نہ سہی زرینہ کو باجی ہی کہہ لیا کرو۔"

"چھوڑو جی بچی ہے یہ اور پھر ہم تو جی ملازم ہیں ہم سے بھلا ایسا کون سا رشتہ ہے جو عزت احترام سے پیش آیا جائے۔" پھیکی ہنسی ہنستی وہ گویا ہوئی، اس کی آنکھوں کی نمی زبیدہ بیگم سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔

"سوری دادو' سوری زرینہ باجی۔" معصومیت سے کہتی حور وہاں سے بھاگ گئی جبکہ زرینہ اب خاموش بیٹھی تھی اب وہ بڑی بیگم صاحبہ کو کیا بتاتی ابھی کچھ دن پہلے ہی تو وہ اپنے کانوں سے حور اور چھوٹی بی بی کے درمیان ہونے والی تکرار سن کر آئی تھی۔ بقول زینب بی بی کے کہ "ملازموں کے ساتھ زیادہ فری نہیں ہونا چاہیے، پیار سے بات کرلو تو سر پر سوار ہوجاتے ہیں پھر آہستہ آہستہ خود کو مالک سمجھنے لگتے ہیں، ملازموں کو ان کی اوقات یاد دلانی چاہیے۔ تم ان کا ادب کروگی تو سر پر سوار ہونے کی کوشش کریں گے۔ نام سے پکاروگی تو اپنی اوقات کبھی نہیں بھولیں گے۔" حور بچی تھی جیسا سبق بچوں کو پڑھایا جاتا ہے وہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔

تب اس کے بھی جی میں آیا تھا زینب بی بی کو بتائے کہ ملازم بھی آپ لوگوں کی طرح کے انسان ہوتے ہیں۔ وہ اپنی خوشی سے ملازم نہیں بنتے ان کی بھی سو طرح کی مجبوریاں ہوتی ہیں جو انہیں اس طرح کام کرنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ وہ اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی اسے پتہ بھی نہ چلا اور آنسو کا ایک ننھا سا قطرہ اس کے صبر کو آزماتا ہوا اس کی گود میں جاگرا چونکی تو وہ تب جب زبیدہ بیگم نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"زرینہ..... ملازم بھی انسان ہوتے ہیں اور پتر میں تو اپنے گھر کے تمام ملازموں کو گھر کا فرد ہی مانتی ہوں۔"

"بیگم جی...... یہ آپ کا اخلاق اور انسانیت سے محبت ہے جی جو آپ ہم لوگوں کا اتنا خیال کرتی ہو ہم تو بدلے میں دعائیں ہی دے سکتے ہیں، اللہ بھلا کرے آپ کا اور گھر میں مزید برکت ڈالے۔" بھرائی ہوئی آواز میں اب وہ سچے دل سے دعائیں دیے جارہی تھی وہ انہیں یہ بھی نہ بتاسکی کہ کس طرح کل زینب بی بی نے اس کی بے عزتی کی تھی اور کرن کو بھی ساتھ لانے سے منع کیا تھا۔

زبیدہ بیگم کے چہرے پر شفیق مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ بڑی صابر و شاکر عورت تھیں۔ ناشکری کا تو جیسے انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا تب ہی تو اللہ پاک زیادہ سے زیادہ انہیں نواز رہا تھا۔ اپنی اکلوتی بہو زینب کو بھی وہ وقتاً فوقتاً سمجھاتی تھیں مگر زینب پر ان کی باتوں کا اثر کم ہی ہوتا تھا اب بھی انہوں نے سچے دل سے زینب کے بدلنے کی دعا مانگی تھی اور ویسے بھی دل سے نکلی ہوئی تو ہر دعا قبولیت کا درجہ پاجاتی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

"مما...... آپ روزہ کیوں نہیں رکھتیں؟" حور آج پھر ماں کے سر ہوئی۔ حور سوال بہت کرتی تھی اور اس کی اس عادت سے زینب بھی سخت کوفت میں مبتلا تھی۔

"بیٹے' میرا بلڈ پریشر لو ہوجاتا ہے اسی لیے میں روزے نہیں رکھتی۔" محض مسکرا کر اس نے اپنی طرف سے ٹالا تھا بھلا اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔

"مما...... آپ نے تو ایک بھی روزہ نہیں رکھا پھر آپ تو عید بھی نہیں مناسکتیں۔ میری فرینڈ رمشہ ہے نا اس کی مما نے سارے روزے رکھے، رمشہ کہتی ہے جو روزے رکھتا ہے عید بھی اسی کی ہوتی ہے۔ مما اب کیا ہوگا آپ نے تو ڈریس بھی بنوالیے ہیں۔" وہ فکرمندی سی بولے جارہی تھی۔

اتنی سی بچی ایسی باتیں کررہی تھی شرمندگی سے زینب کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس کے پاس جیسے حور کے سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

"بیٹا...... کل سے میں بھی روزہ رکھوں گی ان شاء اللہ آپ دعا کرنا اللہ تعالیٰ میرے روزے بھی قبول فرمائے۔" اس بار وہ سچی نیت سے بولی اور گہری سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دل میں ذرا سا احساس پیدا ہوجائے تو انسان کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔"

پھر اگلی صبح سحری کے وقت وہ کچن میں موجود تھی۔ زرینہ ضرورت کی تمام چیزیں ترتیب سے رکھ جاتی تھی مگر زبیدہ بیگم اپنے لیے سحری خود تیار کرتی تھی۔ ابھی وہ دودھ کا گلاس ختم کر کے رکھ ہی رہی تھیں کہ زینب کچن میں آئی۔

''اماں..... سحری کا وقت ختم تو نہیں ہوا؟''

''نہیں بیٹا..... ابھی تو ایک گھنٹہ رہتا ہے۔'' وہ دل میں بہو کی اس تبدیلی پہ حیران ہوئیں مگر اپنی حیرت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

''میں اپنے لیے اور آپ کے لیے ابھی سحری تیار کرتی ہوں۔''

''بیٹا..... میں نے تو سحری کر لی ہے تم اپنے لیے تیار کرلو۔''

''کل سے آپ کے لیے سحری میں خود تیار کیا کروں گی۔ اماں جی اگر دیر ہوجائے تو آپ پلیز مجھے جگادیا کریں۔'' وہ شرمندگی سے گویا ہوئی تو زبیدہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

سارا دن سکون سے گزرا تھا زینب خود حیرت میں تھی کہ آخر اسے آج بھوک کیوں نہیں لگی کافی عرصے بعد اس نے پانچ وقت کی نماز ادا کی' قرآن پاک کی تلاوت کی' دل میں بے پناہ سکون پیدا ہوا اس نے دل میں عہد کیا کہ اب وہ جان بوجھ کر کبھی بھی کوئی روزہ نہیں چھوڑے گی اور نہ ہی کسی عبادت کو ادا کرنے میں کسل مندی دکھائے گی۔

اور پھر افطاری کے وقت ارسلان انہیں سرپرائز دینے کی غرض سے حاضر تھا سب بے پناہ خوش تھے اور زینب بار بار آنکھوں کی نمی صاف کیے جارہی تھی جب انسان ایک قدم اس پاک ذات کی طرف بڑھاتا ہے تو مالک اسے بے تحاشا نوازتا ہے اور یہ نوازشوں کا سلسلہ طویل تر ہوتا جاتا ہے تب تک جب تک بندہ اپنے مالک کی رضا میں راضی رہتا ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

''حور یہ کیا کررہی ہو تم؟'' زینب اندر آئی تو حور نے عید کے لیے کی جانے والی اپنی تمام شاپنگ بیڈ پر پھیلا رکھی تھی، زینب کبھی بیٹی کی طرف دیکھتی تو کبھی بیڈ پر بکھری چیزوں کی طرف۔

''مما...... میں نے اپنی فرینڈ کو عیدی دینی ہے اس کے لیے ان میں سے چیزیں الگ کر رہی ہوں۔''

''مگر بیٹا...... یہ تو آپ کی اپنی چیزیں ہیں آپ نے اپنی فرینڈ کو عیدی دینی ہے تو ہم کل اس کے لیے اور چیزیں لے آئیں گے۔'' اس کی بات سن کر زینب کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی اس نے آگے بڑھ کر بے ساختہ حور کو پیار کیا۔

''مگر مجھے انہی چیزوں میں سے دینی ہیں عیدی...... مما دیکھیں اب تو میں نے الگ بھی کرلی ہیں۔ یہ دیکھیں یہ پیاری ہیں ناں؟'' اب وہ جواب طلب نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہی تھی جو خاموش نظروں سے الگ کی گئی چیزوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

''آئی نو مما' کرن بہت خوش ہوگی اسے فراک بہت اچھے لگتے ہیں جب وہ یہ ریڈ کلر کا فراک پہنے گی تو باربی ڈول لگے گی۔'' وہ اب بھی بولے جارہی تھی مگر کرن کا نام سن کر زینب سناٹے میں آگئی۔

یعنی حور اپنی پسندیدہ ترین مہنگی چیزیں گفٹ کرنے والی تھی وہ بھی ایک ملازمہ کی بیٹی کو۔ زینب ہکابکا سی اسے دیکھے جارہی تھی اسے یاد آیا جب حور نے اپنی ان چیزوں خاص طور پر ریڈ کلر کی فراک کے لیے بے حد ضد کی تھی مگر اب وہی چیزیں وہ کسی اور کو دے رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ حور کو منع کرتی یا کچھ اور کہتی حور نے اس کے سامنے آکر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

''مما جانی...... کرن کے پاپا نہیں ہیں مگر ہم تو اس کے پاس ہیں ناں' میں عید والے دن نیا ڈریس پہنوں گی اور وہ روتے ہوئے کیوں عید گزارے؟ میں نے دادو سے کہا تھا میں نے کرن کو عیدی دینی ہے کیا دوں؟ تو پتہ ہے دادو نے کیا کہا؟'' اس نے معصومیت سے ماں کا چہرہ تکا اور جواب طلب نگاہوں سے دیکھا مگر اسے خاموش پا کر اپنی بات جاری رکھی۔

''دادو کہتی ہیں اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ بہت پسند ہیں جو دوسروں کے لیے بھی پیاری چیزیں لیں انہوں نے مجھے کہا جو چیزیں مجھے زیادہ پسند ہیں وہ میں کرن کو گفٹ کروں اور مجھے تو سب سے زیادہ پسند اپنا یہ ریڈ فراک اور یہ چیزیں ہیں۔ مما' آپ خفا تو نہیں ہوں گی ناں؟'' حور نے اس کے ہاتھوں پر بوسہ دیا تو بے ساختہ زینب کا سر نفی میں ہلا۔

حور اب اس کے ہاتھ چھوڑ کر خوشی خوشی کرن کے لیے عیدی شاپنگ بیگ میں ترتیب سے رکھتی جارہی تھی اور زینب کا دل چاہا وہ وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردے۔

☆☆☆......☆☆☆

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ختم ہونے والا تھا آج آخری روزہ تھا وہ فجر کی نماز کے بعد اب قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھی' تلاوت کرنے کے بعد اس نے قرآن پاک رکھا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھالیے۔ آنسو تیزی سے آنکھوں سے بہنے لگے اپنی تمام کوتاہیاں اسے یاد آنے لگیں۔

''کتنی بیوقوف تھی میں انسانوں کے دکھاوے کو ہر شے بہترین بناتی رہی مگر اللہ کی رضا کے لیے کچھ نہ کیا' علم ہونے کے باوجود جاہل رہی۔ کیا فائدہ ایسی تعلیم کا جو مجھے شعور سے ہمکنار نہ کرسکی۔ کس کس بات کی معافی مانگوں۔'' آنسو اس کے ہاتھوں پہ گرتے چلے جارہے تھے اور وہ پاک پروردگار سے مخاطب تھی۔

''مالک دوجہاں' میں گناہ گار ہوں سیاہ کار ہوں مگر پھر بھی تیری رحمت کی طلب گار ہوں۔ مالک' مجھے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما' میرے وہ تمام گناہ معاف فرما' جو میں نے جانے انجانے میں کیے۔ مجھے ایسا بنادے کہ آپ کو پسند آجاؤں۔'' رونے کی وجہ سے ہچکیاں بندھ گئیں وہ پھر بھی گڑگڑا کر دعائیں مانگے جارہی تھی۔

جب وہ جائے نماز سے اٹھی تو اس کے دل میں بے پناہ سکون تھا۔ اکثر اوقات بڑوں سے زیادہ بچے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہیں حور کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہی اس کے دل میں احساس پیدا ہوا تھا جو اس میں اتنی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں تھیں زینب نے ایک بار پھر اللہ کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆......☆☆☆

''زرینہ...... ایک منٹ رکو۔'' زرینہ ابھی کام مکمل کر لینے کے بعد جانے والی تھی جب زینب نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ آج کرن بھی ماں کے ساتھ آئی تھی جس وقت زینب نے بیگ زرینہ کو تھمایا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔

''بی بی جی! میں یہ نہیں لے سکتی کیونکہ حور بی بی نے کرن کو چیزیں دے دی ہیں۔''

''ارے رکھ لو نہ یہ میری طرف سے تمہاری عیدی ہے انکار نہیں کرتے شاباش۔'' زینب کے لہجے میں موجود نرمی نے بہت کچھ واضح کر دیا تھا۔ اس میں رونما ہونے والی تبدیلیاں تو وہ بھی پہلے ہی محسوس کر چکی تھی۔ اب بھی زرینہ کے منہ اور دل سے بے ساختہ سچی دعائیں نکلی تھیں جن پر زینب کی آنکھوں میں نمی نمودار ہوئی۔

زرینہ کے چہرے پہ سچی خوشی سجی تھی اور کرن کا کھلکھلاتا روشن چہرہ زینب کو دلی سکون پہنچا گیا تھا۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے بی بی جی، سدا سکھی رہو شاد و آباد رہو۔'' بہتے آنسو صاف کرتے زرینہ نے ایک بار پھر اسے دعاؤں سے نوازا۔

''جن کا کوئی نہ ہو ان کا اللہ ہوتا ہے زرینہ وہ پاک ذات اپنی مخلوق سے بے تحاشا پیار کرتی ہے۔ کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑتی۔ جو وقت گزر چکا اسے واپس نہیں لایا جا سکتا مگر جو ہمارے پاس ہے ان لمحوں کو مٹھی میں قید کرنے کی کوشش تو کی ہی جا سکتی ہے۔'' اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر زینب بولی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور دعائیں دیتی رخصت ہو گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

''زینب...... جلدی فری ہو جاؤ پارلر نہیں جانا کیا وہاں بھی تو بہت رش ہوگا اور ویسے بھی چاند رات میں تو خریداری کا بھی خوب مزہ آتا ہے تم پارلر سے فری ہو کر مجھے کال کر دینا پھر مزید شاپنگ کریں گے۔'' ارسلان نے پرفیوم خود پر اسپرے کرتے ہوئے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔

''کیا ہے تم ایسے کیوں بیٹھی ہو؟'' ارسلان کو زینب کا خاموشی سے بیٹھنا تشویش میں مبتلا کر گیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا پہلے تو ہمیشہ زینب خوب ضد کر کے اسے چاند رات کو اپنے ساتھ باہر لے جاتی تھی لیٹ نائٹ ان کی واپسی ہوتی تھی۔

''زینب......! آر یو اوکے؟'' وہ فکر مند سا اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا تو اتنی دیر سے چپ چاپ اس کی بات سنتی زینب کھلکھلا کر ہنس دی۔

''پہلے میں جب جانے کی ضد کرتی تھی تو آپ خفا ہوتے تھے اب جب میں آپ کو تنگ نہیں کر رہی تو آپ کو پھر بھی چین نہیں جناب۔'' زینب نے چمکتی آنکھوں سے اپنے خوبرو شوہر کی طرف دیکھا تو ارسلان بھی کھل کر ہنس دیا۔

''اوہ تو اب تم فرماں بردار بیوی کا رول پلے کرنے والی ہو؟''

''اماں جان نے میرے خالی ہاتھ دیکھ لیے تو بہت خفا ہوں گی سو جناب باقی باتیں بعد میں، ابھی میں مہندی لگا لوں۔'' ارسلان کی بات کا جواب دیئے بغیر اس نے کون اٹھا لی تو ارسلان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''اللہ پاک آپ کی ذات بہت مہربان ہے جو مجھے اتنے چاہنے والوں کا ساتھ میسر کیا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ اللہ پاک میرے پیاروں کو ہمیشہ شاد و آباد رکھنا۔'' صدق دل سے آمین کہہ کر اس نے بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ لیٹی حور کو محبت سے چور نگاہوں سے دیکھا اس کے ماتھے پر بوسہ دینے کے بعد وہ مہندی لگانے لگی جو خاص ارسلان اس کے لیے لے کر آیا تھا۔

اپنے ہاتھ پر نفاست سے ڈیزائن بناتی وہ کل کے دن کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

یقیناً یہ عید اس کے لیے چاہتوں کی نوید ثابت ہونے والی تھی۔ آسودہ سی مسکراہٹ نے زینب کے لبوں کا احاطہ کر لیا تھا۔

❀

شاہ مینشن کی عید ملن پارٹی میں خوب رونق لگی ہوئی تھی آج سات سال بعد شاہ زیب عید پاکستان میں منا رہے تھے اور یہ عید تو ویسے بھی کچھ زیادہ ہی خاص تھی ان پر اللہ کا کرم ہوا تھا مسز شمس شاہ اس خوب صورت موقع پر اپنے رب کا شکر ادا کرتی پوری دنیا کو اس راز سے آگاہ کرنا چاہتی تھیں جس کو چند مہینوں سے اپنے دل میں ایک بوجھ کی طرح چھپائے اور دنیا کے خوف سے جھوٹ بول کر انجانی رسوائی سے اپنے خاندان کو بچانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ بے عزتی کے سیاہ بادل جوان کے دل سے تین ماہ میں نہ ہٹ سکے تھے چند لمحوں میں ایسے برسے کہ ہر خوف ہر کسک کو بھول کر سچ کو ماننے میں فخر محسوس کرنے لگیں ان گزرے چند لمحوں میں ایسا کچھ ہوا کہ ان کا خوف دور تو ہوا ہی رسوائی کی جگہ فخر نے لے لی تھی اور اب وہ اپنی بہو کا تعارف بہت فخر سے کروا رہی تھیں کہ یہ وہ لڑکی ہے جسے اللہ نے ہمارے لیے منتخب کیا اور اگلے چند دن میں ولیمے کی دعوت دی جا رہی تھی۔

تین ماہ پہلے مسز شمس شاہ گھریلو ملازمین پر برس رہی تھیں کیونکہ گھر کی ٹھیک طرح صفائی اور گارڈن کی صحیح دیکھ بھال نہیں ہو رہی تھی اور یہ سب دیکھ کر انہیں الجھن ہونے لگی تھی مسز شمس اکثر اپنے این جی او کے کاموں میں مصروف رہتیں تھیں وہ ایک بڑی سوشل ورکر تھیں غریبوں کا خیال رکھا کرتی تھیں درحقیقت وہ ایک اچھی انسان تھیں۔ مسٹر شمس شاہ اکثر ملک سے باہر اپنے بزنس کے سلسلے میں رہتے تھے اور آج مسٹر اور مسز شمس شاہ کا اکلوتا بیٹا شاہ زیب شمس شاہ اپنی تعلیم مکمل کر کے ان کے پاس واپس آ رہا تھا۔ ان دونوں نے اپنے بیٹے کے لیے بہت سے خواب بنے تھے۔ کک نے بہت سی نیشنل اور انٹرنیشنل ڈشز تیار کر لی تھیں مسز شمس ایئر پورٹ جانا چاہتیں تھیں مگر اس جوش میں سیڑھیوں سے اتریں کہ آخری لمحے پر ان کے پیر میں موچ آ گئی اس لیے ڈرائیور شاہ زیب کو لینے ائیر پورٹ جا چکا تھا۔ مسز شمس بیٹے کو دیکھنے کو بے قرار تھیں وہ جلد سے جلد اس سے ملنا چاہتیں تھیں مسٹر شمس بھی ایک ٹور سے واپس آ رہے تھے اور ان کی فلائیٹ شاہ زیب سے دو گھنٹے بعد کی تھی۔ اس لیے ایک اور گاڑی بھی ائیر پورٹ کے لیے روانہ کر دی گئی تھی۔

مگر یہ کیا جب شاہ زیب گھر آئے تو ان کے ساتھ ایک انگریز لڑکی بھی تھی جس نے اپنے سر کو اچھی طرح اسکارف سے ڈھکا ہوا تھا فل سلیوز کے لوز سے ٹوپ پر لونگ اسکرٹ پہنے وہ بہت سادی مگر صوبر سی پُر وقار لڑکی لگ رہی تھی۔ مسز شمس نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کی جانب دیکھا تو شاہ زیب نے کہا۔

”ماما یہ فاطمہ ہے۔“ نام سن کر انہیں واقعی خوشی ہوئی ایک انگریز لڑکی جو دراصل مسلمان تھی فاطمہ نے ان کی جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پورا اسلام سن کر مسز شمس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی بہت محبت سے سلام کا جواب دیا مگر اب بھی وہ یہ نہیں جان پائی تھیں کہ فاطمہ کون ہے؟ انہوں نے ایک بار پھر اپنی نظروں کو بیٹے کے چہرے پر مرکوز کر دیا جیسے بیٹے سے سوال کا جواب پانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

”ماما...... یہ آپ کی بہو ہے۔“ مسز شمس کو اپنے اوپر بجلیاں سی گرتی محسوس ہوتی تھیں وہ سکتے کی حالت میں بس بیٹے کو دیکھتی ہی رہ گئیں کتنے ہی لمحے وہ یوں ہی کھڑی رہیں پھر پلٹ کر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ وہ کوئی ان پڑھ خاتون نہیں تھیں ان کے خیالات بہت مثبت تھے اور انہوں نے یہی سوچا تھا کہ اپنے بیٹے کی شادی بہت دھوم دھام سے اس کی مرضی اور پسند کی لڑکی سے کریں گی جس کا اسٹینڈرڈ ان کے معیار پر پورا اترتا ہو اور اس مقصد کے لیے کئی بزنس ٹائیکونز اور منسٹرز کی بیٹیاں ان کی نظر میں بھی تھیں۔ پہلا صدمہ اس بات کا تھا کہ ان کے بیٹے کو ان پر اتنا بھی بھروسہ نہیں تھا کہ اپنی پسند سے آگاہ کرتا اور اگر شادی کی بھی تو ایک انگریز سے جس کے حسب نسب کو جاننے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ایک انگریز خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے ارمانوں پر تو برف گر گئی تھی۔ انہوں نے خود کو کمرے میں بند کر لیا اور دنیا سے تعلق تقریباً ختم کر لیا تھا۔ مسٹر شمس گھر آئے اور یہ خبر ان تک پہنچی تو انہیں بھی بہت دکھ ہوا۔

”شاہ زیب ہم نے تمہاری تربیت میں ایسی کون سی کمی چھوڑی جو تمہیں اتنا بڑا اقدم اٹھانا پڑا۔“

”بابا...... مجھ سے غلطی تو ہوئی ہے آپ لوگوں کو اعتماد میں

نہیں لیا لیکن میرا یقین کریں کہ میں نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔" شاہ زیب ان سے بغیر اجازت شادی کرنے پر شرمندہ تھا مگر آج بھی اپنے فیصلے سے مطمئن تھا وہ مسٹر شمس کو سمجھا رہا تھا۔ شاہ زیب کی اس بات کو ہٹ دھرمی سمجھتے ہوئے وہ آگے بات نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور جانے لگے۔

"بابا...... آپ ایک بار فاطمہ اور میری بات تو سن لیں۔" شاہ زیب نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر وہ ابھی کچھ سننے کو تیار نہ تھے۔

گھر بھر کی خوشی کو جیسے نظر لگ گئی تھی ایک سکوت سا طاری تھا صرف اور صرف خاموشی وہ دونوں اس گھر میں تو رہ رہے تھے مگر اپنے کمرے تک محدود تھے مسز شمس کس وقت گھر آتیں اور کس وقت گھر سے باہر چلی جاتیں کچھ معلوم ہی نہ ہوتا اور مسٹر شمس ڈیڑھ مہینے کے لیے ٹور پر ملک سے باہر چلے گئے اس وقت مسز شمس نے خود کو دنیا بھر میں اکیلا محسوس کیا۔ مسز شمس کو منانے کے لیے شاہ زیب اور فاطمہ نے کئی طریقے سے ان سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ان کی خاموشی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ کہتے ہیں جب دل پر گہری چوٹ لگتی ہے اور درد کی شدت بہت زیادہ ہو تو زبان تالو سے چپک جاتی ہے انسان اپنی تکلیف الفاظ میں بیان نہیں کر پاتا جب کہ تکلیف دینے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو تو اس کے لیے خاموشی سے بڑی کوئی سزا نہیں ہوتی۔ مسز شمس کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا وہ گھر سے باہر تو ہوتیں تھیں لیکن شاید کہیں بھی نہیں ہوتی تھیں کیونکہ ان کا دماغ کام کرنا بند کر چکا تھا ان کے سارے خواب ساری پلاننگ چکنا چور ہو گئی تھی ان کے ہاتھ خالی تھے اور روح زخمی جس کے زخم بھرنے کے لیے وہ کبھی کسی یتیم خانے چلی جاتیں تو کبھی کسی غریب علاقے میں خیرات کرنے لیکن ان کی بے چین روح کو سکون میسر نہیں تھا۔

ساری زندگی انہوں نے خود کو اسلام سے اتنا قریب محسوس نہیں کیا تھا جتنا دل ٹوٹنے کے بعد محسوس کرنے لگی تھیں۔ اب انہیں احساس ہوتا اور وہ سوچتیں ان سے ایسا کون سا گناہ ہو گیا جس کی سزا میں ان کے بیٹے نے ایک نو مسلم انگریز لڑکی سے شادی کی۔ جس کا کوئی بھروسہ بھی نہیں تھا' کیا پتہ شادی کرنے کے لیے اس نے اسلام قبول کرنے کا ناٹک کیا ہو اور دل بھر جانے پر انگریزوں کے لیے شادی توڑنا کون سا مشکل کام ہے انہیں اپنے بیٹے سے بے انتہا محبت تھی اور اب اس کے لیے وہ رو رو کر اللہ سے دعا کرتیں اور دکھی رہتیں۔

فاطمہ تھوڑی بہت ہی اردو بول پاتی تھی مگر سیکھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اردو کو با آسانی سمجھ لیتی تھی۔ ملازمین کے ساتھ اس کا رویہ بہت نرم اور احسان والا ہوتا تھا بعض اوقات ملازمین اس کی کمزور اردو کی وجہ سے اس کی بات نہیں سمجھ پاتے...... اس صورت حال میں وہ خود کام کر کے انہیں سمجھاتی کہ وہ کیا چاہتی ہے اور کبھی بھی ان کو ڈانٹتی یا جھڑکتی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سارے ملازمین اس کے کام بھاگ بھاگ کر خوشی سے کرتے اور اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے۔

رمضان کا مبارک مہینہ بھی شروع ہو چکا تھا...... فاطمہ شاہ زیب اور مسز شمس کی طرح پورے روزے رکھ رہی تھی۔ ان دو مہینوں میں اس کی اردو بہت بہتر ہو گئی تھی' وہ پوری محنت سے سیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مسز شمس کی سوشل ایکٹوٹیز تقریباً ختم ہو کر رہ گئی تھیں وہ کیسے کسی افطار پارٹی میں جاتیں' کیا کسی کے سوالوں کا جواب دیتیں کہ ان کی اکلوتی اولاد کیا کارنامہ کر کے لوٹا ہے۔ وہ کسی قسم کی تنقید کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھیں اسی لیے

خاموشی سے ایسی تقریبات سے دور ہوتی جارہی تھیں‘ کبھی ٹینشن سے ان کی رات کی نیند اڑ جاتی تو گھر کے لان میں چہل قدمی کرلیا کرتی‘ رات کی تاریکی میں تنہا دنیا سے کٹ کر خود کو محفوظ تصور کرتی۔ چند لمحوں کو ہی سہی پر انہیں سکون ملتا۔ وہ نرم گھاس پر اپنے قدم رکھتیں تو ان کی آنکھیں اپنے آپ بہنے لگتیں‘ جیسے سالوں کی مسافت طے کرتے کرتے تھک کر ننگے پیر چلتے ہوئے کوئی پھانس چبھ جائے اور انسان کراہ کر رہ جائے۔

ایک رات جب نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی تو وہ چہل قدمی کا سوچ کر کمرے سے نکلیں تھیں مگر ڈرائنگ روم کی لائٹ جلتی دیکھ کر انہیں تجسس ہوا اور وہ خاموشی سے دیکھنے چلی آئیں‘ مصلے پر بیٹھی فاطمہ رات کے تین بجے تہجد کی نماز ادا کررہی تھی۔ اس نے سلام پھیرا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی دروازے کی اوٹ سے مسز شمس یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ وہ رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہی تھی۔

”اے اللہ...... اے میرے مالک...... ہم سب کو پیدا کرنے والے‘ اس کل کائنات کو پیدا کرنے والے...... آپ واحد ہیں اور کوئی آپ کا شریک نہیں‘ آپ ہر چیز پر قادر ہیں‘ ہم پر بے انتہا نعمتوں اور رحمتوں کو نچھاور کرنے والے ہماری ساری خطاؤں سارے گناہوں کو معاف کرنے والے...... مجھے یہ سچا راستہ دکھانے والے آپ کا لاکھ لاکھ شکر ہے مجھ پر کرم کیا۔ میرے دل میں اپنے نور کی روشنی بھردی۔ میرے خاندان اور بہن بھائیوں میرے ماں باپ کو بھی یہ سچا راستہ دکھایئے انہیں اس دلدل سے نکال لیجیے۔ میرے مالک...... ان پر رحم فرمایئے وہ نادان ہیں وہ نہیں سمجھ سکتے کہ کس اندھے کنویں کی گہرائی میں گرتے چلے جارہے ہیں انہیں اسلام کا نور عطا فرمایئے۔ ان کے دلوں میں بھی دین اسلام کی شمع روشن کردیجیے۔ میں آپ کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتی مگر دعاؤں کی قبولیت اور التجاؤں کو آپ کبھی نظر انداز نہیں کرتے بیشک آپ اپنے پیارے حبیب ﷺ کی امت سے بے انتہا محبت کرنے والے ہیں‘ مجھے آپ کے غفور ورحیم ہونے پر کامل یقین ہے۔ اس امید سے دعا کرتی ہوں کہ میری دعا رائیگاں نہیں جائے گی‘ آپ سب سے بہتر جاننے والے ہیں جو کچھ ہمارے حق میں بہتر ہو وہ کریں میں آپ کی رضا پر راضی ہوں۔“ اس ساری دعا کے درمیان اس کی ہچکیوں اور رونے کی آواز بہت واضح تھی۔

”اے اللہ...... آپ نے تو مجھ گناہ گار کو اپنالیا۔ بے شک آپ بہت عظیم ہیں اب ان لوگوں کے دلوں میں بھی میری محبت ڈال دیں تاکہ وہ بھی مجھے دل سے قبول کرلیں تاکہ میں جس منجدھار میں پھنسی ہوں مجھے کنارا مل جائے میرے دل کو سکون مل جائے انکل آنٹی مجھے دل سے تسلیم کرلیں۔“ مسز شمس سوچ رہی تھیں کہ انہوں نے کب تہجد کی کوئی نماز ادا کی آج تک یہی سوچتی رہیں کہ کرلیں گے ابھی بہت وقت ہے۔ پانچ وقت کی فرض نمازیں بھی بڑی مشکل سے پڑھ کر بس خود کو ایک مکمل مسلمان تسلیم کیے ہوئے تھیں۔ مسز شمس کو یہ دیکھ کر تو خوشی ہورہی تھی کہ وہ ایک سچی مسلمان ہے لیکن دل میں کہیں کسک ضرور تھی کہ وہ انگریز تھی‘ جانے کیا کیا گناہ کرکے آئی ہو تب ہی تو ایسے رو رو کر دعائیں مانگ رہی ہے‘ کبھی وہ سوچتیں ہاں اسے اسلام کا صحیح راستہ مل گیا ہے اور اس کے گھر والے وہ لوگ جن کی گودوں میں یہ پلی بڑھی ہوگی انہیں اس سچے مذہب سے دور دیکھتی ہوگی تو اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی‘ عذاب قبر اور عذاب دوزخ کو سوچ کر وہ کتنا کڑھتی ہوگی اپنے پیاروں کو تکلیف میں کون دیکھ سکتا ہے‘ یہ لڑکی واقعی بہت پریشان ہے یہ سوچ کر ان کا دل نرم ہونے لگا اور پھر اس خیال کے ساتھ ہی سارے خیالات اندھے کنویں میں ڈوب گئے کہ ہوسکتا ہے اس نے مجھے آتے دیکھ لیا ہو اسی لیے ڈرامہ کررہی ہے۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

مسز شمس سحری کے وقت ڈائنگ ہال میں آئیں تو فاطمہ نے انہیں بہت محبت سے سلام کیا جواب تو انہیں دینا ہی تھا سو سلام کا جواب دے کر خاموشی سے سحری کرنے لگیں‘ فاطمہ سحری شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھتی تو ختم ہونے کے بعد کھانا کھانے کے بعد کی دعا پڑھ کر روزے کی نیت کرتی‘ مسز شمس کے دل اور دماغ میں جنگ جاری تھی کبھی انہیں لگتا وہ دکھاوا کررہی ہے تو کبھی اس کی اچھی عادات اور اخلاق ان کے ذہن میں موجود خدشات کو ختم کرنے لگتے‘ وہ سوچتیں یہ لڑکی اتنی بری بھی نہیں وہ دل سے اسے اپنانا چاہتیں تھیں مگر ایسا کر نہیں پارہی تھیں۔ کچھ معاشرے کا دباؤ بھی تھا کہ جس کے باعث ایک نو مسلم پر بھروسہ کرنے سے ڈر رہی تھیں۔ اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے اور فاطمہ کا سب کے ساتھ اخلاق ومحبت اور اسلام سے لگاؤ دیکھتے ہوئے وہ راضی ہوگئیں مگر ان کی انا اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ وہ اسے تسلیم کریں۔ اپنی نیم رضامندی

فاطمہ اور شاہ زیب کے ساتھ سحر و افطار کرنے کی صورت دے دی تھی مگر بات وہ اب بھی نہیں کر رہی تھیں۔ مسٹر شمس گھر واپس آچکے تھے اب شاہ زیب انہیں سمجھا رہا تھا۔

''بابا...... فاطمہ بہت اچھی لڑکی ہے آپ اس سے بات تو کر کے دیکھ لیں آپ کو یقین ہو جائے گا کہ میں نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔''

''غلط اور صحیح کی بات ہی کب ہو رہی ہے برخوردار ابھی تو بات یہ ہو رہی ہے کہ آپ کو اپنے پیرینٹس پر اتنا بھی بھروسہ نہیں تھا کہ آپ ہمیں بتاتے یا اپنی شادی میں شامل کرتے۔ زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ہے یہ نسلوں کے مستقبل کا سوال ہوتا ہے ہم سے مشورہ تو کجا آپ نے بتانے کی بھی زحمت نہ کی۔'' مسٹر شمس اپنی بات کہہ کر اٹھ گئے۔ شاہ زیب گردن جھکائے شرمندگی سے بولا۔

''بابا...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے اس بات کا خود بھی افسوس ہے لیکن میں مجبور تھا۔''

''اچھا ایسی کیا مجبوری آ گئی تھی؟ کیا یہ بتانا پسند کریں گے آپ؟'' مسٹر شمس نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''میں فاطمہ کو پچھلے پانچ سال سے جانتا ہوں وہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں تھی ہم ایک ہی سیکشن میں تھے مگر فاطمہ ذرا چپ چپ ہی رہتی تھی اس وقت اس کا نام الیکسز ینڈرا تھا ہم سب اسے ایلکس کہتے تھے۔ وہاں زیادہ تر لڑکے لڑکیاں اپنے مالی اخراجات اٹھانے کے لیے جاب کرتے ہیں میرے سارے ہی دوست جاب کرتے تھے یونیورسٹی سے آنے کے بعد میں کافی بور ہوتا تھا کسی کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا تھا اس لیے میں نے بھی جاب کر لی ایک ریسٹورینٹ میں کیشیر کی حالانکہ آپ پیسے بھیجتے تھے لیکن میں خود اپنے اخراجات اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے بھی سوری کے آپ کو یہ بات بھی نہیں بتائی تھی۔'' مسٹر شمس نے اس کی اس بات پر حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''اور کیا کیا چھپایا ہے تم نے ہم سے؟'' انہوں نے خود پر ضبط کرتے سوال کیا۔

''سوری بابا'' وہ شرمندگی سے ایک بار پھر معافی مانگ رہا تھا دونوں کے بیچ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر شاہ زیب نے بتانا شروع کیا۔

''پھر ایک دن ایلکس ہمارے ریسٹورینٹ میں جاب کے لیے آئی اتفاق سے وہاں ایک جاب تھی وہ میں نے اپنے اونر سے بات کر کے اسے دلوا دی۔ اس طرح ہماری دوستی کا آغاز ہوا۔ وہ اکثر اپنے والدین سے نالاں رہتی تھی گھر کا ماحول اس کے لیے تکلیف کا باعث تھا وہ ذہنی سکون چاہتی تھی اس کے والدین ہر وقت لڑتے رہتے تھے اور اس کی وجہ دونوں کے اپنے اپنے دوست تھے وہ ان دوستیوں کی وجہ سے رشتوں کے تقدس کو پامال کرنے پر اپنے والدین سے پریشان تھی اس نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہاں یہ سب باتیں معمولی مانی جاتی ہیں لیکن معلوم نہیں اسے کیوں بری لگتیں تھیں اس کی فطرت میں ہی اچھائی تھی اسے ایک دوسرے کے ساتھ کمیٹڈ ہونے کے بعد ایک دوسرے سے بے وفائی اور غیر اخلاقی حرکات بہت ناپسند تھیں ایسا نہیں کہ وہاں یہ باتیں عام ہیں تو بری نہیں سمجھیں جاتیں ان کے مذہب میں بھی پابندیاں اور قائدے قوائد موجود ہیں اس کی کسی جارج نام کے بندے سے منگنی ہوئی تھی مگر اس نے کچھ غلط قسم کی حرکتیں کرنے کی کوشش کی اس کے فادر کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا اس نے لڑ جھگڑ کر وہ منگنی ختم کر دی۔ بہت عرصے خود کو ذہنی سکون دینے کے لیے ایک چرچ جاتی رہی لیکن ساری معلومات کے باوجود اس معاشرے کے ان قوانین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بھی بہت اپ سیٹ سی رہتی تھی اس کے کئی مسلم دوست بننے شروع ہو گئے تھے جن میں میں بھی تھا میں نے اس سے پوچھا ہم مسلمز کا بہت مذاق اڑاتیں تھیں پھر اچانک ہم سے دوستی کیوں اس نے کہا کہ تمہارے مذہب کی وجہ سے۔ میں حیران ہوا تو اس نے مجھ پر واضح کیا کہ مگر تم میں ایک بات بہت اچھی ہے تمہاری نظر میں عورت کے لیے ریسپیکٹ ہے وہ شاید ہمارے ملک کے لوگوں میں کم ہی پائی جاتی ہے یہاں لوگ عورتوں کو استعمال کر کے پھینک دیتے ہیں تم ان کی حفاظت کرتے ہو کہیں نہ کہیں تم میں تمہارا مذہب تمہاری روایات نظر آتی ہیں وہ جب بھی مجھ سے ہاتھ ملانے کی کوشش کرتی میں کہہ دیتا کہ میرا مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا وہ بہت حیران ہوتی۔ وہاں موجود لڑکے لڑکیاں کھلے عام شراب پیتے اور دیگر غیر مہذب حرکات کرتے تھے مگر میں منع کر دیتا اور اسی طرح میرے اور دوست جو مسلم تھے کہ ہمارا مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا وہ ہر بات پر جن پر اسے بھی اعتراض تھا جب یہ سنتی گئی تو ایک دن مجھ سے پوچھنے لگی کہ تمہارا مذہب بہت پابندیاں لگاتا ہے کیسے جیتے ہو تم لوگ میں نے اسے سمجھایا کہ جب والدین اپنے بچوں کی حفاظت

کرنا چاہتے ہیں تو اسے ہر خطرے سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اسے بتاتے ہیں کہ یہ غلط ہے ایسا نہ کرو اور ایسا کرو دراصل وہ پابندیاں نہیں لگاتے وہ ہماری بھلائی چاہتے ہیں ہمارا اللہ بھی ہماری بھلائی چاہتا ہے کیونکہ وہ ہم سے بہت محبت کرتا ہے اس کے اندر اسلام کو جاننے کی خواہش جاگ گئی وہ آئے دن مجھ سے اسلام کے بارے میں پوچھتی رہتی اور میں اس کے ہر سوال کا آسان سا مگر اپنے علم کے مطابق جواب دے دیا کرتا تھا کبھی وہ مطمئن ہوجاتی اور کبھی نہیں پھر میں اس سے کہتا کہ تم خود کسی بڑے عالم کے پاس جا کر اسلام کو سمجھو تو وہ زیادہ بہتر طریقے سے تمہیں بتاسکیں گے۔ پھر اس نے ایک اسلامک انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن لے لیا۔ میں اسے جاب کے دوران جب بھی وہ فارغ ہوتی قرآن کے ترجمے اور تفسیر پڑھتے دیکھتا وہ سیکھنے کی کوشش کررہی تھی مجھے خوشی ہوتی اب وہ اسلام کو مجھ سے اچھی طرح جان گئی تھی...... پھر ایک دن جب وہ ریسٹورینٹ آئی تو اس کا لباس اور اسکارف دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اس نے بتایا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا ہے اور اب سے اس کا نام فاطمہ ہوگا اس کے گھر والوں اور تمام جاننے والوں نے اس کا بائیکاٹ کردیا تھا اور اسے گھر سے نکال دیا تھا صرف ہم چند مسلم دوست تھے جو اس کے ساتھ تھے اور چونکہ ہم دوسرے ملکوں سے آئے تھے تو اپنے رہنے کا بھی کوئی ڈھنگ کا ٹھکانا نہ تھا سوائے میرے فلیٹ کے اس نے سوچا کہ جب تک کوئی جگہ نہیں مل جاتی وہ ریسٹورینٹ کے بند ہوجانے پر رات وہیں سو جایا کرے گی اور صبح یونیورسٹی پھر سارا دن ریسٹورنٹ میں گزارتی۔ میں نے اسے پیسے دینے کی کوشش کی مگر اس کی خودداری تھی کہ اس نے ان پیسوں کو ادھار کے طور پر لیا اور آہستہ آہستہ وہ مجھ پر بھروسہ کرنے لگی تھی اگلے ہی دن کچھ اوباش لڑکے جن میں جارج بھی شامل تھا شراب کے نشے میں اسے نقصان پہنچانے آئے تھے جس کی وجہ سے ریسٹورنٹ کو کافی نقصان بھی ہوا اور وہ بھی کافی زخمی ہوگئی تھی ہم نے بہت مشکل سے اسے بچایا تھا ریسٹورینٹ کے اونر نے اسے جاب سے نکال دیا تھا اب وہ رات وہاں نہیں رہ سکتی تھی اس لیے مجبوراً مجھے اسے اپنے اپارٹمنٹ میں لانا پڑا مگر وہ ایک نامحرم کے گھر جانے کو تیار نہ تھی میں اسے پسند کرتا تھا باہر سردی اتنی شدید تھی کہ اگر وہ دس منٹ بھی باہر رہتی تو مرجاتی وہ کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے میں بھی اسے پسند کرتا تھا اس کی حالت بہت خراب تھی مجھے ڈر تھا کہ وہ کہیں اور گئی تو جارج اسے نقصان پہنچا سکتا تھا مجھے یہ بھی ڈر ہوا کہ کہیں وہ معاشرے کے دباؤ میں آکر پھر نہ بھٹک جائے مگر یہ بہت مضبوط لڑکی ہے بابا۔'' مسٹر شمس سنتے رہے۔

''میرے پاس اسے بچانے کا کوئی راستہ نہ تھا میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔''

''شاہ زیب آپ کے پاس اتنا ٹائم بھی نہیں تھا کہ آپ اس سارے معاملے کے دوران ہمیں ایک فون کردیتے ہم کچھ مدد کرسکتے تھے آپ کی۔'' مسٹر شمس دھیرے اور ٹھیرے ہوئے لہجے میں بولے۔

''میں نے فون کیا تھا مگر آپ آؤٹ آف کنٹری تھے اور آپ کا نمبر سوئچ آف تھا جب کہ ماما کسی میٹنگ میں بزی تھیں میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا اس لیے میں نے اس سے نکاح کرلیا میرے پاس اسے بچانے کے لیے کوئی اور آپشن نہیں تھا۔ بابا وہ بہت اچھی انسان ہے۔ اس کا اخلاق اور کردار ان لوگوں سے کہیں اچھا ہے جو مسلم گھرانوں میں تو پیدا ہوئے لیکن اپنی عادتوں کی وجہ سے اسلام سے غافل ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کیا مس کررہے ہیں۔'' شاہ زیب کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ''میں نے شادی آپ لوگوں کی اجازت کے بغیر ضرور کی ہے یہ غلطی تو مجھ سے ہوئی لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔''

''مطلب اس نے تم سے شادی کرنے کے لیے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ شادی سے پہلے اسلام قبول کرچکی تھی اور ایک مشکل دور سے گزر رہی تھی۔'' بابا اب پوری بات سن اور سمجھ چکے تھے اور قدرے مطمئن ہوگئے تھے۔

''جی۔'' شاہ زیب جوش میں آگیا تھا' اس کی آنکھوں میں جیسے روشنی سی کوندنے لگی پھر وہ بابا کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔

''بابا میں نے بہت عرصے فاطمہ کے ساتھ وقت گزارا ہے وہ ہماری طرح تقریریں نہیں کرتی نہ ہی جگہ جگہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر واعظ دیتی تھی ہاں اس کا عمل یہ بات ثابت کردیتا تھا کہ وہ ایک سچی مسلم ہے آپ اسے کچھ وقت دیں وہ آپ پر بھی ثابت کردے گی۔''

''ٹھیک ہے شادی تو تم کرہی چکے ہو میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں لیکن تم نے اپنی ماما کو بہت ٹھیس پہنچائی ہے اگر انہیں راضی کرلو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' شاہ زیب خوشی سے جھوم اٹھا اور بڑھ کر بابا کے گلے لگ گیا۔ بابا نے اس کے کندھے کو

تھپکتے ہوئے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے اپنا بوجھ ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔

مسٹر شمس کے سمجھانے پر مسز شمس کے دل کی کثافت کم ہونے لگی تھی اور وہ واپس اپنی معاملات زندگی کی طرف بڑھنے لگیں تھیں انہوں نے خود کو بہت مصروف کرلیا تھا تاکہ ان مختلف سوچوں اور ٹینشن سے خود کو دور رکھ سکیں۔ عید کا موقع تھا اور مسز شمس اپنی سوشل ایکٹویٹیز کے ساتھ ساتھ اپنے ملازمین کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں' اسی لیے دوران رمضان ایک دن ایسا مقرر تھا جب وہ تمام ملازمین کو ایک خاص رقم دے کے عید کی شاپنگ کرنے مارکیٹ بھیجا کرتی تھیں' اس دن سارے ملازمین بہت خوش ہوتے تھے اپنی مرضی اور پسند کے مطابق اپنے لیے کپڑے اور دیگر لوازمات خریدتے تھے۔ جب وہ سب واپس آئے تو فاطمہ ان کے چہروں کی چمک اور خوشی دیکھتی ہی رہ گئی ان کے لبوں پر مسز شمس اور ان کے خاندان بھر کے لیے دعائیں تھیں وہ خوش ہوکر ایک دوسرے کو اپنے کپڑے اور جوتے وغیرہ دکھا رہے تھے۔

گل خان اپنے سفید شلوار قمیص اور واسکٹ کے ساتھ ٹوپی اور پشاوری چپل لائے تھے وہ شاہ مینشن کے چوکیدار تھے۔ گارڈز بھی اپنی تیاری کرچکے تھے اس بات کا ذکر گل خان، حمید بھائی سے کررہے تھے جب کہ خانساماں حمید بھائی پینٹ شرٹ اور شوز دیکھ کر خوش ہورہے تھے تو مالی چچا بھی اپنے لباس کو ہر ایک کو دکھا رہے تھے جب کہ رحمت بی بی اپنے کپڑے سینے میں مشغول تھیں اس گھر میں نماز، روزے کے سب ہی پابند تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کا خیال بھی عبادت کی طرح کرتے ان سب کا پیار دیکھ کر اکثر اس کا دل بھر آتا اور آنسو آنکھوں سے رواں ہوجاتے تھے۔

فاطمہ سوچتی یورپ میں صفائی تو بہت ہے پر دل کتنے گندے ہیں' ایک دوسرے کی کوئی پروا ہی نہیں چاہے کوئی بھوک سے مرجائے کسی کا دل ٹوٹ جائے' رشتے اعتبار کھودیں اور بچے ماں باپ کے ہوتے ہوئے خود کو لاوارث تصور کرنے لگیں ان پر کوئی فرق نہیں پڑتا وہ اپنی زندگی آزاد پنچھی کی طرح گزرتے ہیں' میں نے شادی کرلی تو کسی نے پوچھا بھی نہیں میری خوشی' میری تکلیف' میرے گھر والوں کو ان کی کوئی پرواہ نہیں' کسی نے ان تین مہینوں میں یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی کہ میں کہاں ہوں' کیسے جی رہی ہوں' مجھے کیا مشکلیں ہیں' میں زندہ بھی ہوں کہ مر

گئی اور ایک یہ لوگ ہیں جو غیر ہوکر بھی ایک دوسرے کے دل کی بات جانتے ہیں' ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ اس دن فاطمہ کے دل میں مسز شمس کے لیے عزت اور بھی بڑھ گئی۔ مسز شمس فاطمہ پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھیں لیکن اب تک انہیں کوئی ایسی معیوب بات نظر نہیں آئی تھی کہ جس پر وہ اعتراض کرتیں بلکہ اس کی ہر بات پر تنقیدی نگاہ رکھنے کے باوجود اس میں انہیں خوبیاں ہی نظر آرہی تھیں' اس کے خیرات کرنے کا انداز اتنا عاجزانہ ہوتا کہ لینے والا کسی قسم کی کمتری کا شکار نہ ہوتا اور محبت سے دعائیں دیتا ہوا جاتا اس کا ملازمین سے رویہ حسن سلوک اور محبت بھرا لہجہ ہر شخص کو اس کا گرویدہ کردیتا وہ تہجد کی نمازوں سے لے کر فرض نمازوں تک اور قرآن پاک کی تلاوت سے اوڑھنے پہننے تک ہر کام میں پرفیکٹ تھی' یہی وجہ تھی کہ اب مسز شمس کے دل میں فاطمہ کے لیے جگہ بننے لگی تھی مگر یہ انا کی ایک دیوار تھی جو یہ اعتراف نہیں کرنے دے رہی تھی کہ میں نے تمہیں اپنی بہو کے روپ میں قبول کرلیا ہے۔

عید کے دن ہمیشہ کی طرح ان کے گھر ایک عید ملن پارٹی کا اہتمام ہوتا تھا اپنی سوشل سرکل میں وہ فاطمہ کا تعارف کیسے کروائیں گی یہ ان کے لیے مسئلہ تھا اور اگر یہ پارٹی کینسل ہوجاتی تو بھی سوال اٹھتے کہ کیا وجہ ہے کہ بیٹا اتنے سالوں بعد گھر آیا تو کوئی تقریب بھی نہ کی ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

''آپ فاطمہ کو عید کے دن کہیں بھیج دیجیے گا میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھ سے سوال کرے۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔'' مسز شمس نے ڈنر ٹیبل پر مسٹر شمس سے کہا۔

''میں کیسے کہہ سکتا ہوں اب وہ ہماری بہو ہے اس گھر کی عزت ہے اور جب اسے معلوم ہوگا تو کتنا برا لگے گا۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم میں اتنے سالوں کی اپنی عزت نہیں گنوا سکتی۔'' مسز شمس نے فیصلہ سنایا۔

''ٹھیک ہے میں شاہ زیب سے کہہ دوں گا۔ لیکن اگر وہ بھی فاطمہ کے ساتھ کہیں چلا گیا تو لوگوں کو کیا جواب دوگی سوچ کے رکھنا۔'' مسٹر شمس نے ایک اور مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ مسز شمس سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''دیکھو مہرو ہمارا ایک ہی بیٹا ہے جو قدم اس نے اٹھایا میں مانتا ہوں وہ غلط تھا لیکن ہمیں اپنی تربیت پر بھروسہ تو کرنا ہوگا اس کا انتخاب غلط نہیں ہوسکتا وہ ایک سمجھدار انسان ہے۔'' مسز شمس، شمس شاہ کو دیکھنے لگیں۔

"پھر کیا کروں میں۔" وہ روہانسی ہو رہی تھیں۔

"اللہ مالک ہے تم اسے دل سے قبول کرلو اللہ نے ہمارے لیے اسے چنا ہے تو کچھ تو خاص بات ہوگی اس لڑکی میں تم ایک بار اسے معاف کر کے دیکھو مجھے یقین ہے وہ تمہاری امیدوں سے بڑھ کر ثابت ہوگی۔" مسٹر شمس مہربانو (مسز شمس) کو تسلی دے رہے تھے۔

"ٹھیک ہے میں فاطمہ کا تعارف شاہ زیب کی دوست کی حیثیت سے کرواؤں گی کہ وہ ایک امریکن لڑکی ہے اور پاکستان میں عید اور رمضان دیکھنے آئی ہے۔" مسز شمس اپنی رائے دے کر خاموش ہوگئیں تھیں مسٹر شاہ اس فیصلے پر چپ ہوگئے تھے۔

فاطمہ اب اردو کو اچھی طرح سمجھنے اور بولنے لگی تھی وہ مسٹر اور مسز شمس کی یہ گفتگو سن چکی تھی مگر خاموش رہی بس ہر نماز کے بعد رو رو کر اپنے مالک سے یہ دعا کرتی رہی۔

"اے پروردگار...... ان لوگوں کے دلوں میں میری محبت ڈال دے یہ لوگ مجھے دل سے قبول کرلیں۔" وہ اتنا روتی کہ اس کے آنسوؤں سے اس کا اسکارف بھیگ جاتا جسے وہ بہت سلیقے سے ہر وقت اپنے سر پر لپیٹ کر رکھتی تھی۔

لیلتہ القدر کی تمام راتوں میں وہ پوری رات عبادت کرتی رہی کبھی تلاوت کرتی تو کبھی سجدوں میں کئی کئی گھنٹے روتی رہتی وہ اپنے کمرے میں یہ ساری عبادت کرتی اور شاہ زیب مسجد جا کر شب بیداری کا اہتمام کرتے اور مسٹر شمس اپنے بیٹے کے ہمراہ مسجد میں جاتے اور دونوں فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹتے اسے دیکھ کر مسز شمس کو بہت خوشی ہوتی مگر اظہار نہ کرتیں اس کا چہرہ نور کی طرح پاکیزہ اور معصوم نظر آتا' مسز شمس کو کبھی کبھی اس میں اپنی بیٹی نظر آتی۔ اس کی ہر حرکت کو مسز شمس بہت باریکی سے جانچتیں تھیں مگر اسے اس طرح عبادت اور قران پاک کو سمجھتے دیکھ کر انہیں اپنی کمزوریوں کا احساس زیادہ ہو رہا تھا۔ اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ مسلم گھرانے میں پیدا ہونا کتنی خوش نصیبی ہے لیکن اپنے اعمال ہمارے اپنے اختیار میں ہیں جن کا ہم ٹھیک طرح سے استعمال ہی نہیں کرتے۔

شاہ زیب اسے پاکستانی کلچر اور یہاں کی روایات اور ملبوسات وغیرہ سے پچھلے کئی سالوں سے زبانی تعارف کروا رہے تھے مگر حقیقت میں وہ اب سب کچھ دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی اتنے جگمگاتے نگوں سے سجے رنگین لباس اور ان پر جیولری فاطمہ کا دل چاہتا سب کچھ لے لے مگر ضرورت سے زیادہ تجاوز نہ کرو اور بے جا مال نہ جمع کر کے رکھو ان آیات کے ذہن میں آتے ہی اسے ان کا قیامت میں حساب بھی دینا یاد آیا تو ہاتھ خود بخود رک گئے۔ وہ چند لباس لے کر واپس آگئی۔ مہندی کی خوشبو سے وہ بار بار اپنے ذہن کو معطر کرتی۔

"تم یہ بار بار اپنے ہاتھوں کو کیوں سونگھتی ہو۔" شاہ زیب نے اس کی اس بچکانہ حرکت کو نوٹ کرتے ہوئے ایسے ہی مسکرا کر پوچھ لیا۔

"میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کو مہندی بہت پسند تھی اور یہ لگانا سنت ہے میں نے زندگی میں اس سے اچھی خوشبو کبھی نہیں سونگھی سوچتی ہوں میں اس خوشبو کو سونگھ رہی ہوں جو میرے پیارے نبی ﷺ کی پسندیدہ تھی۔" شاہ زیب اس کی بات سن کر حیران ہی ہوگئے انہوں نے تو بلا ارادہ ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔

صبح عید کی نماز پڑھ کر جب مسٹر شمس اور شاہ زیب شاہ مینشن واپس آئے تو فاطمہ کو پاکستانی لباس چوڑی دار پاجامہ کے ساتھ انگرکھا اسٹائل کی فراک پر خوب صورت موتیوں کی کڑھائی اور بڑا سا کامدار دوپٹہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس نے سر پر اسکارف اسی انداز میں جما تھا وہ اس لباس میں کسی مشرقی دلہن کی طرح سجی ہوئی لگ رہی تھی کانوں میں بالیاں ماتھے پر چھوٹی سی بندیا اور رنگین کانچ کی نگوں سے سجی خوب صورت چوڑیاں اس کی گوری گوری کلائیوں میں خوب سج رہی تھیں جنہیں وہ کسی چھوٹی بچی کی طرح دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ عیدگاہ سے واپسی پر فاطمہ نے آگے بڑھ کر مسٹر شمس اور شاہ زیب کو کورنش بجالاتے ہوئے پورے مشرقی ومغلیہ انداز میں سلام کیا اور عید کی مبارک باد دی تو اسے ایسا کرتے دیکھ کر دونوں اس کے اس انداز پر بے ساختہ ہی مسکرا اٹھے اور مسٹر شمس نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اسے عیدی بھی دی شاہ زیب نے بھی دل سے مسکراتے ہوئے عید کی مبارک باد اور عیدی دی جبکہ مسز شمس جو ابھی کمرے میں داخل ہو رہی تھیں اپنا رخ موڑتے ہوئے شاہ زیب اور مسٹر شمس کو مبارک باد دیتی ہوئی ملازمین کی جانب متوجہ ہوگئی تھیں اور ان میں عیدی تقسیم کر رہی تھیں فاطمہ نے ان کے گلے میں بہت محبت سے بانہیں ڈالیں اور عید مبارک کہا تو ان کی انا کا بت بھی ٹوٹ کر چکنا چور ہوگیا۔ انہیں نے گلے لگایا اور عیدی بھی دی مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں کسک ضرور تھی۔ سب گھر والوں سے عید ملنے کے بعد فاطمہ گھر کے ملازمین کو فرداً فرداً عید

کی مبارک باد کے ساتھ عیدی کے لفافے بھی دے رہی تھی۔ پھر اچانک وہ رحمت بی بی کی جانب بڑھی جو اس گھر کی سب سے پرانی ملازمہ تھیں رحمت بی بی اچانک گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ مسٹر اور مسز شمس کے ساتھ شاہ زیب اور دیگر ملازمین بھی یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"رحمت بی بی عید نہیں ملیں گی مجھ سے۔" بہت نرمی اور محبت سے فاطمہ نے رحمت بی بی سے پوچھا تو وہ جواب تک حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھیں۔

"بی بی جی میں تو ملازم ہوں آپ سے کیسے گلے مل سکتی ہوں۔" رحمت بی بی نے اپنے دل کی حیرانی کا راز بیان کر دیا تھا۔

"کیوں کیا آپ مسلمان نہیں...... آپ کو عید کی خوشی نہیں ہے؟" فاطمہ نے ان کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ تو ہوں پر آپ نے عیدی دے دی بس یہی کافی ہے۔" رحمت بی بی اب بھی جھجک رہی تھیں۔ رحمت بی بی کی جھجک سمجھتے ہوئے فاطمہ خود ہی بولی۔

"رحمت بی بی ہم سب مسلمان ہیں اور سب مسلمان برابر ہیں ہمارے مذہب اسلام کے مطابق کوئی کسی سے افضل نہیں تو کوئی کسی سے ادنیٰ نہیں کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے فوقیت حاصل نہیں۔ اس ماہ مبارک میں کی گئی عبادتوں کی جتنی خوشی مجھے ہوگی اتنی ہی خوشی آپ کو بھی ہوگی تو جب میں گھر والوں سے گلے مل کر عید کر سکتی ہوں تو آپ سے کیوں نہیں۔ کیا آپ کو آپ کی عبادتوں کا کم ثواب ملے گا کہ آپ ملازم ہیں اور ہمیں زیادہ کہ ہمیں اللہ نے اتنا نوازا ہے کہ ہم کسی کو تنخواہ دینے کے قابل ہوئے جس میں ہماری کوئی طاقت نہیں، ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اسی ذات پاک کا دیا ہوا ہے۔"

رحمت بی بی کے ساتھ ساتھ مسز شمس کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں، رحمت بی بی فاطمہ کے گلے لگ کر رونے لگیں۔ یہ خوشی اور عزت سے بھرے آنسو تھے جو دل کے ہر زخم کو بھر دیتے ہیں۔ رحمت بی بی نے کہا۔

"فاطمہ بی بی آپ نے آج جو عزت دی ہے وہ آج تک کسی نے نہیں دی روپیہ پیسہ اور ہماری ضروریات کا خیال تو بہر حال بہت سے لوگ رکھ لیتے ہیں اور کچھ وہ بھی نہیں رکھتے مگر اپنے برابر بیٹھانا کوئی پسند نہیں کرتا اس بات سے ان کے رتبے پر فرق پڑتا ہے اور ہم میں احساس کمتری اور ان میں احساس برتری بڑھ جاتا ہے آپ نے جس طرح ہمیں عزت دی ہم کبھی نہیں بھولیں گے۔" فاطمہ مسکرا رہی تھی۔

"چلیں بھئی کوئی رونا دھونا نہیں آج عید کا دن ہے۔ بس سب ہنسیں گے۔" مسز شمس بھی آگے بڑھیں اور فاطمہ کو ایک بار پھر گلے سے لگا کر عید کی مبارک باد دی انہوں نے سچے دل سے اعتراف کیا۔

"آج میرے دل سے ساری کسک دور ہوگئی مجھے اطمینان ہوگیا کہ میرے بیٹے نے تم سے شادی کر کے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ ہم مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے اکثر لوگ خود کو بڑا تصور کرتے ہیں کہ تم انگریز کیا اسلام کو جانو گے جو ہم جانتے ہیں میں ان ملازمین کو تنخواہیں، عیدی روپیہ پیسہ اور دیگر ساری مراعات تو دیتی تھی مگر شاید دل سے انہیں بھی اپنے برابر تصور کرنے کا گمان بھی نہ کر سکتی تھی جب کہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ نماز کی صف میں امیر غریب کا فرق نہیں یہ بھی ٹھیک کہا تم نے کہ اللہ تو ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمارے تقویٰ کی بنیاد پر دے گا نہ کہ دولت و مرتبہ کی بنیاد پر جب کہ وہی دولت و مرتبہ دینے والا ہے ہماری تو کوئی حیثیت ہی نہیں پھر بھی ہم میں اتنا غرور اور تکبر ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے میں نے بھی آج تک کسی ملازمہ کو گلے لگا کر عید کی مبارک باد نہیں دی آج تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور مجھے اسلام کا صحیح مطلب سمجھایا ہے تم تو مجھ سے بھی زیادہ اسلام کو اچھی طرح سمجھا ہے تم سے اچھی لڑکی میرے خاندان کی بہو ہو ہی نہیں سکتی تھی اب میری نسل صحیح ہاتھوں میں پروان چڑھے گی۔" آج پہلی بار مسز شمس نے آگے بڑھ کر رحمت بی بی کو گلے لگا کر عید کی مبارک باد دی تو عید کی خوشی کے سب رنگ ان کی آنکھوں سے چھلکنے لگے مسٹر شمس اور شاہ زیب نے بھی دیگر مرد ملازمین کو گلے لگا کر عید کی مبارک باد دی اور مسز شمس نے شام ہونے والی تقریب میں اپنی بہو اور بیٹے کے ولیمے کی تقریب کی دعوت کے حوالے سے پلان بنانا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ ہر ایک سے فخر سے اپنی بہو کا تعارف کروا سکتی تھیں۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

صرف ایک لڑکی

اپنے سرد کمرے میں
میں اداس بیٹھی ہوں
نیم وا دریچوں سے
نم ہوائیں آتی ہیں
میرے جسم کو چھوکر
آگ سی لگاتی ہیں
تیرا نام لے لے کر
مجھ کو گدگداتی ہیں
کاش میرے پر ہوتے
تیرے پاس اڑ آتی
کاش میں ہوا ہوتی
تجھ کو چھو کے لوٹ آتی
میں نہیں مگر کچھ بھی
سنگ دل رواجوں کے
آہنی حصاروں کے
عمر قید کی ملزم
صرف ایک لڑکی ہوں

(خوشبو)

کاش کہیں کوئی نظر آجائے‘ اسے اپنا بنالے‘ دل میں چھپالے اور اس دنیا کا باسی بنادے جہاں محبتوں‘ چاہتوں اور مسرتوں کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ جب تگ و دو سے ایسا ہم سفر پالیتی ہے تو اپنی کامیابی پر نسوانی شرم وحیا آڑے آجاتی ہے اور اس محبت کو راز کا روپ سونپ کر دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل ہونے پر اکتفا کرنے میں مصلحت سمجھتی ہے لیکن اپنی محبت کی پرورش اپنے ہی خون جگر سے کرنے کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ جب اس پیار کی پرداخت عشق کی حدوں کو چھونے لگتی ہے تو دوسروں پر بھید کھل جاتا ہے اور سب کی نظروں کا محور بن جاتی ہے۔ سب کے حواس پر ندامت بن کر چھا جاتی ہے تو وہ اس کے تعمیر کردہ خوابوں کے محلات کو مسمار کرکے محبت کے علاقہ ممنوعہ کی طرف بند باندھ کر اپنی تسکین روح کی تلاش میں چل نکلتے ہیں اور ہر طرح کی زیادتی ان کے لیے جائز ہوجاتی ہے۔ اس کی زبان دہائی دینے کے بجائے خاموشی اختیار کرلیتی ہے کیونکہ وقت کا تقاضا یہی ہے مگر دل کی صدائیں قابو سے باہر ہیں۔ اندر کی توڑ پھوڑ کرنے میں ہر وقت کوشاں ہیں۔ پیدا کرنے والے سے دعائیں والتجائیں جاری وساری ہیں کہ اس سے ملنے اور اسے حاصل کرنے کا کوئی معجزہ عمل ہی وارد ہو تو بات بنے کیونکہ خوشبو کی دوشیزہ ابھی تک مشرقی روایات وقدروں کی پاسداری کرتے کرتے ہوئے چپ سادھے بیٹھی ہے لیکن حسرتیں چین نہیں لینے دیتیں۔

چاند

ایک سے مسافر ہیں
ایک سا مقدر ہے
میں زمین پر تنہا
اور وہ آسمانوں میں

(خوشبو)

امید وبیم کے احساسات سے سانس کی ڈوری جڑی ہوئی ہے کہ شاید ایسا ہوجائے شاید ویسا ہوجائے۔

نیند تو خواب ہوگئی شاید
جنسِ نایاب ہوگئی شاید
اپنے گھر کی طرح وہ لڑکی بھی
نذر سیلاب ہوگئی شاید
تجھ کو سوچوں تو روشنی دیکھوں
یاد مہتاب ہوگئی شاید
ایک مدت سے آنکھ روئی نہیں

جہیل پایاب ہوگئی شاید
ہجر کے پانیوں میں عشق کی ناؤ
کہیں غرقاب ہوگئی شاید
چند لوگوں کی دسترس میں ہے
زیست کم خواب ہوگئی شاید
(خوشبو)

لاحاصل کے احساس میں تڑپ و دعائیہ اشعار کی صورت میں ذہن میں ابھر کر دل کی قوت سے سیراب ہونے لگتے ہیں اور بے اختیاری سے زبان سے ادا ہو کر قلم کی نوک پر سجنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں جن میں بے باکی اور خود اعتمادی سے اپنی خاموش پاکیزہ محبت کا اقرار ہے۔ اعتراف جرم ہے نہ ڈر ہے نہ خدشہ اور روح و قلب مسرتوں اور راحتوں سے ہم کنار ہے۔

رفاقت

سبز موسم کی بے حد خنک رات تھی
چنبیلی کی خوشبو سے بوجھل ہوا
دھیمے لہجوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی
ریشمیں اوس میں بھیگ کر
رات کا نرم آنچل بدن سے لپٹنے لگا تھا
ہار سنگھار کی نرم خوشبو کا جادو
جواں رات کی سانس میں گھل رہا تھا
چاندنی' رات کی گود میں سر رکھے ہنس رہی تھی
اور میں سبز موسم کی گلنار ٹھنڈک میں کھوئی ہوئی
شاخ در شاخ
ایک تیتری کی طرح اڑ رہی تھی
کبھی اپنی پرواز میں رک کے نیچے جو آتی تو احساس ہوتا مجھے
شبنمی گھاس کا لمس پاؤں کو کتنا سکون دے رہا ہے
دفعتاً
میں نے ٹی وی کی خبروں پر موسم کی بابت سنا
ترے شہر میں لو چلی ہے

ایک سو آٹھ سے بھی زیادہ حرارت کا درجہ رہا ہے
مجھے یوں لگا
میرے چاروں طرف آگ ہی آگ ہے
ہوائیں جہنم سے آنے لگی ہیں
تمازت سے میرا بدن پھنک رہا ہے
میں اس شبنمی روح پر در فضا کو جھٹک کر
کچھ اس طرح کمرے میں اپنے چلی آئی
جیسے کہ اک لمحہ اور رک جاؤں گی تو جھلس جاؤں گی
پھر بڑی دیر تک
تیرے تپتے ہوئے جسم کو
اپنے آنچل سے جھلتی رہی
تیرے چہرے سے لپٹی ہوئی گرد کو
اپنی پلکوں سے چنتی رہی
رات سونے سے پہلے
اپنی شب خوابیوں کا لبادہ جو پہنا
تو دیکھا
مرے جسم پر آبلے پڑ چکے تھے
(خوشبو)

تمناشاہ......ڈیرہ غازی خان

دعا میں لب پر سوال رکھنا
نگاہ میں اپنی کمال رکھنا
دینا چاہتے ہو اگر خوشیاں ہمیں
تو خوش رہنا اور اپنا خیال رکھنا

کائنات بیگ......رندھیر شریف

تن پر کفن پڑا تو یہ معلوم ہوا دوست
لوگ پردہ نشینوں کو اتنا چاہتے کیوں ہیں

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

پیٹ بھر دیتا ہے حاکم میرا تقدیروں سے
اس کی اس طفل تسلی پر تو رنجور ہوں میں

اقراکیاقت......حافظ آباد

وار تلوار کے سینے پر سہے ہیں میں نے
موت کا ذائقہ میٹھا ہے میں چکھ آیا ہوں
راستہ دیتے نہیں تھے وہ ضمانت کے بغیر
اپنا سر شہر کی دہلیز پر رکھ آیا ہوں

کائنات جعفری......جلالپور سیداں، خوشاب

مجھے یقین تو نہیں ہے مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جیتنے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتی ہوں

مدیحہ نورین مہک......گجرات

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مرجائے گا

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس......مانسہرہ

دوزخ سے کہہ دو چھوڑ دے انتظار اس گناہگار کا
میں آغوش میں ہوں اس کے، قدموں میں جس کے جنت ہے

ارم ریاض......برنالی

ہجوم یوں ہو تیری زندگی میں خوشیوں کا
کہ غم گزرنا بھی چاہے تو راستہ نہ ملے

ماروی یاسمین......44ج، سرگودھا

تمام عمر سجدوں میں گزار دوں اگر
اک بار وہ کہے مجھے دعاؤں سے مانگ لو

رابعہ عمران چوہدری......رحیم یار خان

مجھ سے کرتا تھا نہ ملنے کے بہانے کتنے
اب گزارے گا مرے ساتھ زمانے کتنے
تم نیا زخم لگاؤ، تمہیں اس سے کیا ہے
بھرنے والے ہیں ابھی زخم پرانے کتنے

نور المثال شہزادی......قصور

کتنی ماؤں کے لعل چھن گئے
کتنی بہنوں کے خواب بکھر گئے
ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ، کمانڈو
نجانے کتنے خواب، خواب رہ گئے

لبنیٰ شکیل......اولکھ جٹاں، سیالکوٹ

لہجے بدل جاتے ہیں الفاظ بدل جاتے ہیں
کتنی جلدی لوگوں کے انداز بدل جاتے ہیں
وہ جو کہتے ہیں ہر راہ پر چلیں گے ساتھ تیرے
وقت پڑنے پر کیسے وہی لوگ سر آغاز بدل جاتے ہیں

عائشہ پرویز......کراچی

کچھ نہیں چاہیے تجھ سے اے میری عمر رواں
میرا بچپن، میرے جگنو، میری گڑیا لادے

زینب اصغر مغل......ملتان

عشق جب تک نہ کر چکے رسوا
آدمی کام کا نہیں ہوتا

شازیہ الطاف......ڈیرہ غازی خان

اے دل تجھے رونا ہے تو جی کھول کے رولے
دنیا سے نہ بڑھ کر کوئی ویرانہ ملے گا

نادیہ احمد......دبئی

رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کر بکھرا نہیں کرتے

طلعت نظامی......کراچی

کاش تیرا گھر میرے گھر کے قریب ہوتا
ملنا تو دور، دیکھنا تو نصیب ہوتا

جویریہ ضیاء......کراچی

یوں تجھ کو یاد کرتے ہیں ہم صاحب

جیسے امتحان میں آؤ گے تم
سدرہ شاہین......پیرووال

کبھی تو دل کا کہا مان لیا کرتے ہیں
وہ مجھ کو دیکھ کر پہچان لیا کرتے ہیں
اب تو انسان کی عظمت کوئی چیز نہیں
لوگ پتھر کو خدا مان لیا کرتے ہیں
ماوراطلحہ......گجرات

ہمارے بغیر بھی آباد ہیں ان کی محفلیں وصی
اور ہم نادان سمجھتے تھے کہ محفل کی رونق ہم سے ہے
راؤرفاقت علی......دنیاپور

میرا ہر لفظ تیری ہر بات سے اچھا ہوگا
میرا ہر دن تیری ہر بات سے اچھا ہوگا
دیکھ لینا ان چمکتی آنکھوں سے
میرا جنازہ تیری بارات سے اچھا ہوگا
اُم اقصیٰ......حیدرآباد

آئینہ خانے میں رہنے کا یہ انعام ملا
ایک مدت سے نہیں دیکھا ہے چہرہ اپنا
تیز آندھی میں بدل جاتے ہیں سارے منظر
بھول جاتے ہیں پرندے بھی ٹھکانہ اپنا
صباء عیشل......بھاگووال

محبت ناز ہے یہ ناز کب ہر دل سے اٹھتا ہے
یہ وہ سنگ گراں ہے جو بڑی مشکل سے اٹھتا ہے
لگن میں عشق کی شعلہ کوئی مشکل سے اٹھتا ہے
جلن رہتی ہے آنکھوں میں دھواں سا دل سے اٹھتا ہے
ارم عزیز......شاہدرہ

فکر تو تیری آج بھی کرتے ہیں
بس ذکر کرنے کا حق اب نہیں رہا
ارم شہزادی......تلہ گنگ

تمام شب جہاں جلتا ہے اک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پر اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے
ماہ نور بلوچ......حیدرآباد

تُو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
کیسے رشتے تیری خاطر یونہی توڑ آیا
کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا
کتنی اجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا
رمشامسکان......ڈسکہ

بارشوں کے اداس موسم میں
خود کو دیکھوں تو یاد آئے کوئی
کاش ایک بار یوں بھی ہوجائے
میں پکاروں تو لوٹ آئے کوئی
میرب فاطمہ......ٹھٹھہ

کس رات کی آنکھوں میں پیان سحر ہوگا
یہ خواب جو کونپل ہے کس رُت میں سحر ہوگا
سہمے ہوئے پنچھی کی آواز بتاتی ہے
اس کا بھی یہاں کوئی جلتا ہوا گھر ہوگا
ثمن عبدالرحمٰن......کراچی

یہ عید تیرے شہر میں بھی آئی ہوگی
تُو نے بھی بڑے جوش وخروش سے منائی ہوگی
میں تو عید اس دن مناؤں گا جانا
جس دن ختم تیری میری یہ جدائی ہوگی
زین الدین صدیقی......کراچی

صاحب عقل ہیں آپ، میرا اک مسئلہ حل تو کیجیے
رُخ یار نہیں دیکھا، کیا میری عید ہوئی؟
رخسانہ اقبال......خوشاب

لو شام ہوتے ہی حسرتِ امید کے دیے بھی بجھ گئے
ویرانیوں سے وابستہ میری ایک اور عید گزر گئی

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

دہلی قورمہ

ضروری اشیاء:۔

گوشت	ایک کلو
دھنیا پاؤڈر	چھ چائے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
دہی	ڈھائی سو گرام
گھی	ڈھائی سو گرام
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
پیاز (فرائی کی ہوئی)	ڈھائی سو گرام
بڑی الائچی	دو عدد
زیرہ	ایک چائے کا چمچ

(الائچی اور زیرہ پیس کر دہی میں ملا دیں)

بگھار کے لیے:۔

تیز پات	تین عدد
الائچی	چار عدد
دار چینی	دو چھوٹے ٹکڑے
لونگ	پانچ عدد
کالی مرچ	چھ عدد
ہرا دھنیا' ادرک اور ہری مرچ	گارنش کے لیے

ترکیب:۔

گھی گرم کریں، گرم مصالحہ ثابت ڈالیں، فرائی کرنے کے بعد گوشت ڈال دیں اچھی طرح فرائی کریں۔ براؤن ہو جائے تو پھر پسے ہوئے مصالحہ ڈالیں' دہی کے علاوہ سب ڈال دیں' دھیمی آنچ پر پکنے دیں پھر دہی کا آمیزہ ڈال دیں' گوشت گل جائے اور گھی اوپر آجائے تو چولہا بند کر دیں۔ ادرک ہری مرچ اور ہرے دھنیا سے سجائیں اور سرو کریں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

لکھنوی کریلے

اجزاء:۔

کریلے	آدھا کلو
پیاز	آدھا کلو
دہی	ایک کلو
لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
سرخ مرچ	ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
رائی	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

کریلے چھیل کر درمیان سے کٹ لگائیں' بیج نکال دیں اور نمک لگا کر دھوپ میں رکھ دیں' ایک دو گھنٹے بعد دھو کر اچھی طرح خشک کرلیں۔ دہی میں تمام اجزاء اور سلائس میں کٹی پیاز ڈال کر آمیزہ بنالیں اور کریلوں میں بھر دیں' تیل گرم کر کے رائی اور میتھی دانہ کڑکڑائیں پھر کریلے اور دہی' پیاز کا بچا ہوا آمیزہ ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر کریلے گل جانے تک پکائیں وقفے وقفے سے پتیلی پکڑ کر کریلوں کو الٹ پلٹ کرتے رہیں' کریلوں میں زیادہ چمچ چلانے سے گریز کریں۔ ہرا دھنیا چھڑک کر گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ پیش کریں۔

عائشہ میر صادق...... جہلم

کھجور کی مزے کی بولز

اجزاء:۔

کھجور	آدھا کلو
دودھ	آدھا کلو
ناریل پاؤڈر	ایک پاؤ
بادام کی گریاں	آدھا پاؤ
چینی	حسب ذائقہ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

کھجوروں کی گٹھلیاں نکال کر صاف کرلیں اور پھر چوپر میں پیس لیں' ایک دیگچی میں کھجوروں کا آمیزہ' دودھ اور الائچی پاؤڈر ڈال کر پکالیں جب دودھ خشک ہو جائے تو ضرورت محسوس کریں

تو چینی ڈال لیں اگر کم چینی پسند کرتے ہیں تو نہ ڈالیں پھر نیچے اتار کر ٹھنڈا ہونے پر چھوٹی چھوٹی بولز بنالیں (بادام اندر رکھ کے اوپر کھجور کے آمیزے کی بول بنانی ہے) پھر ناریل پاؤڈر میں رول کردیں۔ ایک ایک رول کر کے ڈش میں نکالتی جائیں' مزے دار خوب صورت اور صحت بخش بولز تیار ہیں۔

شاہین جبران......لاہور

گلاب جامن

اشیاء:۔

خشک دودھ	ایک پیالی
سوجی	آدھی پیالی
میدہ	آدھی پیالی
پھیکا کھویا	آدھی پیالی
بیکنگ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ان سب چیزوں کو اچھی طرح ملا کر آٹے کی طرح گوندھ لیں' پانچ منٹ کے لیے رکھ دیں پھر چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں۔

شیرا بنانے کے لیے

چینی	دو پیالی
پانی	ایک پیالی
چھوٹی الائچی	آٹھ عدد

دانے نکال کر باریک پیس لیں۔

ترکیب:۔

چینی میں پانی ملا کر ہلکی آنچ میں شیرا بنالیں جب شیرا بننے لگے تو الائچی ڈال کر اتارلیں۔

ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں (گھی تقریباً دو پیالی ہونا چاہیے تاکہ گلاب جامن اچھی طرح تلے جاسکیں) جب گھی تیز گرم ہوجائے تو ہلکی آنچ کر کے پیڑے تلنا شروع کردیں جب براؤن ہوجائیں تو نکال کر شیرے میں ڈال دیں۔ گلاب جامن شیرے میں ڈال کر ہلکی آنچ پہ دم پر دیں۔

ماریہ ذکی......سکھر

بیسن کے لڈو

اشیاء:۔

بیسن	ایک کلو
چینی	ڈیڑھ کلو
گھی	آدھا کلو
گری بادام (کتری ہوئی)	ایک تولہ
سبز الائچی کے دانے	ایک تولہ
پستا	آدھا پاؤ

ترکیب:۔

گھی کو فرائنگ پین میں خوب گرم کریں بیسن ڈالیں اور بھون لیں۔ تھوڑی دیر میں چینی ملادیں' چمچہ چلاتے رہیں۔ چینی کا پانی خشک ہوجائے تو اتارلیں اس میں کترا ہوا پستہ' بادام اور الائچی کے دانے شامل کردیں۔ ہاتھوں سے لڈو بنائیں اور ورق لگائیں۔

فضا سعدیہ......کراچی

شاہی شیر خورمہ

اشیاء:۔

دودھ	ایک لیٹر
بادام' پستہ	1/2 کپ
چھوہارے	چھ سے آٹھ
سویاں	ایک کپ
چینی	3/4 کپ
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پسے ہوئے چاول	دو کھانے کے چمچے
کنڈینسڈ ملک	1/2 کپ
زعفران	ایک چٹکی
تیل	ایک چائے کا چمچہ
کشمش	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:۔

ایک پین میں تیل اور مکھن ڈال کر گرم کریں اور الائچی پاؤڈر ڈالیں۔ جب الائچی کی خوشبو آنے لگے تو سویاں ڈال کر ہلکا سا بھون لیں اور چولہے سے اتارلیں۔ اب دوسرے پین میں دودھ اور چینی ڈال کر پکنے کے لیے رکھیں' ایک ابال آنے پر دودھ میں کٹے ہوئے چھوہارے اور پسے ہوئے چاول ڈال کر اتنا پکائیں کہ چاول اچھی طرح سے پک جائیں پھر دودھ میں فرائی کی ہوئی سویاں اور کنڈینسڈ ملک ڈال کر مکس کریں اور ساتھ ہی کشمش بھی ڈال دیں۔ اب اتنا پکائیں کہ آمیزہ تھوڑا سا گاڑھا ہوجائے' ڈش میں ڈال کر کٹے ہوئے بادام' پستہ اور زعفران کے ساتھ سجا کر کھانے کے لیے پیش کریں۔ چاہیں تو ٹھنڈا کھائیں یا گرم' دونوں صورتوں میں اچھا لگے گا۔

ہمانعیم...... کراچی

مکس فروٹ زردہ

اشیاء:

چاول	آدھا کلو
چینی	آدھا کلو
انناس	آدھا ڈبہ
مکس فروٹ	آدھا ڈبہ
کھویا	250 گرام
کھانے کا رنگ	
ہرا لال پیلا	چٹکی بھر
بادام پستہ کشمش	حسب ضرورت
الائچی	چار سے پانچ عدد
لونگ	چار عدد
آئل	ایک کپ

ترکیب:

چاولوں کو پندرہ منٹ تک پانی میں بھگولیں پھر انہیں ابال لیں' جب چاول گل جائیں تو اخبار یا چھلنی میں رکھ دیں اب ایک بڑی دیگچی میں آئل گرم کریں اور الائچی کو بگھار لگانے کے بعد بادام پستہ' کشمش اور لونگ بھی شامل کردیں پھر چاول کی تہ لگائیں پھر چینی ڈالیں۔ یہ عمل اس وقت تک کریں جب تک چاول ختم نہیں ہوجاتے' اس کے بعد کھانے والے تینوں رنگ ایک ایک کرکے چھڑکیں اور دم پر رکھ دیں' تیار ہونے پر اسے ڈش میں نکال کر کھویا' فروٹ مکس اور انناس کی تہ لگا کر مہمانوں کے سامنے پیش کریں۔

صائمہ ابراہیم...... سیالکوٹ

زعفرانی سویاں

اشیاء:

سویاں	ایک پاؤ
گھی	ایک چھٹانک
پستہ	ایک تولہ
زعفران	دو ماشے
دودھ	ڈیڑھ پاؤ
کھویا	حسب پسند

ترکیب:

چینی کی چاشنی تیار کیجیے' کھویا گھی میں صرف دو منٹ تک بھونیے۔ سویاں پانی میں ابالنے کے بعد چھلنی میں پسار لیجیے۔ چاشنی کی پتیلی چولہے پر چڑھا کر بھونا ہوا کھویا چاشنی میں ڈال کر کفگیر سے چلایئے پھر چاشنی چولہے سے اتار لیجیے۔ زعفران اور دودھ ایک اور پتیلی میں ڈال کر جوش دیجیے' جب دودھ خشک ہوجائے تو اس پتیلی میں سویاں اور چاشنی ڈال کر کفگیر سے نرم ہاتھ سے چلایئے تاکہ چاشنی اور سویاں کی یک جاں ہوجائیں۔ اس کے بعد سویوں کو تھوڑی دیر کے لیے دم پر رکھ دیجیے پھر پتیلی چولہے سے اتار کر ان میں پستہ کی گریاں باریک کتر کر ڈال دیں۔

کنول...... کھاریاں

ماش کی دال کے بڑے

اشیاء:

ماش کی دال (بھگودیں)	آدھا کپ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
دہی	1/2 کلو
ثابت لال مرچیں	چھ عدد
زیرہ	دو چائے کے چمچے
چینی (پسی ہوئی)	دو چائے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

دال کو بھگودیں نرم ہوجائے تو اس میں ادرک پیسٹ' زیرہ پاؤڈر' بیکنگ پاؤڈر مکس کرکے چوپر میں پیس لیں' ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور بڑے بنا کر فرائی کرلیں' براؤن ہونے پر تیل سے نکال کر ٹھنڈے پانی میں بھگودیں' تھوڑی دیر کے بعد پانی سے نکال کر نچوڑ لیں اور ڈش میں پھیلائیں۔

اب دہی میں چینی اور نمک مکس کرکے پھینٹ لیں اور بڑوں پر ڈال دیں' ثابت لال مرچوں اور زیرے کو الگ الگ توے پر بھون کر پیس لیں اور بڑوں پر چھڑک دیں' املی کی میٹھی چٹنی ڈال کر سرو کریں۔

ارم اویس...... لاہور

آرائش حسن

حارثہ احمد

چہرے سے دانوں کو کیسے ختم کیا جائے؟

اپنی جلد کے معاملہ میں کچھ لوگ بہت حساس ہوتے ہیں عموماً وہ لڑکیاں جو یونیورسٹی یا جاب وغیرہ پر جاتی ہیں۔ اگر چہرے پہ کوئی دانہ بن جائے یا جلد گرمی کی وجہ سے جھلس جائے تو وہ کافی پریشان نظر آنے لگتی ہیں۔اور اس کے حل کے لیے مختلف کریمیں استعمال کرتے ہیں۔جن میں کیمیکل موجود ہوتے ہیں تو اُن کی جلد ٹھیک ہونے کی بجائے اور خراب ہو جاتی ہے دانے اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں ۔ اور چہرے کا اصلی تاثر ختم کر دیتے ہیں۔چہرہ عجیب آرٹیفیشل سا لگنے لگتا ہے۔ان سب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ کریموں کا استعمال بالکل بھی نا کیا جائے۔پھر سوال یہ اُٹھتا ہے کہ چہرے سے دانے ختم کرنے کے لیے کیا کیا جائے جس سے ہمارا چہرہ صاف ہو جائے۔

یہی سوال جب میں نے اپنی باجی سے کیا جو کہ ڈاکٹر ہے اُس نے مجھے کہا کہ ''کچھ نہ کیا جائے۔''

میں نے بہت حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کے پوچھا۔

''کیا مطلب؟ کچھ نہ کیا جائے تو پھر ہمارا چہرہ ٹھیک کیسے ہوگا؟'' تب باجی نے مجھے یہ جواب دیا۔

''زیادہ سے زیادہ پانی پیو اور کسی اچھے فیس واش سے اپنا چہرہ دن میں کئی دفعہ دھویا کرو۔جب چہرہ گرد اور جراثیم سے پاک رہے گا تو دانے آہستہ آہستہ خود ختم ہو جائیں گے بنا کسی سائیڈ افیکٹ کے۔''

اور یہ سب سے بہترین سادہ اور سب سے آسان طریقہ ہے۔اس کے علاوہ میں آپ کو قدرتی چیزوں سے اپنی جلد کی حفاظت کرنے کی چند خود کی آزمائی ہوئی ٹپس بتاتی ہوں۔جن پہ آپ بغیر کسی منفی نتائج کے عمل کر سکتی ہیں۔

قدرت نے اس دنیا میں انواع واقسام کی جڑی بوٹیاں اور پودے پیدا کیے ہیں۔جن میں مختلف بیماریوں سے شفاء موجود ہے۔گھیکوار (الوویرا) بھی ایک ایسا ہی پودا ہے جو اپنے اندر طبی فوائد کا خزانہ رکھتا ہے۔پنجاب میں اسے کوار گندل کہتے ہیں۔یونانی، رومن، اطالوی، روسی اور فرانسیسی زبان میں اسے ایلوویرا کہتے ہیں۔

☆ ایلوویرا کا گودا دن میں دو مرتبہ چہرے پہ لگانے سے نہ صرف آپ کی جلد جوان رہتی ہے بلکہ یہ چہرے کے دانے بھی ختم کرتی ہے اور آپ کے چہرے کو نکھارتی ہے۔

☆ اچھی صحت اور جلد کے لیے پانی اور مشروبات کا زیادہ استعمال کریں۔اگر ممکن ہو سکے تو تازہ پھلوں کا رس استعمال کریں۔ خاص طور پہ گرمیوں کے موسم میں زیادہ پانی پینے کی کوشش کریں۔ اس سے آپ کی جلد تروتازہ رہے گی۔

☆ ضرورت سے زیادہ چہرے پہ میک اپ کرنے اور مختلف کریموں کا استعمال کرنے سے گریز کریں۔یہ آپ کے حسن کے لیے اُلٹا نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔

☆ چہرے پہ اگر کیل اور مہاسے پیدا ہو جائیں تو کوشش کریں کہ انہیں بار بار ہاتھ نہ لگائیں نہ دانوں کو پھوڑنے کی کوشش کریں۔ اگر اس سے اجتناب نہ کیا تو دانوں والی جگہ پر سیاہ داغ بن جاتے ہیں جو بعد ازاں چہرے کی خوب صورتی کو ماند کر دیتے ہیں۔جس سے آپ کے چہرے کی خوب صورتی متاثر ہوتی ہے۔

☆ دیر تک سونے کی عادت سے ذہنی تناؤ میں اضافہ ہوتا ہے۔جس سے چہرے پر اگزیما کیل مہاسے نکل آتے ہیں۔اس لیے سونے اور اُٹھنے کا ایک وقت مقرر کریں اور اپنی اس روٹین کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔اس سے آپ کی جلد کے ساتھ ساتھ پورے جسم پر اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا۔

☆ رات کو ہمیشہ کوشش کریں کہ سونے سے پہلے اپنا چہرہ ضرور دھولیں کیونکہ اگر آپ چہرے سے میک اپ اور دوسری کثافتیں صاف کر کے نہیں سوئیں گے تو چہرے کے مسام دھول اور میک اپ کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں۔ جو بعد

ازاں کیل مہاسوں کی شکل میں چہرے پہ اُبھر آتے ہیں۔

☆ دھوپ سے جھلسی ہوئی جلد کے لیے انگور کے رس میں روئی بھگو کر چہرے پہ پھیریئے یا کسی نرم اور صاف ستھرے کپڑے میں برف کے ٹکڑے رکھ کر چہرے پر لگائیں۔

☆ کریلے جب بھی پکائیں تو اس کا پانی کبھی ضائع نہ کریں بلکہ چھان کر بوتل میں ڈال کر فریج میں محفوظ کرلیں اور پھر اس پانی میں بیسن ملا کر جلد پہ لگائیں۔ اس سے جلد نکھرتی بھی ہے اور دانے ختم ہوجاتے ہیں۔

☆ کھیرے اور ٹماٹر کا رس ہم وزن لے کر چھائیوں پہ لگانے سے فرق محسوس ہوگا۔

☆ کھیرے سے چہرے کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے قتلے کاٹ کر پندرہ منٹ کے لیے چہرے پہ رکھیں اور پھر منہ دھولیں۔

☆ چہرے کے داغ دھبے دور کرنے کے لیے پودینہ سرکے میں پیس کر بطور لیپ استعمال کریں۔ اس سے آپ کے چہرے کے داغ دھبے ختم ہوجائیں گے۔

☆ لیموں کا رس لے کر اس میں شہد ملا کر پانچ منٹ مساج کرنے کے بعد بیس منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ اس سے چہرے پہ بہت اچھی چمک آتی ہے۔

☆ کچے دودھ کو روئی کی مدد سے رات کو سونے سے پہلے چہرے پہ لگالیں۔ صبح اُٹھ کے منہ دھولیں۔ اس سے آپ کی جلد صاف اور چمکدار ہوجاتی ہے۔

☆ اگر کم وقت میں چہرے کو خوب صورت بنانا ہو تو ایک بڑا چمچہ بیسن، آدھے لیموں کا رس اور تھوڑی سی ہلدی ملا کر پیسٹ بنالیں اور دس یا پندرہ منٹ کے لیے چہرے پہ لگا رہنے دیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔ اس سے آپ کو اپنی جلد کافی تروتازہ محسوس ہوگی۔

آپ ان میں سے جس ٹپ کو بھی اپنائیں کوشش کریں کہ کم از کم ایک مہینہ یا پندرہ دن تسلسل اُس پر عمل کریں پھر ہی آپ اپنے چہرے پہ اس کے واضح نتائج دیکھ سکیں گی۔

صباحت رفیق

چہرے کی جھریاں دور کرنے کا ماسک

مٹی کی ایک کوری پیالی میں ایک چمچہ بالائی اور دو تین بادام اچھی طرح دھو کر صاف کرنے کے بعد اس سے چہرے کی ہلکی پھلکی مالش کریں پھر روئی کو آہستہ آہستہ چہرے پر پھیریں اور پھر باقی مرہم لگا کر سو جائیں، صبح اٹھ کر بیسن سے منہ دھولیں۔

یا پھر بکری کا کچا دودھ لے کر اس میں آدھا لیموں نچوڑ لیں، دودھ پھٹ جائے گا، اس پھٹے ہوئے دودھ کو سوتے وقت اچھی طرح چہرے پر مل لیں، یہ چہرے کی جھریاں دور کرنے کا شرطیہ طریقہ ہے۔

بالوں کی حفاظت

بالوں کو گھنگھریالے بنانے کے لیے سر کی چوٹی کے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں اکٹھا کر کے ایک ربڑ بینڈ سے باندھ لیں اور بالوں کے کچھ حصے کو کھلا چھوڑ دیں۔ پونی ٹیل میں باندھی ہوئی چٹیا کو تھوڑے تھوڑے بالوں میں تقسیم کرلیں، بالوں کے کھلے سروں کو برش میں لپیٹ لیں تاکہ برش سر کے ساتھ لگ جائے، اس پوزیشن میں بالوں کو پندرہ سیکنڈ تک رکھیں اور ساتھ ساتھ بالوں کو دباتے جائیں اور آہستہ آہستہ برش میں بل دیے بالوں کو کھولیں لیکن بینڈ کو نہ کھولیں، جیسے ہی آپ نے پونی ٹیل کیے بالوں کو سیٹ کرلیا دوسرے بالوں کو بھی اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے سیٹ کرتی جائیں۔ بالوں کو نقصان سے بچانے کے لیے پلاسٹک کے رولر کا استعمال نہ کریں اور ملائم دکھائی دینے والے بالوں کے سروں کو کاغذ سے لپیٹ دیں۔ یہ تسلی کرلیں کہ رولر نکالنے سے پہلے بال خشک ہوچکے ہیں۔

ہالہ سلیم......اورنگی کراچی

غزل

کبھی خوابوں کو روتے عمر گزاری ہے
یونہی جاگتے سوتے عمر گزاری ہے
مایوسی اور دکھ کی کالی ڈوری میں
روشن خواب پروتے عمر گزاری ہے
شاید کوئی اشک ستارہ ہوجائے
ہم نے روتے ہوئے عمر گزاری ہے
کیا تعمیر ہوا ہے یہ معلوم نہیں
پتھر ڈھوتے ڈھوتے عمر گزاری ہے
جانے کون ہماری فصلیں کاٹے گا
ہم نے آنسو بوتے عمر گزاری ہے

شاعر: علی ازمان

انتخاب: عائشہ رحمٰن ہنی..... ریالی، مری

غزل

لبوں پر آہ بھی رکھی
دعا بھی دائمی رکھی
کہا اس نے کہ تم رکھ لو
سو! ہم نے بے بسی رکھی
میں شاید بھول بیٹھا ہوں
کہاں تھی زندگی رکھی
رہا دل میں سدا ماتم
لبوں پر تو ہنسی رکھی
میرے رب نے میرے اندر
یہ کیسی عاجزی رکھی
ضروری تھی جو اک دیوار
وہ میں نے کاغذی رکھی
تیرے آنے کی صورت میں
تمنا جاگتی رکھی

شاعر: ازبر سفیر

انتخاب..... مدیحہ نورین مہک..... گجرات

عید کی خوشیاں

عید کی خوشیاں ہیں
تیرے دم سے ساجن
دیر نہ کرنا
جلدی آنا
بھر بھر کر آنکھوں میں
بھر بھر گجرا ہاتھوں میں
آس کے سارے دیپ
کر کے روشن
سارے ارماں رکھوں گی
تیرے آون کی راہوں میں
دیپ نہ یہ بجھا جانا
عید ہے آنے والی
تم بھی جلدی آ جانا

شاعر: فصیحہ آصف خان

انتخاب: پروین افضل بہاولنگر

محبت کی ایک نظم

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دل گیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اڑ کر تمہارے قدموں میں آ گرے تو
یہ جان لینا، وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے......
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
اگر کبھی میری یاد آئے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا
مجھے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا

میں اوس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
اگر ستاروں میں، اوس قطروں میں، خوشبوؤں میں نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں تمہیں ملوں گا
کہیں پہ روشن چراغ دیکھو تو جان لینا
کہ ہر پتنگے کے ساتھ میں بھی بکھر چکا ہوں
تم اپنے ہاتھوں سے ان پتنگوں کی خاک دریا میں ڈال دینا
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا
کسی نہ دیکھے ہوئے جزیرے پہ رک کے تم کو صدائیں دوں گا
سمندروں کے سفر پہ نکلو تو اس جزیرے پہ بھی اترنا

شاعر: امجد اسلام امجد

انتخاب: طلعت نظامی...... کراچی

تیری وفا کے نور کو تنویر بنا کر

تیری وفا کے نور کو تنویر بنا کر
آنکھوں میں بساؤں گا میں تصویر بنا کر
میں خون سے لکھوں گا محبت کی عبارت
خوابوں کو دکھا دوں گا محبت کی حقیقت
میں مفلسی کو پیار کی جاگیر بنا کر
وہ شام کہ جس شام تو بدلے گی نگاہیں
تحفے میں تجھے دوں گا نیا تیر بنا کر
ماضی کی روایت کو بدلوں گا میں اک دن
رانجھے کی مری جان، تجھے ہیر بنا کر
یوں جنگ کے میدان میں اتروں گا میں امجد
جذبوں کو ذرہ، ہاتھ کو شمشیر بنا کر

شاعر: امجد جاوید

راؤ رفاقت علی...... دنیا پور

تم بھول گئے شاید

تم بھول گئے شاید
وہ جو دودھ شہد کی کھیر تھی
وہ جو نرم مثل حریر تھی
وہ جو آملے کا اچار تھا
وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جو ہرن کے سیخ کباب تھے
وہ جو آپ اپنا جواب تھے
وہ جو کوئے کا انار تھا
وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو سیب زینت باغ تھے
وہ جو شاخ شاخ چراغ تھے
وہ جو آلوؤں کو بخار تھا
وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ رقیب کے جو بغیر تھی
وہ جو چاند رات کی سیر تھی
وہ جو عہد فصل بہار تھا
وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شاعر: انور مسعود

صباء عیشل...... بھاگووال

ذہن تقسیم کیا دل کو کشادہ کر کے

ذہن تقسیم کیا دل کو کشادہ کر کے
کیا ملا ترک تعلق کا ارادہ کر کے
یہ جو جگنو سے نظر آتے ہیں جگنو کب ہیں
لفظ اڑتے ہیں تخیل کو لبادہ کر کے
منزلیں کرنے لگیں میرا تعاقب جب سے
گھر سے نکلا ہوں تری یاد کو جادہ کر کے
ایسے بدلے ہیں زمانے کے سبھی طور کہ اب
لوگ کرتے ہیں محبت بھی ارادہ کر کے
پھر بھی اے دوست مروت میں کیے لیتا ہوں
جانتا ہوں وہ مکر جائے گا وعدہ کر کے
کیا ضروری ہے کہ اب راکھ کریدیں شاہین
اک فراموش محبت کا اعادہ کر کے

شاعر: ارشد شاہین

حنا مہر.....کوٹ ادو

وحشتیں حد سے زیادہ بھی ہمیں رکھتے ہیں

وحشتیں حد سے زیادہ بھی ہمیں رکھتے ہیں
دل وحشی تجھے سیدھا بھی ہمیں رکھتے ہیں
آئینے ٹوٹ کے ملتے ہیں ہمیں سے یعنی
اس بھرے شہر میں چہرہ بھی ہمیں رکھتے ہیں
یہ جو گلیاں تری خاک بنے پھرتے ہیں ہم
سچ بتائیں تو یہ سودا بھی ہمیں رکھتے ہیں
ہم سے لے جاؤ یہ تنہائی بڑے کام کی ہے
خیر رکھنے کو تو دنیا بھی ہمیں رکھتے ہیں
زندگی شرط ہے وہ شخص ہمارا ہوگا
اس طرح عشق کو بہکا بھی ہمیں رکھتے ہیں
پہلے رکھتے ہیں کڑی دھوپ پہ ہم دھوپ کی سل
اور پھر سائے پہ سایہ بھی ہمیں رکھتے ہیں
جی میں آتا ہے کہ بک جائیں کسی روز مگر
خود کو بازار میں مہنگا بھی ہمیں رکھتے ہیں

شاعر: ابھیشیک شکلا

عائشہ سلیم.....کراچی

یہ تنہا رات یہ گہری فضائیں

یہ تنہا رات یہ گہری فضائیں
اسے ڈھونڈیں کہ اس کو بھول جائیں
خیالوں کی گھنی خاموشیوں میں
گھلی جاتی ہیں لفظوں کی صدائیں
یہ پانی خامشی سے بہہ رہا ہے
اسے دیکھیں کہ اس میں ڈوب جائیں
جو غم جلتے ہیں شعروں کی چتا میں
انہیں پھر اپنے سینے سے لگائیں
چلو ایسا مکاں آباد کرلیں
جہاں لوگوں کی آوازیں نہ آئیں

شاعر: احمد مشتاق

ارم شہزادی.....تلہ گنگ

زنداں کی ایک صبح

رات باقی تھی ابھی جب سر بالیں آ کر
چاند نے مجھ سے کہا جاگ سحر آئی ہے
جاگ اس شب جو مئے خواب ترا حصہ تھی
جام کے لب سے تہ جام اتر آئی ہے
عکس جاناں کو وداع کر کے اٹھی میری نظر
شب کے ٹھہرے ہوئے پانی کی سیاہ چادر پر
جا بجا رقص میں آنے لگے چاندی کے بھنور
چاند کے ہاتھ سے تاروں کے کنول گر گر کر
ڈوبتے تیرتے مرجھاتے رہے کھلتے رہے
رات اور صبح بہت دیر گلے ملتے رہے
صحن زنداں میں رفیقوں کے سنہرے چہرے
سطح ظلمت سے دمکتے ہوئے ابھرے کم کم
نیند کی اوس نے ان چہروں سے دھوڈالا تھا
دیس کا درد فراق رخ محبوب کا غم
دور نوبت ہوئی پھرنے لگے بیزار قدم
زرد فاقوں کے ستائے ہوئے پہرے والے
اہل زنداں کے غضبناک خروشاں نالے
جن کی بانہوں میں پھرا کرتے ہیں بانہیں ڈالے
لذت خواب سے مخمور ہوائیں جاگیں
جیل کی زہر بھری چور صدائیں جاگیں
دور دروازہ کھلا کوئی بند ہوا
دور مچلی کوئی زنجیر مچل کر روئی
دور اترا کسی تالے کے جگر میں خنجر
سر ٹپکنے لگا رہ رہ کے دریچہ کوئی
گویا پھر خواب سے بیدار ہوئے دشمن جاں
سنگ و فولاد سے ڈھالے ہوئے جنات گراں
جن کے چنگل میں شب و روز کی نازک پریاں
اپنے شہپور کی راہ دیکھ رہے ہیں یہ اسیر
جس کے ترکش میں ہیں امید کے جلتے ہوئے تیر

شاعر: فیض احمد فیض

سدرہ شاہین.....پیرووال

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اسی کی شان نظر آئی جدھر دیکھا
قیام کس کا ہوا اس سرائے فانی میں
ہمیشہ ایک کے بعد ایک کا سفر دیکھا
مثال شاخ جھکے جب تو ہم پھلے پھولے
نہال عجز لگا کر عجب ثمر دیکھا
جو کچھ تھا رزق مقدر ملا وہ گھر بیٹھے
ہزار شکر، نہ ہم نے کسی کا در دیکھا
کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

شاعر: میرانیس

صدف آصف.....آسٹریلیا

اپنی تصویر کو آنکھوں سے لگاتا کیا ہے

اپنی تصویر کو آنکھوں سے لگاتا کیا ہے
اک نظر میری طرف دیکھ ترا جاتا کیا ہے
میری رسوائی میں تو بھی ہے برابر کا شریک
میرے قصے میرے یاروں کو سناتا کیا ہے
پاس رہ کر بھی نہ پہچان سکا تو مجھ کو
دور سے دیکھ کے اب ہاتھ ہلاتا کیا ہے
سفر شوق میں کیوں کانپتے ہیں پاؤں تیرے
دور سے دیکھ کے اب ہاتھ اٹھاتا کیا ہے
عمر بھر اپنے گریباں سے الجھنے والے
تو مجھے میرے سائے سے ڈراتا کیا ہے
مر گئے پیاس کے مارے تو اٹھا ابر کرم
بجھ گئی بزم تو اب شمع جلاتا کیا ہے
میں ترا کچھ بھی نہیں ہوں مگر اتنا تو بتا
دیکھ کر مجھ کو تیرے ذہن میں آتا کیا ہے

شاعر: شہزاد احمد

جویریہ ضیاء.....کراچی

اپنے حواس میں شب غم کب حیات ہے

اپنے حواس میں شب غم کب حیات ہے

اے درد ہجر تو ہی بتا کتنی رات ہے
ہر کائنات سے یہ الگ کائنات ہے
حیرت سرائے عشق میں دن ہے نہ رات ہے
جینا جو آ گیا تو اجل بھی حیات ہے
اور یوں تو عمر خضر بھی کیا بے ثبات ہے
کیوں انتہائے ہوش کو کہتے ہیں بے خودی
خورشید ہی کی آخری منزل تو رات ہے
ہستی کو جس نے زلزلہ ساماں بنا دیا
وہ دل قرار پائے مقدر کی بات ہے
یہ موشگافیاں ہیں گراں طبع عشق پر
کس کو دماغ کاوش ذات و صفات ہے
ہستی بجز فنائے مسلسل کے کچھ نہیں
پھر کس لیے یہ فکر قرار و ثبات ہے
عنوان غفلتوں کے ہیں فرقت ہو یا وصال
بس فرصت حیات فراق ایک رات ہے

شاعر: فراق گورکھپوری

انتخاب: ماہ نور بلوچ.....حیدرآباد

سوال کیسے کروں میں اس سے

سوال کیسے کروں میں اس سے، جواب ہے جو مری دعا کا
کرے گا کیسے وہ بے وفا، مجھ یقیں ہے مری وفا کا
نہ اس سے ملنے کی ہے تمنا، نہ اس کو پانے کی آرزو ہے
دیا محبت کا جل رہا ہے، جو جی میں آئے کرے ہوا کا
جو بادلوں پر میں چل رہی ہوں تو آسمانوں کو چھو رہی ہوں
کہ ساتھ میرے ہی چل رہا ہے وہ ہاتھ تھامے ہوئے گھٹا کا
میں اس کے شعروں میں ڈھل رہی ہوں وہ میرا لہجہ بدل رہا ہے
میں چپ رہوں اور کہوں نہ کچھ بھی، یہی تقاضہ تو ہے حیا کا
بھلائے بیٹھی ہوں ساری دنیا دھڑک رہا ہے وہ میرے دل میں
جو دوریاں ہیں سمندروں کی وہ فاصلہ ہے بس اک صدا کا

شاعر: الماس شمی

انتخاب: فاطمہ.....فیصل آباد

شوخیٔ تحریر

قلم کی نوک سے

☆قلم ایک ایسی چیز ہے جو جہاد کرتی ہے اپنی روانی سے اپنی نوک سے۔

☆قلم اگر اچھے ہاتھوں میں چلا جائے تو بہت شاہکار تحریر بنتی ہے اور اگر برے اور جاہل لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جائے تو یہی لوگ قلم کو لکڑی کا ٹکڑا سمجھ کر جلا دیتے ہیں لیکن کچھ لوگ قلم کے معیار پر پورا اترتے ہیں اور اسے ایک مجسمہ بنا دیتے ہیں۔

قلم سے عداوت دور ہوتی ہے دلوں میں محبت پیدا کرنے کا بہتر سامان ہے۔

☆قلم کی نوک سے تہوار منائے جاتے ہیں۔

☆قلم روزمرہ معمولات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

☆قلم اپنی ادا برقرار رکھتا ہے۔

مہوش شبیر...... فیروزہ

کون کس صفت میں مشہور ہوا

خلق خدا...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

قد و قامت میں...... حضرت آدم علیہ السلام۔

صبر و استقلال میں...... حضرت ایوب علیہ السلام۔

استقامت میں...... حضرت نوح علیہ السلام۔

حسن میں...... حضرت یوسف علیہ السلام۔

حکمرانی میں...... حضرت سلیمان علیہ السلام۔

انصاف میں...... حضرت عمر فاروقؓ۔

حیاء میں...... حضرت عثمان غنیؓ۔

سچائی میں...... حضرت ابوبکر صدیقؓ۔

شجاعت میں...... حضرت علیؓ۔

مرتبہ شہادت میں...... حضرت امیر حمزہؓ۔

حافظہ صائمہ کشف...... فیصل آباد

مسکرائیں

بیوی نے میکے سے شوہر کو فون کیا "میں تمہاری یاد میں پندرہ دنوں میں آدھی رہ گئی ہوں مجھے لینے کب آ رہے ہو؟"

شوہر...... "پندرہ دن بعد"

بدلہ

لڑکیاں زندگی کے ہر موڑ پر ڈرتی ہیں اکیلی ہوں تو سنسان راہوں کا ڈر۔

بھیڑ میں ہوں تو لوگوں کا ڈر۔

کوئی دیکھ رہا ہو تو اس کا ڈر۔

بچپن میں والدین کا ڈر۔

جوان ہوں تو بھائیوں کا ڈر۔

وہ ڈرتی ہیں جب تک ڈرتی ہیں جب تک انہیں کوئی جیون ساتھی نہیں مل جاتا۔ یہی وہ شخص ہوتا ہے جس سے وہ سب کا بدلہ لیتی ہے۔

یہ جو تم لگ رہی ہو اتنی پیاری
اس پر لگی ہے میری تنخواہ ساری

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

سات سچی باتیں دنیا کی

☆آپ کی آنکھیں آپ کے جسم کا وہ حصہ ہیں جنہیں آپ صابن سے نہیں دھو سکتے۔

☆آپ اپنے بال نہیں گن سکتے۔

☆آپ کی زبان آپ کے نچلے ہونٹ کو نہیں چھو سکتی۔

صرف بے وقوف لوگ پوائنٹ نمبر 3 ٹرائی کریں گے۔

آپ مسکرا رہے ہو کیوں کہ آپ ٹرائی کر چکے ہو۔

آپ ہنس رہے ہیں کیونکہ آپ بے وقوف بن چکے ہو۔

کیوں مزا آیا ناں بے وقوف بننے میں ہاہاہا۔

ہمیں بھی بہت مزا آیا تھا بے وقوف بن کے۔

صبا زرگر ڈ کا عزرگر...... جوڑہ

رزق

شیخ سعدی فرماتے ہیں......

"انسان کو جتنا لگاؤ رزق سے ہے
اگر اتنا رزق دینے والے سے ہو جائے
تو اس کا مقام فرشتوں سے بڑھ جائے"

کائنات جعفری...... جلالپور سیداں خوشاب

محبت

۞ انسان جس سے محبت کرتا ہے اسے کبھی نہیں بھولتا۔ قدم قدم پر انسان کو اپنا پیار یاد آتا ہے محبت بڑی ظالم شے ہے انسان کی ذات کو مسمار کر کے رکھ دیتی ہے۔

۞ محبت چھین کے نہیں لی جاتی یہ تو دی جاتی ہے کبھی سکھ نہیں ملتا بلکہ دکھ ملتے ہیں۔

❁ محبت کا جذبہ دل میں اپنے آپ ہی ابھرتا ہے۔
❁ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کو بھول جانا ایسا ہے جیسا بغیر سانس کے جینا۔
❁ محبت میں انا نہیں ہونی چاہیے یہ انسان کو برباد کرتی ہے۔
❁ محبت جس سے بھی ہو دل سے دعا نکلتی ہے رب کریم ہمارا محبوب خوش رہے۔

سمیرا گل تاز یوسف ...... کراچی

بچوں کی پسندیدہ باتیں

❀ وہ رو رو کر مانگتے ہیں اور اپنی بات منوا لیتے ہیں۔
❀ وہ مٹی میں کھیلتے ہیں یعنی غرور و تکبر کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔
❀ وہ لڑتے ہیں پھر صلح کر لیتے ہیں یعنی دل میں کینہ و حسد نہیں رکھتے۔
❀ جو مل جائے کھاتے ہیں' جمع و ذخیرہ نہیں کرتے۔

تعلیم

☆ جس معاشرے میں تعلیم کا بنیادی مقصد "نوکری" کا حصول ہو اس معاشرے میں پھر نوکر ہی پیدا ہوتے ہیں رہنما نہیں۔

لوگ

☆ کمزور لوگ انتقام لیتے ہیں' طاقت ور معاف کرتے ہیں اور سمجھدار لوگ نظر انداز۔

کردار

☆ ہمارے فیصلے ہی ہماری کامیابی اور ناکامی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

معیار

☆ ہم زندگی کا معیار بلند کرنے کی دوڑ میں معیار انسانیت سے گر جاتے ہیں۔

وقت

☆ وقت سے زیادہ خود غرض کوئی نہیں ایک بار گزر جائے تو کسی قیمت پر واپس نہیں آتا۔

مدیحہ نورین مہک ...... گجرات

عید کا چاند

عید کے چاند کی مانند ہوا ہے اب تو
آہ...... وہ شخص جو روز ملا کرتا تھا

ماروی یاسمین ...... 44ج سرگودھا

ماں

❁ اپنی زبان کی تیزی اس ماں پر مت آزماؤ جس نے تمہیں بولنا سکھایا۔
❁ اپنی ماں کو ایک دفعہ محبت بھری نگاہ سے دیکھنے کا ثواب ایک مقبول حج جتنا ہے۔
❁ ماں کے لیے سب کو چھوڑ دینا لیکن سب کے لیے ماں کو مت چھوڑنا کیونکہ جب ماں روتی ہے تو فرشتوں کو بھی رونا آتا ہے۔
❁ یا اللہ تُو نے جو دیا اور جو تُو نے نہیں دیا اور جو تو نے دے کر لے لیا ان سب پر تیرا شکر کیونکہ جو تُو نے دیا وہ تیری نعمت جو تُو نے نہیں دیا وہ تیری حکمت اور جو تُو نے دے کر لے لیا وہ ہمارا امتحان۔
❁ یا اللہ ہمیں ہر حال میں شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما' آمین۔

لبنیٰ شکیلہ ...... اولکھ جٹاں' سیالکوٹ

انمول باتیں

☆ انا کا مضبوط ترین خول ہمیشہ محبت توڑتی ہے۔
☆ لوگ کہتے ہیں کہ کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی نہیں رک جاتی لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ لاکھوں کے مل جانے سے بھی اس ایک کی کمی پوری نہیں ہوتی۔
☆ آنسو اس وقت زیادہ نکلتے ہیں' اس وقت زیادہ تکلیف دیتے ہیں جب کوئی اپنا دکھ دے۔
☆ دوسروں سے ہمدردی رکھو کیونکہ کل تمہیں خود بھی دوسروں کی ہمدردی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔
☆ دنیا کا سب سے خوب صورت پودا محبت کا ہوتا ہے' جو زمین پر نہیں بلکہ دل میں اُگتا ہے۔

ارم ریاض ...... برنالی

آپریشن

اسپتال کا سارا عملہ ایک شخص کے پیچھے بھاگ رہا تھا' کسی نے پوچھا۔
"کیا ہوا تم لوگ کیوں بھاگ رہے ہو؟" تو ہسپتال کے ملازم نے جواب دیا۔
"یہ شخص جو سب سے آگے بھاگ رہا ہے' چوتھی بار دماغ کا آپریشن کروانے آیا تھا اور ہر دفعہ بال کٹوا کر بھاگ جاتا ہے۔"

سمیرا سواتی......بھیرکنڈ

میری زندگی

ایک دن اس نے مجھ سے پوچھا۔
''تمہارے نزدیک کس کی زندگی اہم ہے؟''
''میری یا اپنی۔''
میں نے کہا۔''میری اپنی زندگی۔''
اور وہ اٹھ کر چلا گیا اور کبھی مڑ کر واپس نہ آیا
پاگل اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ
وہی تو ہے میری زندگی۔

زہرہ فاطمہ......نامعلوم

ماں

کیا میں اس قابل ہوں کہ ماں جیسی عظیم ہستی کے بارے میں لکھ سکوں' ماں کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ میری ماں دنیا کی سب سے اچھی ماں ''ہر اولاد کے لیے اس کی ماں اچھی ہی ہوتی ہے'' لیکن میری ماں میری دوست' غم ساز' استاد' ہمراز' اچھے کام پر حوصلہ افزائی تو غلط کام پر ڈانٹ۔
ماں لفظ سے ہی مٹھاس ہے' ماں وہ ہے جو نہ ہو تو گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ ماں کی آواز سن کر دل کو عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ ماں ایسی ہستی ہے جس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ میری ماں نرم دل خاتون ہیں جب میں بہت چھوٹی تھی میرے بابا گزر گئے اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ ایسے میں میری ماں نے ہمیں کیسے پالا میں جانتی ہوں اگر ہم ننگے پاؤں دھوپ میں چلے جاتے تو اس کا دل تڑپ اٹھتا۔ وہ مچل جاتی' بیماری میں ساری رات جاگ لیتی پر ہمیں سکون دیتی۔ لفظ نہیں ہے امی جان کہ آپ کے پیار کو بیان کر سکوں' اللہ میری ماں کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔

سحر حسین......نامعلوم

وہ لمحے

وہ دن وہ راتیں
وہ ہماری الجھی سی باتیں
ان ہی باتوں میں ایسی بات کہہ دینا
جس کا کوئی معنی نہ ہو
بڑی بڑی باتیں چٹکیوں میں اڑا دینا
اپنے غم میں کسی کو شریک نہ کرنا
خود ہی رونا خود ہی ہنسنا
کہاں گئے وہ دن' وہ راتیں؟
وہ ہماری اپنی بے معنی باتیں
نہ کسی کو بتانا نہ کسی سے پوچھنا
شاید یا یقیناً وہی لمحے ہاں وہی لمحے کامیاب تھے

ماروی میمن......44 جنوبی سرگودھا

دوستی کی ڈش

دوستی کی مزے دار ڈش بنانے کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کی ضرورت ہے' تعارفی مصالحہ' خلوص' برداشت' محبت اور سب سے اہم چیز پرخلوص انسان۔
سب سے پہلے پرخلوص انسان تلاش کرکے ان پر تعارفی مصالحہ چھڑکیں' جب مصالحہ جذب ہوجائے حسب ضرورت ملنساری' محبت اور خلوص کے ساتھ مکس کرکے ہنسی خوشی اور پیار کے پیالے میں رکھ دیں۔ اب اسے نکالیں اور برداشت کا مصالحہ چھڑک دیں' اب زبردست دوستانہ ڈش تیار ہے' حسد کی آگ سے دور رکھیں اور ہر موسم میں لطف اٹھائیں۔

عائشہ رحمن ہنی......ریالی مری

انمول موتی

☆زندگی ایسے جیو کہ اپنے رب کو پسند آجاؤ
کیونکہ دنیا والوں کی پسند تو پل میں بدل جاتی ہے
☆ان کا بھروسہ مت کرو جن کا خیال وقت کے ساتھ بدل جائے بھروسہ ان کا کرو جن کا خیال تب بھی وہی رہے جب آپ کا وقت بدل جائے۔
☆عزت ایک مہنگی چیز ہے اس کی توقع سستے لوگوں سے نہیں کرنی چاہیے۔
☆خیالات کی آمدنی کم ہو تو لفظوں کی فضول خرچی نہیں کرنی چاہیے۔

کائنات جعفری......جلالپور سیداں' خوشاب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ سبحان وتعالیٰ کے متبرک نام سے ابتدا ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ جولائی حجاب کا شمار بطور عید نمبر پیش خدمت ہے امید ہے عید کے رنگ' آرائش وزیبائش آپ کو اس میں نظر آئے گی۔ اب اپنی اس کاوش میں ہم کہاں تک کامیاب رہے اور ہمارے رائٹرز کہاں تک آپ کے ذوق کو پذیرائی بخش سکے اس کے لیے آپ کے تبصرے اور خطوط کی شرکت ضروری ہے۔ آپ بہنوں کی بھرپور انداز میں شرکت ہی حسن خیال کی محفل کو چار چاند لگاتی ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ اس بار حسن خیال کی محفل کو کیسے آپ بہنیں رونق بخش رہی ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات۔ السلام علیکم! رمضان المبارک کا شمارہ خوب صورت ٹائٹل اور خوب صورت ماڈل کے ساتھ 6 جون کو ملا اور دل باغ باغ ہوگیا۔ فہرست پر ایک نظر دوڑائی' نئے اور پرانے ناموں کو دیکھا دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ اس دفعہ افسانوں کی تعداد زیادہ تھی' دیکھ کر اچھا لگا۔ پہلے افسانوں کی ہی بات کرتے ہیں تمام افسانے بہت عمدہ تھے' ہر افسانے کو پڑھ کر لگ رہا تھا کہ واقعی رمضان نمبر کا شمارہ ہے۔ افسانہ ''سفید پوش'' نمرہ فرقان نے بہت ہی خوب صورت طریقے سے بتانا چاہا کہ دوسروں کی باتوں میں آ کر کسی پر الزام تراشی کرنا اس پر زندگی تنگ کرنا' کوئی بہادری کی بات نہیں ہے۔ شائستہ نے سارا پر الزام لگائے مگر اللہ نے سید حارستہ دکھانا تھا تبھی ان ماں بیٹی کی باتیں سنیں شائستہ نے اور اپنے کیے پر نادم ہوئی اور اللہ سے معافی مانگی۔ ''انگوٹھا چھاپ'' عائشہ تنویر کا افسانہ بھی اچھا تھا' واقعی ہم ہیں تو انگوٹھا چھاپ ہی جتنا بھی پڑھ لیں شناختی کارڈ کے لیے ہمارا انگوٹھا چھاپ ہونا ہی کام آتا ہے۔ سمیعہ عثمان کی تحریر ''یوں نہ چاہا تھا'' انتہائی لاجواب۔ ماں باپ کے بعد جو حال شزا کا ہوا تھا وہی ہوتا ہے آج کل۔ احسن خان نے شزا کو محض جسمانی راحت کے لیے پایا مگر انصاف کرنے والا تو اللہ ہے نا' اس نے احسن سے اس کا مان اور غرور اس کے بچے چھین لیے وہ دوبارہ شزا کا ہی ہوگیا۔ ''خوب صورت عشق'' ماشاء اللہ کیا خوب صورت تحریر تھی۔ رابعہ نے مائیکل کو راہ راست پر لانے کے لیے جو کیا اس کے بعد وہ اس سے انکاری ہوگیا مگر رابعہ نے خود کو عبدالمالک کی پسند میں ڈھال لیا اور ان دونوں کو دونوں طرف سے خوب صورت عشق نصیب ہوا۔ ''شکر ونمائش'' بھی اپنی طرز کا اعلیٰ افسانہ تھا گڈ مونا شاہ۔ ''ایک حرف مکرر ہے محبت'' واہ واہ کیا خوب صورت اینڈ ہوا ہے آخر کار حسن نے اپنی محبت فلک سے منوا ہی لی' مودت کی پلاننگ بھی کمال کی تھی ساری اسٹوری میں۔ ''نازک سی عورت'' شانزے کا کردار بہت ہی مضبوط تھا' وہ حاکم کے لیے اتنا کچھ کرتی رہی مگر وہ سمجھا نہیں شانزے نے جذباتیت کی بجائے سمجھ داری سے فیصلہ کیا اللہ نے حاکم اسے ہی لوٹا دیا۔ ''حیات ہوئی مہتاب'' سفیان اور زرش کی سوچ میں زمین وآسمان کا فرق تھا مگر سفیان نے سچ ہی کہا' زرش جیسی بیویاں قسمت والوں کو ملتی ہیں۔ زرش نے اچھی بیوی ہونے کا ثبوت دیا' سفیان کو سیدھے راستے کی طرف لائی۔ ''شناسائی'' آہ کیا کہوں اس کے بارے میں' بہت ہی زبردست تحریر تھی' دل کی گہرائیوں سے لکھی گئی۔ یشب کی وجہ سے عائلہ کو بہت سی مشکلات' بدنامی کا سامنا کرنا پڑا جب یہ سب عائلہ پر کھلا تو وہ ناآشنا ہوگئی' یشب کے ساتھ ٹھیک ہی تو کیا تھا عائلہ کے ماں کے کردار پر لگا داغ اس کی بیٹی کے مقدر میں بھی آئے گا۔ ''ہزاروں خواہشیں ایسیں'' ہاہاہاہا...... مجھے تو اریما کی حالت پر رحم کے ساتھ رونا آتا تھا مگر ہنسی بھی آرہی تھی' کس نے کہا تھا عمر کے سامنے شوخیاں مار کہ شادی نہ ہوتی تو میں ڈاکٹر ہوتی' ہاہاہا۔ بے چاری اریما گڈ گڈ نورعین...... عشنا کوثر سردار کا انٹرویو بہت اچھا لگا' کیا خوب صورت انداز گفتگو ہے کمال اعلیٰ' باقی سب سلسلے بھی بہت اچھے تھے سب کو میری طرف سے عید مبارک' اللہ حافظ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی جوہی احمد صاحبہ! السلام علیکم! اس بار ماہ جون کا حجاب رمضان نمبر عظمٰی راؤ کے باحجاب سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے۔ سلسلے وار ناولز تو ہوتے ہی خوب ہیں' ان کے علاوہ ہزاروں خواہشیں ایسیں...... ''ڈھل گیا ہجر کا دن' شناسائی' شکر ونمائش' حیات ہوئی ماہتاب' خوب صورت عشق' یہ راہ مشکل نہیں'' پسند آئیں۔ بزم سخن میں نورین انجم اعوان' سپاس گل' مدیحہ نورین مہک' شازیہ ممتاز۔ عالم میں انتخاب' جویریہ کرن' صباء عیشل' صدف آصف۔ شوخی تحریر میں مدیحہ کنول سرور' نجم انجم اعوان' راؤ تہذیب' حسن تہذیب۔ حسن خیال میں سعدیہ عابد' سائرہ راؤ' حرا قریشی' سحرش فاطمہ' اقرا جٹ چھائے رہے۔ میرے لیے اتنے اچھے الفاظ کا چناؤ کرنے پر جویریہ وسی کا بہت شکریہ۔ میری نگارشات پسند فرمانے پر مدیحہ نورین مہک'

گل مینا خان‘ حرا قریشی‘ سائرہ راؤ کا شکریہ۔ میری اب تک رائٹرز میں میری نند فریدہ جاوید فری‘ جویریہ وسیم‘ کوثر خالد‘ صوفیہ سے فون پر بات ہوئی۔ فریدہ جاوید فری‘ کوثر خیال یعنی کوثر خالد سے بات ہوتی ہے تو ان کا نرم لہجے میں بات کرنا ایسا لگتا ہے کہ جیسے پھول جھڑ رہے ہوں اور جویریہ وسیم اور صوفیہ سے بات ہوتی ہے تو ان کی شوخ و چنچل اور چلبلی باتیں ہوتی ہیں یعنی ایک طرف دھیما اور نرم لہجہ دوسری طرف شوخ و چنچل لہجہ آپ چاروں کے لیے کہوں گی۔

شکستہ آرزو بن کر تیری دھڑکن میں کیا رہنا
تُو اپنے دل کی بستی کو میری جاگیر بننے دے
تصور میں بھی اونچی اڑانیں بھول جائے گا
میری چاہت کو اپنے پاؤں کی زنجیر بننے دے

فریدہ فری...... لاہور۔ پیاری جوہی السلام علیکم! جون کا حجاب ملا‘ دل کو سکون ملا۔ اس مرتبہ بھی لاجواب تحریریں پڑھنے کو ملیں۔ قیصر آرا نے اداریہ خوب اچھا لکھا‘ رخ سخن میں عشنا کوثر سردار واہ بھئی مزا آ گیا‘ اتنی مشہور رائٹر کیا بات ہے انٹرویو پڑھ کر مزا آ گیا۔ افسانے ابھی کچھ بے قراری ہے‘ سیما بنت عاصم ”نازک سی عورت“ ثمرین کیا خوب لکھا۔ ”خوب صورت عشق“ زینب اصغر لاجواب تحریر۔ ”انگوٹھا چھاپ“ لاجواب تحریر۔ ”سفید پوش“ کیا بات ہے نمرہ فرقان جی۔ جویریہ جی جن الفاظ میں ہماری تعریف کی بے حد شکریہ‘ خوش رہو بے حد سلام اور دعا۔ کچن کارنر میں مرچوں کے پکوڑے کھا کر مزا آ گیا‘ کوثر خالد حمد پڑھ کر سرور ملا‘ یار کیا لکھتی ہو‘ کہیں نظر نہ لگے آپ کو ایوارڈ دیا۔ پیاری پروین بھابی یاد کرنے کا شکریہ اور جو میرے لیے شاعری کی ہے بہت ہی اچھی لگی۔ تمہیں بھی اللہ تعالیٰ بہت سی خوشیاں دکھائے‘ آمین۔ پچھلے ماہ ہاتھ کے درد کی وجہ سے تبصرہ نہیں کر سکی ابھی آرام ہے سب کو دعا‘ سلام۔ کوثر خالد کی کمی بے حد محسوس ہوئی‘ سب کو عید مبارک‘ اللہ حافظ۔

فائزہ بتول...... خانیوال۔ تمام ریڈرز‘ پیارے رائٹرز اور حجاب کے تمام اسٹاف کو فائزہ کی جانب سے سلام۔ عید کے دن کس گہما گہمی میں گزرے کچھ خبر نہیں‘ آج کچھ فراغت میسر آئی تو سوچا حجاب کے عید نمبر کی بھی خیر خبر لی جائے اور رمضان نمبر پر اپنی رائے کا اظہار بھی کیا جائے لہٰذا حسن خیال کی محفل میں ہمارے خیالات چار چاند لگانے کے لیے حاضر ہیں‘ آئیے آپ بھی مستفید ہوں۔ جون کا شمارہ رمضان نمبر تو رمضان میں ہی مل گیا سر پر آنچل جمائے عظمیٰ راؤ کچھ جلد بازی میں نظر آئیں غالباً ان دنوں افطاری کی تیاری کی جلدی ہوگی میک اپ کے مٹے مٹے اور پھیکے پھیکے نقوش عجیب جلد بازی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ سادگی کو اولیت دیتی تو یہ نہ ہوتا ہاں حمد و نعت کی محفل میں کوثر خالد کی حمد پڑھ کر سبحان اللہ کہتے کوثر کے زور قلم میں مزید بہتری کی دعا کی۔ نعت میں مدینے کا ذکر اور مشہور نعت تھی‘ غرض دل میں اتر گئی۔ ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا بن گیا رقیب آخر جو تھا راز داں اپنا چاروں پریوں سے ملاقات اچھی لگی‘ خصوصاً لاریب انشال اور وزیہ ظفر کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ رخ سخن میں عشنا کوثر کا احوال جان کر بہت سی معلومات حاصل ہوئیں ویسے عشنا جب بھی آتی ہیں‘ ایک نئے اور منفرد انداز میں سامنے آتی ہیں۔ فاخرہ گل کی کاوش آغوش مادر نے آنکھوں میں نمی بکھیر دی‘ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کے درجات بلند فرمائے اور دعا ہے کہ ہمیں بھی ایسی ہی باعزت موت نصیب ہو‘ بے شک درود شریف کی برکت سے دین و دنیا دونوں سنور جاتے ہیں۔ اس کے بعد آئے اپنے سلسلے وار ناولز کی طرف تو صدف آصف ”دل کے دریچے“ وا کیے ایک نئے موڑ پر نظر آئیں‘ شرمیلا پر آہستہ آہستہ نبیل کی اصلیت واضح ہوگی اور پھر یہی کہتی نظر آئے گی ”اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا“ نائلہ طارق ”شب آرزو“ کی تلاش میں مصروف ہیں اور ہم بھی خوش ہیں کہانی اچھے انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ نادیہ فاطمہ کی تحریر ”میرے خواب زندہ ہیں“ سست روی سے آگے بڑھ رہی ہے فراز شاہ کی ملاقات وہاں ماریہ سے بھی ہوگی آخر ابرام سے تو ہوگئی ہے۔ مکمل ناول کی طرف آئے تو سب سے پہلے ”ڈھل گیا ہجر کا دن“ نے اپنی جانب توجہ مبذول کروائی۔ اے کاش ہجر و فراق کے یہ لمحات ہر کسی کی زندگی سے ڈھل جائیں۔ ڈی سی صاحب سمیر کے شاہانہ انداز اور کشمالہ کے نازک جذبات دونوں ہی بے حد پسند آئے ویسے نادیہ کا ارادہ سمیر کے ساتھ علینہ کو فٹ کرنے کا لگتا ہے آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟ فضہ ہاشمی کا ناول بھی اختتامی مراحل تک آتے آتے بہت سے در وا کر گیا لیکن جس ناول نے روزوں میں عید کا مزہ دیا وہ تھا ”ہزاروں خواہشیں ایسی“ نور عین نے نہایت شگفتہ اور ہلکے پھلکے انداز میں تفریح طبع کا سامان کیا۔ اریما کی حالت زار پر بے ساختہ قہقہے نکل گئے اور محاوروں کا برمحل استعمال وہ بھی اپنے لیے کہ ”جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے“ اور ”شیخی خور کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے“ اور اینڈ پر بھی شیخی کا بھرم قائم کرنا رکھنے کے لیے ہونٹوں پر سجائی گئی مسکراہٹ نے ہمیں بھی کھلکھلانے پر مجبور کر دیا۔ افسانوں کی ایک لمبی قطار نے سماں باندھ رکھا تھا حمیرا نوشین نے مختصر پیرائے میں

موثر وجامع پیغام دیا کیپ اٹ اپ حمیرا۔ سیما بنت عاصم کی تحریر نے جہاں دل موہ لیا وہیں ایک سوگوار سا تاثر بھی قائم کیا۔ پرانے طرز و انداز اور روایتی رسم و رواج کی خوب صورت عکاسی تھی‘ سیما بنت عاصم کے انداز میں۔ مونا شاہ نے امیر و غرب کے فرق کو بخوبی دکھایا روزے کا اصل مفہوم و مقصد بھی خوب واضح ہوا۔ ”سفید پوش“ میں نمرہ نے بھی اپنی ہیروئن کے ذریعے اچھا پیغام دیا‘ شکر ہے اسے رمضان گزرنے سے پہلے عقل و سمجھ آگئی۔ ”یوں نہ چاہا تھا“ حقیقت کے قریب تحریر تھی بعض اوقات حقیقت اس روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے کہ بے ساختہ نگاہیں چرانے کو دل چاہتا ہے۔ آخر میں ”انگوٹھا چھاپ“ پڑھی اور پڑھ کر موڈ بے حد خوشگوار ہوگیا ویسے اس طرح طنز و مزاح لیے ایک بھرپور تحریر ہر بار ہونی چاہیے تاکہ زندگی کے تلخ حقائق سے کچھ دیر کے لیے نظر چرا کر ہر انسان جی بھر کر خوش ہوسکے اس مرتبہ عائشہ تنویر اور نورعین دونوں کی تحریریں اس معیار پر پوری اتریں اور طبیعت کی شگفتگی میں اضافے کا سبب بنیں۔ مزنہ سید کے آرٹیکل میں بھی خوب صورت پیغام تھا‘ مستقل سلسلے سب ہی اچھے تھے۔ کچن کارنر کی ڈشز ہم نے عید کے موقع پر بنائیں اور پھر خوب داد سمیٹی۔ آرائش حسن نے پارلر جانے کی زحمت سے امید ہے سب بہنوں کو بچالیا ہوگا کیونکہ ابتدا میں لکھا تھا ”اب پارلر جانے کی ضرورت نہیں“ پڑھ کر بھی نجانے کون کون گیا ہوگا‘ خیر ہمیں کیا ہم تو ویسے ہی...... غرض رمضان نمبر کے شمارے نے اپنا کام بخوبی نبھایا اور کہانی کے پیرائے میں اصلاح کا فریضہ بخوبی سرانجام دیا۔ اگلے ماہ پھر بھرپور تبصرے کے ساتھ شریک ہوں گے‘ اجازت فی امان اللہ۔

رمشا خالد...... کراچی۔ جوہی احمد کو رمشا کی جانب سے پرخلوص سلام اور عید مبارک۔ امید ہے عید کے تینوں دن سب نے انجوائے کیا ہوگا اور عید کے ساتھ بارش کے مزے بھی خوب لوٹے ہوں گے ویسے بھی اہلیان کراچی تو باران رحمت کے منتظر رہتے ہیں کہ کب برسے لیکن اس مرتبہ تو ایسے جل تھل ہوا کہ مزہ آگیا خیر آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ موسم کا احوال سنانے آئی ہیں یا تبصرہ کرنے تو وجہ یہ ہے کہ بارش‘ بادل‘ قوس و قزح کسے نہیں پسند اور ہم بھی اپنی پسند کے ہاتھوں مجبور ہیں ویسے پسند تو حجاب بھی ہے تو چلتے ہیں پھر حجاب کے شمارے کی جانب۔ آنی قیصر آرا سے بات چیت بے حد اچھی لگی‘ شگفتہ و شستہ انداز‘ حمد و نعت کیا کہنے تعریف کے لیے الفاظ نہیں‘ سبحان اللہ‘ ماشاء اللہ اور جزاک اللہ اتنا ہی کافی ہے۔ ذکر اس پری وش کا چاروں پریوں سے ہوئی ملاقات اور لاریب انشال تم ہو بے مثال‘ اب اتنی تعریف پر پھول مت جانا (مذاق)۔ رخ سخن میں تھیں براجمان عشنا کوثر سردار اور پرے سپاس گل کے خوب صورت سوالات کی بھرمار پڑھ کر بے حد مزہ آیا۔ آغوش مادر ماں کے بچھڑے کی المناک داستان‘ فاخرہ گل کی نمناک آنکھیں ہماری مژگاں یہ بھی موتی ٹکا گئیں۔ یہ ماں کے بناء پہلی عید یقیناً آپ پر گراں ہوگی لیکن اس میں بھی رب تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہوگی لہٰذا رونے کی بجائے دعاؤں کے گلدستے بھیجنا۔ افسانوں کی فہرست میں بہت سے ناموں نے توجہ اپنی جانب مرکوز کی۔ ”حیات ہوئی ماہتاب“ اچھی کاوش رہی ابھی کچھ بے قراری ہے پڑھ کر بے قرار وبے کل ہم بھی ہوئے مخصوص انداز ٹھہرا لہجہ و سنجیدہ انداز سابقہ دور میں لے گیا جہاں انا خودداری اور خاندانی رکھ رکھاؤ کو وقعت دی جاتی تھی۔ ”انگوٹھا چھاپ“ واقعی آج کل انہی انگوٹھا چھاپ لوگوں کا دور ہے کیا سیاست کیا وزارت ہر جگہ یہی جعلی ڈگریوں والے انگوٹھا چھاپ لوگوں کا راج ہے ویسے عائشہ تنویر نے ہلکے پھلکے انداز میں کافی گہری بات کی اور جو لوگ فیس بک کے دیوانے ہیں اور اپنے انگوٹھوں کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں یقیناً پڑھ کر بے تحاشا کھلکھلائے ہوں گے کہ ہمارا احوال کس نے لکھ دیا۔ نمرہ فرقان‘ مونا شاہ‘ مصباح مسکان کی تحریریں رمضان نمبر کے حوالے سے خوب تھیں سب میں کوئی نہ کوئی مثبت پیغام پوشیدہ تھا۔ نازک سی عورت واقعی صنف نازک‘ نازک ہی ہوتی ہے لیکن جب حالات ناسازگار ہوں یا نامساعد حالات کا شکار ہو تو چٹان کی مانند مضبوط بھی ہوجاتی ہے جیسے کہ اس تحریر میں بخوبی نظر آیا۔ ”خوب صورت عشق“ خوب صورتی سے اختتامی مراحل کی جانب گامزن ہوا جہاں محبت فاتح ٹھہری۔ ”یوں نہ چاہا تھا“ تو پھر کیا چاہا تھا وہ خوب واضح ہوا سمیہ عثمان کے انداز میں مؤثر کاوش۔ سلسلے وار ناولز اپنی دلچسپی ہنوز برقرار رکھے ہوئے ہیں مکمل ناول میں نورعین کے ناول نے دل موہ لیا حسن و سنگھار کی شوقین ہیروئن پڑھائی کے چکروں میں خوب الجھی اور یہ کیفیت ہوئی لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا مس اریما آخر نخچی خوری کا انجام بھی تو بھگتنا تھا ناں اب بھگتو ویسے اچھی بات یہ ہے کہ تم نے ماں کی گود سے لحد تک علم کا سلسلہ جاری رکھنا ہے اور رزلٹ کی ٹینشن ان سب نے مسکرانے پر مجبور کردیا خوب صورت تحریر‘ خوب صورت آغاز دلکش انجام‘ کیپ اٹ اپ۔ فضہ ہاشمی کی تحریر اختتامی مراحل میں دیکھ کر انتظار کی کیفیت سے جان چھوٹی اور محبت نے آخر کو اپنا آپ منوا ہی لیا‘ نک چڑھی ہیروئن بھی مان گئی وہ کہتے ہیں ناں انت بھلا تو سب بھلا باقی سب جانے دو۔ ثنا منیر نے شناسائی کے ذریعے شناسائی کے مراحل کامیابی سے طے کیے اپنی پہلی تحریر کے ذریعے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہریں۔ نادیہ احمد کی کہانی بھی اچھے موڑ پر ہے یقیناً سمیر کشمالہ کے جذبات کو پذیرائی نہیں بخشے گا اور مغرور حسینہ کا دل ٹوٹ جائے گا۔ آرٹیکل مزنہ سید کے انداز میں بے حد پسند آیا‘ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح دلکش و دلفریب تھے‘ آرائش حسن کے مفید مشورے

عید کے موقع پر سب کو سنائے اور پارلر جانے سے بچانے کی سب کو بہت کوشش کی لیکن یہ لڑکیاں سنتی کہاں ہیں پارلر میں جا کر ہی دم لیا یہ کہہ کر کہ مہندی تو لگوانی ہے ناں خیر کیا کہیے۔ ابتدائی صفحات سے لے کر اختتامی صفحات تک یعنی 290 صفحے کی آخری لائن تک پڑھ ڈالی ہر سلسلے نے' ہر کہانی نے بے حد متاثر کیا۔ عید کا شمارہ بھی اسی طرح دلکش و دل پذیر ہوگا اور ہمارے تبصرے کا منتظر بھی اس کے ساتھ ہی رمشاء خالد کو اجازت دیجیے اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ثناء فرحان...... ملتان۔ السلام علیکم! تمام قاری بہنوں اور مصنفین کو میری جانب سے عید کی خوشیاں اور دلی عید مبارک' کافی عرصے بعد پھر آپ سے مخاطب ہوں' مصروفیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ چاہ کر بھی اس محفل میں شامل نہیں ہوسکتی خیر آپ سب کے تبصرے ضرور پڑھتی ہوں اور آپ سب کے لیے دعا بھی کرتی ہوں کہ اللہ پاک سب کو خوش و خرم رکھے ساتھ ہی اپنی امان میں بھی' آمین۔ پچھلے کچھ مہینوں سے کوثر خالد محفل سے غائب ہیں شاید راستہ بھول گئی ہیں یا ڈاک ردی کی ٹوکری کی نذر ہو رہی ہے۔ جو بھی ہے انہیں محفل میں شامل کریں' ان کے بغیر زندگی ادھوری لگتی ہے۔ ملکہ پروین افضل شاہین تو ہر جگہ چھائی رہتی ہیں ان کے تبصرے بھی خوب صورت ہوتے ہیں مگر بہت ہی مختصر کبھی اپنی اس بہن کو بھی مخاطب کرلیا کریں۔ اب بات کرتے ہیں تحریروں کی' سلسلے وار ناول سے شروع کرتے ہیں ''میرے خواب زندہ ہیں'' الٰہی نادیہ فاطمہ کے خواب ہمیشہ زندہ رکھنا' آمین۔ تاکہ یہ یوں ہی اچھا اچھا لکھتی رہیں آپی آپ ماریہ کے ساتھ کیا کرنے والی ہیں کہیں اسے پھر سے تو غیر مسلم نہیں کردیں گی ویسے آپ بالکل ٹھیک دکھا رہی ہیں لیکن اس کی شادی میک سے ہرگز نہیں کروایئے گا۔ سونیا کے کردار کو واضح کریں وہ تو غائب ہی ہوگئی آپ اس کے کردار کو تھوڑا زیادہ لکھا کریں اور فراز بھی بس ہیلو ہائے کرنے ہی آتا ہے' قسط پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ بہت جلدی میں قسط لکھتی ہیں۔ ''دل کے دریچے'' اُف صدف آصف کمال تحریر ہے ہر قسط پڑھ کر بندہ وہیں پہنچ جاتا ہے شاہ ہاؤس ہو یا خان ہاؤس یوں لگتا ہے جیسے ہم بھی وہیں ہیں لیکن کیا آپ کو نہیں لگتا کہ سفینہ کے ساتھ غلط ہوا' اس کی شادی فائز سے ہی ہونی چاہیے تھی خیر ابھی تک شاہ اور سفینہ کے درمیان ایسی کوئی بات نہیں ہوئی جس پر محبت کا گمان ہو جبکہ فائز اور سفینہ کے سین زیادہ تھے پلیز شرمیلا کی شادی ہرگز فائز سے نہیں کروایئے گا اسے نبیل کی ہی دلہن بنادیں دونوں ہی ایک جیسے ہیں۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' جس خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے پڑھ کر مزہ آتا ہے۔ شاکرہ کا کردار مجھے پسند ہے جس طرح وہ علینہ کے ساتھ ضد بحث کرتی ہے پڑھ کر مزہ آتا ہے۔ آپی اسی طرح لکھا کریں۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' نائلہ طارق کی تحریر تھوڑی بور لگ رہی ہے' ہر جگہ وضاحت ہوتی ہے وہ سین جب رجاب کے ساتھ حادثہ ہوتا ہے پھر حاذق کا آنا اور زیور لے کر چلے جانا راسب کو اطلاع کرنا کیا واقعی ایک نشے میں مبتلا شخص یہ سب کرے گا؟ اگر اس کی جگہ عرش ہوتا تو...... وہ بھی تو لوگوں کی گاڑیوں میں گھومتا ہے خیر آپ بہتر جانتی ہوں گی' باقی دراج کا رویہ بھی مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا اگر بدلے کی آگ میں جل رہی ہے تو دوسری طرف صبغہ بھی تو اسے قبول نہیں کررہی اور زرکاش انہی کا بیٹا ہے کیونکہ وہ اپنی ماں کو جھٹلائے گا۔ یہ میری سوچ ہے' فضہ ہاشمی ''ایک حرف مکرر ہے محبت'' اچھی تحریر تھی شاید فضہ ہاشمی نئی لکھنے والی ہیں اور کم عمر بھی ہیں تحریر سے تو یہی اندازہ ہوا۔ ''ہزاروں خواہشیں ایسی'' خوب صورت تحریر پڑھ کر مزہ آیا اب پلیز نور عین غائب مت ہو جایئے گا ایسیں ہی تحریریں لکھتی رہیں تاکہ ہم قاری بہنوں کے ذہن تر و تازہ ہوجائیں۔ اریما کا کردار بہت پسند آیا' بے چاری بننے کے چکر میں پڑھتی ہی چلی گئی' اُف نادان' کوئی اور بہانا نہیں تھا اس کے پاس۔ شناسائی بھی اچھی تحریر تھی' عمیرہ کا انداز لیے ہوئے ثناء منیر کھوکھر دل میں گھر کرگئیں۔ ابھی کچھ بے قراری ہے' سیما بنت عاصم تو ہمیشہ کی طرح چھائی رہیں۔ نازک سی عورت ثمرین ادریس پہلی بار محفل میں شامل ہوئیں اور اپنی جگہ بنا گئی۔ ''انگوٹھا چھاپ'' بالکل عائشہ اب تو انگوٹھے کا ہی استعمال ہر جگہ رہ گیا ہے۔ غرض افسانے سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے کسی ایک کو بھی پڑھ کر بوریت نہیں ہوئی۔ منزہ سید کا آرٹیکل بھی شاندار تھا' مستقل سلسلوں میں عالم میں انتخاب' مدیحہ نورین اور پروین افضل چھا گئیں' شوخی تحریر میں مدیحہ کنول سرور نمبر لے گئیں' بزم سخن میں نورین انجم اعوان کا انتخاب پسند آیا۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ پاکستان کو قائم و دائم رکھے اور ہر مسلمان کی پریشانی دور فرمائے جو بیمار ہیں انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے' آمین' اللہ نگہبان۔

نرمین سرھیو...... حیدرآباد۔ اسلام علیکم! ٹائٹل اچھا لگا خاص کر کپڑوں کا امتزاج' فہرست میں عائشہ تنویر اور حمیرا نوشین کے نام دیکھ کر از حد خوشی ہوئی (جان پہچان والی جو ہوئیں)۔ آغوش مادر میں فاخرہ کے لیے کہنا چاہوں گی اللہ فاخرہ گل کو صبر دے (آمین) صدمہ بھی تو بہت بڑا ہے۔ حمد و نعت اچھے رہے' ذکر اس پری وش کا میں سب تعارف اچھے رہے خاص کر شہرینہ میر کا۔ رخ سخن میں عشنا کوثر سردار کا انٹرویو خوب رہا۔ آغوش مادر پڑھ کر دل بوجھل ہوگیا۔ بے شک ہر اولاد کے لیے اس کی ماں آئیڈیل ہوتی ہے۔ چھوٹے ہوتے ہیں تو باپ سے زیادہ ماں کی بات پر یقین ہوتا ہے پھر شعور آتا ہے تو پہچان ہوتی ہے۔ اللہ فاخرہ گل کی ماں کو بلند

مقام عطا کرے آمین اور فاخرہ گل کو عبر دے آمین۔ ''ہزاروں خواہشیں ایسی'' از نورعین......

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
نکلے نہ نکلے مگر آہ ہم پر بس ستم نکلے

(شاعر سے معذرت کے ساتھ) کہانی پڑھ کر بے ساختہ کہ آہ یہ زندگی ہمارے منہ سے نکلا (سچ میں نکلا تھا اب آپ اعتبار کریں نہ کریں)۔ عمدہ کہانی اور موضوع اف...... کیا کہوں سب لاجواب۔ اللہ ایسے حالات سے سب کو بچائے۔ اب اگر وہ تیجی نہ بھگارتی تو تیسرا درجہ مل جانا تھا اسے۔ نا جانے اریما کی یہ حرکت درست تھی یا نہیں لیکن حالات کی رو سے بالکل ٹھیک تھی۔ عمر اس لحاظ سے ایسے اچھا تھا کہ بیٹی کے لیے کہا کہ وہ اپنی فیلڈ خود چنے گی جبکہ اریما کے باپ کا رجحان ہی میڈیکل کی طرف تھا جو کہ ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے اس وجہ سے کتنے ہی لوگ اذیت اٹھاتے ہیں۔ اللہ زورِ قلم قائم رکھے آمین۔ ''حیات ہوئی مہتاب'' از حمیرا نوشین کہانی کا پلاٹ عمدہ رہا خاص کر بچے کی کہانی جملوں کی ترتیب بھی اچھی لگی اللہ قلم کی روانی قائم رکھے آمین۔ ''شناسائی'' از ثنا منیر کھوکھر کہانی میں اختتام تک تجسس رہا' اختتامی جملوں نے دل موہ لیا یہ تو سچ ہے کہ لوگ ہماری سوچ کو فینٹسی اور غلط چیزوں سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ صرف عزت ہی تو مانگی ہوتی ہے' کاش یشب سب کے سامنے اعتراف جرم کا حوصلہ بھی رکھتا۔ افسوس ماہین کی بے وقوفی' درحقیقت تو ماہین جیسے لوگ فینٹسی میں رہتے ہیں اور بدنام دوسرے ہوتے ہیں۔ اللہ زورِ بیاں قائم رکھے آمین۔ ابھی کچھ بے قراری ہے از سیما بنت عاصم کہانی میں الفاظ کا چناؤ اور لکھنے کا انداز منجھا ہوا تھا۔ جمیلہ جیسے لوگ عجب حال میں ہوتے ہیں' کہانی وہ ہوتی ہے' جس میں کوئی سبق ہو شاید یہ میرا ناقص علم ہے کہ سبق صحیح طور مجھ پر واضح نہ ہوسکا' اللہ آسانیاں پیدا کرے آمین۔ ''نازک سی عورت'' از ثمرین ادریس پڑھ کر اچھا لگا لیکن ایسا لگا کہ ساری کہانی جلدی میں لکھی گئی ہو اور کچھ ادھورا سا لگا۔ لکھنے کا انداز پختہ تھا لیکن گویا جلدی لکھنے میں کچھ کمی سی رہ گئی ہے ابھی شروعات ہے تو شاید اس وجہ سے ایسا رہا' اللہ ثمرین کے لیے لکھنے میں آسانی کرے اور زورِ قلم کو قائم و دائم رکھے آمین۔ ''ایک حرف مکرر ہے محبت'' از فضہ ہاشمی زبردست کہانی' طویل اور تجسس سے بھرپور کہانی احساسات کا بیان بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ رویوں کے ساتھ بھی بھرپور انصاف کیا گیا ہے' بس ایک الجھن رہی کہ حسن کا ایکسیڈنٹ کیسے ہوا اور فلک ناز وہاں کیسے رہی اور حسن کی بیٹی کہاں گئی؟ اللہ ترقی نصیب فرمائے آمین۔ شکر و نمائش از مونا شاہ خوب دونوں طرف سے موازنہ کیا گیا' نا صرف فرق بلکہ احساسات اور تربیت کو بھی خوبصورت انداز میں بیان کیا' اللہ مزید ترقی دے آمین۔ ''یوں نہ چاہا تھا'' از سمیہ عثمان کہانی اچھی رہی انسانی سوچ اور رویوں کو بہت خوب صورت انداز میں تراشا گیا۔ شزا کی سوچ حالات اور رویوں کا ردِعمل تھی' اللہ آسانیاں پیدا کرے آمین۔ ''انگوٹھا چھاپ'' از عائشہ تنویر' بہت ہی پیاری لڑکی کی بہت ہی پیاری کہانی ایسا لگا کہ عائشہ کی خود کی کہانی ہے حرف بہ حرف سچ' واقعی یہ انگوٹھا فخر کا باعث ہے' کبھی اس بارے سوچا نہیں تھا اتنا کارآمد نکلے گا لکھنے کا انداز بھی پختہ اور اچھا رہا بس شروع میں تھوڑا سا الجھاؤ ہوا کہ آگے کیا ہوگا لیکن آگے کے فوائد سن کر مزہ آگیا۔ اب تو بندہ اطمینان سے کہہ سکتا ہے کہ ہاں میں انگوٹھا چھاپ ہوں' اللہ قلم کا زور قائم رکھے۔ ''سفید پوش'' از نمرہ فرقان مختصر مگر عمدہ کہانی ایسا لگا ساری کہانی اس اقتباس پر لکھی گئی ہے ''وہ رب ہے نا وہ ہے نا ہمارا سہارا وہ سب کرے گا'' کہانی میں مثال بھی اچھی دی گئی۔ سفید پوش لوگوں کا بھرم اللہ ہی رکھتا ہے اللہ آپ کی ترقی اور زورِ قلم میں آسانیاں دے۔ ''یہ راہ مشکل'' نہیں از مصباح مسکان عمدہ طرز تحریر عمدہ کہانی اور لاجواب سبق رضیہ بیگم جیسے لوگ قیمتی ہوتے ہیں مگر کبھی تو نایاب ہوتے ہیں اگر ہم کچھ لوگ بھی کوشش کر کے دیے سے دیا جلائیں تو مشعلِ راہ خود بن جائے گی جو دوسروں کو راہ دکھائے گی ویسے سبق کو کہانی میں مزید اجاگر کیا جاسکتا تھا' اللہ زورِ قلم کو ترقی دے آمین۔ ''خاص ہیں ہم'' از عزنہ سید عمدہ تحریر نا صرف لفظوں کا چناؤ اچھا تھا بلکہ لکھنے میں پختگی نمایاں تھی۔ تحریر نے حرف بہ حرف دل پر اثر کیا کچھ ایسی ہی سوچ میری بھی ہے' اللہ ترقی دے آمین۔ حسن خیال میں سب کے تبصرے اچھے رہے۔ ''جیسا میں نے دیکھا'' از رفاقت جاوید' لفظوں کے چناؤ اور انداز بیاں نے خوب گرفت میں لیا۔ پڑھتے پڑھتے معلوم ہی نہ ہوا کہ کب تحریر ختم ہوئی ہر بار کی طرح یہ تحریر بھی پروین شاکر کے حوالے سے عمدہ رہی بلکہ میں تو اس سلسلے کو بہترین قرار دیتی ہوں۔ پروین شاکر لکھتی گئی بغاوت کرتی گئی کیونکہ بقول رفاقت جاوید کچی ناپختہ اور ناتجربہ کار عمر کے جذبے جوان تھے' اس تحریر کے لیے میں بس پروین شاکر کا شعر لکھوں گی۔

پھول کے سارے دکھ
خوشبو بن کر بہہ نکلے ہیں

بزمِ سخن میں سب کے شعر اچھے رہے لیکن نورین انجم اعوان، فہمیدہ خالق، پروین افضل شاہین، ماروی یاسمین، سحر حسین، فرح

الطاف، نازیہ بشیر، ماریہ ذکی، نینا شاکر، اقصیٰ مہتاب اور عروسہ ناز کے خاص طور پر اچھے لگے۔ کچن کارنر میں سدرہ شاہین کی ریشمی قیمے کی کچوریاں منفرد لگی اور پسند آئی' ان شاء اللہ کسی دن ٹرائی بھی کروں گی۔ ارادہ بنالیا ہے بس اب یہ سستی چھوڑے مجھے (اتنی جو محبت ہے مجھ سے اسے)۔ آرائشِ حسن میں عرقِ گلاب کے فوائد کارآمد لگے اور دیسی ٹوٹکوں کی تو میں ویسے ہی دیوانی ہوں' سوچ رہی ہوں بیسن کا ماسک بنالوں بس یہ بتادیں اسے بنا کر پریزرو (محفوظ) کیسے کرتے ہیں۔ عالم میں انتخاب میں سب انتخاب اچھے لگے لیکن خاص طور پر صبا ئیشل، نادیہ احمد، حسن اختر، مہوش عدیل، راؤ رفاقت علی اور نسرین اختر کے بہت زیادہ اچھے لگے۔ شوخیٔ تحریر میں سب اچھا تھا لیکن خاص کر اللہ کی یاد، عید ایسے منائی ہوگی، اقوال حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، خوشی، ہائے میری دنیا، وطن اور تتلی بہت اچھے لگے۔ ہومیو کارنر لاجواب رہا۔ پڑھتے پڑھتے خیال آیا کہ خون کی کمی کو anemia نہیں کہتے بلکہ آئرن کی کمی کو anemia کہتے ہیں سمجھ لیں یہ مخصوص نام ہے اس کا۔ عمدہ اور لاجواب معلومات۔ اگلی بار میری فرمائش ہے کہ ہیومن گروتھ ہورمن (human hormonegrowth) کے صحت مند افراد پر اثرات کے بارے میں بتایا جائے۔ شوبز کی دنیا پڑھ کر بھی مزہ آیا۔ ٹوٹکے میں کیا خوب معلومات دی گئی ہیں۔ آج کل مائیں پرانے طرز کو اپناتی نہیں، کوئی مشورہ دے تو چڑتی ہیں اور جب بچہ بیمار ہو تو وہمی بن جاتی ہیں۔ یرقان کے متعلق زرخیز معلومات بہت معاون ثابت ہوں گی کیونکہ بنیادی بیماری کے علاج کی واضح تدبیر بتائی گئی ہے۔

☆ ڈیئر زمین! اگر تحریر غور سے پڑھیں تو آپ کو حسن اور فلک ناز کے رشتے کا معلوم ہوجائے گا اور فضہ ہاشمی نے فلک ناز کو فوکس کیا تھا۔

سائرہ رائو...... دنیاپور۔ السلام علیکم! خوبصورت سرورق والا جون کا شمارہ ہاتھ میں آیا تو دل خوش ہوگیا۔ ماڈل گرل کو دیکھتے ہی دل نے کہا "واہ کتنی پیاری لگ رہی ہیں" مدیرہ کی "بات چیت" سنی بالکل ٹھیک کہا آپا نے۔ حمد و نعت سے فیض اٹھایا اس کے بعد ہم نے دوڑ لگائی اپنے پسندیدہ ناول "دل کے دریچے" کی طرف اس کی وجہ یہ ہے کہ کہانی میں جو ٹوئسٹ آیا ہے۔ اس سے ہم بھی ٹوئسٹ ہوکر رہ گئے ہیں۔ صدف آصف آپی اب سفینہ کے ساتھ مزید کچھ برا مت کیجیے گا۔ نبیل کا تو حال برا کرنے کا دل چاہتا ہے اور فائز کی حالت پر ترس آتا ہے۔ یہ ناول بہت زبردست انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کے بعد باری آئی نائلہ طارق کے ناول "شب آرزو تیری چاہ میں" ایک اچھے انداز میں لکھا ہوا ناول جس میں عرش کا کردار کمال کا ہے۔ دراج کے خطرناک تیور اور رجاب کی حالت بہت دکھ دیتی ہے۔ کہانی کا تسلسل جکڑے ہوئے ہے۔ نادیہ فاطمہ رضوی کا ناول بھی "میرے خواب زندہ ہے" اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔ نادیہ آپی کے ناول "ڈھل گیا ہجر کا دن" نے اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے' آپی اچھا لکھ رہی ہیں۔ آسیہ کے ماضی نے افسردہ کردیا۔ خاور سے محبت ملی نہ ہی عامر سے عزت اور مان۔ اف۔ علینہ مشکلات میں الجھی پیاری لڑکی' اس کی مشکلات ختم کردیں۔ شہباز کا گھٹیا پن آنکھوں میں چبھتا ہے۔ رخِ سخن میں عشنا آپی سے مل کر دل باغ باغ ہوگیا۔ ان کے لکھنے کا انداز جداگانہ ہے۔ آغوشِ مادر نے دل کو گداز کردیا۔ فاخرہ گل آپی کی والدہ کی رحلت کا پڑھ کر آنکھیں نم ہوئیں۔ اللہ جی ان کے درجات بلند فرمانا۔ "ذکرِ پری وش" کا تعارف زبردست تھے۔ فضہ ہاشمی نے بھی بہت عمدہ لکھا، واقعی وقت بدلتے ہی اپنوں کا پتا چل جاتا ہے۔ فلک ناز نے بھی اپنے ہونے کا پتا دیا۔ اس کے بعد افسانے پڑھے۔ مونا شاہ' عائشہ تنویر اور سمعیہ عثمان بازی جیت گئیں۔ صدف آصف آپی اور راؤ رفاقت بھائی کے انتخابات بہت اچھے لگے۔ حسن خیال میں اپنا تبصرہ چھپنے پر گھر بھر سے مبارک باد وصول کی۔ سعدیہ عابد کو پہلا انعام جیتنے پر مبارک باد قبول ہو۔ حجاب نے جس تیزی سے اپنا نام بنایا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ صدف آپی' صبا ایشل آپی اور ماورا طلحہ اور حجاب آنچل کے تمام پڑھنے والوں کو عید مبارک اور اللہ حافظ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ ہم سب کو نیکی کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آفات و بلیات سے سب کو محفوظ رکھے آمین۔

 husan@aanchal.com.pk

مرض کی خارجی اسباب

External Couse

بیرونی یا خارجی اسباب سے مراد وہ عوامل ہیں جو کہ انسانی جسم کے اردگرد کے ماحول میں پیدا ہو کر انسانی جسم پر اثر انداز ہو کر بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ اگر بیرونی حالات کو بہتر کیا جائے تو تکالیف خودبخود ٹھیک ہو جاتی ہیں یا پیدا ہی نہیں ہوتیں۔

خارجی اسباب میں مندرجہ ذیل عوامل کا گہرا تعلق ہے۔

جراثیم یا انفیکشن

(BecterialInfection)

جراثیموں کی سب سے عام قسم جو کہ زیادہ تر امراض کا باعث بنتے ہیں، نمونیہ، ٹائیفائڈ، گردن توڑ بخار بیکٹیریا سے پیدا ہوتے ہیں۔

وائرس ان کا حملہ خلیات کے مرکزہ میں موجود ڈی این اے میں دخول پر مبنی ہوتا ہے، وائرس سے خسرہ انفلوائنزہ اور نزلہ وغیرہ ہوتا ہے۔

فضائی آلودگی

ایسی فضا جو حفظانِ صحت کے اصولوں کے منافی ہو یہ فضا آلودگی سے بھری ہوتی ہے جس میں دھوئیں کے بخارات کارخانوں سے نکلنے والی گندی گیس، جراثیم، نامیاتی ذرات اور مختلف جراثیموں کے انڈے (ova) سب کچھ فضا میں موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے پھیپھڑوں کے امراض، حلق کی بیماریاں عام پائی جاتی ہیں مثلاً سانس کی نالی کی سوزش (Phertingitis) ناک کی جھلی کی سوزش (Rhenitis) ورم حلق (Synocytis) وغیرہ۔

پانی کی آلودگی

ہم جو پانی پینے اور کھانے پکانے کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ پانی جراثیم سے بھرا ہوتا ہے اس سے پرانی پیچش کے علاوہ پیٹ کے کیڑوں وغیرہ کی شکایت پیدا ہو سکتی ہے۔

آب و ہوا

آب و ہوا سے چند امراض یعنی ہوا یا موسم بڑی حد تک کسی بیماری کو پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں تو دوسری طرف آب و ہوا امراض کو ٹھیک بھی کرتے ہیں مثلاً اگر کسی اونچائی کے مقام پر تپ دق کے مریض کو لے جایا جائے تو اس کے مرض میں افاقہ ہو جاتا ہے اس کے برعکس اکثر لوگ ٹھنڈے موسم میں دمے (Asthma) کا شکار رہتے ہیں، کچھ افراد نزلہ کا شکار رہتے ہیں۔ بعض افراد کسی مخصوص آب و ہوا جیسے گرم یا سرد موسم میں نظام ہضم کی خرابی کا شکار رہتے ہیں، بعض لوگوں کو سرد آب و ہوا میں جوڑوں کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں پیشاب کی جلن اور تلوے جلنے کی شکایت اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

صفائی (Cleanliness)

اپنی صفائی کا خیال نہ رکھنے والے افراد جلد کی بیماریوں جیسے داد (Eczema)، غدود کا ورم (Folliculitis) اور خارش کا شکار ہوتے ہیں۔ جسم کے مختلف حصوں کو بار بار کھجانے سے زخم پڑ جاتے ہیں، گندہ جسم کئی جراثیموں کا گھر ہوتا ہے اور ایسے افراد اکثر پیٹ کے امراض، آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر نشے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

غذا

روزمرہ کے کھانوں میں انسانی جسم کو توانائی پہنچانے والے اور اس کی صحت کو برقرار رکھنے والے اجزاء کو غذا کہا جاتا ہے۔ اگر کھانے میں جراثیم وغیرہ شامل ہو جائیں تو انسان کو پیچش وغیرہ لاحق ہو جاتے ہیں۔

غذائی اجزاء اگر کم مقدار میں استعمال کیے جائیں تو جسمانی ضرورتوں کو پورا نہیں کیا جا سکتا جس کی وجہ سے انسان کی قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے اور انسان مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً بخار یا جسمانی کمزوری یا بیری بیری کا مرض، کچھ افراد کو مختلف خوراک جیسے انڈا، مچھلی وغیرہ کھانے سے الرجی ہو جاتی ہے۔ غذا میں زہریلے یا کیمیائی مادے اگر شامل ہو جائیں تو بھی جسم انسانی بیمار ہو جاتا ہے عام طور پر نکس وامیکا یا آرسنیکم جیسے زہر مشہور نکس سے پیٹ میں مروڑ اور جلن وغیرہ کے ساتھ اعصابی کمزوری اور تشنج جبکہ آرسنیکم سے بے ہوشی اور سخت گرمی کے فوراً بعد موت ہو سکتی ہے۔

لباس

لباس سے بیماریاں پیدا ہونے کی دو وجوہات ہیں، اول تو لباس کا گندا ہونا دوسرا لباس کا ناموافق ہونا بھی، تنگ ہونا، ریشمی

کپڑا استعمال کرنے والوں میں ایک ایسی جلدی بیماری پائی جاتی ہے جو کہ خملی کپڑے میں رہنے والے ایک کیڑے سے پیدا ہوتی ہے۔ خارش پیدا کرنے والے جراثیموں میں ایک نام Scabies بڑا اہم ہے۔ تنگ لباس استعمال کرنے سے جسم کی اصل شکل خراب ہوسکتی ہے اور جسم کے اعضاء کے افعال میں بھی خرابی پیدا کرسکتی ہے تنگ لباس میں سے ہوا کا گزر بھی نہیں ہوسکتا۔

ورزش

مناسب ورزش جسمانی افعال کو درست کرتی ہے دوران خون کو بڑھاتی ہے۔ ورزش کی زیادتی AcuteCardiacFailure دل کے فیل ہوجانے کا باعث بن سکتی ہے اگر ورزش کرنے کے بعد جسم سے پسینے کے اخراج میں کسی قسم کی کمی ہوجائے تو حدت یعنی گرمی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ بخاری کی حالت ہوجاتی ہے تلوے جلتے ہیں بلکہ پورا جسم اور آنکھیں جلتی رہتی ہیں ورزش کی زیادتی ہائی بلڈ پریشر یا لو بلڈ پریشر کا باعث بنتی ہے۔ ورزش کرتے ہوئے وزنی اشیاء اٹھانے میں احتیاط نہ کی جائے تو ہرنیا یا ناف کی تکالیف پیدا ہوسکتی ہیں مثلاً ناف کا ٹل جانا زیادہ ورزش گردوں کے افعال میں بھی خرابی پیدا کرسکتی ہے اگر ورزش بالکل ترک کردی جائے تو سستی کاہلی موٹاپا بدہضمی جسم میں درد کی شکایت اکثر رہتی ہے۔

طبعی اشعاعیں

کائنات کے مختلف عناصر مختلف اشعاعیں کا اخراج کرتے ہیں جیسے الفاریز یا گاماریز۔ عام طور پر ایکسرے کی مثال دی جاسکتی ہے ایکس ریز دراصل Gamma Rays ہوتی ہیں جو کہ جسم کے مختلف حصوں سے گزر کر اعضاء میں پیدا شدہ خرابی کو ایکس ریز فلم پر منتقل کرتی ہیں تاکہ امراض کی تشخیص ہوسکے جہاں سے ایکس ریز گزرتی ہیں ان اعضاء کے خلیے اور بافتیں متاثر ہوتے ہیں۔

جدید تحقیقات نے کچھ حد تک ثابت کردیا ہے کہ جن بافتوں کو ایکس ریز سے نقصان ہوتا ہے وہ بافتیں Tissues کینسر کے خلیات میں تبدیل ہوسکتی ہیں اور بیضہ دانی ovary کو بھی ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے اس طرح اگر دوران حمل جنین کا ایکس ریز کیا جائے تو جنین کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

ایٹم بم کے دھماکے کے بعد جو شعاعیں خارج ہوتی ہیں وہ بھی XRays نوعیت کی ہوتی ہیں۔ کینسر کے خلیات کو جلانے کے لیے Nickel اور کوبالٹ Cobah سے خارج ہونے والی شعاعوں کی مدد لی جاتی ہے لیکن جہاں یہ کینسر کے خلیات کو جلاتی ہیں وہاں یہ عام صحت مند بافتوں کو بھی نقصان دیتی ہیں۔

خاص اسباب SpecialCauses

ایسا بیرونی صدمہ جس میں جسم کی کوئی چیز ضائع ہوئے جسمانی نظام میں خرابی پیدا ہوجائے مثلاً بجلی کے جھٹکے کی صورت میں جسمانی نظام میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔

کسی فرد کو ذہنی یا نفسیاتی طور پر کسی ایسی صورت حال کا سامنا ہو جس کی بناء پر اس فرد کے دماغ میں موجود خون کے دباؤ اور شریانوں کے خاص حد تک سکیڑنے والے مراکز مفلوج ہوجائیں جس کی وجہ سے پورے جسم کے خون کا دباؤ بڑی حد تک کم ہوجائے اور صدمے کی مخصوص علامات پیدا ہوجائیں۔

کوئی شخص گرمی میں سے آکر ورزش کرکے ایک دم ٹھنڈا پانی پی لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دم بے ہوش ہوجاتا ہے جس کو Coldreflex کہتے ہیں ایسے شخص کی صدمے Shock سے کومہ کی حالت میں موت واقع ہوسکتی ہے۔

اگر کسی فرد کو کسی سخت چیز یا کسی مشین یا ایکسیڈنٹ سے نقصان پہنچے تو اس کو Machanical Injury (مکینیکل انجری) کہتے ہیں۔

جنسی اسباب (GenitalCause)

خاص اسباب میں تولیدی اعضاء کی بیماریاں بھی شامل ہیں مثلاً بے راہ روی کی وجہ سے جسمانی افعال میں کمزوری اور خاص طور پر سوزاک یا آتشک کا لاحق ہونا۔

عورتوں میں ہارمونز کی تبدیلیوں کی وجہ سے بلوغت کی علامات اور ہارمونز کی خرابی کی وجہ سے لیکوریا بانجھ پن سوزاک اور آتشک وغیرہ ہوسکتا ہے۔

ٹینشن اور ڈپریشن سے کیسے بچا جائے؟
ٹینشن اور ڈپریشن سے کیا مراد ہے؟

ٹینشن سے مُراد تناؤ، پریشانی اور ذہنی دباؤ ہے جبکہ ڈپریشن سے مُراد اُداس، افسردہ اور مایوس رہنا ہے۔

ٹینشن اور ڈپریشن دور جدید کے عام ذہنی اور اعصابی مرض ہیں۔ آج کے دور میں تقریباً ہر انسان آپ کو ٹینشن اور ڈپریشن کا شکار نظر آئے گا۔ جس میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر ٹینشن لینا، افسردہ اور مایوس ہونا ہماری عادت بنتی جا رہی ہے۔ جیسے ایک طالب علم کی زندگی دیکھ لیجیے۔

اسائنمنٹ کی ٹینشن۔
پریزینٹیشن کی ٹینشن۔
امتحانوں کی ٹینشن۔
رزلٹ کی ٹینشن۔

دوست ناراض ہوگئی ہے تو ٹینشن۔ (چاہے جان بوجھ کے بات بات پہ ناراض ہونا اُس کی عادت ہو۔)

غرض یہ کہ ایسی بے شمار ٹینشن۔ ہر انسان کی زندگی میں ٹینشن کی نوعیت مختلف قسم کی ہوتی ہے۔

لیکن کیا آپ جانتے ہیں؟

زبردستی مُسکرانا ڈپریشن کا باعث بن سکتا ہے۔ دائمی ڈپریشن کے شکار افراد اکثر ہارٹ اٹیک سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں کیونکہ ڈپریشن سے مجموعی طور پر صحت متاثر ہوتی ہے۔ ٹینشن کی وجہ سے اکثر اوقات سر میں درد رہتا ہے۔ اُس انسان کے انداز گفتگو اور عادت پر ڈپریشن کا گہرا اثر دیکھنے میں آتا ہے۔ انسان مستقل طور پر منفی سوچنے کا عادی ہو جاتا ہے اُسے ہمیشہ ہر چیز کا صرف تاریک پہلو ہی دکھائی دیتا ہے اس طرح اُس کی زندگی اجیرن ہو کے رہ جاتی ہے۔ ٹینشن کی وجہ سے اکثر اوقات بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے۔ جسم میں بیماریوں کے خلاف لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ تمام اعصاب ذہنی تناؤ کی وجہ سے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اعصابی تناؤ کی وجہ سے بھوک بالکل بھی نہیں لگتی نہ کھانے کو دل کرتا ہے۔ اس سے جسمانی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات تناؤ کی وجہ سر کے بال وقت سے پہلے سفید ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بال گرنا بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ جلد بھی ڈھلک جاتی ہیں۔ اور جھریاں پڑنے لگتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ٹینشن اور ڈپریشن سے کیسے بچا جائے؟

ہم ٹینشن اور ڈیپریشن میں تب ہوتے ہیں جب ہم کسی مشکل میں پھنسے ہوتے ہیں تو ایسے میں ہمیں اپنی مشکل کا حل ڈھونڈنا چاہیے نا کہ ٹینشن اور ڈیپریشن کو خود پہ سوار کر لینا چاہیے۔

پروفیسر ونکل مین کہتا ہے کہ
"جب تک دماغ کو پریشانی اور تشویش سے فراغت نہ ہو اور دل جمعی اور تسکین پوری میسر نہ ہو یا کم از کم کوئی بھی ایسا معاملہ درپیش ہو جو خدوخال پر اثر پیدا کرنے والا ہو تب تک مکمل جسمانی تندرستی اور صحت کا حصول ناممکن ہے۔

اگر آپ مکمل صحت کی دولت چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے دماغ سے منفی خیالات اور سوچوں کا خاتمہ کر کے اُن کی جگہ مثبت خیالات اور سوچوں کو جگہ دیں۔ افسوس اور غم کی جگہ خوشی اور مسرت کی عادت ڈالیں۔

رنج اور غصیلی طبیعت کی جگہ محبت اور خوش مزاجی پیدا کریں۔ ایسا کرنے سے آپ کسی حد تک ٹینشن اور ڈپریشن سے نکل آئیں گے۔

اس کے علاوہ تناؤ کم کرنے کے بہترین حل یہ ہیں کہ

☆ آپ تنہائی میں دل کھول کے رو لیں۔ اس سے آپ کے اندر کا غبار نکل جائے گا اور آپ بہتر محسوس کریں گی۔

☆ کسی بھی مسئلے کو لے کے اُس کے بارے میں منفی رائے قائم کرنے سے گریز کریں۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے اُس مسئلے پہ سوچیں اور اُس کے مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھ کے کوئی فیصلہ کریں۔

☆ ذہنی دباؤ سے چھٹکارا پانے کے لیے خوش رہنے کی کوشش کیجیے۔ زبردستی نہیں لیکن دل سے مسکرایئے۔

☆ جو باتیں آپ کو اچھی نہیں لگتیں جن سے آپ ٹینشن کا شکار ہوتے ہیں بہتر ہوگا آپ اُنہیں نظر انداز کر کے کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھیں۔

☆ ڈپریشن کو ختم کرنے کے لیے آپ رات کو جلدی سونے کی کوشش کیا کریں۔ تا کہ آپ کی نیند پوری ہو سکے اور آپ بہتر محسوس کر سکیں۔

☆ نماز اور قرآن پاک باقاعدگی سے پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ اس سے آپ کو ذہنی اور قلبی دونوں سکون میسر ہوں گے۔

☆ اپنی جسمانی صحت کو قائم رکھنے کے لیے صبح کی سیر میں تازہ ہوا خوری کی جائے اور ہلکی پھلکی ورزش اور یوگا آپ کو سارا دن فٹ رکھے گا۔

☆ ڈپریشن سے بچنے کے لیے آپ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو اُجاگر کریں۔ جن میں ڈرائینگ، پینٹنگ اور تحریری سرگرمیاں شامل ہیں۔

☆ ٹینشن اور ڈپریشن سے بچنے کے لیے خود کو مصروف رکھیں۔ جب آپ مصروف رہیں گی تو منفی خیالات آپ کے ذہن میں جگہ نہیں بنا سکیں گے۔

ٹینشن اور ڈپریشن کا طب نبوی سے علاج:

نبی کریم ﷺ کے مطابق ٹینشن (ذہنی دباؤ) کے علاج کے لیے سب سے پہلے تو اللہ پہ یقین قرار دیا ہے اور پھر یاحی یا قیوم کے ورد کو آپ نے اس مرض کی شفاء بتایا ہے۔ (کتاب۔ سنت نبوی ﷺ)

ان تمام باتوں پہ عمل کرنے سے آپ ٹینشن اور ڈپریشن سے بچ سکتے ہیں۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ اللہ تعالٰی کے ہوتے ہمیں پریشان یا مایوس ہونے کی ذرا بھی ضرورت ہے۔ کیا آپ نے یہ نہیں سُنا؟

''یہ نہ دیکھو کہ آپ کی پریشانی کتنی بڑی ہے بلکہ یہ دیکھو کہ آپ کا اللہ کتنا بڑا ہے۔

اور یہ کہ مایوسی کفر ہے۔''

اس لیے بہتر ہے کہ اپنی ساری پریشانیاں اللہ کے حوالے کر دو۔ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں آپ بس اپنی زندگی میں محنت کو شعار بنا لیں اور اللہ پہ کامل یقین رکھیں وہ آپ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ یقین نہیں تو آزما کے دیکھ لیجیے۔

صباحت رفیق......گوجرانوالہ

مہندی کے رنگ